هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ

الفرقان (بریلی)

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی ۱۳۵۳
میں ہر قسم کی علمی مذہبی کتابیں نہایت سستی ملتی ہیں

Printer & Publisher M. M. Nomani at the Bareilly Electric Press, Bareilly,

چندہ سالانہ
قسم اول
تین روپے
سے

ممالک غیر سے
قسم اول
سات شلنگ
پیشگی

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

الفرقان بریلی

1936

جلد ۶ | بابت ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۵۶ھ | نمبر ۱

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	افتتاح جلد ششم	مدیر	۲
۲	التجا بہ بارگاہ صمدیت (نظم فارسی)	مولٰنا ارشاد حسین صاحب رشید شاہجہانپوری	۳
۳	نگاہ اولیں	مدیر	۴-۵
۴	عبرت کی باتیں	مدیر	۶
۵	لکھنؤ کا ۱۲ ربیع الاول والا جلوس	مدیر	۷-۸
۶	ساقی نامہ (نظم)	حضرت ابن ندیم دفا	۹
۷	اسلامی فلسفے	مولٰنا سید ابوالحسن علی ندوی استاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۱۰-۱۷
۸	شاہ ولی اللہ نمبر کے دوسرے اڈیشن کا اعلان	مدیر	۱۸
۹	تسامحات گیلانی	مولٰنا مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی	۱۹-۴۰
۱۰	قابل رشک موت	حضرت مولٰنا اعزاز علی صاحب مدظلہم العالی	۴۱-۴۶
۱۱	معرکہ قادسیہ (نظم)	حضرت اثر زبیری لکھنوی	۴۷-۴۸
۱۲	ایک ہفتہ بمبئی میں	محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ	۴۹-۵۶

ضروری نوٹ (۱) براہ کرم خط وکتابت اور منی آرڈر کے ساتھ اپنا نمبر خریداری ضرور لکھئے

(۲) ولی اللہ نمبر کے دوسرے اڈیشن کیلئے فرمائش بھیجتے وقت اسکا لحاظ رکھئے کہ آئندہ اسکا محصول ڈاک مع فیس رجسٹری ۸ رہوگا۔

(۳) اس دوسرے اڈیشن کی کچھ جلدیں مجلد بھی تیار کرانے کا ارادہ ہے جلد اڈیشن ہی کی طرح خوبصورت ہوگی مجلد کی قیمت عہ ہوگی۔

(۴) جن حضرات نے نمبر رجسٹری سے نہیں منگوایا تھا ان کو حسب اعلان پوسٹنگ سارٹیفکیٹ حاصل کرکے روانہ کیا گیا ہے۔ لیکن آئندہ بلا رجسٹری کسی صاحب کو روانہ نہیں کیا جائیگا۔

ناظم الفرقان بریلی

اِفتتاحِ جلدِ ہشتم

بِسمِ اللّٰہِ مجریٰھا و مرسٰھا اِنّ ربّی لغفورٌ رحیم

اَلحمدُ للّٰہ وسلامٌ علیٰ عبادِہِ الّذین اصطفیٰ

ربّنا اٰتنا من لدنک رحمۃً وّھیّئ لنا من امرنا رشدًا

حق جل مجدہ کے فضل و کرم اور محض اس کی توفیق سے "الفرقان" اپنے سفر کی سات منزلیں طے کر چکا اور آٹھویں منزل کی طرف آج اس کا پہلا قدم اٹھ رہا ہے فَللّٰہ الحمد و لِکُلّ شَیٔ اجلٌ مُسمّٰی۔

جس قادر و قیوم نے اتنا راستہ طے کرایا آئندہ بھی اسی پر بھروسہ اور اسی سے دستگیری کی التجا ہے کہ بس وہی کارساز اور رہنما ہے، اور طلب ہدایت و اعانت تنہا اسی کا حق ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ——— اَشھدُ اَن لّا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ وَلا حولَ وَلا قوّۃ اِلّا باللّٰہ، لا نعبدُ ولا نستعینُ اِلّا ایّاہ لہُ النعمۃ ولہُ الفضل ولہُ الثناءُ الحسن لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ مُخلِصِین لہُ الدّین ولو کرہ الکٰفرون۔

اللّٰھمّ ارِنا الحقّ حقًّا وّارزُقنا اتّباعہٗ وارِنا الباطل باطلًا وّارزُقنا اجتنابہٗ واھدِنا لما اختُلف فیہ من الحقّ باذنک انّک علیٰ صراطٍ مُستقیم۔

اِلتجا
بِبارگاہِ صمدیت

(از جناب مولوی ارشاد حسین صاحب شید شاہجہانپوری)

ذوقِ جویائی تو آنانکہ حاصل کردہ اند
صد دلیلِ عقل در راہِ تو باطل کردہ اند

قوتِ گفتار در پیشِ تو زائل کردہ اند
گریہ را آئینہ دارِ حسرتِ دل کردہ اند

ای! بہ اوجِ کنگرۂ تو از ناوکِ نامحرمی
طائر اندیشہ را صد بار بسمل کردہ اند

کے تواند عقل کس برداشتن در راہِ عشق!
صد حجابِ ناشناسیہا کہ حائل کردہ اند

تافت آں برقے کہ در روزِ ازل بر عشق و حسن
یک شرارے زو جہید و نام آں دل کردہ اند

ذوق طوفانِ حوادث می کشد دامانِ ما
ورنہ صد رہ کشتی ما نزد ساحل کردہ اند

بہ حضور خاتم الانبیا
صلی اللہ علیہ وسلم

ای کہ خیالِ روے تو روحِ روانِ انبساط
گم شدگانِ کوے تو حالِ صد جہاں نشاط

ای کہ دو عالمے گرفت از کرمِ تو انضباط
نقشِ حدوث با قدم یافتہ از تو ارتباط

دیدۂ لطف بر کشا، روزِ سیاہِ ما نگر!
کارِ فدائیانِ تو یافتہ ایں چہ انحطاط

عمر بباد دادہ ایم دور زرہ فتادہ ایم
ما کہ ز دست دادہ ایم دامنِ حزم و احتیاط

سیلِ بلا سفینہ را داد بہ ورطۂ فنا
طالعِ ما بہ غرقگی ساختہ عہدِ اختلاط

خضرِ طریق! سہل کن منزلِ آخرت بما
رخت بروں کشیم چوں نیست ہمہ تیرگی رباط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اوّلین

"شاہ ولی اللہ نمبر" پر جو محنت یا لاگت صرف کی گئی تھی بحمد اللہ اس حیثیت سے وہ سب وصول ہو گئی کہ بے انتہا تاخیر نے ہمارے بہت سے ناظرین کو جو تکلیف پہونچائی تھی اس کی تلافی ہو گئی اور اس کو دیکھ کر بقول ان کے ساری کوفت دور ہو گئی جیسا کہ اُن صدہا خطوط سے ظاہر ہے جو اب تک دفتر میں آچکے ہیں۔ نیز خاص علمی حلقوں میں ہماری امیدوں سے زیادہ اس کو پسند کیا گیا اور بہت زیادہ مقبول ہوا یہاں تک کہ جو تھوڑے سے نسخے بچے تھے اشاعت کے ساتھ ہی وہ بھی ختم ہو گئے اور اب دفتر میں دس بیس نسخوں سے زیادہ باقی نہیں ہیں۔ اسلئے آئندہ نمبر کے جو آرڈر آئینگے شاید ہم انکی تعمیل بھی نہ کر سکیں۔ البتہ تقریباً تین چار سو کی تعداد میں یہ نمبر وی۔ پی بھی کیا گیا تھا ان کی بھی وصولی اور واپسی شروع ہو چکی ہے۔ پس اگر اُن میں سے کچھ زیادہ واپس آگئے تو آئندہ طلب فرمانے والے حضرات کو وہی بھیجے جائیں گے اور تعمیل میں آرڈروں کی تاریخ آمد کا لحاظ رکھا جائے گا یعنی جو آرڈر پہلے آئیں گے پہلے اُن ہی کی تعمیل ہوگی جو صاحب طلب فرمانا چاہیں یا تو وی پی سے طلب فرمائیں اور یا دو روپیہ آٹھ آنے کا منی آرڈر ارسال فرمائیں دو روپیہ نمبر کی قیمت اور ۸ محصولڈاک مع فیس رجسٹری

بعض اہل علم اور ارباب قلم نے نمبر پر مفید تبصرے بھی فرمائے ہیں جنمیں نمبر کے بعض مضامین پر تنقید بھی کیگئی ہے ارادہ ہے کہ ان تمام علمی تبصروں کو بھی "الفرقان" ہی کے ذریعہ ہدیۂ ناظرین کیا جائے ابھی چند اور تبصروں کا انتظار ہے۔

"ولی اللہ نمبر" کی اشاعت کے بعد بعض اُن حضرات نے بھی "شاہ صاحب" پر مضمون لکھنے کا از خود ارادہ ظاہر فرمایا ہے جن سے نمبر کیلئے بمنت وسماجت مقالہ کی درخواست کی گئی تھی اور وہ اُس وقت نہیں لکھ سکے تھے اُمید ہے کہ اس طرح اس سلسلہ کے بعض بہت اچھے اور بلند مضامین "الفرقان" اپنے ناظرین کے سامنے اور پیش کریگا۔

ولی اللہ نمبر کا دوسرا ایڈیشن ۔ اوپر کی سطروں کی کتابت بھی ہو چکی تھی کہ مانگ کی کثرت کو دیکھتے ہوئے دوسرے ایڈیشن کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس کے متعلق مفصل اعلان رسالہ ہذا کے صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ فرمائیے۔

آئندہ کا نظام عمل:-

سال کے شروع اور جلد کے پہلے پرچہ میں آئندہ کے متعلق "ارادوں کے اظہار" کی بھی ایک رسم ہو گئی ہے اسی بنا پر ہمارے ناظرین کرام بھی یہ معلوم کرنے کے منتظر ہوں گے کہ اس سال (۱۳۶۰ھ) کیلئے ہم نے کیا سوچا ہے؟ — درحقیقت اس کا صحیح اور حقیقی جواب تو یہی ہے کہ "لَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا" (بس اللہ علام الغیوب ہی کو معلوم ہے کہ ہم کیا اور کتنا کام کر سکیں گے) ————

لیکن تاہم جو چیزیں اس سال کیلئے پیش نظر ہیں اور بشرط توفیق ایزدی جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے۔

(۱) حضرت مولانا گیلانی مدظلہ کے دو سلسلے ابھی نامکمل ہیں — "مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" اور دوسرا "امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی"، مولانا ممدوح سے درخواست کی گئی ہے کہ بہت جلد وہ ان دونوں سلسلوں کی تکمیل فرما دیں تاکہ سال کے اندر ہی یہ دونوں مضمون مکمل ہو جائیں۔

(۲) مولانا محمد نور الحق صاحب علوی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کا جو ایک سلسلہ "تصوف و احسان اور برکات صوفیہ" کے عنوان سے قریباً دو سال سے شایع ہو رہا تھا — یہ دیکھکر کہ بعض ناظرین اس قسم کے عمیق علمی مضمون کے اتنے طویل تسلسل سے تنگ آ رہے ہیں اسکے متعلق یہ سوچا گیا تھا کہ اسکے بقیہ حصہ کی (جو شایع شدہ سے کسی طرح کم نہیں ہے) تلخیص کر کے دو تین اشاعتوں میں اسکو ختم کر دیا جائے اسکے لئے مولانا موصوف سے درخواست بھی کیگئی تھی لیکن ابھی تک اس کی تلخیص نہیں فرما سکے اور اسکی اشاعت معرض التوا میں آگئی۔ اب امید ہے کہ خدا نے چاہا تو اس سال بلکہ غالباً پہلی ہی ششماہی میں یہ سلسلہ بھی مکمل ہو جائیگا حضرات صوفیائے کرام بالخصوص مشائخ چشتیہ نے ہندوستان میں جو کام کیا ہے اور سلاطین اسلام کی ساتھ انکے تعاون اور تعلق کی جو نوعیت رہی ہے اسکی پوری تاریخ اس سلسلہ میں آگئی ہے اور حقیقت مولانا ممدوح کا یہ مقالہ "اسلامی ہند" یا "جامعہ اسلامیہ ہندیہ" کی ایک نئی طرح کی تاریخ ہے جو "تصوف اور انقلاب" سے تعلق کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے — اس سلسلہ کو کتابی شکل میں بھی شایع کرنیکا ارادہ ہے۔ اور آئندہ جو حصہ "الفرقان" میں تلخیص کے ساتھ شایع ہوگا انشاء اللہ کتاب میں وہ اصلی حالت میں شایع کر دیا جائیگا۔

(۳) "دنیا میں اسلام کس کس طرح رہ گیا ہے" کے زیر عنوان جو تاریخی سلسلہ جاری ہے انشاء اللہ وہ بھی اسی طرح جاری رہیگا اور اسکی برابر کوشش کی جائیگی کہ اسکی ہر قسط افادہ اور مواد کے لحاظ سے بجائے خود ایک مستقل چیز ہو۔

(۴) "موعظۂ حسنہ و ذکریٰ" کے ماتحت جو ایک مستقل سلسلہ چل رہا ہے کوشش کیجائیگی کہ اس سال کے آخر تک پورا کر دینے کا خیال ہے — علیٰ ہذا "بوارق الغیب" کا تیسرا حصہ بھی جو پہلے اور دوسرے حصوں کے مقابلہ میں مختصر ہے اسکو بھی اسی سال کی چند اشاعتوں میں شایع کر کے بوارق کی پہلی جلد مکمل کر دینے کا ارادہ ہے دوسری جلد انشاء اللہ کتابی شکل میں شایع ہوگی۔

(۵) مختلف ابواب کے حضرت شاہ ولی اللہ کے مخصوص علمی افادات آئندہ سے جنکی مسلسل اشاعت کا "ولی اللہ نمبر" میں اعلان کیا گیا تھا انشاء اللہ عنقریب انکا سلسلہ شروع کر دیا جائیگا ابھی تک "ولی اللہ نمبر" کے کاموں سے چونکہ فرصت نہیں ملی تھی اسلئے اس سلسلہ کی کوئی قسط تیار نہیں کی جا سکی اور اسی واسطے یہ شمارہ "موعظۂ حسنہ و ذکریٰ" اور "بوارق" کی قسطوں سے بھی خالی جا رہا ہے آئندہ انشاء اللہ یہ تینوں سلسلے التزام کے ساتھ جاری رہینگے واللہ الموفق۔

(۶) دوسرا شاہ ولی اللہ نمبر جس کا اعلان نمبر میں کیا جا چکا ہے اور جس کے متعلق توقع ہے کہ انشاء اللہ افادہ کے لحاظ سے شایع شدہ نمبر سے کسی طرح وہ کم نہ ہوگا بعونہ تعالیٰ اسی سال کے آخری حصہ میں وہ بھی ہم شایع کر سکینگے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری مدد فرمائے اور ان ارادوں کی تکمیل کی توفیق دے۔

وما ھو علیہ بعزیز۔

عبرت کی باتیں

سندھ کے مشہور لیڈر، مسلم لیگ کے سرکردہ رکن بلکہ اس کے ہائی کمانڈ کے ممتاز فرد سر عبداللہ ہارون نے ۱۸ فروری کو "پنجاب کے مسلمان طلبہ کی تعلیمی کانفرنس"، منعقدہ لائل پور کی صدارتی تقریر میں "موجودہ تعلیم" پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

تعلیم کا موجودہ طریقہ جسے لارڈ میکالے نے رائج کیا تھا اس ہر چیز کو تباہ کر چکا ہے جو ہمیں عزیز تھی۔

سادہ زندگی اور بلند نظری پرانا اسلامی اصول اب اوجھل ہو چکا ہے، مہمات کا پرانا جذبہ اور توسیع کی خواہش اب مفقود ہو گئی ہے۔ ہمارے کالجوں نے یا تو نکمے اور ناکارہ ملازمتوں کے پیچھے مارے مارے پھرنے والے جوان پیدا کئے ہیں اور یا ایسے خود غرض جو اسلام کو اپنے فائدہ کیلئے استعمال کریں۔ اس کے سوا موجودہ طریقہ تعلیم نے کچھ بھی نہیں کیا" (روزنامہ انجام دہلی ۲۰ فروری ۱۳۶۰ھ)

سُنا آپ نے! یہ کسی "دقیانوسی مولوی مُلا" کا وعظ نہیں ہے بلکہ سر عبداللہ ہارون کا صدارتی ایڈریس ہے —

کاش ہمارے "تعلیمی لیڈر" اپنی کوششوں کے نتائج کا جائزہ لے کر اب بھی کوئی صحیح قدم اُٹھائیں —— !

۲۳ر ۲۴ر فروری کو پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کا سولھواں اجلاس بریلی میں منعقد ہوا، مسلمانوں کی تعلیم اور اُردو زبان کی ترقی کے متعلق چند مفید تجاویز بھی پاس ہوئیں نیز اس تقریب سے بعض اچھی تقریریں اور اچھے مقالے بھی مسلمانانِ بریلی کے سننے میں آگئے —— اس ذیل میں دلچسپی سے سننے کے لائق ایک بات یہ بھی ہوئی — کہ ایک صاحب نے "سبجکٹ کمیٹی" (مجلس انتخاب مضامین) میں تجویز پیش کی کہ لڑکوں کی تعلیم کیلئے مسلمانوں کے جو اسلامیہ ہائی اسکول یا مڈل اسکول قائم ہیں ان سب کو نسواں اسکولوں میں تبدیل کر دیا جائے، کیونکہ لڑکوں کی تعلیم بہت کافی ہو چکی ہے اور ہماری لڑکیاں ابھی تعلیم میں بہت پیچھے ہیں اس لیے سر دست لڑکوں کی تعلیم کا سلسلہ روک کے صرف لڑکیوں کی تعلیم کی طرف ہی پوری توجہ کی جائے —— (یا بدیع العجائب!)

مگر اس مسئلہ میں مجلس انتخاب مضامین کے سارے ہی ارکان کی ذہنیت شاید "مُلایانہ" اور "رجعت پسندانہ" تھی یا ہو گئی تھی کہ سُنا گیا ہے کوئی بھی اس تجویز کی تائید کیلئے تیار نہ ہوا اور اس طرح یہ تجویز سبجکٹ کمیٹی ہی میں مسترد ہو گئی اور عام اجلاس اس سے دلچسپی حاصل کرنے سے بھی محروم رہا —— سنہ ہوئے آج حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم!

"کانفرنس" میں ایک چیز قابل عبرت یا قابل افسوس یہ بھی دیکھی گئی کہ اردو زبان کی حمایت کے پورے جذبے کے باوجود خطبہ اجلاس کو چھوڑ کر بلکہ بہت سے ضروری اعلان بھی جن کا تعلق عام شرکاء اجلاس سے تھا انگریزی ہی میں دیئے گئے۔ معلوم نہیں کہ اس طرز عمل اور اُردو کی پُر جوش حمایت میں کیا منطقی ربط ہے؟ —— آہ —— با ما انچہ کرد آں آشنا کرد!

لکھنؤ میں ١٢ ربیع الاول کا جلوس :-

علماء طب کہتے ہیں اور تجربہ بھی ہے کہ مریض کے مزاج پر جب کسی فاسد خلط کا زیادہ غلبہ ہو جاتا ہے تو صالح غذا بلکہ بسا اوقات دوا بھی اندر پہنچکر اسی فاسد کیفیت کو قبول کرنے لگتی ہے، اور یہاں پہونچکر " مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی " والی کیفیت مریض کی ہو جاتی ہے ــــ اس وقت عام مسلمانوں کی حالت بھی خدانخواستہ کچھ ایسی ہی ہو چکی ہے۔

اب سے کوئی پندرہ برس پہلے پنجاب کی تحریک خیز سرزمین سے " تحریک سیرت " اُٹھی جس کا منشاء و مقصد بظاہر یہی ہوگا کہ داعی اسلام ہادی انام رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مقدسہ کے نور کو زیادہ سے زیادہ پھیلا کر مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی مذہبی روح کو بیدار و تازہ کیا جائے اور اس مقدس مہینے میں وقتی ہنگاموں اور رسمی میلادی مجلسوں کی شکل میں جو کچھ منتشر اور متفرق طور پر ہوتا ہے اس کو منظم کر کے مفید اور نتیجہ خیز بنایا جائے ــــ لیکن کچھ تو تحریک چلانے والوں کے بے اصولے پن کی وجہ سے اور زیادہ تر مسلمانوں کے فساد مزاج کے باعث یہ تحریک جو افسوسناک شکل اختیار کر چکی ہے اسکے مظاہرے ١٢ ربیع الاول کو ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں میں دیکھے جا سکتے ہیں اب اس تاریخ پر سیرت کے نام سے ہر جگہ جلوس نکالے جاتے ہیں ان جلوسوں میں " شاندار " علم ہوتے ہیں، بہت سے مقامات پر بینڈ باجہ اور دوسرے آلات لہو بھی ساتھ ہوتے ہیں بعض جگہ آتشبازی بھی ساتھ ساتھ چھوٹتی جاتی ہے اور یہاں بریلی شریف میں تو معاذ اللہ تعزیہ نما " روضۃ النبی " اور " مولد النبی " (یعنی رسول اللہ کا مصنوعی " روضہ " اور " زچہ خانہ ") بھی بنایا جاتا ہے بلکہ اب تو بکثرت محلہ در محلہ بنائے جاتے ہیں اور ٹھیک تعزیوں ہی کی طرح کوچہ کوچہ بازار بازار ان کا گشت بھی کرایا جاتا ہے، تعزیوں کے مرثیہ خوانوں کی طرح نعت خوانوں کی چوکیاں بھی ساتھ ساتھ ہوتی ہیں اور اسی طرح ہار پھول اور دوسرے چڑھاوے بھی چڑھائے جاتے ہیں غرض گنتی کے ان چند سالوں میں یہ " تحریک سیرت " اتنی " ترقی " کر چکی ہے اور گویا تعزیوں ہی کی سی دھوم دھام کا بلکہ اس سے بھی کچھ " ترقی یافتہ " یہ ایک اور میلہ مسلمانوں کا اب ہندوستان کے بہت سے شہروں میں ہونے لگا ہے ــــ اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس ارتقاء کی آخری منزل کیا ہوگی ــــ غرض یہ ہے ایک نمونہ مسلمانوں کے فساد مزاج اور حقیقی دینی روح سے انکی محرومی اور بے بہرگی کا۔

اسی کا ایک دوسرا قابل عبرت نمونہ ملاحظہ ہو،

اب سے کوئی چالیس برس پہلے اودھ کے شیعہ رئیسوں اور نوابوں کی ریشہ دوانیوں نے لکھنؤ میں " امتناع مدح صحابہؓ " کا ایک

لعنتی اور رسوائے انسانیت قانون بنوادیا تھا اس قانون کی تنسیخ کیلئے سُنیوں نے کئی بار آئینی کارروائیاں اور ایجی ٹیشن بھی کئے اس سلسلہ کا آخری ایجی ٹیشن وہ تھا جو اب سے دو سال پہلے کانگریس منسٹری کے زمانہ میں ہوا تھا اور اسی کے نتیجہ میں یو۔پی کی اُس گورنمنٹ نے اس قانون کو منسوخ کر کے سنیوں کے حق مدح صحابہ کی آزادی تسلیم کی اور اس حق کے استعمال کے لیے سال میں ایک خاص دن (۱۲ ربیع الاول کا) مقرر بھی کر دیا ـــ یہاں تک جو کچھ ہوا سب صحیح اور جائز بلکہ ایک حد تک ضروری تھا اور اس قانون کی تنسیخ کے لیے جو جد و جہد کی گئی اور اس سلسلہ میں جو قربانیاں کسی نے کیں اگر نیت میں کوئی کھوٹ نہ تھی تو یقیناً اس پر اجر کی توقع ہے ـــ لیکن اب حق مل جانے پر ۱۲ ربیع الاول کو جس طرح گزشتہ دو سالوں میں اس "حق" کا استعمال کیا گیا ہے کیا روح اسلام اور مقتضیات شریعت سے کوئی واقفیت رکھنے والا اس کے منکر و معصیت ہونے میں ادنیٰ سا شبہ بھی کر سکتا ہے؟ جن لوگوں نے لکھنؤ کے اس مظاہرہ کو بچشم خود دیکھا ہے اُنہی سے سُنا گیا ہے کہ اس جلوس کیلئے شیعوں کی نقالی یا ان کے مقابلہ میں عَلَم تیار ہوتے ہیں جن میں سے بعض پر سیکڑوں روپیہ تک کی لاگت آتی ہے (ایک عَلَم کے متعلق معلوم ہوا کہ اس کی تیاری پر سات سو روپیہ خرچ ہوئے تھے) عَلَموں کی اس نمایش کے علاوہ سبیلوں کے قیام اور دوسری قسموں کی دھوم دھام میں بھی سنیوں کا یہ مظاہرہ شیعوں کے "تعزیتی جلوسوں" کا پورا پورا "جواب" ہوتا ہے ـــ غرض شیعہ جو کچھ خرافات اپنے اماموں یا شہدائے کربلا کے نام پر عشرہ محرم میں کرتے ہیں سنیان لکھنؤ ۱۲ ربیع الاول کو حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے نام پر اس کی پوری یا ادھوری نقل اُتار کے گویا اس کا "جواب" دینا چاہتے ہیں ـــ ابھی اس "مظاہرہ" کو شروع ہوئے دو سال گزرے ہیں اگر خدانخواستہ اس کی "ارتقاء" کی یہی رفتار رہی تو ایک دن سُنیوں کی یہ "جدید علمداری" شیعوں کی "قدیم تعزیہ داری" کا پورا پورا نمونہ اور چربہ ہو جائے گی، اور اُس وقت عوام کو اس خرافات سے روکنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا کہ آج جاہل سنیوں کو تعزیہ داری سے بچانا مشکل ہو رہا ہے ـــ لکھنؤ کے سنی مسلمانوں پر جن حضرات کا اتنا مذہبی اثر و اقتدار ہو کہ ٹھنڈے دل سے وہ ان کی بات کو سُن سکتے ہوں ان کا خصوصی فرض ہے کہ اس موقع پر ان کی صحیح رہنمائی فرمائیں ـــ اس سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ بار ہا کی جد و جہد اور قربانیوں کے بعد مدح صحابہ کا جو حق لکھنؤ کے سنیوں کو ملا ہے وہ اس سے دست بردار ہو جائیں یا استعمال نہ کریں میں اس حقیقت سے بھی واقف ہوں کہ لکھنؤ کے مخصوص حالات کا دینی اقتضا بھی یہی ہے کہ اس حق کو ضرور بالضرور استعمال کیا جائے، لیکن یہ کسی طرح باور نہیں کیا جا سکتا کہ اس طوفان بدتمیزی کے بغیر وہ حق استعمال ہی نہ ہو سکتا ہو ـــ ابھی وقت ہے کہ اگر اخلاص کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے تو اُمت کو ایک مستقل "بدعت" سے بچایا جا سکتا ہے ورنہ دو چار برس اسی طرح اور گزر گئے تو یہ صرف جاہل عوام کا ایک "میلہ" اور کچھ عرصہ کے بعد لکھنؤ کا ایک تیوہار بن کے رہ جائیگا جو تعزیہ داری ہی کی طرح شرک و بدعات کا مجموعہ ہوگا ـــــــ الغرض ـ گر گردن امت چارہ مجنوں کنوں کلید!

ساقی نامہ —— (بہ اتباع حضرت اقبالؒ)

(از حضرت ابن ندیم وفا)

دماغ و دل ہیں افرنگی خمارِ تیز ہی ساقی
نگاہِ مُسلمِ ناداں بھی کفر آمیز ہے ساقی

یہ کیسی کشمکش جاری ہے اس دنیائے فانی میں
جہاں کا ذرّہ ذرّہ آج محشر خیز ہے ساقی

بہارِ انقلاب آئی، عنادل نغمہ پیرا ہیں
پیامِ عیشِ فردا ہر گُلِ نوخیز ہے ساقی

یہ ذوقِ بادہ و مینا، یہ کیف صد نشاط آور
جنوں انگیز ہی ساقی! بہار انگیز ہے ساقی

نہیں یہ نغمۂ بربط، نہیں یہ صوتِ چنگ و نے
مرے دل کی صدائے درد محشر خیز ہے ساقی

ہلاکت آفریں طوفان میں گھیرے ہوئے ہر سو
سبب ان سب کا تیری نگاہِ تیز ہے ساقی

زمانہ مبتلا ہے آج آشوبِ ہلاکو میں!
یہ برپا ہر طرف پھر فتنۂ چنگیز ہے ساقی

جہاں کا ذرّہ ذرّہ برسرِ پیکار ہی پیہم
فضائے دہر پھر بھی کیا تبسم ریز ہے ساقی

عجم کے لالہ زاروں میں عرب کے کوہساروں میں
وہی پھر بوئے الفت آج عنبر بیز ہے ساقی

"نئی دنیا" بنانا چاہتا ہے دستِ قدرت کیا
پریشاں محفلِ ہستی میں کیوں "چنگیز" ہے ساقی

تعجب ہی نہیں مسلم میں بھی اب ذوقِ اسلامی
ہر اک تحریک لادینی ہی دل آویز ہے ساقی

اگر پیدا ہوں اسرارِ خودی مردِ مسلماں میں
تو اس کی ہر نظر خود انقلاب انگیز ہے ساقی

دیا تھا جو پیامِ دل نشیں رومی نے دنیا کو
وہی پیغامِ حق کا اب بھی لطف آمیز ہے ساقی

وفاؔ بھی ہم نوائے حضرت اقبالؒ و رومیؒ ہے
یہ خاکِ ہند اب بھی رشکِ تبریز ہی ساقی

اسلام کے قلعے

(از جناب مولنا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی استاذ تفسیر ندوۃ العلما لکھنؤ)

(۴)

[اس سلسلہ کی تین قسطیں اس سے پہلے "الفرقان" میں شایع ہو چکی ہیں آج اس کی یہ چوتھی قسط ہدیہ ناظرین کیجا رہی ہے اور اسی پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے ——— یہ مضمون درحقیقت نتیجہ تھا ایک گفتگو کا جو میرے اور محترم مولنا سید علی صاحب ندوی کے درمیان دینی درسگاہوں کے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کے متعلق جدید ضرورتوں کے موضوع پر اب سے ایک سال پہلے ہوئی تھی، میں نے محترم مولنا سے درخواست کی تھی کہ اس بارہ میں وہ اپنے خیالات کو قلمبند فرما دیں، میں ممنون ہوں کہ انھوں نے اس کو قبول فرما کر یہ مضمون تیار فرما دیا ——— اس کے بعد اسی موضوع پر مجھے اپنے خیالات ظاہر کرنے ہیں ——— ناظرین کرام آئندہ انشاء اللہ اسی عنوان (اسلام کے قلعے) کے ماتحت راقم سطور کا مضمون ملاحظہ فرمائیں گے ——— اگر کوئی اور صاحب بھی اس بارہ میں کچھ لکھنا چاہیں تو "الفرقان" میں شکریہ کے ساتھ اس کو شایع کیا جائے گا ——— اس سلسلہ کا مقصد صرف "مضمون نگاری" یا مضامین حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت یہ مسئلہ اُن چند مسائل میں سے ہے جن پر مستقبل میں ہماری دینی زندگی بلکہ اس ملک میں اسلام کے حیات و بقا کا انحصار ہے ——— ہم چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ارباب بصیرت اہل فکر کی رائیں حاصل کرنیکے بعد کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں اور اپنے خصوصی احوال اور دینی مدارس کی بے سروسامانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں ایسی تبدیلی کیلئے موثر جد و جہد کر سکیں جو فی الحال نہایت ضروری بلکہ فرض ہو گئی ہے اور ناممکن بلکہ متعذر بھی نہیں ہے ——— مدیر]

نصاب تعلیم کا مسئلہ

مدارس کے اندرونی فرائض کی فہرست میں نصاب تعلیم اور اس میں اصلاح و تغیر کا مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے لیکن اس موضوع پر (خصوصاً ندوۃ العلماء کی تحریک کے آغاز کے بعد سے) بہت کافی اظہار خیال کیا جا چکا ہے اور اس پر اچھا خاصہ لٹریچر تیار ہو گیا ہے اب شاید مشکل سے کوئی شخص یا ادارہ عربی مدارس کے قدیم اور مروجہ نصاب درس سے متعلق یہ تصور رکھتا ہوگا کہ یہ وہ آخری آسمانی صحیفہ ہے جو ناقابل نسخ ہے اس میں ادنیٰ ترمیم الحاد کے مرادف ہے اصولی اور نظری حیثیت سے اس میں تغیر کے مذہبی جواز اور ترمیم و اضافہ کی عملی ضرورت کو عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن اس کی طرف ابھی تک عام قدم نہیں اُٹھایا گیا۔

یہ ترمیم اور تبدیلی غیر دانشمندانہ عجلت کے ساتھ اور وقتی تاثرات کے ماتحت نہیں ہونی چاہیئے بلکہ مسلمانوں کی مذہبی ضروریات، علما کے جماعتی فرائض اسلام کی مخصوص تعلیم و ثقافت اور زمانہ ماضی کے ضروری علمی ذخیرہ کو پیش نظر رکھ کر کرنی چاہیئے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس نصاب کا صحیح مفہوم سمجھنے کی ضرورت ہے جس کی تعلیم کے لیے عربی مدارس قایم کیئے جاتے ہیں کی صحیح تعریف ہمارے نزدیک یہ ہو کہ "یہ وہ علمی اور کتابی وسیلہ ہو جو اسلام سے گہری اور براہ راست واقفیت اور اسلام کے مستند علمی اور تاریخی ماضی سے ربط پیدا کرتا ہو اور ایسے اشخاص کے پیدا کرنے میں معاون ہوتا ہو جو مسلمانوں کی مکمل رہنمائی کے اہل ہوسکتے ہیں"

ہمارے نزدیک یہ تعریف بالکل کافی ہو لیکن اس پر ایک اعتراض یہ ہوسکتا ہو کہ اس تعریف کے ماتحت بعض ایسے علوم غیر ضروری قرار پائیں گے جن کا حاصل کرنا نفس اسلام سے گہری اور براہِ راست واقفیت کے لیئے ضروری نہیں اور نہ وہ خالص اسلامی ماحول کی پیداوار ہیں لیکن سلف کی علمی کوششوں سے واقفیت اور مسلمانوں کے علمی ذخیرہ کی حفاظت کیلئے ضروری ہے۔ اس عظیم الشان علمی ذخیرہ کی حفاظت جو ہزار بارہ سو برس میں فراہم ہوکسی نہ کسی درجہ میں ہر صدی اور ہر زمانہ کے علماء کا فرض ہو، ہم کو اس کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں۔ لیکن یہ بہر حال اسی طرح کا ایک اخلاقی اور تاریخی فریضہ ہو جس طرح مسلمان بادشاہوں کی بنائی ہوئی تاریخی عمارتوں اور اسلامی آثار قدیمہ کی حفاظت کسی نہ کسی درجہ میں ضروری اور اخلاف کا اخلاقی فرض ہو، اور کوئی مضائقہ نہیں کہ اس کے لیئے کوئی ایسی جماعت ہے جس کے پاس اسکے لیئے وقت ہو لیکن یہ وہ محور نہیں ہو جس پر مسلمانوں کا سارا نظام تعلیم گردش کرے۔ اسلام کی طرف کسی چیز کی نسبت کرنے میں اور مسلمانوں کے لیئے کسی چیز کو لازمی قرار دینے میں احتیاط کی ضرورت ہو ہم کو اس زمانہ کے عام لوگوں کی طرح "اسلامی علوم" اور "مسلمانوں کے علوم" میں نیز "اسلام" اور "مسلمانوں کی تہذیب و تمدن" میں خلط مبحث نہیں کرنا چاہیئے، عربی مدارس جنکے لیئے ہم مسلمانوں سے اسلام کے نام پر امداد کے طالب ہیں اور جنکی بقا و ترقی مسلمانوں کا دینی فریضہ ہو ایسے علوم اور تصنیفات کی حفاظت کے لیئے وقف نہیں ہوسکتے جو وقتی ضروریات کے ماتحت یونان یا ایران سے منتقل ہوکر مسلمانوں میں آئے اور جن کا دور ختم ہوگیا، اسلامی نصاب تعلیم مسلمانوں کی تاریخ نہیں ہو جس کا موضوع ناموران اسلام کے کارناموں کی اشاعت اور حفاظت ہے اور نہ عربی مدارس آثار قدیمہ کے محکمے ہیں جنہیں پُرانے سکے، قدیم کتبے، پارینہ اوراق اور تاریخی دستاویزیں محض لوجہ التاریخ رکھی رہیں، اسلامی تعلیم کے مرکز اسلامی زندگی کے مرکز ہیں، جنکو ایسی چیزیں گھیری نہیں رہ سکتیں جن کا وقت ختم ہوگیا۔

اس تعریف کے ماتحت سب سے زیادہ اہمیت اور اولیت ان مضامین کو حاصل ہونی چاہیئے جو اسلام کی براہ راست تعلیم میں داخل ہیں یا اس تعلیم کیلئے بلا واسطہ معاون اور "موقوف علیہ" ہیں، اسلام کی اصل تعلیم وہ زندہ اور پائندہ تعلیم ہو جو کبھی پُرانی نہیں ہوسکتی جسمیں قدامت اور بوسیدگی کو ذرا دخل نہیں اسلام کی طرح اس کی تعلیم بھی جاوداں ہو، جو جماعت اس دائمی اور ابدی نظام کے ساتھ اپنے کو منسلک اور وابستہ کر دیگی

لہ مسلمان قوم کا علمی اور تاریخی ماضی جو درحقیقت اسلام کا مستند علمی اور تاریخی ماضی نہیں ہو اس تعریف سے خارج ہو اور اس سے ربط پیدا کرنا اس نصاب تعلیم کے مقاصد میں داخل نہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے مذہبی اور علمی انحطاط یا غیر اسلامی علمی و سیاسی عروج کا عہد جیسے کہ عہد اموی، عہد عباسی، (الخ)

اور اپنا دامن اس کے دامن سے باندھ دے گی وہ اس کی طرح زندہ جاوید بن جائے گی دُنیا کا کوئی انقلاب اس کو مٹا نہیں سکتا، زمانہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اس کے کمال کو زوال نہیں، اس کی بہار کو خزاں نہیں، لیکن جس جماعت کی زندگی کا انحصار انسانی علوم و تحقیقات پر ہوگا خواہ وہ قدیم یونانی علوم ہوں یا جدید مغربی وہ زمانہ کا ساتھ زیادہ دنوں تک نہیں دے سکے گی، وہ بار بار پیچھے رہے گی اور ان علوم و تحقیقات کی طرح کبھی کبھی فرسودہ اور بیکار ہو کر رہے گی، جن علوم یا جماعتوں کا طبعی وقت ختم ہو جاتا ہے ان کو زندگی کی کوئی جد و جہد زندہ نہیں کر سکتی انسان کے پیدا کیئے ہوئے علوم، کمالات و خیالات ایک خاص عمر رکھتے ہیں۔ جب وہ عمر ختم ہو جاتی ہے اور ان کا طلسم ٹوٹتا ہے تو ان کے ساتھ وہ جماعتیں بھی رخصت ہو جاتی ہیں جو ان سے مربوط تھیں، اور اس وقت ان کو اپنے بقا کے لیئے کوئی پروپگنڈا یا جد و جہد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رکھ سکتی فاما الزبد فیذهب جفاءً واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض اسلیئے علماء مدارس کیلیئے یہی بہتر ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے براہِ راست منسلک ہیں، اور ان کی خدمت اپنی زندگی کا مقصد بنائیں،

طریقۂ تعلیم میں اصلاح زمانہ کے حالات کے مطابق نصاب کی تیاری کتابوں کی تالیف اور انتخاب بعض جدید ضروری مضامین کا اضافہ، عربی زبان کی ایک زندہ زبان کی طرح تعلیم ایسے اہم تعلیمی مسائل ہیں جو علماء اور اصحاب مدارس کی فوری توجہ کے محتاج ہیں ہم یہاں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے۔ تفصیلات کی کوئی حد نہیں اور ان میں اختلاف کی بہت گنجایش ہے،

کاش کہ علماء اور منتظمین مدارس اجتماعی طور پر ان مسائل کو حل کرتے اور ہندوستان کے عربی مدارس میں جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں ایک مشترک تعلیمی نظام جاری ہو سکتا یہ حضرات علماء کے بہت سے مشاغل سے زیادہ ضروری فریضہ ہے اور اس کے نتائج مسلمانوں کی مذہبی اور علمی زندگی میں بہت موثر اور دور رس ہیں،

عام مطالعہ اور کتابوں کا ذوق

مدارس عربیہ کے معلمین و منتظمین کے فرائض نصاب کی تدریس تک محدود نہیں اور علم کسی خاص نصاب میں منحصر نہیں، یہ نصاب خاص قسم کی علمی استعداد اور ذوق پیدا کرنے کے لیئے ہے، اس ذوق کا نہ پیدا ہونا نصاب اور اسکے معلمین کی بڑی ناکامی ہے عرصہ سے ہندوستان کی عربی درسگاہوں میں افسوسناک علمی انحطاط نظر آ رہا ہے، علمی ذوق وسعت نظر جدت فکر اور علمی اجتہاد معدوم ہوتا چلا جا رہا ہے، مدارس اور تعلیمی حلقوں پر ایک خاص قسم کا علمی جمود جس کو ہم نصابیت یا مدرسیت سے تعبیر کر سکتے ہیں طاری ہوتا جا رہا ہے صحیح علم کی حلاوت اور چاشنی نہیں پیدا ہونے پاتی اسلام کی اصلی روح علم کے اصل جوہر، بلند تصورات اور حقائق سے طلبہ اور فضلا کے ذہن نا آشنا رہتے ہیں، سلامت فکر اور دقت نظر دونوں نایاب ہیں، اس میں نصاب کی خاص ساخت مخصوص طریقہ تعلیم اور طلبہ کی پست ہمتی کو یکساں دخل ہے۔ ضرورت ہے کہ خاص توجہ اور تربیت سے طلبہ میں علمی ذوق پیدا کیا جائے نصاب کے ساتھ طلبہ کو اچھا اسلامی لٹریچر دکھایا جائے اور ان ائمہ اور مفکرین اسلام کی تصانیف کا ذوق پیدا کیا جائے جن کی کتابوں میں اسلام کی صحیح روح ملتی ہے، علم و اجتہاد کے چشمے اُبلتے ہیں اور اسلام کی بنیادیں قلب و دماغ میں مستحکم ہوتی ہیں۔ مثلاً امام ابن جوزیؒ امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہ امام ابن قیم حضرت مجدد سرہندی شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کتابوں کا صحیح انتخاب اور ان کی صحیح ترتیب کے متعلق مشورہ مدرسین کے اہم فرائض میں سے ہے۔ اور ذہنی اور مذہبی تربیت

کے لیے نہایت ضروری ہو۔ عربی مدارس اسلامی ثقافت کے اصلی مرکز ہیں، اسلام کے مستند ماضی کے اہم اشخاص سے واقف ہونا ان کے تمدن کو پہچاننا ان کی خدمتوں سے واقف ہونا اور اعلیٰ و مجتہدانہ اسلامی تصانیف سے روشناس ہونا تعلیم کا اہم جزء ہے۔

معلمین نصاب درس کسی جماعت کے پیدا کرنے کا تنہا ضامن نہیں وہ ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے جو کسی جماعت کے پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں اسی لیے ہم نے اس کی تعریف میں "علمی اور کتابی وسیلہ" اور "معاون" کے الفاظ استعمال کیے تھے، ایسی جماعت کے پیدا ہونے کا بہت کچھ انحصار اس نصاب کے معلمین اور مدرسہ کے موافق ماحول پر ہے حقیقت تو یہ ہے کہ معلمین کی خوبی نصاب کے نقائص کی بہت حد تک تلافی کر سکتی ہے لیکن بہتر سے بہتر نصاب معلمین کا قائم مقام نہیں ہو سکتا کامیاب معلمین کیلئے شرط ہے کہ اگر تحقیق و اجتہاد کا درجہ نہیں، تو کم سے کم اپنے زیر درس مضامین کا ذوق رکھتے ہوں۔ دینی اور اخلاقی حیثیت سے طلبہ اور عوام سے بلند ہوں۔ پختہ اصول اور مستحکم سیرت کے مالک ہوں۔ اور تبلیغی روح اور جوش رکھتے ہوں۔ اخلاقی حیثیت سے غیر ممتاز اصول و سیرت کے لحاظ سے خام پیشہ ور اور ملازمانہ ذہنیت رکھنے والے اساتذہ ہر ادارہ کے لیے غیر موزوں لیکن عربی مدارس کے لیے نہ صرف غیر مفید بلکہ مضر ہیں۔

جسمانی تربیت عام تعلیم گاہوں کی طرح بلکہ شاید ان سے زائد عربی مدارس کو اپنے طلبہ کیلئے تعلیمی، ذہنی، اخلاقی اور مذہبی تربیت کے علاوہ جسمانی تربیت کا بھی انتظام کرنا چاہیئے کہ کامیابی اور یکسانی کے ساتھ تعلیمی زمانہ ختم کرنے اور مستقبل میں زندگی کی کشمکش میں شریک ہونے اور اپنے دینی و اصلاحی فرائض انجام دینے کیلئے اچھی صحت جسمانی تربیت اور قوت برداشت کی ضرورت ہو گی، مدارس کو پچھلی صدیوں کی خانقاہیں نہیں بننا چاہیئے، یہ جیسے کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ اسلام کے قلعے ہیں قلعوں کے محافظوں اور سپاہیوں کو مسلح ہونے سے پہلے تندرست اور قوی ہونا چاہیئے، اس بارہ میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سنوسی علماء و مشائخ صحیح نمونہ ہیں،

اس سلسلہ میں جبکہ ہم مدارس کے اندرونی فرائض کی فہرست ختم کر رہے ہیں ایک بار پھر صاف عرض کرنا چاہتے ہیں کہ عربی مدارس کا فرض ہو کہ وہ ایسے وسیع النظر، صاحب بصیرت، عالی حوصلہ اور باہمت علماء پیدا کریں۔ جو مسلمانوں کے دور انتشار میں (جیسے کہ اس وقت ہندوستان میں ہی) مسلمانوں کی صحیح اور بے غرض رہنمائی کر سکیں اور ان کو ان کے اعلیٰ مقصد (حیات اسلامی) تک پہونچا سکیں اور جب اور جہاں صحیح اسلامی حکومت قائم ہو سکے لیے لائق وزیر، قاضی بلکہ خلیفہ مہیا کر سکیں اور ملک میں خواہ کوئی نظام سیاسی اور کچھ حالات معاشی ہوں اعلیٰ مقصد سے غافل ہوئے بغیر اسلام کی حفاظت کا فرض انجام دے سکیں،

مدارس کے بیرونی فرائض مسلمانوں کی نشأت ثانیہ مدارس کے اساتذہ ارباب اختیار اور طلبہ کا اس وقت سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ اسلام کے احیا اور مسلمانوں کی از سر نو زندگی کی کوشش کریں اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ یہ فرض کر کے کہ ہندوستان میں حقیقی مسلمانوں کا وجود نہیں۔ حقیقی اسلام کی تبلیغ کے لیے نکلیں اور بالکل پہلے قدم سے خالص پیغمبرانہ اصول پر اور بالکل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریق اور عمل کے مطابق مسلمانوں کی اس جاہلیت میں اسلام کی توحید خالص اور توحید کامل کی تعلیم دیں ناواقفوں کو کلمہ پڑھائیں، زندگی بخش اور انقلاب انگیز توحید سے ان کی روح اور ذہن کو آشنا کریں اور اسی راہ سے انکی زندگی میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں ان مسلمان نو مسلموں کو احکام اور فرائض اسلام

کی تعلیم دین گاؤں گاؤں اور شہر شہر اسلام کے احکام کی اشاعت کریں اور فرائض اسلام کو اپنی تبلیغی جد و جہد سے از سرنو زندہ کریں، وہ وقت کے تمام سیاسی و معاشی اور مدنی مسائل سے کچھ مدت کے لیئے آنکھ بند کرلیں اور صرف مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کریں۔

اسلامی تاریخ کے عمیق مطالعۂ دنیا، اسلام کی مختلف تحریکات کے وسیع علم اور ہندوستان کے طویل سیاسی تجربہ نے تمام اہل فہم حضرات کو اسی نتیجہ پر پہونچایا ہے کہ بنیادی اور حقیقی کام مسلمان بنانے ہی کا کام ہے اس کے بغیر مسلمانوں کی تعمیر نو کی ہر کوشش اور ان کی تنظیم ترقی اور اقتدار کی ہر تحریک مستقل آوارہ گردی اور ایک نئے فتنے کے مرادف ہے، یہ کام اگرچہ تمام مسلمانوں کے کرنے کا ہے لیکن علماء اور طلبہ کا خصوصیت کے ساتھ یہ فریضہ ہے اور وہ تھوڑی توجہ سے یہ کام دوسروں سے اچھا کر سکتے ہیں۔

سر دست ان مبلغین کو دیہاتوں اور ان بستیوں کا رُخ کرنا چاہیئے جہاں شہری فتنے ابھی نہیں پہونچے اور جہاں کے مسلمان ابھی ذہنی انتشار میں مبتلا نہیں ہوئے۔

یہ کام خالص پیغمبرانہ کام ہے اس لیئے اس میں پیغمبرانہ اصول کی پابندی لازمی ہے ضروری ہے کہ اس الٰہی کام میں وہ عناصر شامل نہ ہونے پائیں جو ہماری قومی تحریکوں کے لوازم بن گئے ہیں، اور جو مدت سے مسلمان جماعتوں کے جسم و قلب کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں یعنی نمود و نمایش پروپیگنڈا، جاہ طلبی اور نفسانیت۔

حسب ذیل اُمور کا لحاظ ضروری ہے

(۱) مبلغین استغنا سے کام لیں، اپنا کھائیں اور اپنا خرچ کریں۔ تبلیغ و نصیحت گفتگو اور معاملہ میں انتہائی تواضع اور فروتنی لیکن روپیہ پیسہ اور کھانے پینے کے معاملہ میں انتہائی خودداری اور بے نیازی، قل لا اسئلکم علیہ اجرا ہر وقت پیش نظر رہے۔

(۲) اس کام میں خدا کی رضا جوئی اور اس کے کلمہ کی بلندی کے سوا کوئی اچھی یا بُری نیت شامل نہ ہونے پائے یہاں تک کہ ان دینی درسگاہوں کی تبلیغ و تشہیر (پروپیگنڈا) یا جماعت علماء کے وجود و بقا کی کوشش (جو بجائے خود صحیح اسلامی مقاصد ہیں) اس مقصد کے ساتھ شریک نہ ہوں قلب و دماغ کو اس مختصر سے وقت میں جتنا صاف اور رضائے الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے خیال کے سوا ہر مقصد سے خالی رکھا جا سکے اس کام کے لیئے مفید ہوگا۔

جماعتی عصبیت قومی اقتدار کی نیت۔ کسی قسم کا سیاسی پروپیگنڈا کسی انتخاب کیلئے لوگوں کو تیار کسی قومی کام کیلیئے زمین کو ہموار اور کسی خاص جماعت یا سیاسی مسلک کے حق میں فضا کو سازگار بنانے کی کوشش اس تحریک کو بہت نقصان پہونچائے گی اور بڑی مزاحمتوں اور بدگمانیوں کو دعوت دے گی بعض عارفوں کا خیال ہے کہ اس موقعہ پر دوسروں کی ہدایت کی نیت بھی نہیں ہونی چاہیئے صرف احکام الٰہی کی تعمیل اور اس کے ذریعہ سے قرب خداوندی حاصل کرنے کی نیت ہونی چاہیئے۔ اس میں بے شمار مصالح ہیں کام کرنے کے بعد اس کی حکمت خود نظر آئیگی۔

(۳) ایمان کامل اور فرائض کے سوا ابتدا میں ہر قسم کی فروعی اور اختلافی باتوں سے گریز کیا جائے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن پر پورا پورا عمل ہو انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ کام کیا جائے

دلوں کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی جائے ہر قسم کی سخت کلامی اور درشتی کو ہنسی خوشی برداشت کیا جائے ہر کلمہ گو اور نام کے مسلمان کا بھی احترام کیا جائے۔

(۴) اس راہ میں جسمانی مشقت برداشت کی جائے اور زیادہ سے زیادہ ایثار اور قربانی سے کام لیا جائے کہ ان چیزوں کی اللہ کے یہاں بڑی قیمت ہے۔ اور ان سے بڑے برکات حاصل ہوتے ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین۔

(۵) ارواح وقلوب کا انقلاب اور اسلامی زندگی صناعی اور میکانکی طریقوں سے نہیں پیدا ہو سکتی اس کے لیے روحانیت کی ضرورت ہے لیکن اس روحانیت کے پیدا ہونے کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے، یہ روحانیت اس راستہ پر چلنے اور تکلیف کو برداشت کرنے سے خود بخود پیدا ہوگی۔ قرآن مجید کی آیات اور صحابہ اور خواص امت کے واقعات اس کے شاہد ہیں۔ اور ہم حقیقتاً روحانیت کے کسی خاص درجہ اور اعلیٰ مقدار کے مکلف نہیں ہیں اس لیئے اس کی خاطر کسی ایسے کام میں تاخیر کرنا جس کے ہم مکلف ہیں درست نہیں۔

یہ کام جس قدر ضروری ہے اسی قدر مشکل بھی ہے، یہ ہتھیلی پر سرسوں جمانا نہیں ہے یہاں پتھر کی سلوں سے زندگی کے چشمے جاری کرنے ہیں۔ اور پہاڑ کے جگر سے دودھ کی نہر بہانی ہے یہاں ہفتوں، اور مہینوں کا سوال نہیں۔ یہ عمروں اور اشخاص کی پوری پوری زندگیوں کا کام ہے۔

لیکن جس قدر یہ کام مشکل ہے اسی قدر اس کی کامیابی بھی یقینی ہے اور اسی قدر یہ کامیابی عظیم الشان اور بے نظیر ہے۔ خود قرآن مجید اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی بہترین گواہ ہیں۔

اگر عربی مدارس کے معلمین وطلبہ اس کام کیلئے پابندی کے ساتھ ہفتہ میں ایک دن بھی دیں تو کچھ مدت کے بعد ان کو انشاءاللہ اپنی کوشش اور محنت کے نتائج نظر آئیں گے اور ان مدارس کے جوار میں جہاں اکثر ان مدارس کا کوئی دینی اور اخلاقی اثر نہیں ہوتا اور ان تبلیغی حلقوں میں جو مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے بہت پسماندہ ہیں۔ خاص قسم کی مذہبی زندگی کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔

لیکن اگر کامیابی کے آثار نظر نہ آئیں تو کام کرنے والوں کو بددل نہیں ہونا چاہیئے کبھی نہ کبھی اس کا اثر ہوگا، وان سعیہ سوف یریٰ، لا یضیع عمل عامل منکم، لا یضیع اجر المحسنین، اسی لیئے بہتر ہے کہ لوگوں کی ہدایت پر ساری توجہ مبذول نہ کی جائے اور اس کو اپنی محنت کا صلہ نہ سمجھا جائے ورنہ لوگوں کی بے توجہی اور بے اعتنائی سے دلشکنی اور نا امیدی ہوگی تعمیل حکم مقصد ہونا چاہیئے۔ اور وہ بہر حال حاصل ہے۔

اس کام میں ایک دوسرا فائدہ بھی یقینی ہے اور وہ عام ہدایت سے کسی طرح کم اور غیر اہم نہیں وہ یہ کہ خلوص اور تسلسل کے ساتھ کام کرنے والوں میں اسلام کے وفادار سپاہی ثابت قدم مجاہد اور ایسے اہل دل پیدا ہوں گے جن کی نظیر مدارس اور خانقاہوں میں نہیں ملے گی اور اس جماعت کا کسی تعداد میں بھی فراہم ہو جانا بڑی کامیابی ہے

مدارس کو اس تحریک سے متعدد فوائد حاصل ہوں گے جو اس تحریک اور عمل کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتے پہلا فائدہ یہ کہ ان طلبہ کی

غیر شعوری طریقہ پر دینی اور اخلاقی تربیت اور ان میں اسلامی جذبات کی پرورش ہوگی اور بلا کسی اہتمام کے تبلیغ و صلاح کی مشق و تربیت بہت اور ایسا عملی تجربہ ہوگا جو کسی "دارالتبلیغ" میں حاصل نہیں ہو سکتا۔

دوسرا فائدہ علمی ہے اور وہ یہ کہ قرآن و حدیث کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہی جو عمل و مجاہدہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا، جو چیزیں عملی ہیں وہ نظری طور پر کس طرح حاصل ہو سکتی ہیں، اس کے علاوہ حقائق کا صحیح انکشاف اور قلب کا حقیقی انشراح مشقت و جہاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا میں اس کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے، اس کام میں ایسے علوم و مضامین کا القا ہوگا اور حقیقت دین کا ایسا فہم صحیح حاصل ہوگا جو قرآن و حدیث کے درس میں اور کتابوں کے ڈھیر میں حاصل نہیں ہو سکتا۔[1]

عربی زبان کی اشاعت!

مدارس کی چار دیواری سے باہر علما کا دوسرا فرض یہ ہے کہ ہندوستان میں عربی زبان کی اشاعت کی کوشش کریں اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ عربی زبان سیکھنے کا شوق دلائیں دین کی صحیح حقیقت سمجھنے کے لیے، اس کے سرچشموں سے براہِ راست سیراب ہونے کے لیے۔ اور ان غلط فہمیوں اور بے اعتدالیوں سے بچنے کے لیے جنمیں بہت سے دیندار، نیک نیت تعلیم یافتہ لیکن بہت سے واسطوں سے اسلام تک پہونچنے والے مسلمان مبتلا ہوتے ہیں، عربی زبان سیکھنا اور براہِ راست قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنا بیحد ضروری ہے جدید تعلیم یافتہ اشخاص کی غیر متوازن مذہبیت اور "علمی تحقیقات" دیکھ دیکھ کر عربی زبان کی اہمیت اور اس کے ذریعہ سے اسلامی تعلیمات سے گہری اور براہ راست واقفیت کی ضرورت روز بروز آشکارا ہوتی جارہی ہے اس لیے عربی زبان کی اشاعت ہندوستان جیسے ملک میں اسلام کی بہت بڑی خدمت اور "اسلامی تہذیب اور کلچر" کی حفاظت کا صحیح راستہ ہے۔

اس کام کے لیے علما کو ترغیب و تشویق کے تمام موثر ذرائع استعمال کرنے ہوں گے، خواندہ عوام اور غیر عربی داں تعلیم یافتہ اشخاص کے لیے عربی زبان سکھانے کا آسان سے آسان طریقہ استعمال کرنا ہوگا، اور اس بات کی کوشش کرنی ہوگی کہ ابتدائی مشکلات کو آسان کر کے کم سے کم وقت میں قرآن مجید سمجھنے کی اہلیت پیدا کر دیں اس کے لیے علما اور مدارس کو چاہیئے کہ وہ مجلس ترقی عربی (بہرائچ) سے تعاون کریں اور اس کے پروگرام کو کامیاب بنائیں۔

اگر فلسطین میں مردہ عبرانی زبان اور ہندوستان میں مردہ سنسکرت زبان زندہ ہو سکتی ہیں تو ہندوستان میں عربی زبان جو ابھی تک مردہ نہیں ہے، زندہ رکھی جا سکتی ہے اور اس کی اشاعت ممکن ہے۔ صرف عزم کوشش اور تعاون کی ضرورت ہے۔

مدارس کی تنظیم اور علما کا اجتماع

ان تمام مقاصد کے لیے ضروری ہے کہ عربی مدارس ایک سلسلہ میں منسلک ہوں

[1] جو حضرات اس کام کو شروع کرنا چاہیں اور اس کا مفصل طریق کار معلوم کرنا چاہیں وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مدظلہ (بستی نظام الدین دہلی) سے ملاقات کریں اور میوات کے علاقہ میں جو ان کے تنظیم الشان تبلیغی کام کو دیکھیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مضامین "ایک اہم دینی تحریک" اور "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" (رسالہ ترجمان القرآن) کا مطالعہ بھی ان کیلئے مفید ہوگا۔ ۱۲

اور ان کی تنظیم کی جائے علما کم سے کم سال میں ایک مرتبہ ایک جگہ جمع ہوں، ایک دوسرے کے خیالات اور کوششوں سے واقف ہوں، اور اشتراک عمل کی صورتیں پیدا کریں، ندوۃ العلما کی تحریک کا یہ ایک اہم مقصد تھا اور اس کے سالانہ جلسے علما کے سب سے بڑے مرکز ہوتے تھے اس کا دار العلوم اور دار العلوم دیوبند اب بھی اس تحریک و تنظیم کا مرکز بنائے جاسکتے ہیں اور علما اور عربی مدارس کے طلبا اور نمائندوں کے ایک جگہ اجتماع کی مختلف مناسب تقریبیں پیدا کی جاسکتی ہیں جن میں سے اردو اور عربی کے مباحثے تقسیم اسناد کے جلسے اور بعض دوسرے علمی اجتماعات ہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ان بڑے مدارس میں ہندوستان کے چھوٹے بڑے مدارس کی مفصل فہرست ہو تاکہ ان کو ضروری لٹریچر اور عام اجتماع کے دعوت نامے بھیجے جاسکیں۔

ایک ضروری اعلان

اردو زبان اور تفسیر قرآن

ایک ضروری اعلان

دائرہ قرآنیہ عمرآباد کی ہدایت پر راقم الحروف ایک ایسی کتاب لکھ رہا ہے جس میں ان مصنفوں کا تذکرہ ہوگا جنھوں نے اردو میں کوئی قرآنی خدمت کی ہے لہذا اس امر کی درخواست کی جاتی ہے کہ جن حضرات نے اردو میں کوئی مستقل تفسیر لکھی ہو یا کسی دوسری زبان سے اردو میں ترجمہ کیا ہو یا کسی خاص تفسیری مسئلہ پر کوئی خاص ضخیم کتاب لکھی ہو وہ اپنا مختصر سا تذکرہ اپنی کتاب کے ساتھ روانہ فرماکر اردو زبان اور تفسیر قرآن کی اس خدمت میں دائرہ قرآنیہ کا ہاتھ بٹائیں امید ہے کہ اہل علم و ادب اس طرف ضرور توجہ فرمائیں گے اور اخبارات و رسائل اس کو نقل فرماکر ممنون فرمائیں گے۔

المعلن:- (شیخ التفسیر) سید صبغۃ اللہ بختیاری (فاضل دیوبند) استاذ جامعہ دار السلام مہتمم دائرہ قرآنیہ عمرآباد ضلع شمالی آرکاٹ
(صوبہ مدراس)

اخبار **مسلمان** ہفتہ میں دو بار

ملک کے مشہور ادیب اور سیاست داں مولانا نصر اللہ خان عزیز بی اے کی ادارت میں لاہور سے آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے ولولہ انگیز اور دینی طرز نگارش صحیح فکر و رائے بلند پایہ نظم و نثر شگفتہ اور پاکیزہ مزاح تازہ ترین خبریں ایمان افروز اسلامی سطور اور کی لف حسن و صراط مستقیم کی دعوت اسکی خصوصیات ہیں آج ہی منی آرڈر کے ذریعہ چندہ بھیجکر خریدار بنجائیے یا وی پی کی فرمائش بھیجکر پرچہ طلب فرمائیے۔

سالانہ قیمت ۶ روپیہ ششماہی ۳ سہ ماہی ۱؎ فی پرچہ ۱؎

منیجر اخبار **مسلمان** لاہور

پندرہ روزہ **"الانور"** دیوبند

مشہور ترین متبحر عالم امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی زندہ یادگار دیوبند کے نوجوان بلند ہمت فضلا کی ایک جماعت "انور" کے ادارہ تحریر میں شامل ہے۔ مہینہ میں دو مرتبہ کتابت و طباعت کی دلکش خوبیوں ترتیب و تسوید کے محاسن اور تازہ و بلند پایہ مضامین کی جاذبیتوں کے ساتھ ٹھیک وقت پر شائع ہوتا ہے "انور" کے حلقہ اشاعت کی توسیع کرنا حضرت علامہ کشمیری مرحوم کے علوم کو پھیلانا ہے سالانہ چندہ ؎ نمونہ مفت

جملہ خط و کتابت اور رسائل کا پتہ :- مدیر جریدہ "الانور" دیوبند

"شاہ ولی اللہ نمبر" "الفرقان" کا

دوسرا شاندار ایڈیشن

(نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول)

معلوم کرکے شاید ہمارے تمام ناظرین کو مسرت ہوگی کہ "الفرقان" کا "ولی اللہ نمبر" جسکی تیاری میں نحیف ہم نے دو سال صرف کئے تھے اور بہت زیادہ قبول ہوا۔ اشاعت کے ساتھ ہی ختم ہوگیا بلکہ مختلف ایجنسیوں کی کئی سو نسخوں کی فرمائشیں جو بعد میں موصول ہوئیں تعمیل سے رہ گئیں نیز اس قسم کے بیسیوں منی آرڈر واپس کرنے پڑے جن میں "ولی اللہ نمبر" کی غرض سے "الفرقان" کے اجراء کی فرمائش کی گئی تھی ۔۔۔ اب یہ دیکھکر کہ فرمائشوں کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے دوسرے ایڈیشن کی تیاری کیلئے ہمت کرنی پڑی لیکن کاغذ کی بے انتہا اور روزافزوں گرانی کی وجہ سے یہ دوسرا ایڈیشن صرف ایک ہزار تیار کرایا جارہا ہے۔ اگر فرمائشوں کی یہی رفتار رہی تو اگرچہ مجھے ہے کہ انشاءاللہ یہ ایڈیشن بھی جلد ہی نکل جائیگا تاہم احباب کرام سے گزارش ہے کہ اپنے حلقہ کے علم دوست حضرات کو نیز اخباروں اور رسالوں کے ایجنٹوں کو وہ اپنا نمبر دکھلا کر اس کے منگوانے کی ترغیب دیں۔ پہلے ایڈیشن سے بہتر کتابت و طباعت کا انتظام کیا گیا ہے، خدید گرانی کے باوجود کاغذ بھی اس سے اعلیٰ خریدا جارہا ہے۔ مضامین میں کسی خاص اضافہ اور ترمیم کا تو ارادہ نہیں ہے لیکن کچھ جزوی اضافہ انشاءاللہ ضرور ہوگا اور بعد میں یہ اضافہ "الفرقان" کے کسی عام شمارہ میں بھی شائع کردیا جائے گا تاکہ ہمارے قدیمی ناظرین بھی اس سے خالی نہ رہیں۔ پورے سال کیلئے "الفرقان" جاری کرانے والے حضرات کو یہ خریداری کے حساب ہی میں دیا جائیگا لیکن چونکہ اب یہ کتاب کے حکم میں ہوجائیگا اس لیئے اس پر محصول مع فیس رجسٹری آٹھ آنے لگیگا اور اتنی قیمتی چیز کا بلا رجسٹری منگوانا سخت بے احتیاطی کی غلطی ہے، اس لیئے ایسے حضرات سے چندہ سالانہ بجائے تین روپیہ کے ساڑھے تین روپیہ لیا جائے گا۔ تنہا نمبر خریدنے والے حضرات کیلئے اسکی قیمت وہی دو روپیہ ہوگی۔ تاجران کتب و ایجنٹوں کو مناسب کمیشن دیا جائیگا لیکن معاملہ بہرحال صرف نقد ہوگا۔

یہ ملحوظ رہے کہ اس کے ایک نسخہ کا وزن پینتالیس تولہ کے قریب ہوگا اس لیئے اگر صرف ایک نسخہ اس کا ڈاک سے منگوایا جائیگا تو محصول مع فیس رجسٹری آٹھ آنے پڑیگا۔ لہذا چند نسخے ریلوے سے منگوانے میں خاص فائدہ رہیگا، چنانچہ اگر آٹھ عدد نمبر بھی ریلوے سے منگوائے جائیں تو پانچسو میل کی مسافت تک محصول مع رجسٹری بلٹی صرف دس بارہ آنے ہوگا۔ غرض محصول بہرحال بذمہ خریدار صاحبان ہوگا۔

ایک صاحب نے صرف ایک مہینے میں تیار کرنیکا ٹھیکہ لے لیا ہے اور جس طرح انہوں نے کام شروع کیا ہے اسکو دیکھتے ہوئے یہ توقع بیجا نہیں ہے کہ انشاءاللہ اپریل تک وہ اس کو بالکل تیار کرکے ہمارے حوالے کردینگے۔

پہلے اڈیشن کے کچھ نسخے بھی جو خاص ضرورتوں کیلئے بچا لیئے گئے تھے فی الحال دفتر میں موجود ہیں جو صاحب کسی وجہ سے فوراً منگانا چاہیں وہ اُن میں سے بھی منگوا سکتے ہیں۔

ہمارے محترم ناظرین جو فی الحقیقت صرف خریدار ہی نہیں ہیں بلکہ ہمارے اس مشن کے ممبر اور اس راہ کے رفیق ہیں اُن سے درخواست و توقع ہے کہ ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی اس دوسرے ایڈیشن کی نکاسی کے لیئے خاص جدوجہد فرماکر ہماری مدد کرینگے اور ولی اللہی پیغام کے زیادہ سے زیادہ پھیلانے میں ہمارا ہاتھ بٹائینگے۔ والسلام

آپکا مخلص "محمد منظور" نعمانی عفا اللہ عنہ

تسامحات گیلانی

(از جناب مولٰنا مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی)

[حضرت مولٰنا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ کا ایک سلسلہ مضمون "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" کے عنوان سے گزشتہ سال الفرقان میں شایع ہونا شروع ہوا تھا اور اس کی صرف ابتدائی تین قسطیں ہی ابھی شایع ہوئی تھیں کہ مولٰنا کو "شاہ ولی اللہ نمبر" والے مقالہ کی تیاری کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا، اور وہ سلسلہ نامکمل بلکہ ابتدائی تمہیدی مرحلہ ہی میں رہ گیا، مولٰنا کا وعدہ ہے کہ اس سال ۱۳۵۶ھ میں وہ ضرور انشاء اللہ اس کو مکمل فرمائینگے

مولٰنا مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی کا مندرجہ ذیل مضمون مولٰنا گیلانی مدظلہ کے اسی سلسلہ پر ایک علمی تنقید اور تعاقب کی حیثیت رکھتا ہے اسکے دو جز ہیں ——— پہلے تو موصوف نے مولٰنا گیلانی کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ "امام صاحب کی سیاسی زندگی کو پہلے تذکرہ نویسوں نے کما حقہٗ اجاگر نہیں کیا اور مستقل طور سے اب تک اس پر کسی نے کچھ نہیں لکھا" ——— اس سلسلہ میں مولٰنا نگرامی نے بعض قدیم مورخین اور حال کے مورخوں میں مولٰنا شبلی مرحوم کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ امام صاحب کی زندگی کے سیاسی پہلو پر اگلوں نے بھی وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جو مولٰنا گیلانی پیش کرنا چاہتے ہیں ———

اس کے بعد مولٰنا گیلانی کے مضمون میں بنی اُمیہ کے مثالب اور صرف مثالب جس تیزی اور غیر معتدل انداز میں بیان کیے گئے تھے ان پر تبصرہ کیا گیا ہے اور تصویر کے دوسرے رُخ کی طرف بھی خود مولٰنا اور ناظرین الفرقان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

جہاں تک اس دوسرے جز کا تعلق ہے فی الحقیقت یہ قابل غور چیز ہے اور مضمون کی تکمیل کے بعد بطور استدراک کے چند سطریں اس کے متعلق لکھنے کا ارادہ خود راقم سطور کا بھی تھا لیکن اب مولٰنا مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی کے اس تعاقب کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی اگرچہ میرے نزدیک بنی امیہ کا معاملہ اتنا ہلکا بھی نہیں ہے جتنا کہ ہمارے دوست مولٰنا نگرامی نے اس کو ہلکا کرنا چاہا ہے تاہم ان کی اس چیز سے پورا

اتفاق ہے کہ اس عہد کی تاریخ نویسی میں زیادہ سخت اور تیز اور پھر یک رخہ طرز بیان ٹھیک نہیں،

ہاں اس جگہ یہ بھی عرض کردینا ضروری ہے کہ شاید مولانا گیلانی کو خود بھی اپنے قلم کی تیزی کا کچھ احساس پہلی دو قسطوں کے بعد ہوا ہے چنانچہ تیسری قسط میں چند سطریں آپ نے اس کے تدارک کیلئے لکھی بھی ہیں غالباً مولانا نگرامی نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی ——— بہرحال تعاقب کا یہ دوسرا جزو راقم سطور کے نزدیک بھی بڑی حد تک برمحل ہے لیکن اس کا پہلا جز قبل از وقت ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ابھی مولانا گیلانی کا وہ مضمون صرف ابتدائی بلکہ تمہیدی مرحلہ میں ہے لہٰذا اس کی تکمیل کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا "حضرت امام اعظم کی سیاسی زندگی" کے جس پہلو کو خاص طور سے پیش کرنا چاہتے ہیں آیا اس کے متعلق پہلے تذکرہ نویسوں سے ان کی یہ شکایت کہ "انھوں نے اس کو کماحقہ اجاگر نہیں کیا اور مستقل طور سے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا" صحیح ہے یا غلط ——— یہ تو ظاہر ہے کہ مولانا اس بارہ میں جو بھی لکھیں گے واقعاتی حد تک وہ قدیم تاریخوں ہی سے استنباط ہوگا صرف ترتیب اور نتائج اُن کے ہوں گے اس لئے قدیم مورخین کے "اقتباسات" نقل کر دینے ہی سے مولانا کے دعوے کی تردید نہیں ہو سکتی ——— اور علامہ شبلی مرحوم نے بھی جتنا کچھ اس باب میں لکھا ہے مضمون کی تکمیل ہی کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ مولانا گیلانی جو کچھ پیش کرنا چاہتے ہیں آیا وہ بس یہی ہے یا اس سے آگے کی کوئی چیز، ورنہ ابتک کی مولانا گیلانی کی قسطوں میں جو کچھ اشارات آئے ہیں اور علیٰ ہذا مولانا نگرامی نے علامہ شبلی مرحوم اور قدیم مورخین کے بیان سے جو کچھ نقل کیا ہے اس سے زیادہ تو اب سے ڈیڑھ سال پہلے مولانا محمد نور الحق صاحب علوی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کے سلسلہ مضمون تصوف و احسان کے پہلے حصہ میں آچکا ہے[1] بہرحال اس تعاقب کیلئے مضمون کی تکمیل کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔

ان سطور کے بعد ملاحظہ فرمایئے اصل مضمون۔ "مدیر"]

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے اس کی پہلی قسط "ترجمان القرآن" مئی و جون ۱۹۴۰ء کے نمبر میں شائع ہوئی ہے جو "الفرقان" سے منقول ہے مجھے یہ دیکھ کر انتہائی حیرت و استعجاب ہے کہ مولانا نے ایک سنجیدہ اور متین عالم دین ہونے کے باوجود سلسلہ مضمون میں جن ائمہ کا ذکر نہایت ہی نامناسب الفاظ میں کیا ہے نیز بعض دعوے ایسے کر گزرے ہیں (میری محدود واقفیت میں) جن کا کوئی وزن نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ آج کی صحبت میں مولانا کے اس مقالہ پر طالب علمانہ حیثیت سے کچھ اظہار خیال کروں۔ سب سے پہلے مجھے حضرت مولانا کے اس ادعا کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے کہ آج تک امام صاحب کی سیاسی زندگی

[1] مولانا علوی کے مضمون کا یہ حصہ شش ماہی کے "الفرقان" کے چند پرچوں میں باقساط شائع ہو چکا ہے ۱۲ م

کو کسی سوانح نگار نے اُجاگر نہیں کیا حضرت مولانا رقام فرماتے ہیں:۔

"حیرت ہوتی ہے کہ امام صاحب کی زندگی کے اہم پہلو یعنی اُن کی سیاسی زندگی کے متعلق کسی نے اب تک مستقل طور سے کچھ نہیں لکھا"۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے ایسے اہم واقعہ کو اب تک جس بے پروائی کے ساتھ دیکھا گیا شاید اس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکتی ہو حالانکہ واقعات موجود تھے۔ اسباب کا پتہ آسانی سے لگایا جاسکتا تھا لیکن امام صاحب کی وفات کی وجہ ابتداءً میں کسی نے انکار تضاد درج کی آئندہ بے سمجھے بوجھے لوگ اس کو نقل کرتے چلے آئے"۔

حالانکہ اس صدی کے سب سے بڑے عالم تاریخ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النعمان جلد اول میں امام صاحب کی سیاسی اہمیت کا ذکر خصوصی طور پر کیا ہے چنانچہ حضرت علامہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علما کے وہ اوصاف جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے تیزی ذہن قوت حافظہ، بے نیازی، تواضع، قناعت، زہد، اتقا، غرض اسی قسم کے اوصاف ہوتے ہیں لیکن علو رائے فراست و تدبیر کا ذکر تک نہیں آتا گویا یہ باتیں دُنیاداروں تک محدود ہیں۔ اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ علماء کا گروہ انتظام و ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا اور یہ بالکل سچ ہے حالانکہ اگر سچ پوچھیے تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے اسلام بخلاف اور مذہبوں کے دین کے ساتھ دُنیاوی انتظامات کا بھی متضمن ہے خلفاء راشدین کے حالات پڑھو سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا میں کون ان کا ہمسر کہا جاسکتا ہے؟

بے شبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ تمام فرقہ علما میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دُنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ داں تھے یہی بات ہے کہ ان کا مذہب سلطنت و حکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام میں سلطنت و حکومت کے جو بڑے سلسلے قایم ہوئے مذہباً اکثر حنفی تھے امام ابو حنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم و ملک کے ساتھ اُن کے جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جس کے فرائض کو

انھوں نے دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر کے شایاں تھا،،

حضرت علامہ کی اس تحریر سے کیا یہ امر واضح نہیں ہو جاتا کہ امام صاحب نہ صرف ایک فقیہ اور عالم مجتہد تھے بلکہ وہ ایک سیاسی مدبر اور مفکر کی حیثیت رکھتے تھے اور اُن کے اس وصف نے انھیں علما کی صف میں ایک ممتاز درجہ دے دیا تھا، نیز اُن کی فقہ کے مسائل نہ صرف حلال و حرام کی تعیین و تعبیر ہی تک محدود تھے بلکہ اُن کے مجتہدات میں اسلامی حکومتوں اور سلطنتوں کے لیئے پاکیزہ دستور العمل اور عمدہ قوانین موجود ہیں کیا یہ تصریحات امام صاحب کی سیاسی اہمیت وعظمت پر دلالت نہیں کرتیں ؟

ایک دوسری جگہ علامہ شبلیؒ امام صاحب کی سیاسی اور انقلابی عظمت کو ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں :-

اُن کے اُستادی کے حدود خلیفۂ وقت کے حدود سلطنت کے برابر تھے رفتہ رفتہ عراق میں اُن کا ملکی اثر قایم ہو گیا یہاں تک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے لوگوں کو اُن کی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا

حضرت علامہ شبلی کی اس تحریر سے یہ امر واضح ہو کر رہتا ہی کہ امام صاحب کی نظریں کتاب و سنت کے اوراق کے ساتھ ملکی حالات سے بے خبر نہیں رہتی تھیں وہ ایک باخبر اور متیقظ آدمی تھے ایک طرف کتاب و سنت سے مسائل کا استخراج کرتے ، دوسری طرف ملکی نظام کی اصلاح و درستگی کی جد و جہد میں مشغول رہتے۔

انھیں سیاسی سرگرمیوں کے ماتحت امام صاحب نے حکومتوں کے کسی تعلق کو کبھی قبول نہیں کیا حتیٰ کہ اُس اعزازی وظیفے کے لینے سے بھی احتراز فرمایا جو اُس دور کے جلیل القدر علما کو حکومت کی جانب سے ملتا تھا اور اُس کی وجہ بھی ایک سیاسی مدبر کی طرح ظاہر فرمادی کہ ایسے تعلقات سے ہمیشہ ضمیر کا خون ہوتا ہے انسان کی زبان بند ہو جاتی ہی اور وہ منکرات کو دیکھ کر بھی اُس سے روکنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ علامہ شبلیؒ علما کی وظیفہ خواری کے سلسلے میں لکھتے ہیں

امام ابو حنیفہ اس اصول کے سرے سے مخالف تھے اس لحاظ سے اُن کی مخالفت بجا تھی کہ اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک نہیں ہوتا تھا انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہی کہ اُس کے اثر سے بچنا ممکن نہیں تو قریباً نا ممکن ہی امام صاحب تمام عمر کسی کے احسان مند نہیں ہوئے اور اس وجہ سے اُن کی آزادی کو کوئی چیز دبا نہیں سکتی تھی اکثر موقعوں پر وہ اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے ابن ہبیرہ نے کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا ان ہی

بہ لجاجت کہا کہ " آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھ پر احسان ہوتا " فرمایا: " میں تم سے مل کر کیا کرونگا مہربانی سے پیش آؤگے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں عتاب کروگے تو میری ذلت ہی تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھکو اس کی حاجت نہیں میرے پاس جو دولت ہے اُس کو کوئی چھین نہیں سکتا "

نیز علامہ مرحوم اور دوسرے اہل خبر نے امام صاحب کے واقعۂ وفات اور بنی اُمیہ اور بنی عباس سے اُن کے اختلاف کو جس رنگ میں لکھا ہے اُس سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ محض انکار قضا امام صاحب کے لیئے مصائب و آلام کا باعث نہ تھا بلکہ امام صاحب فطرتاً اصلاحی اور انقلابی طبیعت رکھتے تھے اور ہمیشہ وہ ان حکومتوں کے مقابلہ میں بصدق نیت ایک پُر جوش بہادر انقلابی کی طرح سرگرم عمل رہے یہاں تک کہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کی حکومتوں کی خلاف آپ نے نہ صرف زبانی احتجاج کیا بلکہ تشدد کو عمل میں لائے لوگوں کو ان حکومتوں کے مقابلہ کے لیئے آمادہ کیا اور مقابلہ کرنے والوں کی ہر طرح امداد و اعانت کی اور ہمیشہ اسی کوشش میں لگے رہے کہ ان حکومتوں کا تختہ اُلٹ جائے امام صاحب کی یہ کاوشیں راز نہ رہ سکیں حکومتوں نے ان انقلابی سرگرمیوں کو خطرہ کی نگاہ سے دیکھا پہلی حکومت بنی امیہ نے تازیانے اور جیل کی سزا دی اور دوسری حکومت بنی عباس نے امام صاحب کو جیل میں زہر دلوا کر ہمیشہ کیلئے اس خطرہ کا سدباب کر دیا۔ انکارِ قضا اور حکم عدولی کے بہانے محض اس لیئے تراشے گئے کہ عوام کے جذبات برانگیختہ نہ ہوں اور دوسرے فتنوں کی موجودگی میں کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا ہو۔

بنی اُمیہ کے زمانہ حکومت میں زید بن علی نے جو خلافت یا بادشاہت کو اپنا حق سمجھتے تھے جب ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنی اُمیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تحفہ میں تصریح فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے بھی اس میں شرکت کی علامہ شبلیؒ کی تحقیق کے بموجب " نامۂ دانشوراں " کے مولفوں نے بھی امام صاحب کو زید بن علی کا حامی و مددگار بتلایا ہے تحقیقی نقطۂ نظر سے ان واقعات کی نوعیت جو بھی ہو لیکن امام صاحب کی سیاسی کوششوں اور انقلابی سرگرمیوں کے یہ تذکرے صاحب مقالہ جن کی مدرت کے ساعی ہیں نئے نہیں ہیں۔

" مناقب موفق " میں بھی زید بن علی کی حمایت و اعانت کی صراحت موجود ہے مالک بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بزرگوار کو فرماتے ہوئے سُنا ہے۔

کان زید بن علیؓ ارسل الی ابی حنیفۃ یدعوہ الی نفسہ فقال ابو حنیفۃ لرسولہ لو علمت	زید بن علی نے امام ابو حنیفہ کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور ان کو اپنی اعانت و بیعت کے لیئے دعوت دی امام صاحب

ان الناس لا يخذلونه ويقومون معه فيامه صدق لكنت اتبعه واجاهد معه من خالفه لانه امام حق ولكني اخاف ان يخذلوه كما خذلوا اباه لكني اعينه بمالي فيتقوى به على من خالفه وقال لرسوله ابسط عذري عنده وبعث اليه بعشرة آلاف درهم

(مناقب موفق ج ۱ ص ۲۶۰)

قاصد سے فرمایا کہ اگر مجھ کو اس کا یقین ہوتا کہ لوگ اُن کے ساتھ بے وفائی نہ کریں گے اور سچائی کے ساتھ اُن کی اعانت کیلئے آمادہ ہوں گے تو یقیناً میں اُن کی مدد کرتا اور اُن کے مخالفین سے جہاد کرتا کیونکہ وہ امامت کے بجا طور پر حقدار ہیں، لیکن مجھے خطرہ ہے کہ لوگ اُن کے ساتھ غداری کریں گے جیسا کہ اس سے پہلے اُن کے والد کے ساتھ کر چکے ہیں البتہ میں مال سے اُن کی مدد کرونگا تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنے مخالفین پر قوت حاصل فرماسکیں پھر قاصد سے کہا دیکھو میرا عذر زید بن علی کے سامنے تفصیل سے بیان کر دینا اور دس ہزار درہم زید بن علی کو روانہ کیئے۔

مناقب موفق میں ہے کہ یہ روایت مناقب حمیری میں بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رح کو زید بن علی کی حمایت میں اس درجہ غلو تھا کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ مالی ہی امداد فرمائی بلکہ زید بن علی کی اس جنگ کو غزوہ بدر سے تشبیہ دے کر لوگوں کو اس میں شرکت کے لیئے آمادہ کیا اسی مناقب موفق میں ہے:-

سئل عن الجهاد معه فقال خروجه يضاهي خروج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم بدر فقيل له فلم تخلفت عنه قال لاجل ودائع كانت عندي للناس عرضتها على ابن ابي ليلى فما قبلها

مناقب موفق ج ۱ ص ۲۶۰

معرکہ میں زید بن علی کی اعانت کے متعلق امام صاحب سے سوال کیا گیا آپ نے فرمایا زید بن علی کی یہ جنگ غزوہ بدر کے مشابہ ہے لوگوں نے کہا پھر آپ نے کیوں شرکت نہیں فرمائی۔ ارشاد ہوا لوگوں کی کچھ امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں میں نے یہ امانتیں ابن ابی لیلیٰ کے سپرد کرنا چاہا تھا لیکن وہ اس کے لیئے تیار نہیں ہوئے۔

مناقب موفق کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ امام صاحب اُن دنوں علیل تھے اس لیئے شرکت نہیں کر سکے

اعتذر بمرض يعتريه في الايام حتى تخلف عنه

زید بن علی کے قاصد کے سامنے آپ نے اس مرض کو بطور عذر پیش کیا جس میں آپ اُن دنوں مبتلا تھے اسی باعث معرکہ میں شرکت نہ فرما سکے

عذر مرض کے علاوہ بقیہ مندرجہ بالا دونوں روایتیں اسی صراحت کے ساتھ مناقب کردری میں بھی موجود ہیں۔

ابن ہبیرہ نے جو حکومت بنی اُمیہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا امام صاحب کی ان کوششوں کا روکنا جس کردہ اپنی محدود

نظر میں باغیانہ سازشوں اور مجرمانہ سرتابیوں کے مرادف سمجھ رہا تھا (العیاذ) ایک ذمہ دار گورنر کی حیثیت سے ضروری سمجھا اور جرم کی نوعیت بدل کر امام صاحب کو سزائے تازیانہ وقید دی۔

اسی طور پر بنی عباس کی وہ سخت گیریاں جو امام صاحب پر روا رکھی گئیں اُن کی تہہ میں بھی امام صاحب کی سیاسی سرگرمیاں موجود ہیں جن کے ظاہر کرنے کا شرف آج سے بہت پہلے علمائے محققین حاصل کر چکے ہیں علامہ شبلی رح سیرۃ النعمان جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں:

"۱۴۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایانِ مذہب کے ساتھ امام صاحب نے اس کی تائید کی خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر نہ ہو سکے جس کا اُن کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامۂ دانشوران میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو انھوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اُس کے الفاظ یہ ہیں:۔

امّا بعد فانی قد جھزت الیک اربعۃ الاف درہم ولم یکن عندی غیرھا ولولا امانۃ الناس عندی للحقت بک فاذا لقیت القوم وظفرت بھم فافعل کما فعل ابوک فی اہل صفین فاقتل مدبرھم واجھز علی جریحھم ولا تفعل کما فعل ابوک فی الجمل فان القوم لھم فئۃ"

میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اس وقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو میں ضرور آپ سے ملتا جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علی) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا یعنی زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کیے جائیں اور وہ طریقہ اختیار نہ کیجیے گا جو آپ کے باپ نے جنگ جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے

"نامۂ دانشوران" میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن خاص کتاب کا نام نہیں بتایا اسلئے ہم اس کی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔ یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اس میں شک نہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے علانیہ طرفدار رہے اور بجز اس کے کہ خود شریک جنگ نہیں ہو سکے اور ہر طرح پر ان کی مدد کی ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑ کر مارے گئے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر منصور اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنھوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا ان میں امام صاحب بھی تھے اس وقت تک منصور کا پایۂ تخت ہاشمیہ تھا جو کوفے سے چند میل پر تھا چونکہ کوفے والے۔ سادات کے سوا اور کسی کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے منصور نے ایک دوسرے دار الخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا ۱۴۶ھ میں بغداد بسا تو منصور نے امام ابو حنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایۂ تخت حاضر ہوں وہ بنی امیہ کی تباہی

کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے منصور نے گو پہلے ہی سے اُن کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا مگر بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔

منصور نے امام صاحب کی ایذا رسانی اور اپنے مقصد کے حصول کے لیئے یہ سوچا کہ امام صاحب کے سامنے عہدہ قضا پیش کیجیے اُسے یقین تھا کہ امام صاحب انکار کریں گے بس یہ حکم عدولی کا پردہ ڈال کے جو چاہے کرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا امام صاحب نے عہدہ قضا کے قبول کرنے سے انکار کیا جیل خانہ بھیج دیئے گئے لیکن اب بھی منصور اُن کی طرف سے خائف تھا۔ علامہ شبلی رح لکھتے ہیں:۔

"منصور نے امام صاحب کو ۱۴۶ھ میں قید کیا لیکن اس حالت میں بھی اس کو انکی طرف سے اطمینان تھا"

علامہ موصوف اور آگے لکھتے ہیں:۔

"قید کی حالت نے اُن کے اثر و قبول عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا اُن کے ساتھ بہت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے گو اُن کو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امر اُن کے ادب و تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا قید خانہ میں ان کا سلسلہ تعلیم بھی برابر جاری تھا امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں قید خانہ ہی میں اُن سے تعلیم پائی۔ ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید کی حالت میں بھی باقی رہا اس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں اُن کو زہر دلوا دیا جب اُن کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی:۔

علامہ شبلی رح کی اس تاریخی تحقیق کے بعد کیا مولنا گیلانی کے ان الفاظ کا کوئی وزن باقی رہ جاتا ہے۔ کہ امام صاحب کی وفات کی وجہ ابتدا میں کسی نے انکار قضا درج کی آئندہ بے سمجھے بوجھے لوگ اس کو نقل کرتے چلے آئے:۔

بعض مصنفین نے آپ کی وفات کا سبب اور زہر خورانی وغیرہ کی علت صرف آپ کی انقلابی سرگرمیوں ہی کو بتلایا ہے انکار قضا کا ذکر تک نہیں کیا ہے چنانچہ امام عبدالکریم شہرستانی ملل و نحل میں امام اعظم کی شہادت کے متعلق فرقہ جارودیہ کے سلسلہ میں نقل کرتے ہیں:۔

واختلف الجارودیۃ فی التوقف والسوق فساق بعضھم الامامۃ من علی الی الحسن ثم الی الحسین ثم الی علی بن الحسین زین العابدین ثم الیٰ	فرقہ جارودیہ کے درمیان عقیدہ امامت کے متعلق باہمی اختلاف ہوا ایک جماعت تو وہ ہے جو حق امامت و خلافت کو حضرت علی تک محدود سمجھتی ہے دوسری جماعت کا عقیدہ

زید بن علیؓ ثم منہ الی الامام محمد بن عبد اللّٰہ بن الحسن بن الحسین وقالوا بامامتہ وکان ابوحنیفۃ رحمہ اللّٰہ علیٰ بیعتہ ومن جملۃ شیعتہ حتی رفع الامر الی المنصور فحبسہ حبس الابد حتی مات

ہے کہ امامت برابر آل علی میں منتقل ہوتی رہی حضرت علی کے بعد حضرت حسن پھر حضرت حسین ——— پھر حضرت زین العابدین پھر زید بن علی اور ان کے بعد محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن الحسین امامت کے جائز حقدار ہوئے لوگوں نے محمد بن عبد اللہ کی امامت کا اعلان کیا

وقیل انہ انما بایع محمد بن عبد اللّٰہ الامام فی ایام المنصور ولما قتل محمد بالمدینۃ بقی الامام ابو حنیفۃ علی تلک البیعۃ یعتقد موالاۃ اہل البیت فرفع حالہ الی المنصور فتمّ علیہ ما تم

حضرت امام ابو حنیفہ نے بھی انھیں سے بیعت کی تھی اور انھیں کے گروہ میں تھے یہاں تک کہ یہ معاملہ منصور تک پہونچایا گیا منصور نے آپ کو حبس دوام کی سزا دی اور جیل ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ امام صاحب نے محمد بن عبد اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی جب محمد مدینہ میں قتل کر دیئے گئے تو بھی امام صاحب اُن کی بیعت پر قایم رہے وہ اہل بیت سے محبت کا عقیدہ رکھتے تھے یہ حالات منصور کو بتلائے گئے پھر جو کچھ گزرنا تھا وہ امام صاحب پر گزر گیا۔

علامہ شبلی رحمہ نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف الانتقاد میں بھی اس امر کو واضح کیا ہے کہ منصور نے عہدۂ قضا محض سزا کا بہانہ تراشنے کے لیے پیش کیا تھا ورنہ اصل مقصود یہی تھا کہ امام صاحب کو ابراہیم کی اعانت پر سزا دی جائے، قید و بند کی سزا پر بھی اس کو اطمینان نہ ہوا تو امام صاحب کو مار ڈالنے کی فکر کی اور بالآخر اس میں کامیاب ہوا۔

فان ابا حنیفۃ کان ھواہ مع ابراھیم الخارج علی المنصور وکان افتی بنصرۃ ابراھیم ولذالک اراد المنصور المکیدۃ بہ فاستدعاہ وعرض علیہ القضاء ولما لم یرض بہ سجنہ وامر بضربہ حتی مات فی السجن۔

(الانتقاد ص[illegible])

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کا میلان طبیعت ابراہیم کی طرف تھا جنھوں نے منصور سے معرکہ آرائی کی تھی اور آپ نے ابراہیم کی امداد و اعانت کا فتویٰ بھی دیا تھا ان حالات کے پیش نظر منصور نے یہ چال کی کہ آپ کو بلا کر عہدۂ قضا پیش کیا آپ نے انکار کیا تو منصور نے جیل بھجوا دیا اور مارنے کا حکم دیا یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔

ان تمام تصریحات کے یکجا کرنے کا مقصد اس امر کا واضح کرنا ہے کہ حضرت مولانا گیلانی کی کاوش تحقیق سے پہلے بھی

علما محققین نے امام صاحب کی سیاسی اہمیت کو بیان کرنے سے بے اعتنائی نہیں برتی اور سبب وفات تمامی علماء نے وہی نہیں بیان کیا جس کا ذکر مولانا گیلانی نے اعتراضاً اپنی تحریر میں کیا ہے۔—— اردو مصنفین و محققین میں حضرت علامہ شبلی رحمہ اللہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے امام صاحب کی زندگی کے ہر پہلو کو نمایاں کر دیا ہے، اسی طرح سبب وفات کے بیان کرنے میں بھی علما کی ایک جماعت نے صحیح اور واقعی حالات کا استقصا فرمایا ہے علماء تاریخ واقعات کی تہہ تک پہونچے ہیں اور اُن کو اُن کے اصلی رنگ میں بیان کیا ہے جیسا کہ آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

مولانا گیلانی کے اس دعوے کی تردید کے بعد مجھے حضرت مولانا کے مقالہ کے اُس جزو کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے جس میں آپ نے خلفاء بنی امیہ، عمال بنی امیہ، اور بنی امیہ کے عام سیاسی اخلاقی تمدنی مذہبی حالات کے متعلق اپنے جذبات و خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس میں شک نہیں کہ بنی اُمیّہ کے دور میں خلفائے راشدین کا تقویٰ، زہد، ایثار، کسر نفس، خوف خدا ذمہ داریوں کا احساس موجود نہ تھا۔ خلافت اب خدمت خلق کا نام نہ تھا، بلکہ خلافت ملوکیت اور شہنشاہیت کا نام تھا لیکن بایں ہمہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ خلفاء بنی اُمیّہ رعایا پروری، خلق کی عام راحت رسانی، تمدنی و معاشرتی اصلاحات علوم و فنون کی خدمت۔ دین و مذہب کی اشاعت سے غافل نہ تھے۔ اب اگر اُن کی زندگی میں نقایص کا پہلو بھی پایا جاتا ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ اُن کی زندگی کے صرف نقائص ہی کو منظر عام پر لا کر تاریخ اسلام کے ایک طویل سلسلہ کو گندہ کر دکھایا جائے کاش مولانا کا قلم جہاں اُن کے نقائص کو جمع کرنے کیلئے گردش میں آیا اُن کے ان محاسن کی طرف بھی توجہ کر سکتا جس کے لیے مسلمان قیامت تک ممنون و احسان مند رہیں گے نقایص کے اظہار کے لیے بھی مولانا جیسے ثقہ عالم کو یہ زیبا نہ تھا کہ وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر گردش قلم کے پابند ہو جائیں اور قلم سے جو کچھ نکل جائے اُس پر دوبارہ نظر ثانی نہ فرمائیں کاش مولانا کسی ماہر نفسیات کے اس قول کی طرف توجہ فرماتے۔

عیب او جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

مولانا بنی اُمیہ کے مثالب میں رقمطراز ہیں:۔

امام (ابو حنیفہ) کی ولادت بنی امیہ کے اس عہد میں ہوئی تھی جب سارا عالم ان کے خونچکاں مظالم سے تھرّا رہا تھا دنیا کے ان متوالوں سے وہ سب کچھ سرزد ہو چکا تھا جس کی نظیر اسلام ہی کیا شاید تاریخ عالم میں موجود نہیں فرات کے ساحل پر اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نواسے اور اُن کے خاندان کے پیاسے شہیدوں کے بہتے ہوئے لہو سے یہ اپنی حرص و آز کی پیاس بجھا چکے تھے رسول کا منورہ پاک شہر حرۃ کے دن میں

لوٹا جا چکا تھا اور اس بُری طرح لوٹا جا چکا تھا کہ جان و مال ہی نہیں عصمتیان حرم کی آبرو و ناموس تک کی پروا نہیں کی گئی رسول کی مسجد میں سعید بن مسیب کے سوا ایک زمانہ تک نماز پڑھنے والا کوئی باقی نہیں رہا تھا اللہ کا گھر کعبہ تک بھی دُنیا طلبی کی اس بھٹی کی چنگاریوں سے نذر آتش ہو چکا تھا جو اس خاندان کے سینوں میں جل رہی تھی خلافتِ اسلامی کے پہلے خلیفہ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر بیت اللہ کی چوکھٹ پر اُن ہی کے ہاتھوں خاک و خون میں تڑپ چکے تھے (ظالم الامۃ) حجاج کی بے پناہ تلوار لاکھوں مسلمانوں کی گردنیں معمولی باتوں میں اُڑا چکی تھی جن میں جلیل القدر صحابہ اور تابعین بھی شامل تھے۔

الغرض بنی امیہ اور اُن کے سنگ دل و سیاہ دل دلالہ (گورنروں) کی بدتمیزیوں کے اس بے پناہ طوفان نے ایک السا دہشت ناک مہیب منظر دنیائے اسلام میں قایم کر دیا تھا کہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ دم بخود تھا۔"

بنی امیہ کے مثالب میں جس چیز کو مولانا گیلانی نے بہت درد انگیزی کے ساتھ رقم فرمایا ہے وہ حادثۂ کربلا، واقعہ حرہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر کا واقعہ شہادت ہے" اس میں شک نہیں ہے کہ یہ واقعات مسلمانوں کے ادبار و نکبت کے آثار و علامات میں ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان حادثات کا سراسر ذمہ دار بنی اُمیہ ہی کو قرار دے کر اُن کو "دنیا کا متوالا" نواسۂ رسول کے خون سے حرص و آز کی پیاس بجھانے والا، "دُنیا طلب" اور "بدتمیز" کہنا کہاں تک قرینِ انصاف ہے؟ مولانا نے حادثۂ کربلا کی طرف اشارہ جس انداز میں کیا ہے علماء اہلسنت کے نزدیک یہ انداز کسی طور پر صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ نے اپنی تصنیف "حسین و یزید" میں تفصیلی طور پر علماء حق کے طرز عمل کو واضح کیا ہے جہاں کسی افراط و تفریط کی گنجایش نہیں رکھی ہے میں اس وقت قصداً حادثۂ کربلا کی تفصیلات میں نہیں پڑنا چاہتا کہ بارہا اس واقعہ کی تفصیلات مسلمانوں کے سامنے آچکی ہیں۔ اور یہ امر پایۂ تحقیق کو پہونچ چکا ہے کہ حضرت حسین رضہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں بڑا دخل خود اُن کے معاونین شیعان علی رضہ کو تھا۔

واقعہ حرہ میں بے شک تین دن تک باشندگان مدینہ کو مصائب کا سامنا رہا اور یزید کی فوجیں اپنا تسلط قائم کرنے کیلئے سرگرم پیکار رہیں لیکن کیا مولانا نے اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ آخر واقعہ حرہ پیش کیوں آیا؟ ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ سنہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان والی مدینہ کو جو بنی امیہ کی طرف سے

مدینہ پر مقرر تھے عضو معطل بنا دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی بنی امیہ کے افراد کو جو مدینہ میں موجود تھے ہر طرف سے گھیر لیا یہ مروان کے گھر میں محصور ہوگئے ان کی تعداد حالانکہ ایک ہزار تھی لیکن اہل مدینہ کے جم غفیر کے سامنے یہ ایک ہزار کی جمعیت بے حقیقت تھی یزید کو خبر پہنچائی گئی اس نے اہل مدینہ کے اس طرز عمل پر افسوس کیا اور حسرت سے کہا ؎

لقد بدلوا الحلم الذی فی سجیتی فبدلت قومی غلظۃ بلیان (تاریخ کامل جزء ۴ ص۔۔)

میں نے اپنی طبیعت میں جس طرح حکومت کرنے کا فیصلہ کیا تھا (مدینہ کے) لوگوں نے (اپنے طرز عمل سے) اس کو بدل دیا پس میں نے بھی اپنی قوم کی نرمی کو سختی سے بدل دیا

پھر اس نے مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ فوج لیکر مدینہ پہونچیں اور بنی امیہ کو اہل مدینہ کے شدائد سے نجات دلائیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی تاکید کردی۔

ادع القوم ثلاثا فان اجابوك والا فقاتلهم (تاریخ کامل جزء ۴ ص۔۔)	انھیں تین مرتبہ صلح اور اطاعت کی دعوت دینا اگر وہ مان جائیں تو بہتر ہے ورنہ پھر جنگ کرنا

پھر کہا۔

فاذا مضت الثلاث فاكفف عن الناس وانظر علي بن الحسين فاكفف عنه واستوص به خيرا فانه لم يدخل مع الناس وانه قد اتاني كتابه (تاریخ کامل جزء ۴ ص۔۔)	جب تین دن گزر جائیں تو جنگ روک دینا علی بن حسین کا خیال رکھنا اور اُن کی ایذا رسانی سے باز رہنا اُن سے اچھی طرح پیش آنا کیونکہ وہ اس معاملہ میں لوگوں کے ساتھ شریک نہیں ہیں ان کا خط میرے پاس آگیا ہے

مسلم بن عقبہ فوج لیکر مدینہ روانہ ہوئے اس وقت اہل مدینہ کا جو رویہ بنی اُمیہ کے محصورین کے ساتھ تھا اس کو مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

فبلغ اهل المدينة خبرهم فاشتدوا حصارهم لبني امية بدار مروان وقالوا والله لا نكف عنكم حتى نستنزلكم ونضرب اعناقكم او تعطونا عهد الله وميثاقه ان لا تبغونا غائلة ولا تدلوا لنا على عورة ولا تظاهروا علينا عدوا فنكف عنكم ونخرجكم عنا (تاریخ کامل جزء ۴ ص۔۔)	جب اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ کے آنے کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے بنی امیہ پر اپنا محاصرہ اور سخت کردیا اور محصورین سے کہا خدا کی قسم ہم تم سے باز نہ رہیں گے یہاں تک کہ تم کو ذلیل کردیں تمہاری شان و شوکت خاک میں ملا دیں اور تمہاری گردنیں اُڑا دیں ہاں اگر تم ہم سے بحلف وعدہ کرو کہ اب ہماری دشمنی نہ کرو گے ہمارے معائب مخروسہ

حملہ آور نہ ہوگے اور ہم سے مقابلہ نہ کروگے تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔

مسلم بن عقبہ مدینہ پہونچے تو اہل مدینہ کو مخاطب کرکے کہا:-

ان امیر المومنین یزعم انکم الاصل وانی اکرہ اراقۃ دمائکم وانی اوجلکم ثلاثاً فمن ارعوی وراجع الحق قبلنا منہ وانصرفت عنکم (تاریخ کامل جزء ۴ صفحہ ۴۸)

امیر المومنین آپ لوگوں کو شریف سمجھتے ہیں اور میں بھی آپ کا خون بہانا بُرا سمجھتا ہوں لہٰذا میں تین دن کی مہلت دیتا ہوں پس جو اپنے طرز عمل سے باز آجائے گا اور راہ حق اختیار کرے گا میں اُس سے اس کو قبول کرونگا اور واپس چلا جاؤنگا۔

جب تین دن گزر گئے تو مسلم بن عقبہ نے ایک موقع پھر صلح جوئی کا نکالا اور قبل اس کے کہ مدینہ پر حملہ کرے اہل مدینہ سے پوچھا:-

یا اھل المدینۃ ما تصنعون تسالمون ام تحاربون فقالوا بل نحارب (تاریخ کامل جزء ۴ صفحہ ۴۸)

اے اہل مدینہ تم نے کیا فیصلہ کیا؟ کیا کروگے؟ جنگ یا صلح؟ اہل مدینہ نے جواب دیا ہم جنگ کریں گے۔

مسلم بن عقبہ نے پھر کہا:-

لا تفعلوا بل ادخلوا فی الطاعۃ (تاریخ کامل جزء ۴ صفحہ ۴۸)

ایسا نہ کرو بلکہ اطاعت قبول کرلو

اہل مدینہ اپنی ضد پہ قائم رہے بالآخر جنگ شروع ہوئی اور تین دن تک معرکہ ہوتا رہا بیشک مسلم بن عقبہ نے اپنا تسلط قائم کرنے کی ہر تدبیر کی البتہ "عصمتیانِ حرم کی ناموس" کے متعلق مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے وہی ذمہ دار ہیں ——— اب حالات آپ کے سامنے ہیں اسی کو واقعہ حرہ کہا جاتا ہے آپ ہی فیصلہ کریں کہ ان واقعات کے پیش نظر بالکلیہ بنی امیہ ہی کو قصور وار ٹھہرا کر اُن کے لیے (جن میں بہت سے تابعی اور صحابی بھی تھے) غیر شائستہ الفاظ کا استعمال کہاں تک مناسب ہے ———؟

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!

حضرت عبداللہ بن زبیر کے واقعہ شہادت اور استحلال کعبہ کے ذکر میں بھی مولانا نے صرف جذبات ہی سے کام لیا ہے اور اصل حالات کی تحقیق سے آنکھیں بند کرکے سارا الزام بنی امیہ ہی کے سر رکھدیا ہے حالانکہ واقعات تاریخ میں تفصیلی طور پہ موجود ہیں اگر مولانا تحقیق کی زحمت فرماتے تو حالات روز روشن کی طرح سامنے آجاتے مولانا نے شہادت عبداللہ بن زبیر اور استحلال کعبہ کے سلسلہ میں بنی امیہ پہ جو اعتراض فرمایا ہے حسن توارد ملاحظہ فرمائیے کہ مشہور دشمن اسلام جرجی زیدان نے "التمدن الاسلامی" میں یہی اعتراض بنی اُمیّہ پر کیا تھا اُس دور کے عالم محقق حضرت علامہ شبلی رحمہ نے

تاریخ کی روشنی میں اعتراض کی اصل حقیقت واضح کر دی تھی امام تاریخ حضرت علامہ شبلی رہ الانتقاد میں لکھتے ہیں:-

ان ابن الزبیر ادّعی الخلافة فملك الحرمین والعراق وکاد یغلب علی الشام وکان امرہ کل یوم فی ازدیاد

حضرت ابن زبیر دعویدار خلافت بن کر حرمین اور عراق پر قابض ہوگئے تھے اور قریب تھا کہ وہ شام پر بھی قابض و متصرف ہوجائیں اُن کا اثر و اقتدار روز بروز ترقی پر تھا۔

آگے لکھتے ہیں:-

ان ابن الزبیر لما استولی علی الحرمین اخرج بنی امیة من المدینة فخرج مروان وابنہ عبد الملك وھو علیل مجدّر فاستولی علی الشام وصدرت من ابن الزبیر افعال نقموا علیہ لاجلھا فمنھا انہ تحامل علی بنی ھاشم واظہر لھم العداوة والبغضاء حتی انہ ترك الصلوة علی النبی فی الخطبة ولما سألوہ عن ھذا قال ان للنبی اھل سوء یرفعون رؤسھم اذا سمعوا بہ

(الجزء الثانی من الیعقوبی ص۳۱۱)

حضرت ابن زبیر جب حرمین پر قابض ہوگئے تو بنی امیہ کو مدینہ سے نکال دیا چنانچہ مروان اور عبدالملک بھی مدینہ سے نکلے اور عبدالملک اُن دنوں چیچک میں مبتلا تھے انھوں نے شام میں اپنی حکومت قایم کی اس کے علاوہ حضرت ابن زبیر سے بعض ایسے افعال کا صدور ہوا جو لوگوں کے لئے باعث ناگواری ہوئے اور جن کی وجہ سے لوگوں نے اُن پر اعتراضات کئے از انجملہ یہ کہ ابن زبیر نے بنی ہاشم کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا یہاں تک کہ خطبہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا بند کر دیا اور جب لوگوں نے اُن سے اس کی وجہ دریافت کی تو کہا (اس عہد میں) نبی کے اہل خاندان بُرے لوگ ہیں جب خطبہ میں نبی پر درود وسلام سنتے ہیں تو (کبر و نخوت سے) اپنا سر اونچا کرتے ہیں۔

ومنھا انہ ھدم الکعبة ومع ان ھدمھا لم یکن الا لتقویتھا واصلاحھا ولکن لم یکن ھذا مالوفا للناس ولذلك تحرّز النبی علیہ السلام عن ادخال الحطیم فی الکعبة فاتخذ الحجاج ھذہ الامور وسیلة لاغراء الناس علی ابن الزبیر ولعلّ ابن الزبیر کان مضطرًا الی ھذہ الاعمال ولکن من شریطة العدل

اُن امور میں سے جنھوں نے لوگوں کو حضرت ابن زبیر کی مخالفت پر آمادہ کیا کعبہ کا گرانا بھی تھا ہرچند کہ حضرت ابن زبیر نے کعبہ کو اُس کی از سرِ نو تعمیر و اصلاح کے لیئے منہدم کیا تھا لیکن لوگ اس کو ناپسند کرتے تھے اسی لیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے باوجود حطیم کو کعبہ میں ملا لینے کی خواہش کے اُس کے انہدام سے احتراز فرمایا حجاج نے انھیں اُمور کو اچھال کر لوگوں کو حضرت ابن زبیر کے خلاف ابھارا

ان نونی کل واحد قسطه فاذا اعتذرنا لابن
الزبیر فعبد الملك احق منه اعتذارا فان
ابن الزبیر هو البادی والبادی اظلم بظهر من
هذا ان عبد الملك ما اراد الحط من شان
الكعبة وشرفها ولكن اضطر الی قتال
ابن الزبیر فوقع ما وقع عرضا غیر مقصود
بالذات ولذلك لما نصب الحجاج المنجنیق
علی الكعبة حولها عن الكعبة وجعل الغرض الزیادة
التی زادها ابن الزبیر صرح بذلك العلامة
البشاری فی احسن التقاسیم

ثم ان من مسائل الفقه ان البغاة اذا
تحصنوا بالكعبة لا یمنع هذا عن قتالهم ولذلك
امر النبی فی وقعة الفتح بقتل احدهم وهو
متعلق باستار الكعبة وابن الزبیر كان عند
اهل الشام من البغاة والمارقین عن الدین

اور شاید حضرت ابن زبیر نے مجبوراً یہ سب کچھ کیا لیکن
اس کو مانتے ہوئے تقاضائے انصاف یہی ہے کہ ہم فریقین
کے معاملات میں عدل سے کام لیں پس اگر ہم حضرت ابن
زبیر کو معذور سمجھ سکتے ہیں تو عبدالملک زیادہ مستحق ہیں کہ
معذور سمجھے جائیں کیونکہ (زیادتی کی) ابتدا حضرت ابن زبیر
ہی نے کی تھی اور پہل کرنے والا زیادہ خطا وار ہوتا ہے اس
سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ عبدالملک نے کعبہ
کی بے حرمتی کا قطعاً قصد نہیں کیا بلکہ وہ ابن زبیر سے جنگ
کر رہے تھے اور مقصود بالذات ابن زبیر ہی تھے پس کعبہ کو جو
نقصان پہونچا وہ بالکل غیر ارادی طور پر محض اس لئے کہ
عبداللہ ابن زبیر نے کعبہ میں پناہ لی تھی)

چنانچہ حجاج نے اس سلسلہ میں اس قدر احتیاط برتی
کہ جب کعبہ پر منجنیقیں نصب کی ہیں تو اصل کعبہ سے اُس کا
رُخ پھیر کر اُس زمین کی طرف کر دیا جو ابن زبیر نے کعبہ کو وسیع
کرنے کیلئے خود اس میں شامل کی تھی۔ علامہ بشاری نے احسن التقاسیم
میں اس کی تصریح کی ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے
کہ مسائل فقہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ باغی جب کعبہ میں پناہ گزیں ہو جائیں تو اُن کی یہ پناہ گزینی جنگ و قتال سے روک
نہیں سکتی اسی لیے رسول اللہ نے فتح مکہ میں ایک کافر کے جو غلاف کعبہ پکڑے ہوئے کعبہ میں پناہ گزیں تھا قتل کرنے کا حکم دیدیا تھا
اور حضرت ابن زبیر بھی اہل شام کے نزدیک باغی تھے۔

ولو كان اراد الحجاج الاستهانة بالحرم
لما كان مراده من مرمته واصلاحه بعد قتل ابن
الزبیر ومعلوم ان تعمیر الحجاج هو الیوم كعبة
الاسلام وقبلة المسلمین كافة

اور اگر حجاج نے حرم کی اہانت کا ارادہ کیا تھا تو
ابن زبیر کے قتل کے بعد اس نے خانۂ کعبہ کی اصلاح و تعمیر
کیوں کی درانحالیکہ حجاج ہی کی تعمیر تمام مسلمانوں کا قبلہ
ہے۔

علامہ شبلی مرحوم آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

قدمنا ان الكعبة لم تكن غرضا للحجاج و انما كان نصب المناجين على الزيادة الذى زادها ابن الزبير ولما كانت متصلة بالكعبة نال الاحجار من الكعبة ولكن بعد ما استتب القتال اول ما فعله الحجاج كان امره بكنس المسجد الحرام

ہم اس کا پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ حجاج کی غرض کعبہ مکرمہ کی اہانت نہ تھی اور اسی لئے اُس نے اصل کعبہ کو چھوڑ کر اس حصہ عمارت کے رُخ پر منجنیقیں نصب کی تھیں جس کو حضرت ابن زبیر نے از خود کعبہ میں شامل کر لیا تھا لیکن چونکہ یہ کعبہ سے متصل تھی اس لئے پتھر کعبہ مکرمہ میں بھی پہونچے اور اس کو نقصان پہونچا لیکن جب جنگ ختم ہو گئی تو سب سے پہلا حکم جو حجاج نے دیا ہے وہ مسجد حرام کی صفائی کے متعلق تھا۔

خلیفہ عبدالملک نے جس وقت حجاج کو حضرت عبداللہ بن زبیر سے جنگ کیلئے روانہ کیا تو اس کی فہمائش بھی کر دی تھی کہ اگر حضرت ابن زبیر امن طلب کریں اور اطاعت قبول کر لیں تو اُن سے تعرض نہ کیا جائے بلکہ ابن اثیر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرطاس امان لکھ کر حجاج کے حوالہ کر دیا تھا۔

فبعثه وكتب معه امانا لابن الزبير ومن معه ان اطاعوا (تاریخ کامل جز ۴ ص ۱۳۵)

حجاج کو روانہ کیا اور اس کو حضرت ابن زبیر اور آپ کے ساتھیوں کیلئے بشرط اطاعت "امان نامہ" لکھکر دیدیا۔

چنانچہ دس ہزار آدمیوں کو حجاج نے اُن کی اطاعت پر امن دے دیا جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے دو صاحبزادے حمزہ اور خبیب بھی تھے۔

فكان قبيل مقتله تفرق الناس عنه وخرجوا الى الحجاج بالامان خرج من عنده نحو عشرة آلاف وكان ممن فارقه ابناه حمزه وخبيب اخذا لانفسهما امانا (تاریخ کامل جز ۴ ص ۱۳۶)

حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت سے کچھ پہلے لوگوں نے حضرت ابن زبیر کا ساتھ چھوڑ دیا اور حجاج سے امن طلب کیا ان لوگوں کی تعداد دس ہزار تھی اور ان میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے دو صاحبزادے حمزہ اور خبیب بھی تھے۔

حضرت ابن زبیر نے چونکہ اطاعت قبول نہیں کی اس لئے جنگ ہوئی اور حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہوئے۔

یہ ہے حضرت ابن زبیر کی شہادت کا واقعہ کیا تقاضائے انصاف اور مقتضائے عدل یہی ہے کہ ساری ذمہ داری بنی اُمیہ کے حکمرانوں ہی کے سر رکھ دی جائے یا حالات ان تمام ذمہ داریوں کو طرفین میں تقسیم کر دیتے ہیں، مولانا نے یہ بھی غلط لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کی چوکھٹ پر حضرت ابن زبیر کو شہید کیا گیا حالانکہ تاریخ کامل، تاریخ طبری، اور دوسری تاریخیں

موجود ہے کہ آپ مقام حولیں میں شہید ہوئے۔

مظالم حجاج کے متعلق مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق بھی میں کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں

اس میں شک نہیں کہ حجاج کے جذبہ رحم پر اس کا جذبہ ظلم غالب تھا اس کے مزاج میں غضب کی تیزی تھی وہ اپنی سخت گیریوں میں ضرب المثل ہے لیکن ذرا اس پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر ش حجاج کو اس ظلم وستم پر آمادہ کس چیز نے کر دیا تھا کیا مولانا اس موقعہ پر ان بغاوتوں کو فراموش کر دیں گے جو مسلسل بنی امیہ کے حدود سلطنت میں رونما ہو رہی تھیں جہاں تاریخ میں مولانا نے حجاج کے مظالم ملاحظہ فرمائے ہیں اسی کے پہلو بہ پہلو ان بغاوتوں کا حال بھی تفصیل کے ساتھ موجود ہے جنھوں نے حجاج کی تلوار کو بے نیام ہونے پر مجبور کر دیا تھا غیر ذمہ دار جماعتوں کا ذکر نہیں اس سلسلہ میں علوی بزرگوں کا دامن بھی آلودگی سے پاک نہیں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین میں لکھتے ہیں کہ علویوں نے ایک سو مرتبہ سے زیادہ خروج کیا لیکن ہمیشہ یہ خروج سوائے خونریزی کے بے نتیجہ رہا۔

میں حجاج کی صفائی اور پاکیزگی کا ہرگز قائل نہیں لیکن میرے نزدیک مورخ اور مبصر کا فرض یہ ہے کہ وہ واقعات کا صرف ایک ہی رخ نہ دیکھے بلکہ حالات کے استقصا کی کوشش کرے میں نے حجاج کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ملک کے ایک وسیع النظر اور بیدار مغز عالم مولانا ابو الکلام آزاد کی ایک تحریر ہے جو ۱۲ اگست ۱۹۲۶ھ کے الہلال میں شایع ہوئی ہے اس کی تائید ہوتی ہی، مولانا لکھتے ہیں:۔

"عراق شروع سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا یہاں کی بے چینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی والیوں پر والی آتے تھے اور بے بس ہو کر لوٹ جاتے تھے لیکن حجاج بن یوسف کی تلوار نے اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کر ڈالی خود اس کے عہد کے لوگوں کو اس پر تعجب تھا، قاسم ابن سلام کہا کرتے تھے کوفہ کی خودداری و نخوت اب کیا ہو گئی؟ انھوں نے امیر المومنین علی کو قتل کیا حسین ابن رسول کا سر کاٹا مختار جیسا صاحب جبروت ہلاک کر دیا مگر حجاج کے سامنے بالکل ذلیل ہو کر رہ گئے"

میری محدود واقفیت کا جہاں تک تعلق ہے اس امر کو اسلام کے محاسن میں شمار کیا گیا ہے کہ اس نے موت کے بعد نام لے کر کسی مرنے والے کی تنقیص کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور خصوصاً اس شخص کے تنقیص کی جس نے اپنی زندگی میں اپنے کردار پر ندامت کے آنسو بہائے جس نے خدا سے مغفرت چاہی اور جو اپنے کیے پر پشیمان ہوا ان حالات میں تو کیا حجاج بھی اس کے مستحق تھے کہ ان کو "رسوائے زمانہ" کا خطاب مولانا دیتے جیسا کہ مولانا نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے بیشک

نہیں کہ یزید سے زندگی میں اہم غلطیاں ہوئیں لیکن ساتھ ہی اُس کی مغفرت کی بشارت بھی زبان نبوی سے ایک طرح مل چکی ہے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رسالہ حسین و یزید میں لکھتے ہیں کہ بخاری میں عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی اُس کی بخشش ہو گی ؛

اور معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا، کہا جاسکتا ہے کہ یزید نے یہ حدیث سُن کر ہی فوج کشی کی ہوگی بسا ممکن ہے لیکن اس سے اُس کے فعل پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی ؛

ان حالات میں یزید کے معاملہ میں بھی زبان و قلم پر پورا قابو رکھنا ہمارے لیئے ضروری ہے۔ حجاج کے متعلق مولٰنا ابوالکلام آزاد بعنوان ،، انسانیت موت کے دروازے پر ،، لکھتے ہیں کہ جب اُس کی موت کا وقت قریب ہوا اسکو اپنے مظالم یاد آئے اور ان مظالم پر منفعل ہوکر کہنے لگا

ان ذنبی وزن السمٰوات والارض وظنی بخالقی ان یحابی

میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں مگر مجھے اپنے خالق سے اُمید ہے کہ رعایت کریگا

فلئن منّ بالرضاء فھو ظنی ولئن مر بالکتاب عذابی

اگر وہ اپنی رضامندی کا احسان مجھ پر کرے تو یہ اس کا احسان ہے اور یہی میری اُمید ہے لیکن اگر وہ عدل کر کے میری عذاب کا حکم دے۔

لم یکن ذالک منہ ظلماً وھل یظلم رب یرجی لحسن ما

تو یہ اُس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی ہی کی توقع کی جاتی ہے

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا یہ موقع اس قدر رقت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی اپنے آنسو نہ روک سکا

ابو منذر نے جب حجاج کو مرض الموت میں اُس کے مظالم پر بہت زیادہ فضیحت کی اور بہت سخت سست کہا تو راوی کہتا ہے کہ حجاج مبہوت ہوگیا دیر تک سناٹے میں رہا پھر اُس نے ٹھنڈی سانس لی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر کہا۔

الٰہی مجھے بخش دے کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں تو مجھے نہیں بخشے گا۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

رب ان العباد قد ایاسونی ورجائی لک الغداۃ عظیم

الٰہی بندوں نے مجھے نا امید کر ڈالا حالانکہ میں تجھ سے بڑی ہی اُمید رکھتا ہوں۔

حضرت حسن بصریؒ سے حجاج کا یہ قول بیان کیا گیا تو وہ پہلے تو متعجب ہوئے کیا واقعی اُس نے یہ کہا؟ کہا گیا ہاں اُس نے ایسا ہی کہا ہے۔ فرمایا تو "شاید" (یعنی شاید بخشش ہو جائے) (الہلال ۱۲ اگست ۱۹۲۷ء)

غرض جو مرنے سے پہلے اپنے کردار پر اس طرح نادم ہو اور پروردگار عالم سے معافی چاہے اُس کو بُرے الفاظ سے یاد کرنے میں کیا ہم کو احتیاط نہ برتنا چاہیئے؟

حضرت مولانا نے دو چار اور جزئی واقعات عمال و سلاطین بنی اُمیہ کے سلسلہ مضمون میں درج فرما کر مثالب بنی اُمیہ کی فہرست مکمل کی ہے لیکن میں اِن واقعات سے بحث نہیں کرنا چاہتا کہ میں انبیاء کرام کے علاوہ کسی کی معصومیت کا قائل نہیں یقیناً ہر شخص اور ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ نقائص اور کچھ نہ کچھ خوبیاں ہوتی ہیں بنی امیہ کے افراد بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے ان میں بھلائیاں بھی تھیں اور بُرائیاں بھی، البتہ میں اس امر کا مخالف ہوں کہ کسی کی بُرائیوں کو اس طور پر اُچھالا جائے کہ اُس کی بھلائیاں بھی بُرائیوں کے پردے میں گم ہو کر رہ جائیں حضرت مولانا نے چونکہ بنی اُمیہ کے حق میں اسی "انصاف" کو روا رکھا ہے جس سے بنی اُمیہ کے متعلق عام طور پر شدید اور واقعات کے خلاف بدظنی پھیلنے کا اندیشہ ہے لہذا ضروری ہے کہ اختتام کلام پر اُن کی اُن خدمات کو بھی اجمالی طور پر بیان کر دیا جائے جو مولانا گیلانی کی زبان میں ان "دنیا کے متوالوں،" "نواسہ رسول کے خون سے حرص و آز کی پیاس بجھانے والوں،" "دنیا طلب اور بدتمیزوں نے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں انجام دی ہیں۔

قرآن کریم کی خدمت جوں جوں عجمیوں سے اہل عرب کا اختلاط بڑھا اور زبان و لہجہ کے اختلاف نے تلاوت قرآن پر بُرا اثر ڈالنا شروع کیا حجاج ابن یوسف نے اس خطرہ کا بروقت احساس کیا قرآن کریم کے حروف پر نقطے اور اعراب لگوائے تاکہ عرب و عجم یکساں طور پر اس کی تلاوت کر سکیں اور لفظی تحریف کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

(ابن خلکان ذکر حجاج)

علامہ شبلیؒ حجاج کے اس عمل خیر پر تحریر فرماتے ہیں:-

واللّٰہ ھٰذا اعظم مبَرّۃ منہ بھا الاسلام لایساویھا مبَرّۃ واعظم مِنّۃ من بھا علی الدین لایوازیھا منّۃ (الانتقاد ص)

خدا کی قسم یہ اسلام کے حق میں اتنی بڑی بھلائی ہے کہ کوئی بھلائی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور دین پر اتنا بڑا احسان ہے کہ اس احسان کے برابر کوئی احسان نہیں ہو سکتا۔

پھر حجاج نے اعراب اور نقطے لگوا کر قرآن کے بہت سے نسخے مختلف دیار وامصار میں بھجوائے۔ ولید لوگوں کو انعام واکرام دیکر حفظ قرآن پر آمادہ کرتے تھے اور جو لوگ حفظ قرآن میں سُستی کرتے تھے انہیں سزا دیتے تھے چنانچہ ولید کے زمانہ میں حافظوں کی تعداد حدِ شمار سے خارج ہو گئی تھی۔

فن تفسیر" بنی امیہ ہی کے زمانہ میں" مدون ہوا،" ابن جبیر" پہلے مفسر ہیں جنہوں نے سب سے پہلے عبدالملک کے کہنے سے تفسیر کو کتابی شکل میں جمع کیا ان کے بعد مجاہد نے عبدالملک کے ہی حکم پر یہ خدمت انجام دی (میزان الاعتدال ذہبی)

حدیث وفقہ کی خدمت جس طرح سلاطین بنی اُمیہ کو قرآن کریم کی نشرو اشاعت سے غایت درجہ شغف تھا اسی طرح حدیث وفقہ کی خدمت بھی ان کا دلچسپ مشغلہ تھا جو علماء حدیث وفقہ کی خدمت میں مصروف رہتے ان کے ساتھ یہ سلاطین ہمیشہ اچھا سلوک کرتے اُن کی خدمت میں ہدایا بھیجتے۔ اُن کی عزت وتکریم کرتے چنانچہ عبدالملک نے ایک مرتبہ حجاج کو جب امیر حج بنا کر روانہ کیا تو یہ حکم دیدیا تھا کہ "مناسک" میں" ابن عمر" کی تقلید کریں کیونکہ وہ بہترین فقیہ ہیں۔

حضرت مولانا گیلانی کی زبان میں" بنی اُمیہ کے سنگ دل اور سیہ سینہ گورنروں میں متعدد بزرگ ایسے تھے جن سے متعلق تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ اُن کے سینے علوم حدیث اور اُس کے اسرار و معارف کا گنجینہ تھے۔ سالم بن عبداللہ۔ قاسم بن محمد شعبی میمون بن مہران، زہری، ایوب بن ابی تمیمہ قبیصہ بن ذوئیب، رجاء بن حیوۃ، دربار بنی امیہ میں بہت بارسوخ تھے اور انہیں سے اکثر مختلف جگہوں پر اس حکومت کی طرف سے گورنری کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں ان کی زندگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ نقلِ حدیث اور روایت کے امام ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر احادیث نبوی کو کتابی شکل میں نہ جمع کرلیا جاتا تو اُن کے ضایع ہو جانے کا اندیشہ تو ہی تھا چنانچہ انہیں حالات کے پیش نظر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام دیار اسلامی میں احکام و فرامین جاری کئے

انظر واحل بث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاجمعوہ — سرورِ دو عالم کی احادیث جمع کرتے جاؤ

اس المحدثین ابوبکر بن حزم کو لکھا

انظر ماکان من سُنۃٍ اوحدیثٍ فاکتبہ لی — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وسنت کو جمع کرو

فانی خفتُ دروس العلم وذھاب العلماء — کیونکہ مجھے علم اور علماء کے مٹنے کا خطرہ لاحق ہو رہا ہے۔

چنانچہ ابوبکر بن حزم نے کئی کتابیں حدیث کی لکھیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز لوگوں کو فرامین لکھتے اور ان فرامین میں لوگوں کو سنت وفقہ کی تعلیم دیتے۔

علم تاریخ، مغازی و سیر کی خدمت تاریخ وسیر کی تدوین بھی سلاطین بنی امیہ ہی کے ایما سے ہوئی چنانچہ وہب بن منبہ المتوفی سنہ ۱۱۴ھ محمد بن مسلم زہری المتوفی ۱۲۴ھ موسیٰ بن عقبہ متوفی سنہ ۱۴۱ھ نے اپنی کتب تاریخ بنی امیہ کے عہد میں اور انھیں کے ایما سے لکھیں عوانہ نے کتاب التاریخ اور سیرۃ معاویہ کی تالیف کی، حضرت معاویہ رضؓ نے صنعا سے مشہور مورخ عبید بن شریہ کو بلاکر حکم دیا کہ وہ ملوک عجم کے حالات اُن کے طرز حکومت اور اُن کے سیاسی نقطۂ نظر کے متعلق ایک مفصل تاریخ لکھیں چنانچہ انھوں نے کتاب الامثال، اور اخبار الماضیین، تیار کیں، ہشام کے زمانۂ حکومت میں انھیں کے حکم سے جبلہ نے شاہان فارس کی تاریخ کا عربی میں ترجمہ کیا۔

علم نحو وصرف کی خدمت ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۴۰ میں ہے کہ ابو اسود دؤلی نے زیاد والیِ عراق سے اجازت چاہی کہ انھیں عربی نحو وصرف کے قواعد ترتیب دینے کی اجازت دی جائے زیاد نے اُس وقت تو اجازت نہیں دی لیکن کچھ دنوں کے بعد خود زیاد ہی نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور ابی اسود دؤلی سے کہا

ضع للناس الذی نھیتک ان تضع لھم　　　ہاں اُن اصول وقوانین کو مرتب کرڈالو جن کی میں نے تم کو ممانعت کر دی تھی

چنانچہ ابو اسود نے نحو وصرف کے قواعد مرتب کیے پھر عتبہ بن مہران، میمون، عبداللہ حضرمی، عیسیٰ بن عمر، اور خلیل وغیرہ نے ابو اسود کے اصول کو تفصیل کے ساتھ لکھا یہ سارے نحوی بنی اُمیہ ہی کے دور میں گزرے۔

شعر وادب کی خدمت شعراء اور ارباب ادب کی ہمت افزائی بھی بنی اُمیہ کے سلاطین کی علمی خدمات کا ایک جز ہے فرزدق دارمی، جریر خطفی، اخطل تغلبی، عمرو بن ربیعہ قرشی، وغیرہ اپنے قصائد، سلاطین وعمال کے دربار میں پیش کرتے اور انعام پاتے۔

یہ خدمات، جو علوم ودینیات سے متعلق تھیں ان پر اجمالی طور پر بحث کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن انتظامی اور رفاہی کارگزاریوں کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے جو بنی اُمیہ کے بدنام سلاطین وعمال کے ہاتھوں انجام پہونچیں،

ارباب تاریخ متفق ہیں کہ ان سلاطین نے عام رعایا کی راحت رسانی کیلئے بے شمار نہریں کھدوائیں، جابجا کنوئیں تعمیر کیئے، سڑکیں بنوائیں، نئے نئے شہر بسائے، شفاخانے قائم کیئے، جذامیوں، اندھوں اپاہجوں، مسکینوں کیلئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیئے ان کے کام کاج کیلئے آدمی نوکر رکھے حضرت عمرؓ کے بعد انہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ سرائے اور مہمانخانے کھولے، یتیموں کی پرورش گاہیں بنائیں اور ان کے لیئے معلم مقرر کیئے۔ خرید وفروخت میں آسانی پیدا کرنے کیلئے

سکہ رائج کیا، غرض وہ سب کچھ کیا جو ایک بیدار مغز، رعایا پرور و خیرخواہ سلطنت اپنے زیرسایہ لوگوں کے ساتھ کرسکتی ہے۔ خانہ کعبہ اور مسجد نبویؐ کے سنہرے کلس اور نادر نقش و نگار اسی بدنام حکومت کے نامۂ اعمال کا ایک جز ہیں۔ اسلام کی آواز انہی کے زمانہ میں عراق، عرب اور شام سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلی اور انھوں نے اسلامی فتوحات کی وہ نظیر قایم کی جس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ انہی کے زمانہ میں طرابلس، طنجہ، اندلس، وتیم، سندھ، قبرس فتح ہوئے۔ یہ اسلام کا جھنڈا لے کر چین کی سرحد تک پہونچے، ٹیونس اور مراکش، خراسان اور فارس، طبرستان و جرجان، سجستان و خوارزم، ماوراء النہر اور افغانستان میں رایت اسلامی انہی کے ہاتھوں لہرایا۔

یہ نہایت ہی مختصر طریقہ پر دُنیا کے ان متوالوں، سیاہ دل اور سیاہ سینہ انسانوں کی خدمات بیان کردی گئیں سُنا ہے کہ اسلام کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ "الحسنات یذھبن السیئات" لیکن کیا معلوم کہ اس اصول سے ان تیرہ بختوں کو بھی کچھ فائدہ اُٹھانیکا موقع دیا جائیگا یا نہیں؟

ختم کلام پر حضرت مولانا گیلانی سے مجھے اپنی اس جرأت کی معافی مانگنا ہی اور چلتے چلتے اتنی گزارش بھی کرنی ہے ؎

شوخی بھی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

بسلسلۂ

دُنیا کو اِسلام سے کس کس طرح روکا گیا؟

قابلِ رشک موت

(از حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مدظلہم العالی شیخ الادب والفقہ دار العلوم دیوبند)

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو "الفرقان" بابت ماہ شعبان ۶۱ھ)

(۴) حنظلہ بن ابی عامر بھی شریک جنگ احد تھے، ننگی تلوار ہاتھ میں تھی کہ ابوسفیان (بحالت کفر) سامنے آگئے حنظلہ تلوار لیکر جھپٹے، ابوسفیان نے بہت کچھ بچاؤ کیا مگر سمجھ گئے کہ جان کی خیر نہیں، تو گھبرا گھبرا کر چاروں طرف نظریں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے، شداد بن اوس پر نظر پڑ گئی چلا کر پکارا، شداد بن اوس نے دیکھا کہ ابوسفیان کی خیر نہیں فوراً جھپٹ کر حنظلہ کے پیچھے آکر پشت پر تلوار ماری، حنظلہ شہید ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ تم لوگ ان کو غسل نہ دینا، ان کو غسل ملائکہ دینگے، سننے والوں کو حیرت ہوئی کہ حنظلہ کو یہ بڑی فضیلت کیونکر حاصل ہوئی، تحقیق سے معلوم ہوا کہ جس وقت ان کو جنگ کی اطلاع ملی ہے اس وقت ان پر غسل فرض تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان عام سن کر اسی حالت میں نہائے دھوئے بغیر تلوار لے کر چل پڑے اور شہید ہو گئے۔

ع تو کیا یہ موت بھی جس میں میت کو غسل خدا کے مقرب فرشتے دیں، کیا "موت" ہی ہے؟

اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے؟

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تلامذہ کے ایک حلقہ میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے کہ تم لوگوں نے مجھ سے بہت سی حدیثیں سنیں، اور دوسرے اکابر سے بھی علم حاصل کیا، آؤ آج تمہارا امتحان لیں حضرت ابوہریرہ کی اس نئی گفتگو کو سن کر سب کے سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے فرمایا کہ کسی ایسے شخص کا نام بتاؤ! جس نے ایک وقت کی نماز بھی نہیں پڑھی، اور اعمال کے اعتبار سے دربارِ رسالت سے اس کو جنتی قرار دیا گیا، شاگردوں نے بہت غور و خوض کیا، مگر نہ بتا سکے تو عرض کیا کہ آپ ہی اس معمے کو حل کریں! فرمایا کہ اس شخص کا نام اُصیرم ہے۔ اُصیرم ایک شخص ہے جو ہمیشہ کفر ہی میں ملوث رہا، نہ خود مسلمان ہوا نہ کسی کو مسلمان ہونے دیا جنگ احد میں آپ تشریف لائے تو ان کے دل میں خود بخود اسلام کی حقانیت اور ہادیٔ اسلام کی عظمت پیدا ہو گئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، تلوار لیکر کفار پر حملہ کیا، کفار نے اکیلا پاکر چاروں طرف سے گھیر لیا، حتیٰ کہ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے، خاندان بنی عبد الاشہل کے بعض لوگ جنگ سے فارغ ہو کر اپنے مقتولوں کو دیکھتے بھالتے پھرتے تھے کہ کسی نے اُصیرم کو پہچان لیا اور تعجب سے کہنے لگے کہ اُصیرم مسلمان مقتولوں میں کہاں سے آگیا؟ ہم تو اس وقت تک اس کو کافر ہی سمجھتے رہے جب تک کہ ہم بارادۂ جنگ مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں، اسی تعجب میں سب کے سب اُصیرم کے پاس پہنچے اور دریافت کیا کہ تم یہاں کہاں؟ اُصیرم نے کہا کہ مجھ کو تو اس میدان میں اسلام کی محبت لیکر آئی، میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا، اور اسی وقت تلوار لے کر کافروں کے مجمع میں جا گھسا، میری وہ حالت ہوئی جو اب تمہاری نظروں کے سامنے ہے، یہ کہہ کر اُن کے سامنے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۶) جنگ احد میں فریقین کا اجتماع ہے، لڑائی کی تیاری ہے، عنقریب آفتاب کی شعاعوں سے تپنے والا ریت خون کی ندی بننے والا ہے،

مسلمان تو ہر وقت ہی خدا کو یاد کرتا ہے، سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن جحش پاس ہی پاس کھڑے تھے، اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ جہاد کا وقت دعا کی مقبولیت کا وقت ہے، لڑائی کے شروع ہونے میں ابھی کچھ وقفہ ہے، آؤ ہم تم دونوں ایک طرف ہو کر منعمِ حقیقی سے عمدہ سے عمدہ دعا کریں، اس مشورہ کے بعد دونوں صف سے کچھ پیچھے ہٹے، سعد نے دعا مانگی کہ الٰہ العالمین! جنگ شروع ہو جانے کے بعد میرا مقابلہ کسی طاقتور بہادر کافر سے کرا دینا کہ میں اُس سے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جنگ کروں، اور مجھکو توفیق عطا فرما کہ میں اُس کو قتل کر کے کامیاب ہوں اور اُسکی ساز و سامان کو اُس کے بدن سے اُتار کر اُس کا مالک ہو جاؤں، سعد بن ابی وقاص دعا مانگ رہے تھے اور عبد اللہ بن جحش آمین کہتے جاتے تھے۔ اس کے بعد سعد بن ابی وقاص نے آمین کہی اور عبد اللہ بن جحش نے دعا مانگنی شروع کی اور کہا کہ بارالٰہا! جب جنگ شروع ہو تو میرا مقابلہ کسی بہادر کافر سے کرا دینا، میری اُس کی خوب جنگ اسی لئے ہو کہ وہ تیرا منکر ہے اور میں تیرا تابعدار، پھر وہ مجھ پر غالب ہو اور نہ صرف یہ کہ وہ مجھ کو قتل کرے بلکہ میرے کان بھی کاٹے اور

ناک بھی، قیامت کے روز جب اسی ہیئت کے ساتھ میں تیرے سامنے آؤں تو تو مجھ سے دریافت فرمائے کہ عبداللہ! ہم نے تو تجھکو کان ناک دیئے تھے تیرے ناک کان کس نے کاٹ ڈالے؟ تو میں عرض کروں کہ الٰہی! تیرے اور تیرے رسول کے رستہ میں میری یہ گت بنائی گئی ہے، اور تو میری اس عرض حال کو سن کر میری تصدیق کرے۔

مسلمان کی دعا، صحابی کی دعا، جہاد کے وقت کی دعا، یہ غیر مقبول کیونکر ہو سکتی تھی، سعد بن ابی وقاص تو کافروں سے مقابلہ کر کے اُن پر غالب ہی رہے مگر عبداللہ کے ساتھ وہی ہوا جس کے وہ خواستگار تھے،

سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن جحش آخرت کی دولت حاصل کرنے میں مجھ سے زیادہ ہوشیار تھے، اُن کی دعا میری دعا سے بدرجہا عمدہ اور افضل تھی، میں نے شام کے وقت دیکھا کہ کسی ظالم نے اُن کے کان اور ناک کاٹ کر تاگے میں پرو کے لٹکا دیئے ہیں۔

یہ لوگ بھی تو ذی عقل و ہوش تھے، اگر موت فی الحقیقت ایسی ڈراؤنی چیز تھی تو مستجاب اوقات کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کیوں موت کی طلب کیا کرتے تھے۔

(۸) انسان میں طبعی طور پر غیرت ہوتی ہی، مگر یہ "بیماری" عرب میں زیادہ تھی، اور سمجھدار انسان اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے کام نکالا کرتے تھے۔

ابوطالب کی وفات کے بعد جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے یہ سمجھکر کہ اب انکا حامی کوئی نہ رہا زیادہ ایذائیں دینا شروع کیں تو ابولہب کو اس وجہ سے کہ وہ بھی آپ کا چچا تھا، یہ ایذا رسانی پسند آئی اور اس نے کہدیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ تم ابوطالب کے زمانہ میں کہتے تھے اور کرتے تھے وہی کرو اور وہی کہو، کوئی تمہارا کچھ نہیں کر سکتا ہے، قریش میں سے اب کسی کی کیا مجال تھی کہ آپ کو نظر بد سے دیکھ سکے، ہر قسم کی تدبیریں کی گئیں مگر ابولہب اپنی بات سے کسی طرح نہ پھرا بالآخر ابوجہل اور عقبہ ابن ابی معیط دونوں مل کر آئے اور کہنے لگے کہ ابولہب! اگر تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دیتے ہو تو بہت اچھا کرتے ہو، قریب ہوں یا بعید رشتہ داریاں ہماری بھی انکے ساتھ ہیں، مگر مصیبت تو یہ ہے کہ وہ خود ہمارے تمہارے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں، آباؤ اجداد کو برا سننے کی ہمت ہم میں تو ہے نہیں، تم سن سکتے ہو تو سنو، ابولہب نے کہا کہ غلط ہے وہ تو ایک خدا کی تلقین کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں تو ان پتھر کے بتوں کو، اور سچ یہ ہے کہ برادہ ان کو بھی نہیں کہتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا نہیں ہیں ضار و نافع نہیں ہیں، ان کو سجدہ نہ کرو، ان دونوں نے کہا کہ ابولہب! تم کو بھی تو غلط فہمی ہوتی ہی اگر یہی ہو تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے، ابولہب نے کہا کہ تم کو خبر غلط ملی ہے ان دونوں نے کہا کہ اچھا تم خود اُن سے دریافت کر لو

کہ ہمارے آباؤ اجداد کس جگہ ہیں، ابو لہب نے کہا کہ ہاں، یہ بات صحیح ہے، اور یہ کہکر آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے وہ آباؤ اجداد جن کا دین وہی تھا جو ہمارا ہے مرنے کے بعد کہاں ہیں؟ آپ نے بلا تامل فرمایا دوزخ میں، یہ سن کر ابو لہب کے بدن میں گویا کہ آگ لگ گئی اور اس نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا جنگ احد میں ابو سفیان نے بھی اسی جبلی خصلت سے فائدہ اٹھانے کی سعی کی وہ جانتے تھے کہ جنگ بدر میں ایک دفعہ شکست ہو چکی ہے، کفار مکہ کے قلوب میں مسلمانوں کا رعب راسخ ہو چکا ہے اور عوب جماعت کا مقابلہ قابل اعتبار نہیں، ایسا نہ ہو کہ اس وقت تو یہ جماعت مسلمانوں کے مقابلہ میں پوری مستعد معلوم ہوتی ہے، لیکن جب مٹھی بھر اور بے سازوسامان ان کے سامنے آویں تو ان کو پھر جنگ بدر کا منظر یاد آجائے، اور ان کی قدم میدان جنگ سے اکھڑ جاویں، قدم اکھڑ جانے کے بعد ان کو میدان جنگ میں واپس لانا ممکن ہوگا۔ اس لیے اپنی ساری جماعت کو مجتمع کر کے بنی عبدالدار کے خاندانی لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ اس مرتبہ جھنڈا آپ لوگ اپنے ہاتھ میں نہ رکھیں تو اچھا ہے میں کسی اور خاندان کا انتخاب کرتا ہوں۔ لشکر کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں دونگا، ان لوگوں نے کہا کہ کیوں؟ ابو سفیان نے کہا کہ کوئی بات نہیں، مصلحت یہی ہے، اُنھوں نے کہا کہ مصلحت کیا ہے؟ ابو سفیان نے کہا کہ مصلحت دریافت نہ کرو، غرض یہ کہ اُن لوگوں نے تو اصرار شروع کیا اور ابو سفیان نے اس طرح بتانے سے انکار کیا گویا کہ کوئی بڑی بری بات ہے، جب زیادہ اصرار کیا تو اور سب نے بھی کہا کہ ابو سفیان! سچ تو ہے آخر کیا وجہ ہے کہ تم ان سے جھنڈا لے کر دوسروں کو دینا چاہتے ہو، اس صورت میں تو ان کی بڑی توہین ہے، جنگ بدر جیسی شدید جنگ میں تو جھنڈا اسی خاندان کے لوگوں کے ہاتھ میں تھا، ابو سفیان نے کہا کہ میں تو نہ چاہتا تھا کہ کہوں، اب تم سب ہی نہیں مانتے تو کیا کروں، جنگ بدر ہی کے تجربہ نے تو مجھ کو سمجھایا ہے کہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں نہ ہو، تم سب کو معلوم ہے کہ جنگ بدر میں جھنڈا انھیں لوگوں کے پاس تھا، اور جھنڈے والے ہی کی مردانگی پر جنگ میں کامیابی ہوسکتی ہے۔ تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بدر میں کیسی ذلت آمیز شکست ہم کو ہوئی اگر اسی خاندان کی بزدلی اور نحوست نہ ہوتی تو اس طرح ذلت کے ساتھ واپس نہ ہوتے، اب یا تو ان سے عہد لے لو کہ یہ لوگ اس سے پہلے کہ مقتول ہوں جھنڈے کو نیچا نہ ہونے دیں گے اور یا ان سے کہدو کہ جھنڈا تمہارے ہاتھ میں نہ رہے گا۔

بنی عبدالدار کے لوگوں کو یہ سن کر سخت اشتعال ہوا، اور ایسا منظر ہو گیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں سے جنگ تو بعد میں ہوگی، اولاً تلوار مشرکین میں باہم چلے گی، لیکن ابو سفیان کو غصہ نہ آیا، کہنے لگے کہ یہ غلط ہے کہ میں نے تم کو ذلیل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، اب تو اب بھی یہی کہتا ہوں کہ یا تو کھوئی ہوئی عزت حاصل کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ ورنہ پہلی ہی ذلت کو کافی سمجھ لو

زیادہ ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں۔

اُن لوگوں نے کہا کہ یہ تو ناممکن ہو کہ ہم جھنڈا دوسرے خاندان میں جانے دیں، ہاں! جنگ میں ہم تم کو دکھا دینگے کہ ہم نے جھنڈے کا حق ادا کیا یا نہیں،

ابوسفیان کا منشا بھی مشتعل کرنا ہی تھا، خاموش ہو رہے،

جنگ احد میں کفار مکہ کے پاس ساز و سامان بھی تھا، زخم خوردہ بھی تھے، اپنی ذلت کا انتقام لینا بھی تھا، ادھر وقت کر وقت ابوسفیان نے یہ ایک اور اشتعال پیدا کر دیا، اس لیئے یہ لوگ چھیڑے ہوئے شیر کی طرح پر جھنجلائے ہوئے تھے، ایسے لوگوں کا حملہ جس درجہ سخت ہوگا ظاہر ہے، یہ مجمع مسلمانوں پر حملہ ضرور کرتا تھا، مگر توجہ اسی طرف تھی کہ کسی طرح محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہاتھ آجاویں تو اُن کو (معاذ اللہ) خاک وخوں میں تڑپا کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیں، اس لیئے یہ لوگ بار بار حملے کرتے تھے مگر جب موقع ملتا تھا فخر عالم (صلے اللہ علیہ وسلم) کو گھیر لیتے تھے، اور صحابہ پروانوں کی طرح آپ پر سے نثار ہوتے تھے اور چاہتے تھے کہ آپ کو آنچ نہ آئے،

بنی مخزوم کے ایک صاحب شماس نامی تھے، اُنھوں نے کفار کے اس ارادہ کو بھانپ لیا تھا، اور اسی بنا پر وہ آپ کے چاروں طرف ننگی تلوار لیئے اس طرح پھر رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ نقطہ کا احاطہ دائرہ نے کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر جس طرف اُٹھتی تھی اودھر شماس تلوار ہاتھ میں لیئے ہوئے موجود معلوم ہوتے تھے اور اسی لیئے یا تو کافروں میں سے کوئی ادھر کا رُخ ہی نہ کرتا تھا، اور اگر کرتا تھا تو حضور تک پہونچنے سے پہلے ڈھیر کر دیا جاتا تھا بالآخر کفار مکہ کی ایک بھاری جماعت نے حضور کو محصور کر لیا، مگر جانبازی ہو تو ایسی ہو کہ ان میں سے چند کو قتل کر کے خود شہید ہو گئے۔

یہ سب کچھ ہوا، صحابہ کی جنگ میں عموماً یہی دیکھو گے کہ اُنھوں نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا، بلکہ جانیں آپ پر سے قربان کر دیں لیکن اپنی زندگی تک کسی کو حضور تک نہ پہونچنے دیا،

لیکن مضمون کی طوالت کے باوجود ہم آپ کو ایک واقعہ سُنا دیں، اُس کو سُننے کے بعد عجب نہیں کہ ہر سننے والا ایسی موت کی تمنا کرے،

ہم نے عرض کیا ہے کہ شدت اشتعال کی وجہ سے بار بار حضور کا محاصرہ کیا جاتا تھا، اور دلوں میں یہی تھا کہ فتح ہو یا شکست لیکن محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ضرور قتل کر دیا جائے اس سلسلے میں ایک مرتبہ کفار کی جماعت آپ کی جانب بڑھی زیاد بن السکن[1] نے جماعت کو اس جانب آتا ہوا دیکھ کر اپنے ساتھ پانچ نوجوان انصاریوں کو لیا اور نہایت عجلت

[1] ان بزرگ کے نام کی بابت میں مختلف بیان ہیں کسی نے ان کا نام زیاد بن السکن بتایا ہے، بعض کی رائے ہے کہ ان کا نام عمارہ بن یزید بن السکن ہے ۱۲

کے ساتھ حضور کا احاطہ کر لیا، کفار مکہ کی جماعت پوری جماعت تھی، مگر اُس نے بھی سمجھ لیا کہ جب تک ان چھ شخصوں میں جان باقی رہے گی، ہم کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوگی، اس لیئے اولاً انھیں کو راستہ سے ہٹا دینا چاہیئے، چنانچہ اس جماعت نے انہیں سے ایک ایک کو چُن چُن کر قتل کرنا شروع کیا، مگر یہ لوگ بھی موم کے نہ تھے، علاوہ ازیں کفار کے قلوب میں اگر انتقام کی آگ شعلہ زن تھی، تو یہ لوگ دار آخرت کی حیوٰۃ حقیقیہ کے طالب تھے، وہ اگر ماں باپ، خویش و اقارب کی موت کا بدلہ چاہتے تھے تو یہ سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم کی حیوۃ کے طالب تھے، ان چند نوجوانوں نے قتل بھی کیا اور آخر ایک ایک ہو کر شہید ہونے لگے، ان سب سے آخر میں زیاد بن السکن تھے جوان پانچ نوجوانوں کو حضور کی حفاظت کے لیئے اس طرح لڑا رہے تھے جس طرح فوج کا جرنل فوج کی کمان کرتا ہے، خود بھی زخموں سے نڈھال ہو چکے تھے مگر کیا مجال کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹے، سارا بدن خون سے تر بتر ہے مگر یہ بجلی کی طرح کبھی ادھر چمکے کبھی اُدھر کوندے، بالآخر کفار کی اس پوری جماعت نے انھیں ہی حملہ کیا اور اس قدر زخمی کر دیا کہ زمین پر گر پڑے اور حرکت کی بھی تاب نہیں،

زیاد بے شک مجروح ہوئے مگر اس وقت جبکہ انھوں نے حملہ کرنے والی اس جماعت کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے قابل نہ چھوڑا،

ادھر مسلمانوں کی ایک اور جماعت نے دیکھ لیا کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نرغہ میں ہیں۔ وہ سمٹ کر آپ کے پاس آ گئی اس وجہ سے حضور محفوظ ہو گئے۔

ہمکو زیاد بن السکن کی موت کا ذکر کرنا ہے، موت کا نہیں بلکہ حقیقی حیات کا، جاودانی حیات کا، اُس حیات کا جو دُنیا کی کسی بڑی سے بڑی شہنشاہ کو بھی نہ نصیب ہوئی نہ ہو سکتی ہے نہ ہوگی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ زیاد کو اُٹھا کر ہمارے قریب لاؤ چنانچہ وہ اس طرح آپ کے قریب لائے گئے جس طرح کہ نعش کو لایا جاتا ہے، وہ آپ کے قریب لائے گئے، زمین پر لٹائے گئے آپ نے اپنے مبارک قدم پر اُن کا سر رکھ لیا زیاد کا رخسارہ دو جہان کے بادشاہ کے قدموں سے لگا دیا نہایت ضعف کے ساتھ حرکت کی تو آنکھیں آپکے چہرے کو دیکھ رہی تھیں کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

کیا یہ موت بھی ہن قابل ہے کہ اسپر توجہ کیا جائے، مرثیہ کہا جائے مسلمان کیلئے تو یہ موت وہ موت ہے کہ اسپر بڑی بڑی زندگیاں کو رشک کرنا چاہیئے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر سر، آپکے چہرے کی زیارت اور دنیا کا آخر وقت کسی شخص کی تو اپنی غایت درجہ کی تمنا یہ ظاہر کی تھی،

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے   یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

مگر زیاد وہ خوش نصیب زیاد ہے جس کا سر حضور کے قدموں کے نیچے نہیں، قدموں کے اوپر ہے،

آرزو یہ ہے کہ دم نکلے تمہارے سامنے   ہم تمہارے سامنے ہوں تم ہمارے سامنے۔ (باقی)

باسمہ سبحانہ

معرکۂ قادسیہ

(رستم بن فرخ زاد کا قتل بدست حضرت ہلال بن علقمہؓ)

عہدِ فاروقی کا جاہ و جلال

(از حضرت آثر زبیری لکھنوی)

زمینِ قادسیہ میں اُٹھے جو شعلے جنگ کے
ہنر دکھائے لشکروں نے تیغ و تفنگ کے

مجاہدینِ فوجِ دیں بڑھے سنانیں تان کر
چمک اُٹھیں بس ایک بار بجلیاں اِدھر اُدھر

اُڑی وہ گرد دشت میں قدومِ راہوار سے
کہ اک حصار بن گیا فضا میں اس غبار سے

وہ ناوکِ شرر فشاں وہ تیغ اور وہ برچھیاں
وہ گُرز جس سے الحذر وہ ضرب جس سے الاماں

دکھائی خنجروں نے بھی کچھ اس طرح بہارِ خوں
کہ بہہ گیا ہر ایک سمت ایک آبشارِ خوں

عدو جو فوج فوج تھے ستمگری کی موج تھے
حریصِ رفع و اوج تھے قدوں میں مثلِ عوج تھے

جب اُن کو فوجِ دین کا نہ پاس اور ادب رہا
تو ہاتھیوں کو لے کر بڑھے مثیلِ ابرہا

ہلی ہوں جیسے زلزلے سے بدنما پہاڑیاں
یونہی بس ایکدم بڑھیں وہ خار و خس کی جھاڑیاں

مقابل آکے ڈٹ گئیں صفیں یہ کوہسار کی
نظر جو اُن پہ پڑ گئی عرب کے راہوار کی

تو خوف اور ہراس سے وہ بدحواس ہو گئے
یہ شکلیں جب نظر پڑیں تو ہوش اُن کے کھو گئے

غضب میں حملہ کر دیا اُدھر سیاہ فیل نے | زمیں کو خوں سے بھر دیا قضا کے دو دنیل نے
مثالِ سرمہ پس گئے سپاہیانِ فوجِ دیں | مگر بنی اسد ہوئے یہ دیکھتے ہی خشمگیں
چڑھا کے آستین تھی، بڑھا کے پھر فرس چڑھے | مثالِ جزر و مد چلے کہیں گھٹے کہیں بڑھے
تڑپ کے نیام سے کھنچی جو تیغ قعقاعؓ کی | زبس جھپک گئی نگاہ خاوری شعاع کی
مگر جو پیش پیش تھا وہ اک سفید پیل تھا | اسی کی ہمت بس خیالِ عاصمؓ و ربیلؓ تھا
فضا میں دفعتاً ہوئیں بلند ان کی برچھیاں | ستارہ بن کے ہوگئیں سوادِ چشم میں نہاں
اودھر سے قعقاعؓ کی وہ تیغ برق دم چلی | کہ ہاتھیوں کی فوج میں مچا دی جس نے کھلبلی
اُدھر تفنگ و تیر نے دکھائیں شعلہ باریاں | سوار منہ کے بل گرے اُلٹ گئیں عماریاں
سیاہ دل پلٹ پڑے چنگھاڑیں مارتے ہوئے | یہ زخم خوردہ جانور چلے ڈکارتے ہوئے
مجاہدینِ فوجِ دیں بڑھے اسی خروش میں | مقابلہ کے شوق میں مقاتلہ کے جوش میں
خیال بھی نہ کچھ کیا کہ زرہ پوش ہے سپہ | چڑھا ہے نشۂ کبر کا کہ بادہ نوش ہے سپہ
بڑھے چلے گئے یونہی لہو بکھیرتے ہوئے | کسی کو رولتے ہوئے کسی کو گھیرتے ہوئے
یہ شیر دل پہونچ گئے قریبِ تختِ رستمی | سپاہِ کفر میں پڑی یہ دیکھتے ہی برہمی
نشانِ فوجِ فارسی جو دفعتاً قلم ہوا | تو رستم اس نظارہ سے لرز اٹھا سہم گیا
سپاہِ اہلِ حق بڑھی جو ایسی آن بان سے | تو اُٹھ کے جست کر گیا وہ تختِ کاویان سے
کیا گریز انتقامِ ذوالجلال دیکھ کر! | ہلال ابنِ علقمہؓ بڑھے یہ حال دیکھ کر
اگرچہ اس نے لی پناہ موجہائے نہر میں | مگر کہاں نجات اسے جو ہو خدا کے قہر میں
بڑھا وہ ضیغمِ جری ہزبرِ دشتِ صفدری | ہلال ابنِ علقمہ ہلالِ اوجِ افسری
نکالا اس کو نہر سے پکڑ کے پائے بے ادب | چھپا تھا خوفِ مرگ سے وہ خیرہ سر عدوے رب
تنِ حسد سے کاٹ کر سرِ غرور و خودسری | مٹا کے روئے دہر سے علامتِ ستمگری
پکار اُٹھے یہ جھوم کر ہلال ابنِ علقمہؓ | "الا قتلت رستما! الا قتلت رستما"

ایک ہفتہ بمبئی میں

(از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ)

اب سے پانچ سال پہلے (ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں) احباب بمبئی کے اصرار پر پہلی بار بمبئی جانا ہوا تھا، اسکے بعد سے ہر سال وہاں کے احباب کی طرف سے باصرار دعوت آتی رہی اور میں ہمیشہ اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے عذر کرتا رہا مگر اس سال میری معذرت پر اُن کا اصرار غالب آگیا، اور محرم کے پہلے ہفتہ میں مجھے وہاں جانا پڑا، پورا ایک ہفتہ قیام رہا، احباب بمبئی کے اخلاص اور ان کی دلی محبت نے اس سال اور زیادہ متاثر کیا، بالخصوص حضرت مولٰنا غلام محمد صاحب (ایم - اے) خطیب جامع مسجد بمبئی، مولٰنا عبدالعزیز صاحب بہاری صدر مدرس مدرسہ محمدیہ جامع مسجد بمبئی، حاجی جعفر بن عبدالکریم صاحب مولٰنا الحکیم عبدالرحمٰن صاحب راندیری، حافظ عبدالعلیم صاحب اعظمی مالک علیم دواخانہ بمبئی مولوی خواجہ سید محمود صاحب مجددی، "نمازی فوج کے روح رواں محمد بیگ صاحب اور ان کے دوسرے نوجوان رفقا کی طرف سے جس محبت کا تجربہ ہوا اس کی یاد سے دل ابتک شرمندہ ہے۔ مدنپورہ کی دیندار جماعت، اور اطراف جے پور (راجپوتانہ) کے مخلصین اور خود گھوگاری محلہ کے نوجوانوں بلکہ تمام اُن حضرات نے جو الفرقان کے ذریعہ اس عاجز سے تعلق یا تعارف رکھتے ہیں جس اخلاص کا ثبوت دیا وہ ناقابل فراموشی ہے ــــ یوسف حاجی مکی صاحب تو بلانے والے دوستوں کے گویا وکیل ہی تھے اس لئے باوجود عدیم الفرصتی کے برابر ہی آتے تھے۔ ہمارے سخت قسم کے موحد عبدالکریم لدھا صاحب (زندہ شہید[1]) تو قریباً ہر وقت ہی موجود رہتے تھے۔

اور ان سب سے زیادہ یاد رکھنے کے لائق ہیں ضلع مظفرنگر کا ایک نیک غریب مزدور جس سے پہلا کوئی تعارف بھی نہ تھا یہ بیچارہ روزانہ کی مزدوری سے اپنا پیٹ بھرتا ہے اور جب دو چار دن مزدوری نہیں لگتی تو نوبت فاقوں کی آجاتی ہے ــــ اس کی محبت کا یہ حال تھا کہ مزدوری چھوڑ کر فاقہ ہی سے میرے پاس بیٹھا رہنا چاہتا تھا، مجھے جب اس کا یہ حال معلوم ہوا تو میں نے اس بیچارہ کو دن میں اپنے پاس آنے سے منع کر دیا۔ میں نے اس کی کچھ مدد کرنا چاہی لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ میں اپنے فلاں دوست سے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر تمھیں کسی وقت کچھ ضرورت ہو تو وہ بطور قرضہ حسنہ تمکو کچھ دیدیا کریں وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا، یہ شخص بالکل ان پڑھ ہے مگر اس کی محبت وغیرت میرے لئے بڑی سبق آموز ہوئی اس لئے وہ مجھے بمبئی کے سب دوستوں سے زیادہ یاد ہے۔

---

[1] آپ کئی سال پہلے توحید پرستی ہی کے جرم میں ان کو چھری سے خطرناک طور پر زخمی کر دیا گیا تھا محض بفضل خدا جان بچ گئی ۱۲

اس آٹھ روزہ قیام میں آٹھ ہی تقریریں ہوئیں، جوں جوں تجربہ بڑھتا ہے یہ یقین اور زیادہ پختہ ہوتا جاتا ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لیے مسلمان رہ کر ترقی و کامیابی کی ایک ہی راہ ہے اور وہ وہی ہے جس کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رہبری فرمائی اور آپ کی رہنمائی میں جس پر چل کر "قرن اول" کے مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کی جیسی طاقتوں کو فنا کر کے دنیا کے بڑے حصہ پر "حکومت الٰہیہ" قایم کر دی تھی، قرآن کریم میں اس پروگرام کا پورا متن ہے اور بعد نبوت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تئیس سالہ کام جس کی تفصیل کتب حدیث وسیر سے معلوم ہوتی ہے اس کی شرح ہے، اور دور خلافت راشدہ (تا شہادت حضرت عثمانؓ) کو اس کا نتیجہ یا معیاری نمونہ کہا جا سکتا ہے ——— بمبئی کی ان آٹھ تقریروں میں ایک خاص ترتیب اور تسلسل کے ساتھ، صرف قرآن و اسوۂ نبوی اور خلفاء راشدین کے طرز عمل کی روشنی میں اس پروگرام کو پیش کیا گیا، اس ذیل میں عقیدۂ توحید کی تشریح اور اس کی ہمہ گیری پھر ہر طاغوتی طاقت کی بندگی و غلامی سے انکار اور اس سے بغاوت کے اعلان کا مقتضائے توحید ہونا، اسلام کے نظام عبادت کی تشریح، اس کے مقاصد و اسرار اور بالخصوص اقامت صلوٰۃ و زکوٰۃ کا فلسفہ اور دیگر فوائد و برکات کے علاوہ تنظیم جماعت میں، ان کی تاثیر، پھر پختہ اور فولادی سیرت اور مضبوط و باکمال زمانہ کیرکٹر کی پیدائش میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم کا اثر، آخر میں فلسفہ جہاد اور "اسلامی جہاد" کے مقاصد، اسلام کا نظریہ انقلاب حکومت الٰہیہ کے اصول، اسلام کا اقتصادی و معاشی نظام خلافت راشدہ کا کامیاب تجربہ اور دنیا کی حکومتی و دستوری تاریخ میں اس کی بے مثالی غرض ان آٹھ تقریروں میں اپنے معلومات اور اپنے غور و فکر کے مطابق ان تمام پہلوؤں پر بحث کی گئی ——— بمبئی کی مخصوص فضا کے خاص تقاضوں کے مطابق ضمناً ان تمام گمراہیوں پر بھی تبصرہ کیا گیا جو اس علاقہ کے مسلمانوں میں جڑ پکڑ چکی ہیں اور جن کا سلسلۂ نسب شرک، یا بدعت، سے ملتا ہے۔ بمبئی میں ان تقریروں کو نہ صرف مفید ہی سمجھا گیا بلکہ عام طور پر غیر معمولی اہمیت بھی دی گئی اور دو تین ہی تقریروں کے بعد بعض خاص احباب کی طرف سے ان کے قلمبند کرنے اور کتابی شکل میں شایع کرنے کا مطالبہ ہوا، چنانچہ اس کے بعد سے روز کی روز اجمالی یاد داشت مرتب ہوتی رہی ——— اب فرصت میسر ہونے پر انشاء اللہ جلدی ہی ان حضرات کی فرمائش کے مطابق اس کو تیار کر کے کتابی شکل میں شایع کر دیا جائیگا۔

بدزبان کی بدزبانی کا قدرتی انتقام :-

بریلوی پارٹی کے مشہور بے بدل گالی باز "واعظ"، اور لاثانی زبندراز "مناظر"، مولوی حشمت علی اور ان کی خصوصیات کو ناظرین "الفرقان"، غالباً بھولے نہ ہوں گے جس زمانہ میں اسلامی ہند کی فضا پر سیاسی شعور کا غلبہ ہوتا ہے تو اس قماش کے لوگ بڑی بے کسی اور کس مپرسی کے عالم میں جا پڑتے ہیں کیونکہ ان بیچاروں کا پیشہ اور ذریعہ معاش ہے صرف "تقویۃ الایمان" "حفظ الایمان"، کی عبارات کی بحثیں اور علم غیب، و قیام میلاد، کے جیسے مسائل کو چھیڑ کے جاہل مسلمانوں کو آپس میں لڑانا

اور فرقہ وارانہ جنگ کے اس جنون کے عالم میں اُن سے نذرانے یا فیسیں وصول کرنا ــــــ اور سیاسی تاثر کے غلبہ کے وقت عام مسلمان چونکہ ان چیزوں میں کچھ زیادہ دلچسپی نہیں لیتے اس لیے سیاسی تحریکات کا زمانہ ان بیچاروں کی "تجارت" کے لیے بڑی کساد بازاری کا زمانہ اور بڑا صبر آزما وقت ہوتا ہے اور ایسے حالات میں بس خاص خاص جگہوں کی "مستقل آمدنیوں" ہی پران لوگوں کا گزارہ رہ جاتا ہے۔ ان ہی "مستقل آمدنیوں" میں سے بمبئی کے محرمی وعظوں کا "نذرانہ یا فیس" بھی ہے۔

بمبئی کے دوستوں سے معلوم ہوا کہ ایک سو سے زیادہ جگہ بمبئی میں ایسی مقرر ہیں جہاں محرم کے عشرہ اولیٰ میں "شہادتی مجالس" ہوتی ہیں اور ان میں وعظ کرنے والوں کے لیے گرانقدر رقمیں مقرر ہیں یہاں تک کہ بعض جگہوں پر اس نذرانے یا فیس کی مقدار پانچسو روپیہ سے زیادہ تک پہنچتی ہے، ان جگہوں پر "واعظوں" کا موروثی قبضہ بھی ایک اہم چیز ہے، یعنی جس طرح قانون رائج الوقت کی رو سے جب ایک کاشتکار کچھ دنوں تک ایک زمین کو جوت بو لیتا ہے تو پھر زمیندار بھی اس کو بیدخل نہیں کر سکتا، ٹھیک اسی طرح بمبئی کی ان خاص مجالس میں جب کوئی "واعظ صاحب" دو چار برس وعظ کہہ لیتے ہیں تو پھر اُن کو وہاں سے بآسانی ہٹایا نہیں جا سکتا۔ الغرض ان "پیشہ ور واعظوں" کے لیے بمبئی کی یہ آمدنی ایک "مستقل آمدنی" ہے اور ایسی مستقل کہ بعض دوستوں نے بیان کیا کہ یہ لوگ اس "آمدنی" کے وعدہ پر سیکڑوں روپیہ تک قرض لے لیتے ہیں

بمبئی میں معلوم ہوا کہ مولوی حشمت علی بھی اس رواج کے مطابق یہاں کی ایک بڑی آمدنی کی جگہ پر قابض تھے اور کافی عرصہ سے قابض تھے، لیکن گزشتہ سال انھوں نے ایک غلطی کی اور وہ یہ کہ عام مسلمانوں میں سیاسی شعور کے پیدا ہو جانے سے جو کس مپرسی کے عالم میں وہ جا گرے اور ان کی ہزاروں کی آمدنی کو جو نقصان پہونچا تو اس سے انکا دماغ بوکھلا گیا اور گزشتہ سال "بمبئی کی محرمی مجالس" میں آپ نے تمام سیاسی جماعتوں پر اپنا بخار نکالا اس سلسلہ میں کانگریس، احرار اور جمعیتہ العلما والوں کو گالیاں دیتے دیتے مسلم لیگ کے خلاف بھی کچھ کہہ ڈالا اور دماغ کے اس کھولاؤ میں ان کو اس کا کوئی لحاظ نہ رہا کہ یہ "مستقل آمدنی" بھی جن خداوندان نعمت سے وابستہ ہے وہ سیاسی مسلک کے لحاظ سے "لیگی" ہیں ــــــ نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ کیلئے اُن لوگوں نے آپ کو اس "مستقل" اور "موروثی جگہ" سے "بیدخل" کر دیا۔ اس "واحد مستقل آمدنی" سے بھی محروم ہو جانے کی وجہ سے جو کچھ اُس "بیچارہ" پر گزری ہو گی اس کا اندازہ کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ مگر "رزاق مطلق" تو سب ہی کا روزی رساں ہے، اس لیے ضروری تھا کہ اس دروازہ کے بند ہونے کے بعد رزق کا کوئی دوسرا دروازہ کھلے چنانچہ ہوا یہ کہ جیسے ہی ذی الحجہ میں میں نے بمبئی کے احباب کے اصرار سے مجبور ہو کر بمبئی پہنچنے کا وعدہ کیا اور اخبارات و اشتہارات میں یہ خبر شایع ہوئی تو رضا خانی پارٹی کے خاص ایجنٹوں نے میرا نام لے کر اور "تحفظ سنیت" کی دہائیاں دے کر پھر مولوی حشمت علی کیلئے تحریک اُٹھائی کہ جس طرح بھی ہو اس موقع پر ان کو ضرور بلایا جانا چاہیئے ورنہ

سنیت کی خبر نہیں ۔۔۔ چنانچہ ایک محلہ کے لوگوں کو اس کیلئے تیار کر لیا گیا اور ان کو بُلا دیکھا گیا، اور بمبئی کی خاموش اور ساکن فضا میں گرمی پیدا کرنے کیلئے اس جگہ کے قریب ہی ان کی تقریروں کا انتظام کیا گیا جس جگہ پر میری تقریروں کا اعلان ہو چکا تھا۔ کیونکہ آج کل کی خاموش فضا میں اسی طرح گرمی پیدا کی جا سکتی تھی اور اس گرمی کے پیدا ہو جانے پر ہی کچھ اچھی "دکانداری" ہو سکتی تھی ۔۔۔ قصہ مختصر وہ پہنچ گئے اور تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا، اور ان تقریروں میں وہی "تقویۃ الایمان"، "حفظ الایمان" وغیرہ کے مصنفین کے کفر و ارتداد کا پُرانا سبق عوام مسلمانوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔

میں حسب وعدہ ۳ محرم کو پہنچا اور یہ عجیب و غریب کوائف علم میں آئے چونکہ اس جماعت کی گمراہیوں کے متعلق احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ انجام دے کر اس سلسلہ کا اپنا کام میں اب سے تین سال پہلے ختم کر چکا ہوں اور اس وقت کے بعد سے دل دماغ کی پوری توجہ دوسرے امور کی جانب ہے اس لیئے عرصہ کے بعد یہ صورت پیش آ جانے پر مجھے کچھ اُلجھن ہوئی اور بالآخر میں نے یہی سوچا کہ اگر ان فرسودہ خرافات کی جوابدہی میں نے شروع کی تو بس اسی میں اُلجھ کر رہ جاؤں گا اور وقت کی خاص اہم ضرورتوں کے متعلق بمبئی کے مسلمانوں سے جو کچھ میں ان دنوں میں کہنا چاہتا ہوں اور جو خاص پروگرام میں ان کے سامنے رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں وہ سب رہ جائے گا۔ چنانچہ پہلی ہی تقریر میں میں نے صفائی سے کہدیا کہ

"بریلوی پارٹی کی طرف سے ہمارے خلاف جو کچھ کہا جاتا ہے اور جو گندگی اچھالی جاتی ہے اس کی جوابدہی سے میری زبان اور میرا قلم اب سے بہت پہلے فارغ ہو چکے ہیں، اس سلسلہ میں دو ہزار سے زیادہ صفحات میرے قلم کے لکھے ہوئے شایع ہو چکے ہیں جنمیں اپنے ان مخالفین کے اُن تمام اعتراضات و بہتانات کا جواب دے کر جن سے کسی کو غلط فہمی ہو سکتی تھی میں حق کی حجت تمام کر چکا ہوں، اور بمبئی کے مسلمان اب سے پانچ سال پہلے میری زبان سے بھی وہ جوابات سُن چکے ہیں ۔۔۔ لیکن ہمارے ان مخالفین کا چونکہ ذریعہ معاش ہی ان مسائل کی چھیڑ چھاڑ ہے اور ان کے لیئے دُنیا میں اس کے سوا کوئی کام اور مشغلہ بھی نہیں ہے اس لیئے وہ تو مجبور ہیں کہ تا زیست یہی راگ الاپے جائیں، لیکن ہم اپنی ساری عمر صرف انہی بحثوں میں نہیں گنوا سکتے، جہاں تک فریضۂ اتمام حجت کا تعلق تھا ہم وہ ادا کر چکے اور ایک دفعہ سے زیادہ ان چیزوں کی جوابدہی سے فراغت حاصل کر چکے اب ہمارے سامنے دوسرے کام اور دوسرا پروگرام ہے اور ان چند دنوں میں مجھے وہی آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا ہے اور بالفرض میں ان خرافات و بہتانات کا اگر پھر جواب دوں بھی تب بھی یہ اُمید نہیں کہ یہ لوگ جن کے پاس ان فرسودہ مسائل کی چھیڑ چھاڑ کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں ہے اور یہی اُن کا ذریعہ معاش ہے وہ جواب حاصل کر کے ان بحثوں کو ختم کر دینگے، ان بحثوں کے ہمیشہ کے واسطے ختم کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ

اور اس کا تعلق مجھ سے نہیں بلکہ آپ حضرات سے یعنی بمبئی کی مسلم پبلک اور خصوصاً یہاں کے دولتمند طبقہ سے ہے اور وہ یہی ہے جو میں نے آپ کے سامنے اب سے پانچ برس پہلے بمبئی کی پہلی مرتبہ کی حاضری میں پیش کیا تھا، آپ کو غالباً یاد ہوگا میں نے کہا تھا کہ اگر بمبئی کے بلکہ ہر جگہ کے مسلمان ان مسئلوں کا فیصلہ کرانا اور ان جھگڑوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ "ان مولویوں" و "عظوں" کے نذرانے کی رسم قطعی طور سے بند کردی جائے یہی روپیہ آپ دیگر مصارف خیر میں صرف کریں لیکن ان پیشہ وروں کو اس مد میں ایک پیسہ نہ دیں، اگر آپ اس تجویز پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں تو میں ضمانت کرتا ہوں کہ تین برس کے بعد آپ کبھی ان جھگڑوں کا چرچا ہی نہ سُنینگے، میں پھر آپ سے پورے زور کے ساتھ یہی اپیل کرونگا کہ کم از کم امتحان اور تجربہ کے طور پر ہی تین سال تک یہ طرز عمل اختیار کرلیجیے اور پھر دیکھیے کہ کس طرح آپ کو ان جھگڑوں اور ان جھگڑوں کے پیدا کرنے والوں سے نجات ملتی ہے، اِن "وبائی جراثیم" کا بس یہی علاج ہے، اور آپ حضرات کے سامنے ان پیشہ وروں کی خرافات کا ہمارے پاس سردست صرف یہی جواب ہے

—— اور ایک آخری جواب ان حرکتوں کا ہماری طرف سے انشاء اللہ اُس دن دیا جائے گا جب ہندوستان میں ہماری کوششوں اور خواہشوں کے مطابق انقلاب ہوگا، اختیارات کی باگ صحیح ہاتھوں میں ہوگی اور اس قسم کے مجرمو نر "مذہبی تاجروں" کو حسب ہدایت نبوی وقانون اسلام کیفر کردار تک پہونچایا جائیگا۔"

الغرض میں نے پہلے ہی دن کی تقریر میں یہ اعلان کردیا —— مولوی حشمت علی کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور انھوں نے دیکھا کہ میں نے ان کی جوابدہی میں اُلجھنے کے بجائے ان کی زیادہ دُکھتی ہوئی رگ (نذرانے) پر ہاتھ رکھدیا ہے تو اُن کے تھرما میٹر کا پارہ اور بھی چڑھ گیا اور اب انھوں نے یا تو میری اس تحریک (نذرانہ کی بندش) کے انتقام میں اور یا مجھے زیادہ مشتعل کرکے اپنی طرف متوجہ کرلینے کی اُمید پر اور بھی زیادہ موٹی موٹی اور سخت متعفن گالیاں دینی شروع کردیں ایسی کہ ہمیشہ ان کی گالیاں سننے والوں نے بھی بیان کیا کہ اس نمونے کی گالیاں اس سے پہلے کبھی اُن سے بھی نہیں سنی تھیں —— اس کے بعد کیا ہوا اور قدرت کی طرف سے اس بدزبانی اور گالی بازی کا کسطرح انتقام لیا گیا اس کے معلوم کرنے سے پہلے درمیان میں ایک قصہ سُن لیجیے۔

مشہور ہے کوئی کریم النفس بزرگ ایک مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے وہیں کوئی شریر بچہ بھی رہتا تھا اور ان بزرگ کو چڑانا اور ٹھیک نماز کی حالت میں پھبتیوں اور پھر کنکریوں سے ان بیچاروں کی "تواضع" کرنا گویا اس کی ایک "تفریح" تھی

—— یہ بزرگ بھی تھے بڑے ہوشمند اور تجربہ کار، جب انھوں نے دیکھا کہ "یہ شریر" شرارت سے باز ہی نہیں آتا اور اپنے ہاتھ سے اس کی گوشمالی وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے تو انھوں نے ایک "دو دو زا" دیا کیا کہ جب نماز سے فارغ

ہو کر نکلتے تو ایک پیسہ اُس شریر بچے کے ہاتھ پر رکھ دیتے، اُس نے سمجھا کہ میری یہ حرکتیں بڑی پسندیدہ ہیں کہ ان کے انعام میں پیسے بھی ملنے لگے، اس کے بعد سے تو اس نے دوسرے نمازیوں کے ساتھ بھی شاید پیسوں ہی کی اُمید پر وہی حرکتیں کرنی شروع کر دیں، اُن نمازیوں میں اُن کریم النفس بزرگ کی طرح سب "والذین ھم عن اللغو معرضون" تو تھے نہیں، ایک دن جب اُس نے کسی اور نمازی کے ساتھ وہی حرکتیں کیں تو اس نے پکڑ کے اُلٹا ٹانگ دیا اور اتنا پیٹا کہ شُریر بچہ کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا ـــــ اس دن کے بعد سے تمام نمازیوں کو اور اُن کریم النفس بزرگ کو بھی اس کی موذیانہ حرکتوں سے نجات مل گئی"ـــــ یہ ایک مشہور قصہ ہے اور معلوم نہیں کہ اصلی ہے یا فرضی ا ــــ لیکن اس مرتبہ بمبئی میں مولوی حشمت علی کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ قریب قریب یہی تھا۔

ان کی گالی بازیوں اور بہتان طرازیوں کی طرف جب میں نے مطلق توجہ نہیں کی تو ان کی بے باکیاں اور زیادہ بڑھ گئیں، اور اب انھوں نے دوسری طرف بھی پاؤں نکالنے شروع کر دیئے اور جماعت دیوبند پر تبرہ بازی کفر ریزی کے ساتھ انھوں نے موجودہ سیاسی جماعتوں پر بھی "فتوے بازی" شروع کر دی لیکن ابتداءً یہ طرز رہا کہ پہلے کانگریس، احرار اور جمعیۃ العلماء کو گالیاں دیتے اور ان کے شرکاء کو کافر مرتد بناتے اور آخر میں چلتے چلتے کچھ گول مول گالیاں "مسلم لیگ" کی طرف بھی لڑھکا دیتے لیکن چونکہ مسلم لیگ کی مخالفت سے نقصان اُٹھا چکے تھے اس لیے اس کے خلاف گول مول کہنے میں بھی اتنی احتیاط کرتے کہ "معاند دشمن" بن کر نہیں، بلکہ "ہمدرد مصلح"، اور "ناصح مشفق" بن کر کہتے، کئی دن اسی طرح گزر چکے تھے ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ جس جگہ میں تقریر کرنے کو تھا وہیں میری تقریر سے پہلے، بلکہ میرے وہاں پہنچنے سے بھی پہلے "مسلم لیگ بمبئی" کے ایک کارکن صاحب نے جلسہ والوں سے اجازت لے کر "مردم شماری" کے موضوع پر کچھ مختصر سی تقریر کی انہیں انھوں نے مسلم لیگ کے خلاف مولوی حشمت علی صاحب کے عائد کردہ اعتراضات کا بھی شاید کچھ جواب دیا، مولوی حشمت علی کو اس جوابی تقریر کی اطلاع ہوئی لیکن معلوم نہیں کہ ان کے رپورٹر نے غلطی کی یا خود انہی کو غلط فہمی ہوئی بہر کیف اُنھوں نے اس تقریر کو بھی میری ہی تقریر سمجھا[1] اور اب انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ جب محمد منظور جیسا کٹر وہابی "مسلم لیگ" کی تائید و حمایت کرتا ہے تو پھر وہ بھی کسی نرمی کی مستحق نہیں، نیز انھیں یہ بھی اطمینان تھا کہ جب "محمد منظور" کو سامنے رکھ کر وہابیت دیوبندیت کو نشانہ بنا کر "مسلم لیگ" کے خلاف کچھ کہا جائے گا تو اُن کے لیگی عقیدت کیشوں اور مریدوں کے لیے بھی وہ ناقابل برداشت نہ ہوگا کیونکہ اس خاص حلقہ میں لیگ کیا معنی خدا رسول بلکہ "غوث پاک" کی محبت بھی ایک "کٹر وہابی"

[1] یہ غلط فہمی صرف مولوی حشمت علی ہی کو نہیں ہوئی بلکہ شاید کچھ اور لوگ بھی اس کا شکار ہوئے چنانچہ ۸ فروری کے "اخبار خلافت" میں بھی اس جوابی تقریر کی نسبت میری طرف کی گئی تھی جس کی مجھے تردید کرنا پڑی میری وہ تردیدی بیان ۱۰ فروری کے اخبار "اقبال بمبئی" میں شائع ہو چکا ہے ۔۱۲ منہ

(یعنی پکے موحد) کی عداوت پر غالب نہیں آسکتی ـــــ الغرض یہی کچھ سوچ کر انھوں نے "مسلم لیگ" کے متعلق اپنا رویہ بدل دیا اور اسی دن سے اس کی مخالفت میں بھی وہی زبان استعمال ہونے لگی جو اب تک صرف دیوبندیوں، "وہابیوں"، یا کانگریسیوں اور "احراریوں" کیلئے استعمال ہوتی تھی۔ ادھر میرے طرز عمل نے بھی اُن "بزرگ نمازی" کی طرح ان کو کافی ڈھیل دے رکھی تھی اور بالکل نڈر کر دیا تھا اس لیئے اب انھوں نے مسلم لیگ اور اُس کے "قائد اعظم" مسٹر جناح پر بھی پوری بے باکی کے ساتھ حملے شروع کر دیئے، اور اگر کوئی ڈھنگ کی بات کہی جاتی اور سیاسی یا مذہبی حیثیت سے کوئی شریفانہ تنقید کی جاتی تو کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن وہاں تو عادت ہی ہے بہتان طرازی اور افترا پردازی کی اور ان کے "اُستاذ ازل" نے اس کے سوا ان کو کچھ سکھایا بھی نہیں ہے، اس لیئے بجائے کسی معقول تنقید کے اس قدر اوندھی اور بے تکی باتیں انھوں نے کہیں جن کے سنتے ہی سے متلی آئے ـــــ مثلاً مسٹر جناح کے متعلق آپ نے بیان کیا کہ وہ مرزا قادیانی کی طرح پیغمبری کا مدعی ہے یا دعویٰ کرنا چاہتا ہے ـــــ غور فرمایا جائے کوئی حد ہے اس حماقت مآبی اور لغو گوئی کی!

قصہ مختصر بمبئی کے حامیان مسلم لیگ سے ان کا یہ رویہ برداشت نہ ہوا اور محرم کی آٹھویں شب میں جیسے ہی انھوں نے اپنی تقریر ختم کی (جس کے مقطع میں مسلم لیگ کی خبر لی گئی تھی) ویسے ہی لیگی نوجوانوں نے ان پر حملہ کر دیا ـــــ سُنا ہے کہ یہ انتقامی حملہ تو کسی خطرناک ہی نیت سے کیا گیا تھا لیکن خیریت ہوئی کہ اُن کی گندہ بیانی اور فتنہ سامانی کے قدیم تجربوں کی وجہ سے ان کے وعظ میں پولیس کی کافی جمعیت موجود رہتی تھی اور اس دن خصوصیت سے بہت کافی تھی جس نے حملہ کے ساتھ ہی "آنجناب" کو حراست یا "آغوش عاطفت" میں لے لیا جس کی وجہ سے آپ اپنی گالیوں کی صدائے بازگشت (یعنی ترکی بہ ترکی زبانی جواب) کے سوا ہر مصیبت سے محفوظ رہے۔ بعض لوگ جو اس وقت بالکل آپ کے قریب تھے ان کا بیان ہو کہ اُس وقت آپ کی صورت قابل دید تھی اور سارے "ارباب من دون اللہ" کو بھول کر اُس دم آپ صرف اللہ ہی کو یاد کر رہے تھے ـــــ بیشک ایسی ہی کٹھن گھڑیوں کے متعلق قرآن حکیم نے کہا ہے "ضل من تدعون الا ایاہ"۔

پولیس قریباً آدھ گھنٹہ میں اس ہنگامے کو فرو کر سکی اور مسلح افسران پولیس نے اپنی حراست ہی میں ان کو قیامگاہ تک پہونچایا۔ اور اس کے بعد بمبئی میں اُن کی کوئی تقریر نہ ہو سکی ـــــ یہ تھا قدرت کی جانب سے انتقام ان کی گندہ دہنی اور گالی بازی کا، اس کے بعد مقامی اخبارات نے نہایت رُسوا کن کارٹون شایع کیئے اور انتہا یہ کہ بمبئی کے بچوں نے ان کا مصنوعی جنازہ نکالا جس کو ان کی تقریر گاہ کے قریب ہی ایک چوراہے پر نذر آتش کیا گیا۔[1]

---

[1] یہ تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ ۹ محرم لغایت ۱۰ محرم کے بمبئی کے اُردو روزناموں "اقبال"، "انقلاب"، "ہلال"، وغیرہ میں شایع ہوتے رہے ہیں۔ مختلف مواقع کے کارٹون اور مصنوعی جنازہ کا منظر ۱۰ فروری کے روزنامہ "انقلاب بمبئی" میں قابل ملاحظہ ہیں۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را!

چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

اخبار تمت کی بدگوئی اور ان پر افترا پردازی و بہتان طرازی کی سزا ایک دوسرے طریقہ سے بھی اس موقع پر مولوی حشمت علی کو ملی اور وہ ان واقعات سے بھی زیادہ حیرتناک ہے —— ان جناب کے ہم مسلک اور گالیوں کے فن میں ان کے بھی اُستاد یا کم از کم ہمکلاس کوئی مولوی "مشتاق صاحب" ہیں جو دہلوی کہلاتے ہیں مگر بمبئی ہی میں رہتے ہیں معلوم نہیں کس بنیاد پر کچھ دنوں سے ان دونوں میں کچھ اَن بَن ہو گئی ہے[1] اور اب مولوی مشتاق اپنے "وعظوں" میں مولوی حشمت علی کے خلاف خوب گل افشانیاں فرماتے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے اپنے اس پرانے رفیق کا اب نام ہی رکھدیا ہے "کالی ناگن" "اوڑ لکھنؤ کی کٹورپری" اور برسر منبر وہ انہی ناموں سے اب ان کو یاد کرتے ہیں —— اللہ اکبر! یہ رہ گئے ہیں اب "امت محمدیہ" کے واعظ۔ پھر بھلا شیطان کو آج کل ہاتھ پاؤں ہلانے کی کیا ضرورت ہوگی —— ع

الٰہی کیوں نہیں اُٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے؟

ہم نے یہ واقعات دلی کراہت کے ساتھ طبیعت پر جبر کرکے صرف اس لیے یہاں لکھدیئے ہیں کہ دیکھنے والے عبرت حاصل کریں۔

اس تمام مسئلہ میں افسوس بس اس کا ہے کہ ابھی بہت سے عوام ان پیشہ وروں کو علماء دین سمجھتے ہیں اور جب تک تعزیری طاقت اپنے ہاتھ میں نہیں آتی ان دین فروشوں کا پورا علاج نہیں ہو سکتا —— تاہم بمبئی کے احباب سے گزارش ہے کہ "نذرانہ کی بندش" کی تحریک جو میں پیش کر آیا ہوں پوری جد و جہد سے اس کو کامیاب بنائیں اور محلہ محلہ پروپیگنڈا کرکے لوگوں کو اس پر آمادہ کریں کہ "نذرانہ" وصول کرنے والے کسی "وعظ فروش" سے تقریر نہ کرائیں، انشاء اللہ اس تدبیر سے بھی ان "وبائی جراثیم" کا بڑی حد تک انسداد ہو جائے گا —— اور مسلمانوں کو ان کے شر سے نجات مل جائے گی۔ واللہ الموفق،

---

[1] اس "جنگ برادران" کا سبب بمبئی میں یہ مشہور ہے کہ کسی ہوٹل والے نے ان دونوں صاحبان سے یہ ٹھیرایا تھا کہ میرے برابر کے ہوٹل والے کو آپ لوگ وہابی بنا دیں اور وعظ میں اس کی وہابیت کا اعلان کر دیں تاکہ اُس کے گاہک ٹوٹ کے میرے یہاں آجائیں اور اس کے لیے کچھ رقم بھی ٹھیر گئی تھی چنانچہ اس بیچارہ کی وہابیت کا ڈھنڈورا ان "مفتیان کرام" نے پیٹ دیا اور اس ہوٹل والے نے وہ طے شدہ رقم حشمت علی صاحب کے حوالہ کردی! کہا جاتا ہے کہ انھوں نے وہ سب ہضم کر لی اور بیچارے مولوی مشتاق کو اس میں سے کچھ بھی حصہ نہیں دیا۔ بس یہی ہے آپس کی اس لڑائی اور اس تھکا فضیحتی کی جڑ! واللہ اعلم

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی
یہاں علمی مذہبی کتابیں نہایت سستی ملتی ہیں

Regd, No. A-353.

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ

اللہ کے رستہ میں کون کون میری مدد کرے گا

میرا مقصد:- دین الٰہی کی اشاعت اور توحید و سنت کی حمایت وحفاظت ہے میں چاہتا ہوں کہ تمام مسلمان حقیقی معنی میں خدائے واحد کے پرستار ہو جائیں۔ میری تمنا ہے کہ مدنی آقا کا علم صداقت ہمیشہ سربلند رہے اُس کے دشمن نگوں سار ہوں میری آرزو ہے کہ دُنیا کے سارے انسان خدا کے اس ہاشمی محبوب کے قدموں سے وابستہ ہو کر دین و دنیا کی عزت حاصل کریں جو بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن ہے۔ ان پاکیزہ مقاصد کی کامیابی کیلئے میری ہر قسم کی اعانت بالخصوص توسیع اشاعت کی سعی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے ٭

الفرقان

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی
میں ہر قسم کی علمی مذہبی کتابیں نہایت سستی ملتی ہیں

ان کتابوں میں ہر مسئلہ کا جواب اردو میں دیکھئے
فتاوی دارالعلوم دیوبند
از مہر ہند دارالعلوم اور اسکے علما کو حق تعالیٰ نے جو مقبولیت عامہ اور اعتماد تام عطا فرمایا ہے وہ آپ پر مخفی نہ ہوگا ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں عوام و خواص میں پنچایتوں اور عدالتوں میں دارالعلوم دیوبند ہی کا فتویٰ فیصلہ کن مانا جاتا ہے خود علماء اور ارباب فتویٰ جب کسی مسئلہ میں الجھتے ہیں تو دارالعلوم ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں تاہم ان بالشان اور معرکۃ الآرا فتاوی کی تدوین و اشاعت کا کوئی انتظام نہ تھا لیکن اب انکی اشاعت کا ایک تدریجی سلسلہ شروع ہوگیا ہے اس وقت تک اسکی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں قیمت فی جلد ایک روپیہ رعایتی صرف ۱۲/
مجموعۂ فتاوے
مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی
اس کتاب کی تین جلدیں ہیں جن میں ہزاروں مسائل کی عجیب غریب تحقیقات ہیں کوئی مسئلہ بے دلیل نہیں لکھا گیا ہے اس کا مطالعہ اہل علم کو فتوی نویسی میں ایک خاص بصیرت ہوگی زیادہ تعریف فضول ہوگی کاغذ عمدہ کتابت طباعت بہترین قیمت اصلی ہر سہ حصہ پانچ روپیہ رعایتی چار روپیہ آٹھ آنے
فتاوی محمدی معہ شرح دیوبندی
آپنے اس سے پہلے بہت سے فتاوے دیکھے ہوں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتاوی نظر سے نہ گزرا ہوگا۔ اس کتاب میں وہ مسائل جمع کیے گئے ہیں جن کا جواب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا اور حصہ دوم میں ان کے علاوہ ساڑھے نو سو مسائل ضروریہ کے وہ بیس استفتاء درج ہیں جن کا جواب صحابہ و تابعین نے عطا فرمایا قیمت ہر دو حصہ رعایتی
سلسلہ تعلیم الاسلام
از مفتی کفایت اللہ صاحب
بچوں کیلئے بہترین مذہبی و فقہی نصاب تعلیم ہے۔
قاعدہ تعلیم الاسلام
تعلیم الاسلام نمبر اول
تعلیم الاسلام نمبر۲
تعلیم الاسلام نمبر۳
تعلیم الاسلام نمبر۴
مکمل سٹ کی رعایتی قیمت
ایضاً تقطیع خورد کامل سٹ
فتاوی عزیزیہ فارسی
دو جلد
از حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
قیمت دو روپیہ چار آنے
فتاوی عزیزی اردو
دو جلد
یہ اصل فارسی فتاوی کا ترجمہ ہے قیمت تین روپیہ رعایتی دو روپیہ بارہ آنے
سب سے اعلیٰ مکمل و مدلل جدید ترین بہشتی زیور
ہمارے اس مکمل مدلل جدید ترین بہشتی زیور کو منگوا کر آپ یقیناً بہت زیادہ خوش ہونگے اس اڈیشن میں اس کتاب کی خدمت کا آخری حق ادا کر دیا گیا ہے۔
اصل کتاب کے تعارف کی چنداں ضرورت نہیں البتہ اس خاص اڈیشن کے متعلق اتنا عرض کرنا ہے کہ اب تک کے شائع شدہ بہشتی زیوروں میں یہ اڈیشن بہر حیثیت سب سے اعلیٰ اور سب پر فائق ہے مستند علما کی ایک جماعت سے عربی اور اردو میں جدید حواشی کا اضافہ، مسائل پر نظر ثانی و صحت، شبہات مخالفین کے جوابات اور مضامین ترجیح الراجح وغیرہ کا اضافہ نہایت اہتمام سے اور بیدریغ روپیہ صرف کرکے کرایا گیا ہے بعض مسائل میں خود حضرت حکیم الامت مدظلہ نے ترمیم بھی فرمائی ہے۔ بہت سے مسائل جن کا الجھاؤ صدیوں سے ختم نہیں ہوا تھا انکی پوری تحقیق اور تنقیح کر دی گئی ہے جہاں جہاں فقہ کی روایات میں اختلاف تھا وہاں مفتی بہ غیر مفتی بہ راجح مرجوح کی پوری تفصیل کر دی گئی ہے اور چونکہ مسائل کے دلائل بھی قرآن و حدیث یا کتب فقہ کے حوالے حاشیہ میں لکھ دیے گئے ہیں۔ اسلئے اب کوئی مخالف معاند اس کے کسی مسئلہ پر اعتراض بھی نہیں کر سکتا۔ بہرحال اب یہ ایک مستقل و مستند فتاوی کی کتاب ہے جو اہل علم اور ارباب فتویٰ کو بھی اپنے پاس رکھنا ضروری ہے۔ ان معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری لحاظ سے بھی نہایت دیدہ زیب ہے کاغذ نہایت عمدہ اور کتابت طباعت اعلیٰ قسم کی ہے غرض اس مرتبہ ہر حیثیت سے اس کتاب کو بہترین اور مکمل بنانے میں روپیہ بیدریغ پانی کی طرح بہایا گیا ہے اور ہمارے یہاں رعایتی اس وقت صرف پانچ روپیہ
فتاوی رشیدیہ ہر سہ حصہ کامل
یہ خاتم الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتووں کا مجموعہ ہے جو آخری مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ کی زیر نگرانی خاص اہتمام سے چھپا ہے قیمت حصہ اول حصہ دوم حصہ سوم رعایتی ہر سہ حصہ
ملنے کا پتہ: مکتبہ الفرقان بریلی

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چندہ سالانہ للعہ
قسم اول
تین روپے

ممالک غیر سے
قسم اول
سات شلنگ پیشگی

ماہنامہ الفرقان بریلی

جلد ۲ | بابت ماہ صفر المظفر و ربیع الاول سنہ ۱۳۶۰ ہجری | نمبر ۸-۹

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ اولین	مدیر	۲-۳
۲	مجدد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ رح (نظم)	از جناب مولانا محمد عبدالسبحان صاحب ... فاضل دیوبند ... لکھنؤ	۴
۳	عبرت کی باتیں	مدیر	۵
۴	سنٹرل جیل منٹگمری سے مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا مکتوب گرامی بنام مدیر "الفرقان"	مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی صدر مجلس احرار	۶-۷
۵	موعظة و ذکریٰ	مدیر	۸-۱۴
۶	ہدیۃ التسلیم بحضرۃ النبی الکریم (نظم)	منشی رفیق احمد صاحب ڈوہال	۱۵-۱۶
۷	نیا نظام تعلیم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدیر ترجمان القرآن	۱۷-۳۵
۸	حضرت شاہ ولی اللہ رح کا ایک خاص نظریہ	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی	۳۶-۵۱
۹	خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بین الاقوامی حیثیت	حضرت مولانا عبید اللہ السندھی	۵۲-۵۷
۱۰	شیخ محمد بن عبدالوہاب اور انکی تحریک احیاء توحید و سنت	مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی جیراجپوری	۵۸-۶۷
۱۱	ولی اللّٰہی افادات و ہدایات	مدیر	۶۸-۷۰
۱۲	حضرت شاہ ولی اللہ اور دارالعلوم دیوبند (نظم)	مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی	۷۱
۱۳	ہندوستان میں اسلامی اقتدار کے ساتھ صوفیائے کرام کی برکات اور ان کے احسانات	جناب مولانا محمد نورالحق صاحب علوی پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور	۷۲-۸۸
۱۴	مطبوعات جدیدہ	مدیر	۸۹-۹۶

ضروری اعلان
از ناظم الفرقان

"الفرقان" کے محرم کے پرچہ میں شاہ ولی اللہ نمبر کے دوسرے ایڈیشن کی اطلاع کے ضمن میں اعلان کیا گیا تھا کہ "ایک سال کیلئے الفرقان جاری کرانیوالے حضرات کو یہ نمبر خریداری کے حساب میں دیا جائے گا"۔

چونکہ کاغذ کی قیمت میں بیحد اور خلاف قیاس اضافہ کی وجہ سے اسکی لاگت اندازہ سے بہت زیادہ ہوگئی ہے لہٰذا وہ اعلان منسوخ کردیا گیا اب یہ نمبر رسالہ کی خریداری کے حساب میں کسی صاحب کو نہیں دیا جا سکے گا۔

(ناظم الفرقان بریلی)

(مولوی) محمد منظور نعمانی اڈیٹر اور پرنٹر و پبلشر نے بریلی الیکٹرک پریس بریلی میں چھپوا کر دفتر الفرقان بریلی سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

اشاعت گزشتہ میں "شاہ ولی اللہ نمبر" کے پہلے اڈیشن کے ختم ہو جانے اور دوسرے اڈیشن کی تیاری کی اطلاع دی جا چکی ہے بحمداللہ وہ دوسرا اڈیشن تیار ہو گیا، البتہ جن صاحب سے اس دوسرے اڈیشن کے اہتمام و انصرام کی توقع کی گئی تھی اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے وہ اس سلسلہ میں اپنا کچھ وقت بھی نہ دے سکے جس کی وجہ سے خود مجھے قریباً ایک مہینہ دہلی رہ کر اپنی ہی نگرانی میں اس کو تیار کرانا پڑا، وسط صفر المظفر سے وسط ربیع الاوّل تک مسلسل دہلی قیام رہا کاپیوں کی تصحیح اور پھر پروف کی اصلاح سب کچھ خود ہی کی اپنی امداد کیلیے اپنے پُرانے رفیق مولوی قاری رفاقت حسین صاحب کو بھی دہلی بلا لیا تھا وہ بھی اس پورے عرصہ میں دہلی ہی رہے اور اس طرح پورے مہینہ میں دوسرا اڈیشن تیار ہو سکا اس اڈیشن میں مستقل اضافہ تو صرف مولنا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کے ایک مقالہ اور مولنا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی کی ایک نظم کا ہوا اور یہ دونوں چیزیں اس اشاعت میں بھی درج ہو رہی ہیں —— اس کے علاوہ جو اور جزوی ترمیمیں بھی کی گئی ہیں واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے نمبر کی معنوی اور افادی حیثیت میں بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ بالخصوص مولنا گیلانی اور مولنا سندھی کے مقالوں میں قریباً دو سو تشریحی عنوانات کا جو اضافہ کیا گیا ہے اس نے ان دونوں مشکل مقالوں کے اشکال کو بہت کم کر کے بہت کچھ سہل الاستفادہ کر دیا ہے، اس کے علاوہ بعض دوسرے مضامین میں بھی اس قسم کے عنوانوں کا اضافہ کر کے ان کو آسان کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کاپیوں اور پروف کی تصحیح بھی کافی دیدہ ریزی سے کی گئی ہے، اور اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ اس میں اغلاط بہت کم رہی ہوں گی۔ اب اس کی حیثیت بھی بجائے "خاص نمبر" کے ایک "مستقل کتاب" کی ہو گئی ہے اور "تذکرہ شاہ ولی اللہ رح" ہی کے نام سے اب اس کو موسوم بھی کر دیا گیا ہے۔

علاوہ فہرست کتب کے اس کے صفحات ۴۲۲ ہیں۔ ظاہری حسن و دیدہ زیبی کے لحاظ سے بھی پہلے

اڈیشن سے فائق ہے، دو قسم کے کاغذ پر تیار ہوا ہے۔ قسم اوّل ۲۴ پونڈ نہایت اعلےٰ۔ قسم دوم ۱۸ پونڈ والا جو اگرچہ سفید چکنا ہی ہے مگر کسی قدر ہلکا ہے۔

اس رسالہ کے ساتھ اس کا اشتہار بصورت ضمیمہ جن خاص احباب کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے ان سے توقع ہے کہ وہ اس کو علم دوست حضرات تک پہونچا کر یا کسی مناسب جگہ پر چسپاں یا آویزاں کر کے دارالفرقان کی مدد کریں گے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا چونکہ اس دوسرے اڈیشن کی تیاری کے سلسلہ میں پورے ایک مہینے خود مجھے دہلی رہنا پڑا اس لیے اتنے دنوں کوئی اور کام بالکل نہیں دیکھا جا سکا اسی وجہ سے مجوزہ پروگرام کے لحاظ سے یہ سال بہت زیادہ موخر ہو گیا اور اسی واسطے یہ دو مہینے کا مشترک شایع کیا جا رہا ہے خدا کرے کسی طرح ہم نظام اشاعت پر قابو حاصل کر سکیں ہمارے احباب کیلیے ہماری یہی کوتاہی سب سے زیادہ تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔

کاغذ کی گرانی اب اس حد تک پہنچ گئی ہے جس کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا اور اس کے باوجود ابھی ٹھیراؤ نہیں قریباً ہر ہفتہ کچھ نہ کچھ اضافہ ہو ہی جاتا ہے اور ایسے رسالوں اور اخباروں کیلیے زندگی دشوار سے دشوار تر ہوتی جا رہی ہے جنکے پاس نہ تو سرمایہ ہے اور نہ اُن کا حلقہ اشاعت ہی بہت زیادہ وسیع ہے، انہی میں ایک غریب پکا "الفرقان" بھی ہے۔ یوں تو سات سوا سات سال کی عمر میں اس پر ایک دن بھی ایسا نہ آیا کہ مالی مسئلہ کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا ہو، بلکہ اکثر و بیشتر نقصان اور خسارہ ہی کے ساتھ اس کو چلایا گیا لیکن اب کاغذ کی ہوش اڑا دینے والی گرانی نے تو مشکلات کو زیادہ سخت اور کئی گونہ کر دیا ہے، اور اب ناظرین کرام کے پر خلوص تعاون، بلکہ زبردست جدوجہد کے بغیر ان سخت حالات کا مقابلہ ہمارے لیے بجد مشکل نظر آ رہا ہے۔

تعاون کی اس درخواست کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمارے احباب مالی عطیات سے "الفرقان" کی مدد کریں نہ کبھی پہلے یہ پسند کیا گیا ہے اور نہ آج یہ منظور ہے اور نہ اس سے کام چل سکتا ہے، درحقیقت آپ کی جو کوشش اور توجہ "الفرقان" کیلیے زیادہ مفید بلکہ اس کیلیے ضامن حیات ہو سکتی ہے وہ اس کی توسیع اشاعت کی کوشش ہے۔ اگر آپ معمولی سی توجہ فرما کر اسکے لیے ایک دو خریدار بھی پیدا کر سکیں گے تو یقین فرمایئے کہ یہ آپکے دس روپیہ کے خالص عطیہ سے زیادہ اسکے لیے فائدہ مند ہوگا۔

مجدد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

(از جناب مولٰنا محمد عبد السبحان صاحب ہادی حیدرآبادی فاضل دیوبند نزیل لکھنؤ)

[یہ نظم در اصل "شاہ ولی اللہ نمبر" ہی کیلیے اگرچہ اس کی اشاعت سے بہت پہلے آگئی تھی لیکن عدم گنجایش کی وجہ سے اس میں درج نہیں ہو سکی تھی]

وقت کا اپنے مجدد وقت کا اپنے امام پاکباز و خوشخصال و باکمال و خوش کلام

ہند میں جس نے جلایا علم و عرفاں کا چراغ جس کا نور جاوداں جان و دل روح دماغ

جس نے سمجھائے نکات دین ختم المرسلیں جس کا سینہ دولت علم لدنی کا امیں

جسکے دم سے تازہ گلزار حدیث مصطفےٰ جس کو کہیئے بندہ مے خوار حدیث مصطفےٰ

سورۂ انفال کی تفسیر جس کی زندگی عزم پختہ کار کی تصویر جس کی زندگی

چشم حق بیں میں قرون اولیں کی یادگار گنج فیضان خدائے پاک کا سرمایہ دار

جس نے پلٹا رخ دل مومن کی حساسات کا ہر ورق ہے زندۂ جاوید "تفہیمات" کا

"حجۃ اللہ" جسکی فطرت فطرت اللہ جسکا دل بادۂ توحید در مینائے جام آب و گل

مرتبے بڑھتے رہینگے مرد حق آگاہ کے
تذکرے ہونگے قیامت تک "شاہ ولی اللہ" کے

عبرت کی باتیں

[حضرت مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نے حال ہی میں ایک چھوٹا سا رسالہ بنام "اہل دل کی دل آویز باتیں" تالیف فرمایا ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ اس نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے جس کا صرف پہلا حصہ شایع ہو کر ابھی سامنے آیا ہے، محترم مولانا اس سلسلہ کے ذریعہ بزرگان دین کے خاص خاص سبق آموز واقعات اور ان کی دل آویز باتوں کا انتخاب آسان اُردو میں پیش کرنا چاہتے ہیں، یہ پہلا حصہ جو ابھی شایع ہوا ہے صرف دو جز (۳۲ صفحے) کا ہے، ذیل کے دو واقعے اسی سے ماخوذ ہیں — مدیر]

(۱)

مولانا کمال الدین زاہد بڑے متقی عالم تھے، شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے "مشارق الانوار" آپ ہی کی خدمت میں پڑھی تھی، سلطان غیاث الدین نے مولانا کمال الدین کو بلوا کر بصد آرزو یہ درخواست کی کہ آپ نماز میں ہماری امامت فرمایا کریں، ہم کو جناب کے کمال علم و دیانت و احتیاط کا پکا اعتقاد ہے، اگر منظور فرمایا جائے تو محض کرم ہوگا، نیز ہمکو اپنی نمازوں کی مقبولیت کی قوی اُمید ہو جائے گی" — مولانا نے فرمایا — "ہمارے پاس نماز کے سوا کوئی دوسری چیز تو رہ نہیں گئی، کیا بادشاہ چاہتا ہے کہ اس کو بھی ہم سے لے لے"، مولانا نے یہ جواب ایسی شان استغنا کے ساتھ اور ایسے پُر رعب لہجہ میں دیا کہ بادشاہ دم بخود رہ گیا اور بڑی معذرتیں کر کے مولانا کو رخصت کیا۔

یہ تھی ایک "درویش عالم" کی شان — اب ایک خدا پرست اور علم نواز بادشاہ کی "درویشی" بھی ملاحظہ ہو۔

(۲)

سلطان محمد تغلق نے جب قاضی عضد الدین کا شہرہ سُنا تو دہلی کے بے مثل عالم مولانا معین الدین عمرانی کو اس غرض سے انکے پاس بھیجا کہ انکو کسی طرح ہندوستان لائیں، اور یہ بھی درخواست کی کہ متن مختصر کو میرے نام سے منسوب فرمائیں۔ مولانا معین الدین جب ان کو لینے کیلیے پہنچے اور وہاں کے بادشاہ نے سُنا کہ قاضی صاحب ہندوستان کا قصد کر رہے ہیں تو تمام املاک اور ساز و سامان سلطنت سے دستکش ہو کر انکی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ تخت سلطنت حاضر ہے آپ حکومت فرمائیں میں خدمت کرونگا اور اپنی منکوحہ کے سوا جو کچھ اپنے قبضہ میں رکھتا ہوں سب آپکا ہے، قاضی صاحب نے جب بادشاہ کی یہ ہمت و مروت دیکھی تو ہندوستان آنیکا ارادہ فسخ کر دیا"

عہ قیمت ۲ر

سنٹرل جیل منٹگمری سے

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا مکتوب گرامی

بنام مدیر "الفرقان"

[اخبار بین دوستوں کو معلوم ہوگا کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (سابق صدر مجلس احرار اسلام ہند) عرصہ سے سینٹرل جیل منٹگمری (پنجاب) میں نظر بند ہیں حال ہی میں موصوف کا ایک مکتوب گرامی ناچیز "مدیر الفرقان" کے نام آیا تھا اگرچہ یہ خط بالکل پرائیوٹ اور نجی حیثیت رکھتا ہے لیکن اسکے بعض اجزاء کا مطالعہ دوسرے حضرات کیلئے بھی مفید ہو سکتا ہے ——— اسلیئے صرف وہی اجزاء یہاں درج کیئے جاتے ہیں۔]

"اللہ کا شکر ہے کہ اس نے جیل میں کسی قدر تنہائی کی لذت پیدا کر دی ہے اور قرآن شریف کی تلاوت نصیب ہے ———

احیاء العلوم کا ترجمہ بھی آج کل یہاں مطالعہ میں ہے، کاش! یہ کتاب میں اب سے بہت پہلے دیکھتا۔"

"آپکا مجدد الف ثانی نمبر (۱۳۵۷ھ) بھی یہاں کی فرصت ہی میں باطمینان دیکھ سکا ہوں میں نے اسمیں خاص طور سے یہ چیز تلاش کی کہ وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے انکو دنیائے اسلام کا ممتاز مجدد تسلیم کیا گیا، اگر جس کسی نے لکھا یہی لکھا ہے کہ اکبر نے جو بد دینی پھیلائی تھی آپنے اس کا مقابلہ کیا بلکہ ازالہ فرمادیا، بدعات کی بیخکنی فرمائی تصوف میں جو خلاف شریعت امور داخل ہو گئے تھے ان کو اس سے جدا کیا ——— بیشک یہ کام بھی بہت بڑے ہیں جو آپنے سرانجام دیئے ہیں مگر اس قسم کی خدمتیں میری خیال میں اور بزرگوں نے بھی انجام دی ہیں، اس لیئے صرف انکی بنیاد پر سلسلہ تجدید میں آپکا امتیاز میری سمجھ میں نہیں آیا،

اس سال رمضان شریف میں "مکتوبات امام ربانی" کا مطالعہ کر رہا تھا اچانک ان مکتوبات پر نظر پڑی جنمیں حضرت مجدد رح نے دین کی حقیقی بنیاد کو گویا از سر نو استوار کیا ہے جسکو اپنوں ہی کے ہاتھوں نے گویا گرا دیا تھا اس سے میری مراد منصب نبوت اور مقام ولایت کے متعلق "خاص نیک بختوں" کی وہ عام گمراہی ہے جسمیں اس وقت کا دیندار اور خدا پرست گروہ عموماً مبتلا ہو رہا تھا یعنی نبوت کو ولایت سے دوم درجہ کی چیز کر دیا گیا تھا، تصوف کا مقام اتنا بلند مان لیا گیا تھا کہ ولایت ہی حقیقی چیز سمجھ لی گئی تھی، نبوت اور جو کچھ نبوت کے ذریعہ آیا تھا وہ سب تصوف اور صوفیا کی محبت پر قربان کر دیا گیا تھا اور طریقت و حقیقت کو شریعت کا مقابل، اور پھر اس سے افضل قرار دے کر شریعت کی اہمیت کو بالکل ہی گرا دیا تھا

میرے خیال میں صرف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس گمراہی کی خطرناکی کا پورا احساس فرمایا اور اس کے خلاف پوری قوت سے آواز بلند کی اور بتلایا کہ اصل چیز اور مدار نجات نبوت اور شریعت کی اطاعت ہی ہے، اور ولایت کی حیثیت نبوت کے مقابلہ میں بس اتنی ہی جتنی کہ سمندر کے سامنے قطرہ کی بلکہ اس سے بھی کم، اس مسئلہ میں آپ کا شرح صدر اس قدر ہوا کہ آپ نے مکتوبات میں متعدد جگہ صاف لکھا کہ

"مکتب شریعت کا ایک گرفتار طالب علم صاحب احوال و مواجید سچے صوفی پر فضیلت رکھتا ہے"

میرے خیال میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کسی صوفی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف نہیں کیا، اور ان کے بعد بھی کسی نے اس طرف ایسی توجہ نہیں کی حالانکہ یہ مسئلہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور "خدا پرستوں" میں بہت سی گمراہیاں نبوت و شریعت کا مقام نہ سمجھنے ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔۔۔ میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی عالم ان تمام مکاتیب کو اچھی ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دے جنہیں مقام نبوت و شریعت کے متعلق حضرت مجدد صاحب نے کچھ لکھا ہو۔۔۔ یہاں جیل ہی میں امام ربانی کے مکتوبات کی میں تیسری جلد دیکھ رہا تھا بعض مکاتیب میں چند سطریں اس مسئلہ پر ایسی جنہیں علوم کے دفتر چھپے ہوئے نظر آئے ۔۔۔

افسوس ہے کہ میں خود لکھنے سے معذور ہوں اور کوئی لکھنے والا دوست یہاں میرے ساتھ بھی نہیں ورنہ یہاں کی تنہائی اور فرصت میں کچھ ہو سکتا تھا"

(تبلیغی انجمنوں اور تبلیغی کتابیں شائع کرنے والے اداروں کیلئے قابل توجہ)

"جب کبھی سیاسی لوگ جیلوں میں آتے ہیں تو تمام مذہبی سوسائٹیاں اپنی مذہبی کتابیں تبلیغ کیلئے مفت بھیجتی ہیں اور بالخصوص عیسائی مشنری بے حساب انجیل تقسیم کرتی ہے، مگر مسلمانوں کی تبلیغی انجمنیں دوسرے کاموں کی طرح اس سے بھی بے پروا ہیں، معلوم نہیں انکا وجود کس مرض کی دوا ہے، اسلام کے صحیح لٹریچر کے مطالعہ کیلئے جیل بہترین جگہ ہے، اور یہاں کے مخصوص ماحول میں تعصب بھی باہر سے کم رہتا ہے، اس طرف توجہ کرنے کی خاص ضرورت ہے بالخصوص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مسئلہ توحید کے متعلق مضامین اور قرآن پاک کے سادے ترجمے اگر جیل کے مسلم اور غیر مسلم قیدیوں کو بھیجے جائیں تو بڑا کام ہو گا۔۔۔ اس لٹریچر کی زبان خاص طور سے بہت سادہ ہونی چاہیئے، میرا تجربہ ہے کہ غیر مسلم جس طرح حضرت شاہ عبد القادر کے ترجمہ کو سمجھ سکتے ہیں اور کسی ترجمہ کو نہیں سمجھ سکتے، کاش قرآن پاک کے جدید حاشیے انہی کی سادہ اور آسان گھریلو زبان میں لکھے جائیں"۔ والسلام

حبیب الرحمٰن سنٹرل جیل منٹگمری (پنجاب)

۳۱ مئی ۱۹۳۱ء

موعظۃ و ذکریٰ

آدابِ معاشرت کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات

[کئی مہینے کے ناغے کے بعد آج یہ سلسلہ پھر شروع ہو رہا ہے ہمارے قدیمی ناظرین کرام کو یاد ہوگا کہ اس سلسلہ کا اصل مقصد اور مُدعا نبیِ عربی فداہ امی وابی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت و رسالت کا اثبات اور آپ کے دلائل نبوت کو ایک نئی ترتیب سے آج کی دُنیا کے سامنے پیش کرنا ہے — اس سلسلہ کے آغاز میں ہم نے آپ کے عام دلائل نبوت کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ (۱) معجزات۔ (۲) آپ کی مقدس تعلیمات۔ (۳) آپ کی برکت سے سرزمین عرب کا حیرت انگیز روحانی انقلاب اور آپ کے مستفیضین صحابہ کرام میں آپ کی ہدایت و تزکیہ کے محیر العقول اثرات۔

معجزات کی بحث ختم کرنیکے بعد ہم نے آپ کی پیغمبرانہ تعلیمات سے بحث شروع کی تھی اور آپ کی تمام تعلیمات کو ہم نے ابتداءً دو حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا ایک وہ جنمیں خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے تعلقات کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں اور دوسرے وہ جنمیں خود بندوں کے آپس کے تعلقات اور باہمی معاشرت کے متعلق انسانوں کی رہنمائی کی گئی ہے۔ پہلی قسم کی تعلیمات پر اپنی بحث ختم کرنے کے بعد ہم نے دوسری قسم کی تعلیمات کو بھی ان چند حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا حقوقِ و فرائض — اخلاق — آداب — معاملات — قضا و تعزیرات

ان پانچ بابوں میں سے پہلے دو بابوں (حقوق و فرائض، اور اخلاق) کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے کچھ نمونے جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۵۹ھ تک ہم پیش کر سکے تھے اس کے بعد سے اس سلسلہ کی کوئی قسط اپنی چند در چند مجبوریوں کی وجہ سے شائع ہی نہ ہو سکی بتوفیق الٰہی اب اس سلسلہ کو پھر شروع کیا جا رہا ہے — آج کی صحبت میں ان ابواب پنجگانہ میں سے تیسرے باب (آداب) کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چند تعلیمات کو پیش کیا جاتا ہے۔ واللّٰہ الموفق]

آداب کی تعلیم:-

"آداب" نام ہے اُن طور طریقوں کا جن کو انسان اپنے مشاغل حیات کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، دوسروں سے ملنے جلنے اور ان کے ساتھ رہنے سہنے میں برتتا ہے۔ ـــــ یہ بھی پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کا ایک مستقل اور وسیع باب ہے ـــــ اور اس باب کی تعلیمات کا منشا و مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی مہذب، پاکیزہ اور باوقار ہو، خود اس کے لیے بھی آرام دہ اور دوسروں کے لیے بھی باعث راحت ہو، اس کے اعمال و افعال میں ستھرائی ہو اور ساتھ ہی عبدیت، کی شان نمایاں ہو۔ "آداب" کی درستی و اصلاح بذات خود بھی ضروری چیز ہے لیکن اس کے علاوہ "عقائد" اور "اخلاق" سے "آداب" کا اتنا مضبوط اور گہرا تعلق ہے کہ اگر "آداب" کی درستی کی فکر نہ کی جائے تو "عقائد" میں خرابی اور "اخلاق" کی بربادی یقینی ہے، آپ دنیا میں کوئی قوم اور کوئی جماعت ایسی نہیں دیکھ سکتے جس کے "آداب" بگڑے ہوئے ہوں لیکن عقائد کے فساد اور اخلاق کی تباہی سے وہ محفوظ ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو "آداب" کی تعلیم کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپ بیخانہ پیشاب جیسی عام اور معمولی انسانی ضرورتوں کے آداب اور طریقوں کی بھی پورے اہتمام سے تعلیم دیتے تھے حتےٰ کہ آپ کے زمانہ کے بعض مشرکین اور منکرین نے ایک دن آپ کے مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضہ سے استہزائیہ اور اعتراضاً کہا۔

لقد علمکم نبیکم کل شئ حتیٰ الخراءة	تمکو تمہارے پیغمبر تو تمام ہی چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں حتیٰ کہ بیخانہ کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں۔

حضرت سلمان نے جواب دیا:-

اجل لقد نہانا صلے اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ بغائط او بول وان لا نستنجی بالیمین وان لا یستنجی احدنا باقل من ثلثۃ احجار (الحدیث) سنن ابی داؤد	ہاں! بیشک آپ نے ہمکو اس سے منع فرمایا ہے کہ بیخانہ یا پیشاب کیلیے قبلہ رو ہو کر بیٹھیں نیز آپنے ہم کو ہدایت فرمائی ہے کہ استنجا داہنے ہاتھ سے نہ کریں نیز یہ کہ استنجا میں تین پتھروں (یا ڈھیلوں) سے کم پر کفایت نہ کریں۔ الخ

اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا:-

انما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم فاذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلۃ ولا یستدبرھا	میں تمہارے لیے باپ کی جگہ ہوں (اور جس طرح باپ اپنی اولاد کو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بتاتا ہے اسی طرح

بہا ولا یستطب بیمینہ (الحدیث)
(ایضاً سنن ابی داؤد)

میں تمکو تعلیم دیتا ہوں — دیکھو جب تم میں کوئی پیخانہ جائے تو نہ قبلہ کیطرف منہ کرے اور نہ پیٹھ کرے، اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے، الخ

الغرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا یہ شعبہ بھی بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے اس لیئے ہم یہاں اس باب کی بھی آپ کی صرف چند ہی تعلیمات بطور نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔

کھانے پینے کے آداب

کھانا پینا انسان کی اُن ضرورتوں میں سے ہے جس سے انسان کو غالباً سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اس کے بارہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جن آداب کی تعلیم دی ان میں سے چند یہ ہیں:-

(الف) کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ اور منہ کو دھو کر صاف کیا جائے — فرمایا:-

برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ
(ابوداؤد والترمذی) (جمع الفوائد)

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا باعث برکت ہوتا ہے۔

ف اس حدیث میں لفظ وضوء سے محدثین کے نزدیک ہاتھ دھونا ہی مراد ہے حتیٰ کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کا ترجمہ باب ہی یہ قایم کیا ہے "باب غسل الیدین عند الطعام" نیز بعض اور احادیث میں بھی وضو کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

من نام وفی یدہ غمر ولم یغسلہ فاصابہ شئ فلا یلومن الا نفسہ لابی داؤد والترمذی
(جمع الفوائد)

جس کے ہاتھ میں کھانے کی چکنائی کا اثر رہ جائے اور وہ اس کو دھوئے بغیر سو جائے اور پھر کوئی جانور اسکے ہاتھ میں کاٹ لے تو چاہیے کہ اس حماقت پر وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

(ب) اللہ کا نام لیکر (بسم اللہ پڑھکر) کھانا شروع کیا جائے

اذا اکل احدکم طعاماً فلیقل بسم اللہ فان نسی فی الاول فلیقل فی الآخر بسم اللہ فی اولہ وآخرہ لابی داؤد والترمذی (جمع الفوائد)

جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو "بسم اللہ" کہہ لے اور اگر شروع میں کہنا بھول جائے تو بعد میں کہے "بسم اللہ فی اولہ وآخرہ"

(ج) کھانے سے فارغ ہو کر خدا کی حمد اور اس کا شکر ادا کیا جائے — فرمایا:-

من اکل طعاماً ثم قال الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا الطعام ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ للترمذی (جمع الفوائد)

جس نے کھانا کھانے کے بعد یہ کہا کہ "حمد اس خدا کی جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور بلا میری ذاتی طاقت و قوت کے مجھے یہ عطا فرمایا"، تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جائینگے۔

(د) کھانا داہنے ہاتھ سے کھایا جائے اور پانی بھی داہنے ہاتھ سے ہی پیا جائے — فرمایا

لا یاکل احد منکم بشمالہ ولا یشربن بھا۔ الحدیث لمالک ومسلم وابی داؤد والترمذی (جمع الفوائد)

تم میں سے کوئی بائیں ہاتھ سے کھانا نہ کھائے اور نہ اُس سے پانی پیئے۔

(ہ) کھڑے کھڑے کھایا پیا نہ جائے اور نہ لیٹ کر اور نہ متکبروں مغروروں کی طرح تکیہ لگا کر۔

(۱) نھی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن الشرب قائماً وعن الاکل قائماً۔ للبزار والموصلی (جمع الفوائد)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کھڑے کھڑے پینے سے اور کھانے سے۔

(۲) نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ..... ان یاکل الرجل وھو منبطح علیٰ بطنہ (لابی داؤد ورزین)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص منہ کے بل لیٹ کر کھانا کھائے۔

(۳) قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا اٰکل متکئاً۔ (سنن ابی داؤد)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

(و) کھانا ایک طرف سے اور اپنی طرف سے کھانا چاہیے بالخصوص جبکہ برتن میں ایک ہی کھانا ہو اور کھانے میں چند آدمی شریک ہوں۔

(۱) عمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور کھانے میں میرا ہاتھ ہر طرف کو چلتا تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی کہ "کل مما یلیک" (اپنی ہی طرف سے کھایا کرو) [شیخین، ابوداؤد، ترمذی]

(۲) ابن عباس کی ایک حدیث میں ہے:-

کلوا من حافتیہ ولا تاکلوا من وسطہ (ترمذی) برتن کے کنارے کی طرف سے کھاؤ اور بیچ میں ہاتھ مت ڈالو

(۳) ترمذی کی ہی ایک اور حدیث میں یہ تفصیل بھی آئی ہے کہ "اگر برتن میں ایک ہی قسم کا کھانا ہو تو اپنی ہی طرف سے کھائے لیکن اگر کئی قسم کے کھانے ایک ہی برتن میں ہوں تو ہر جانب سے لے سکتا ہے۔

(ز) کھانا ساتھ مل کر کھانا چاہیے ـــــ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ ہم کھاتے ہیں اور آسودہ نہیں ہوتے، آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا:۔

فاجتمعوا علے طعامکم واذکروا اسم اللہ یبارك لکم فیہ (لابی داؤد)

تم لوگ مل کر اور بسم اللہ کر کے کھانا کھایا کرو اس سے تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔

(ح) جب تک کھانے کا سامان سامنے سے اٹھ نہ جائے کوئی کھڑا نہ ہو اور جب تک سب ساتھی فارغ نہ ہو جائیں خود بھی شریک رہے۔ فرمایا:۔

اذا وضعت المائدۃ فلا یقوم رجل حتے ترفع المائدۃ ولا یرفع یدہ وان شبع حتے یفرغ القوم فان الرجل یخجل جلیسہ فیقبض یدہ وعسی ان یکون لہ فی الطعام حاجۃ (ابن ماجہ)

جب کھانا دستر خوان پر اُتار دیا جائے تو جب تک وہ اُٹھا نہ لیا جائے کوئی شخص نہ اُٹھے اور جب تک کہ سب ساتھی فارغ نہ ہو جائیں کوئی ہاتھ روک کے نہ بیٹھے کیونکہ بسا اوقات اس کی وجہ سے دوسرا ساتھی شرمندہ ہو کر کھانے کی اشتہا باقی ہونے کے باوجود اپنا ہاتھ کھینچ لیگا۔

(ط) کھانا بہت زیادہ پیٹ بھر کے نہ کھایا جائے بلکہ قدر ضرورت پر اکتفا کیا جائے فرمایا:۔

(۱) ان اکثرھم شبعًا فی الدنیا اطولھم جوعًا یوم القیمۃ (ترمذی)

جو شخص دُنیا میں بہت زیادہ پیٹ بھرنے والا ہوگا، قیامت میں اسی کو بھوک بہت زیادہ لگیگی

(۲) ایک اور حدیث میں فرمایا "حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبہ" یعنی آدمی کیلیے چند لقمے کافی ہیں جنکے سہارے چلتا پھرتا ہے۔

فت آپکی اس تعلیم نے صحابہ کرام پر اتنا اثر ڈالا تھا کہ عراق کے ایک شخص نے (جو شاید طبیب یا دوا ساز ہوگا) کوئی جوارش حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کی، آپ نے پوچھا ـــ

ما یصنع بھذا؟ یہ کس کام آتی ہے؟ ـــــ اُس نے عرض کیا

اذا کضک الطعام اخذت منہ قال واللہ ماشبعت منذ کذا اکذا لا حاجۃ لی فیہ لسنین (جمع الفوائد)	جب آپ کو کھانا ہضم نہ ہو تو اس میں سے تھوڑی سی کھا لیجیے۔ آپ نے فرمایا "خدا کی قسم میں نے اتنے برسوں سے کبھی پیٹ بھر کے کھانا ہی نہیں کھایا، مجھے اسکی کیا ضرورت،

(ی) پانی ایک دم اور ایک سانس میں نہیں پینا چاہیے بلکہ دو تین دفعہ رُک رُک کر اور بیچ میں سانس لیکر پینا چاہیے ـــــ فرمایا:-

لا تشربوا واحداً کشرب البعیر ولکن اشربوا مثنی وثلث وسموا اللہ اذا انتم شربتم واحمدوا اللہ اذا انتم رفعتم (ترمذی)	پانی ایک ہی سانس میں اونٹ کی طرح نہ پیو بلکہ دو تین دفعہ میں پیو، اور پینے سے پہلے بسم اللہ کہو اور فارغ ہو کر خدا کی حمد اور اس کا شکر ادا کرو۔

(ک) پانی پیتے ہوئے برتن میں ہی سانس نہ لیا جائے بلکہ اس وقت برتن کو منہ سے الگ کر لیا جائے فرمایا:-

اذا شرب احدکم فلا یتنفس فی الاناء (شیخین و ترمذی)	جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔

نبی اُمی صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کے جو آداب تعلیم فرمائے انہیں سے یہ چند ہیں جو نمونۃً یہاں ذکر کیے گئے ہیں جو روحانی و جسمانی، اور تہذیبی و طبی فوائد مضمر ہیں عقل صحیح اور سلیم فطرت رکھنے والوں کیلیے ان کا سمجھنا کچھ دشوار نہیں ہے۔

لیٹنے اور سونے کے آداب:-

کھانے اور پینے کی طرح سونا اور لیٹنا بھی انسانی ضروریات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب کے آداب کی بھی تلقین فرمائی ہو اس شعبہ کی آپ کی پر حکمت تعلیمات میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) سونے سے پہلے بستر کو جھاڑ لینا چاہیے ـــــ فرمایا:-

اذا اوی احدکم الی فراشہ فلینفض فراشہ ... فانہ لا یدری ما خلفہ علیہ ثم لیضطجع علی شقہ الایمن الحدیث (سنن ابی داؤد)	جب کوئی اپنے بستر پر آوے تو پہلے اس کو جھاڑ لے، خبر نہیں اسکے پیچھے کیا چیز اس پر آپڑی ہو، پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جائے۔ الخ

(۲) بہتر یہ ہے کہ اگر وضو نہ ہو تو سونے سے پہلے وضو بھی کرلے و راس طرح پورا پاک صاف ہو کر سوئے۔ فرمایا:-

اذا اتیت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلوٰۃ　　جب بستر پر سونے کے لیے آؤ تو وضو کر لیا کرو۔

الحدیث (ابوداؤد)

ف. اہل تجربہ جانتے ہیں کہ علاوہ ظاہری پاکیزگی اور صفائی کے اس عمل میں کتنی روحانی برکتیں ہیں اور شیطانی وساوس اور ناپاک خیالات سے دماغ کی حفاظت کا یہ کتنا تیر بہدف نسخہ ہے۔

(۳) اس چھت پر نہیں سونا چاہیے جس پر منڈیر یا جنگلہ کی روک نہ ہو کیونکہ اس میں گرنیکا خطرہ ہوتا ہی فرمایا:-

من بات علی ظھر بیت لیس علیہ حجاب فقد برأت منہ الذمۃ (ابوداؤد)　　جو شخص کسی گھر کی چھت پر سوئے جس پر آڑ نہ ہو تو اس کی ذمہ داری کسی پر نہیں۔

(۴) پیٹ کے بل یعنی اوندھے منہ نہیں سونا چاہیے (کیونکہ یہ لیٹنا بھی مضر ہی اور تہذیب ووقار کے بھی خلاف ہے) ایک صحابی ناقل ہیں:-

بینا انا مضطجع من السحر علی بطنی اذ جاء رجل یحرکنی برجلہ فقال ان ھذہ ضجعۃ یبغضھا اللہ فنظرت فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابوداؤد)　　میں ایک دن سحر کے وقت مسجد نبوی میں پیٹ کے بل لیٹ رہا تھا کہ ایک شخص نے آکر مجھے اپنے پاؤں سے ہلایا اور کہا کہ لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے میں نے جو دیکھا تو یہ ہلانیوالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

(۵) سوتے وقت اور سونے سے اُٹھ کر اللہ کا ذکر کرنا اور مناسب دعائیں کرنی چاہئیں، اس باب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بکثرت احادیث مروی ہیں اور بہت سی دعائیں آپنے اسکے لئے تعلیم فرمائی ہیں جنمیں سے ایک مختصر دعا جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی پڑھتے تھے یہ ہے کہ سوتے وقت بستر پر لیٹ کر کہے۔

باسمك اللھم اموت واحیی　　خداوندا میرا مرنا جینا تیرے نام کے ساتھ ہے۔

اور جب سو کر اُٹھے تو کہے:-

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور (بخاری، ترمذی، ابوداؤد)　　حمد اس خدا کو جس نے موت کے بعد ہم کو از سر نو زندہ کیا اور پھر اسی کی طرف ہمارا حشر ہونا ہی

(باقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھدیۃ التسلیم بحضرۃ النبی الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم)

(از جناب منشی رفیق احمد صاحب ڈھال ضلع بھروچ)

اَلسَّلَام اے صاحبِ خلقِ عظیم ــ اَلسَّلَام اے معدنِ لطفِ عمیم

اَلسَّلَام اے سرورِ عالیجناب ــ اَلسَّلَام اے شافعِ روزِ حساب

اَلسَّلَام اے مشرقِ انوارِ غیب ــ اَلسَّلَام اے ماحیِ ظلماتِ ریب

اَلسَّلَام اے آنکہ ابرِ رحمتی ــ اَلسَّلَام اے آنکہ صدرِ نعمتی

اَلسَّلَام اے مقتدائے مرسلیں ــ اَلسَّلَام اے رحمۃ للعالمیں

اَلسَّلَام اے پیشوائے انبیا ــ اَلسَّلَام اے مقتدائے اولیا

اَلسَّلَام اے زیبِ بستانِ ہُدا ــ اَلسَّلَام اے عاشقاں را مقتدا

اَلسَّلَام اے ذکرِ تو ایمانِ من ــ اَلسَّلَام اے فکرِ تو دامانِ من

اَلسَّلَام اے نجمِ ثاقب السلام ــ اَلسَّلَام اے عارضت ماہِ تمام

اَلسَّلَام اے صیقلِ مرآتِ دل ــ اَلسَّلَام اے کاشفِ ہر غش و غل

اَلسَّلَام اے مطلعِ نور و ضیا ــ اَلسَّلَام اے معدنِ حلم و حیا

اَلسَّلَام اے روے تو بدرِ منیر ــ اَلسَّلَام اے بوے تو مشک و عبیر

اَلسَّلَام اے قاب قوسین مقام ــ اَلسَّلَام اے انبیا را تو امام

اَلسّلام اے کورِ چشماں را دلیل — اَلسّلام اے صاحبِ خلقِ جلیل

اَلسّلام اے منبعِ جود و عطا — اَلسّلام اے مخزنِ فضل و سخا

اَلسّلام اے درگہت دارالاماں — اَلسّلام اے خاتمِ پیغمبراں

اَلسّلام اے فخرِ ہر پیغمبرے — اَلسّلام اے دلبرِ ہر دلبرے

اَلسّلام اے تاجِ عزت بر سرت — اَلسّلام اے فیض و احساں بر درت

اَلسّلام اے سرورِ ہر دو جہاں — اَلسّلام اے رہنمائے گمرہاں

اَلسّلام اے ذکرِ تو غفلت ربا — اَلسّلام اے ذکرِ تو نور و ضیا

اَلسّلام اے بیکساں را دستگیر — اَلسّلام اے رہبرِ روشن ضمیر

اَلسّلام اے بحرِ علم من لدن — اَلسّلام اے مظہرِ اسرارِ کُن

اَلسّلام اے چشمۂ آبِ حیات — اَلسّلام اے نورِ تو در شش جہات

اَلسّلام اے کوئے تو دار البقا — اَلسّلام اے روئے تو نور الہدیٰ

اَلسّلام اے چارۂ دردِ جگر — اَلسّلام اے بادشاہِ بحر و بر

اَلسّلام اے چشمۂ آبِ بقا — اَلسّلام اے ذاتِ تو ظلِ خُدا

اَلسّلام اے خسروِ اُمّی لقب — اَلسّلام اے ماہِ تابانِ عرب

اَلسّلام اے اشرفِ انساں نورِ حق

اَلسّلام اے ناظر و منظورِ حق

نیا نظامِ تعلیم

(از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدیر ترجمان القرآن لاہور)

[نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں ترمیم بلکہ تجدید کی ضرورت پر "الفرقان" کی گزشتہ اشاعت میں چند سطریں لکھی جاچکی ہیں، اور مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی استاذ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء و اڈیٹر "الندوہ لکھنؤ" کا ایک بسیط مضمون بھی اسی موضوع پر چند قسطوں میں شایع ہوچکا ہے جس کی آخری قسط گزشتہ اشاعت ہی میں ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائی ہوگی آج اِس موضوع پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدیر ترجمان القرآن" لاہور" کا ایک اہم مقالہ ہدیہ ناظرین کرام کیا جارہا ہے۔ موصوف نے یہ مقالہ ماہ جنوری سنہ رواں میں "دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ" کی انجمن اتحاد طلبہ کی ایک خاص مجلس میں پڑھا تھا، اس سلسلہ میں خود ہمیں جو کچھ عرض کرنا ہو وہ انشاء اللہ آئندہ کسی قریبی ہی اشاعت میں عرض کیا جاسکے گا]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات! خوش قسمتی سے آج مجھے اُس جگہ اپنے خیالات کے اظہار کا موقع مل رہا ہے جہاں موجودہ دور میں سب سے پہلے اسلامی نظام تعلیم کی اصلاح کا تخیل پیدا ہوا، اور سب سے پہلا قدم اس کی طرف اُٹھایا گیا۔ اسی وجہ سے میں نے اس موقع کے لیے تعلیمی اصلاح ہی کے سوال کو اپنا موضوع بحث منتخب کیا ہے۔ میرے اس انتخاب میں ایک بڑا محرک یہ بھی ہے کہ اس وقت ہماری دینی درسگاہوں میں عموماً اصلاح تعلیم کے مسئلہ پر گفتگو چھڑی ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضرورت کا احساس تو پیدا ہو گیا ہے، مگر جس انداز سے یہ ساری گفتگو ہو رہی ہے اس سے صاف عیاں ہے کہ اصلاح کی خواہش کرنے والوں کے ذہن میں مسئلہ کی نوعیت کا کوئی واضح تصور نہیں ہے لوگ اس گمان میں ہیں کہ پرانی تعلیم میں خرابی صرف اتنی ہی ہے کہ نصاب بہت پُرانا ہو گیا ہے اور اس میں بعض علوم کا عنصر بعض علوم سے کم یا زیادہ ہے اور جدید زمانہ کے بعض ضروری علوم اس میں شامل نہیں ہیں اسلیے اصلاح کی ساری بحث صرف اس حد تک محدود رہ جاتی ہے کہ کچھ کتابوں کو نصاب سے خارج کرکے کچھ دوسری کتابوں کو داخل کر دیا جائے، عناصر تعلیمی کے تناسب میں ترمیم کرکے بعض اجزا گھٹائے اور بعض بڑھائے جائیں، اور

قدیم علوم کے ساتھ تاریخ، جغرافیہ، معاشیات و سیاسیات وغیرہ علوم کی بھی کچھ کتابیں طلبار کو پڑھائی جائیں ایسی ہی کچھ جزوی ترمیمات طرز تعلیم اور انتظام مدارس میں بھی تجویز کی جاتی ہیں۔ اور بہت زیادہ "روشن خیالی" پر جو لوگ اُترآتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صاحب ہر مولوی کو میٹرک تک انگریزی پڑھا کر نکالو تاکہ کم انکم تار پڑھنے اور لکھنے کے قابل تو ہو جائے لیکن یہ جدت جو آج دکھائی جارہی ہے، یہ اب بہت پرانی ہو چکی ہے، اس کی عمر اتنی ہے جتنی کہ آپ کے دار العلوم ندوۃ العلماء کی عمر ہے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پہلے سے کچھ زیادہ کامیاب قسم کے مولوی پیدا ہو جائیں، جو کچھ جرمنی اور امریکہ کی باتیں بھی کرنے لگیں۔ اس ذرا سی اصلاح کا یہ نتیجہ کبھی نہیں نکل سکتا کہ دنیا کی امامت و قیادت کی باگیں علماء اسلام کے ہاتھ میں آجائیں، اور وہ دنیا جو آج آگ کی طرف چلانے والے ائمہ (Leaders) کے پیچھے چل رہی ہے، جنت کی طرف بلانیوالے ائمہ کی رہبری قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ نتیجہ اگر حاصل کرنا مقصود ہو تو آپ کو مکمل انقلابی اصلاحات کیلیے تیار ہونا پڑے گا۔ اور اس سارے نظام تعلیم کو ڈھیر کر از سرِ نو ایک دوسرا ہی نظام تعلیم بنانا ہوگا اس صحبت میں اسی نئے نظام تعلیم کا نقشہ میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

علم اور امامت کا رشتہ سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اس دُنیا میں امامت و قیادت (Leadership) کا مدار آخر ہے کس چیز پر؟ کیا چیز ہے جس کی بنا پر کبھی مصر امام بنتا ہے اور دُنیا اس کے پیچھے چلتی ہے، کبھی بابل امام بنتا ہے اور دُنیا اس کی پیروی کرتی ہے، کبھی یونان امام بنتا ہے اور دُنیا اس کا اتباع کرتی ہے، کبھی اسلام قبول کرنیوالی اقوام امام بنتی ہیں اور دُنیا ان کے نقش قدم پر ہو لیتی ہے، اور کبھی یورپ امام بنتا ہے اور دُنیا اس کی متبع بن جاتی ہے؟ پھر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے امامت آج ایک کو ملتی ہے، کل اس سے چھن کر دوسرے کی طرف چلی جاتی ہے، اور پرسوں اس سے بھی سلب ہو کر تیسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے؟ کیا یہ محض ایک بے ضابطہ اتفاقی امر ہے یا اس کا کوئی ضابطہ اور اصل مقرر بھی ہے؟ اس مسئلہ پر جتنا زیادہ غور کیا جائے اس کا جواب یہی ملتا ہے کہ ہاں اس کا ضابطہ ہے، اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ امامت کا دامن ہمیشہ علم سے وابستہ رہیگا انسان کو بحیثیت ایک نوع کے زمین کی خلافت ملی ہی علم کی وجہ سے ہے۔ اس کو سمع، بصر، اور فواد، تین چیزیں ایسی دی گئیں جو دوسری مخلوقات ارضی کو یا تو نہیں دی گئیں یا اس کی بہ نسبت کم تر دی گئی ہیں۔ اس لیئے وہ اس بات کا اہل ہوا کہ دوسری مخلوقات پر خداوند عالم کا خلیفہ بنایا جائے۔ اب خود اس نوع میں سے جو طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں دوسرے طبقوں اور گروہوں سے آگے بڑھ جائے گا وہ اسی طرح ان سب کا امام بننے کا

اہل ہوگا جس طرح انسان من حیث النوع دوسری انواعِ ارضی پر اسی چیز کی وجہ سے خلیفہ بننے کا اہل ہوا ہے۔

تقسیم امامت کا ضابطہ

اس جواب سے خود بخود دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ علم سے مراد کیا ہے؟ اور اس میں آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کا مفہوم کیا ہے؟ اس مسئلہ کا حل سمع، بصر، اور فواد ہی کے الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ کلام الٰہی میں یہ تینوں لفظ مجرد سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی فراہم کی ہوئی معلومات حاصل کرنا ہے، بصر سے مراد خود مشاہدہ کرکے واقفیت بہم پہونچانا ہے اور فواد سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل کردہ معلومات کو مرتب کرنا اور نتائج اخذ کرنا ہے۔ یہی تین چیزیں مل کر وہ علم بنتا ہے جس کی قابلیت انسان کو دی گئی ہے۔ بر سبیلِ اطلاق اگر دیکھا جائے تو تمام انسان ان تینوں قوتوں سے کام لے رہے ہیں اور اسی وجہ سے مخلوقاتِ ارضی پر خلیفانہ تسلط ہر انسان کو حاصل ہے۔ ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھیے گا تو معلوم ہوگا کہ جو انسان انفرادی طور پر، اور جو انسانی گروہ اجتماعی طور پر ان تینوں قوتوں سے کم کام لیتے ہیں وہ پست اور مغلوب رہتے ہیں، انھیں تابع اور مطیع بن کر رہنا پڑتا ہے ان کا کام پیچھے ہی چلنا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے جو ان تینوں سے زیادہ کام لیتے ہیں وہ برتر و غالب ہوتے ہیں، متبوع اور مطاع بنتے ہیں، رہنمائی اور پیشوائی انہی کے حصہ میں آتی ہے۔ مگر امامت ملنے اور چھننے کا ضابطہ معلوم کرنے کیلیے آپکو اس سے بھی زیادہ تفصیلی نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس تفصیلی نگاہ میں آپ کو یہ حقیقت نظر آئے گی کہ ایک گروہ تمام انسانوں کا امام اس وقت بنتا ہے جب وہ ایک طرف اُن معلومات کا زیادہ سے زیادہ حصہ جمع کرتا ہے جو ماضی اور حال کے انسانوں سے حاصل ہو سکتی ہیں، دوسری طرف خود اپنے مشاہدہ سے مزید معلومات فراہم کرنے میں لگا رہتا ہے، تیسری طرف ان دونوں قسم کی معلومات کو مرتب کرکے نتائج اخذ کرتا ہے، اور پھر ان نتائج سے کام لیتا ہے، پہلے کی جو چیزیں غلط —— کم از کم اس کے اخذ کردہ نتائج کے لحاظ سے غلط —— ثابت ہوتی ہیں ان کی اصلاح کرتا ہے، پہلے کی جن چیزوں کا نقص —— کم از کم اس کے فہم کے لحاظ سے —— اس پر کھلتا ہے اُن کی تکمیل کرتا ہے، اور جو نئی چیزیں علم میں آتی ہیں ان سے اپنی حد وسع تک زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ صفات جب تک اُس گروہ میں تمام دوسرے انسانی گروہوں سے زیادہ رہتی ہیں، وہی پوری نوع کا امام ہوتا ہے اور جو ان صفات کے اعتبار سے کمتر ہوتے ہیں اُن کے لیے اللہ کی اٹل تقدیر یہ ہے کہ وہ اس کی اطاعت بھی کریں اور اتباع بھی —— اگر قسمت کی یاوری نے اطاعت کر بچا بھی لیا تو ان کے لیے اتباع سے تو کوئی مفر نہیں ہوتا، خواہ جان بوجھ کر بالارادہ کریں، خواہ بے جانے بوجھے مضطرانہ

کریں۔ اس دورِ عروج کے بعد جب اس گروہ کے زوال کا وقت آتا ہے تو وہ تھک کر اپنے کیے ہوئے کام کو کافی سمجھ کر مشاہدہ سے مزید معلومات حاصل کرنے اور فواد سے مزید نتائج اخذ کرنے کی کوشش چھوڑ دیتا ہے، اور اس کا تمام سرمایۂ علمی صرف سمع سے حاصل شدہ معلومات تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب اس کے لیے علم کے معنی صرف یہ جاننے کے ہو جاتے ہیں کہ پہلے جو معلومات حاصل کی گئی تھیں اور ان سے جو نتائج اخذ کیے گئے تھے وہ کیا تھے۔ اب وہ اس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ جو علم پہلے حاصل کیا جا چکا ہے وہ کافی ہے، اس میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں، پہلے جو نتائج اخذ کیے جا چکے ہیں وہ صحیح ہیں، ان میں کسی اصلاح و ترقی کا موقع نہیں، پہلے جتنی تعمیر ہو چکی ہے وہ مکمل ہے، نہ اس میں ترمیم ہی کی جا سکتی ہے اور نہ اس سے آگے مزید تعمیر ہی ممکن ہے۔ اس مرحلہ پر پہونچکر یہ گروہ خود امامت سے ہٹ جاتا ہے اور نہ ہٹنا چاہے تو زبردستی ہٹا دیا جاتا ہے۔ پھر جو دوسرا گروہ مزید اکتسابِ علم، مزید اخذِ نتائج، اور مزید تعمیرِ حیات کا عزم لے کر آگے بڑھتا ہے امامت و قیادت اس کا حصہ ہوتی ہے اور وہ حضرات جو پہلے امام تھے اب مقتدی بنتے ہیں، جو پہلے مطاع و متبوع تھے، اب مطیع و تابع بنتے ہیں، جو پہلے جیتے جاگتے علم کے مالک اور دنیا کے اُستاد بنے ہوئے تھے، اب عجائب خانہ آثارِ قدیمہ میں بھیج دیئے جاتے ہیں تاکہ بیٹھے علوم اوائل کی تشریح کرتے رہیں۔

موجودہ "اسلامی نظامِ تعلیم" کا بنیادی نقص اس مختصر بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امامت، خواہ وہ آگ کی طرف لے جانے والی ہو یا جنت کی طرف، بہر حال اُس گروہ کا حصہ ہے جو سمع و بصر و فواد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھکر استعمال کرے۔ یہ انسان کے حق میں اللہ کا بنایا ہوا اٹل ضابطہ ہے اور اس میں کوئی رو رعایت نہیں ہے۔ کوئی گروہ خواہ خدا شناس ہو یا خدا ناشناس، بہر حال وہ یہ شرط پوری کرے گا تو دُنیا کا امام بن جائے گا اور نہ کریگا تو مقتدی ہی نہیں بلکہ اکثر حالات میں مطیع بھی بننے سے نہ بچ سکے گا۔

آپ کو جس چیز نے امامت کے منصب سے ہٹایا اور خدا ناشناس اہلِ مغرب کو اس پر لا بٹھایا وہ دراصل یہی ضابطہ ہے۔ آپ کے ہاں مدتہائے دراز سے علم کی جو حالت تھی اُس میں بصر اور فواد دونوں معطل تھے اور سمع کا کام بھی صرف پہلے کی حاصل شدہ معلومات فراہم کرنے تک محدود تھا۔ بخلاف اس کے خدا ناشناس یورپ علم کے میدان میں آگے بڑھا اور اس نے سمع سے بھی آپ سے بڑھ کر کام لیا اور بصر و فواد کا کام تو پچھلی ڈھائی تین صدیوں میں تمامتر اسی نے انجام دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا اور یہی ہوا کہ وہ امام بن گیا اور آپ مقتدی بنکر رہ گئے۔ آپ کی دینی تعلیم کے تمام مرکز ابھی تک اپنی اُسی غلطی پر اڑے ہوئے ہیں جس نے آپ کو اس درجہ پر

پہونچایا ہے۔ ان کے ہاں علم محض علوم اوائل کے پڑھنے پڑھانے تک محدود ہے۔ ندوہ اور ازہر نے اصلاح کی طرف ایک قدم بڑھایا، مگر اس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ سمع کا دائرہ حال کی معلومات تک بڑھا دیا جائے۔ بصر اور فواد پھر بھی معطل کے معطل ہی رہے۔ اس علم کا فائدہ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ آپ گھٹیا قسم کے نہ سہی بڑھیا قسم کے مقتدی بن جائیں۔ امامت بہرحال آپ کو نہیں مل سکتی۔ اس وقت تک جتنی اصلاحی تجویزیں میری نظر سے گزری ہیں وہ سب کی سب بہتر مقتدی ہی بنانے والی ہیں۔ امام بنانے والی کوئی تجویز ابھی تک نہیں پہونچی گئی حالانکہ دُنیا کی واحد خداشناس جماعت ہونے کی حیثیت سے جو فرض آپ کے ذمہ عائد ہوتا ہے اس کو آپ انجام نہیں دے سکتے جب تک کہ آپ خدا ناشناس لوگوں سے دنیا کی امامت کا منصب چھین کر خود اس پر قبضہ نہ کریں۔ اور اس کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ آپ مجرد سمعی علم پر قناعت کا خیال چھوڑ دیں اور بصر و فواد سے نہ صرف کام لیں بلکہ اس میں دُنیا کے تمام گروہوں پر فوقیت لے جائیں۔

کس قسم کی اصلاح درکار ہے

یہ جو میں نے عرض کیا کہ "دُنیا کی واحد خداشناس جماعت ہونے کی حیثیت سے آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے اس کو آپ انجام نہیں دے سکتے جب تک یہ کام نہ کریں"، یہ دراصل میری اس تمام بحث کا مرکزی نکتہ ہے اس لیے میں اس کی مزید تشریح کروں گا۔ اگر محض ایک انسانی گروہ ہونے کی حیثیت سے مطلقاً امام بننے کا سوال ہو تب تو آپ کو کسی اصلاح تعلیم یا تجدید نظام تعلیمی کی ضرورت نہیں۔ سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی، یا مصر ایران و ترکی کی سرکاری یونیورسٹیوں کے طرز پر تعلیم کے میدان میں پیش قدمی فرمالیجیے اور اسی قسم کی امامت کے لیے امیدوار بن جائیے جیسی اس وقت یورپ اور امریکہ کو حاصل ہے اور جس کے لیے اب جاپان مسابقت کر رہا ہے۔ مگر خداشناس گروہ ہونے کی حیثیت سے آپ کی یہ پوزیشن نہیں ہے۔ آپ کی یہ پوزیشن ہرگز نہیں ہے کہ آپ محض اپنے لیے امامت چاہتے ہوں، خواہ وہ امامت داعیہ الی النار ہو یا داعیہ الی الجنت۔ یورپ سے آپ کا جھگڑا اس بنا پر نہیں ہے کہ دُنیا کا امام وہ نہ رہے، اس کی جگہ آپ ہو جائیں، بلکہ اس سے آپ کا جھگڑا اصول و مقصد کا جھگڑا ہے۔ وہ خدا ناشناسی بلکہ خدا سے بغاوت اور طغیان کی بنا پر دنیا کی امامت کر رہا ہے اور آگ کی طرف ساری دنیا کو لے جا رہا ہے۔ بخلاف اس کے آپ خداشناس گروہ انسانی ہیں، خدا کی اطاعت پر آپ کے مسلک کی بنیاد ہے آپ کے ایمان کی رو سے آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ نہ صرف خود آگ کے رستہ سے بچ کر جنت کے راستہ پر جائیں بلکہ دُنیا کو بھی اسی رستہ پر چلائیں۔ اور یہ فرض آپ انجام نہیں دے سکتے جب تک کہ آپ اس سے امامت چھین کر خود امام نہ بنیں۔ یہاں سوال نسلی یا جغرافی نہیں، خالص اصولی ہے۔ خدا ناشناسی کی امامت اگر ترک، یا ایرانی یا مصری

یا ہندوستانی کی ہو تو وہ بھی اسی طرح مٹا دینے کے قابل ہے جس طرح فرنگی یا جاپانی کی۔ اور خدا شناسی کی بنیاد پر جو امامت ہو وہی مطلوب ہے خواہ اس کے علمبردار ہندی ہوں یا فرنگی یا کوئی اور۔

خدا ناشناس امامت کے نتائج کسی امام کے داعی الی النار یا داعی الی الجنۃ ہونے کا مدار بالکل اس کے خدا شناس یا خدا ناشناس ہونے پر ہے۔ جب کوئی ایسا گروہ جو خدا شناس نہ ہو اپنے علمی اجتہاد کی بدولت دنیا کا امام بن جاتا ہے، تو وہ تمام سمعی و بصری معلومات کو اس نقطۂ نظر سے جمع کرتا ہے اور اسی نقطۂ نظر کے مطابق مرتب کرتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے، انسان محض ایک غیر مسئول (Irresponsible) ہستی ہے۔ دنیا کی جو چیزیں اس کے لیے مسخر ہیں وہ سب اس کی مِلک ہیں جن سے کام لینے کا مقصد اور طریقہ متعین کرنے میں وہ مختار محض ہے، اور اس کی تمام سعی و جہد کا منتہائے مقصود اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنی خواہشاتِ نفس کی خدمت کرے معلومات کے اس اساس پر مرتب ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکمتِ نظری اور حکمتِ عملی دونوں کا نشو و نما خدا پرستی کی بالکل مخالف سمت میں ہوتا ہے، یہی حکمت تمام دنیا کے قلوب و اذہان پر چھا جاتی ہے، اسی سے خالص مادہ پرستانہ اخلاقیات پیدا ہوتے ہیں، اسی پر انسان اور انسان کے درمیان تعلق کے تمام ضابطے بنتے ہیں، اسی کے مطابق انسان اپنی حاصل شدہ قوتوں کا مصرف معین کرتا ہے، اور فی الجملہ ساری انسانی زندگی کا بہاؤ اس راستہ کی طرف چل پڑتا ہے جس کی آخری منزلوں پر پہونچکر اس دنیا ہی سے عذاب جہنم کی ابتدا ہو جاتی ہے جیسا کہ آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ خدا ناشناس حکمت جب تک دنیا کے افکار، اخلاق، تمدن، ہر چیز پر چھائی رہتی ہے، خدا شناسی کے نقطۂ نظر اور اس اخلاق و تمدن کے لیے جو اس نقطۂ نظر پر مبنی ہو، زمین و آسمان کے درمیان کوئی جگہ نہیں رہتی۔ لوگوں کے سوچنے کا انداز اس کے خلاف ہوتا ہے، طبائع کی افتاد اور مزاجوں کی پسند اس کے خلاف ہوتی ہے، انسانی معلومات کی بگڑی ہوئی ترتیب اس کے خلاف شہادت دیتی ہے، اخلاق کے سارے اصول اور قدر و قیمت کے سارے معیار اس سے منحرف ہو جاتے ہیں، زندگی کے تمام ضابطے اور انسانی سعی و عمل کے سارے ہنگامے اس کو اپنے درمیان جگہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں، اور اس صورت حال میں صرف یہی نہیں ہوتا کہ خدا پرستی کے مسلک کی ہر چیز دنیا میں نامقبول و نامعقول ہو کر رہ جاتی ہے، بلکہ خود وہ لوگ جو اس مسلک کی پیروی کا دعوے کرتے ہیں فی الواقع اس کی پیروی کر نہیں سکتے، زندگی کے دریا کا بہاؤ زبردستی کھینچکر ان کو اپنے راستہ پر لے جاتا ہے، اور اس کے خلاف زیادہ سے زیادہ کشمکش وہ بس اتنی ہی کر سکتے ہیں کہ سر کے بل بہنے کے بجائے اچتا پاؤں کے بل بہیں۔

جو گروہ خیالات کے میدان میں امام بنتا ہے، اور جو کائنات فطری کی طاقتوں کو اپنے علم سے مسخر کر کے ان سے کام لیتا ہے اس کی امامت صرف خیالات ہی کے عالم تک محدود نہیں رہتی بلکہ زندگی کے پورے دائرہ پر چھا جاتی ہے۔ زمین پر اسکا تسلط ہوتا ہے۔ رزق کی کنجیاں اس کے قبضہ میں ہوتی ہیں۔ حاکمانہ اختیارات اسے حاصل ہوتے ہیں۔ اسلیے انسانی حیات اجتماعی کا سارا کاروبار اُس ڈھنگ اور اُس نقشہ پر چلنے لگتا ہے جس پر وہ گروہ اپنی ذہنیت اور اپنے زاویۂ نظر کے مطابق اسے چلانا چاہتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ گروہ جس کو یہ تسلط دنیا اور اس کے معاملات پر حاصل ہے، خدا سے پھرا ہوا ہو، تو اُس کے حیطۂ اقتدار میں رہتے ہوئے کوئی ایسا گروہ پنپ نہیں سکتا جو خدا کی طرف پھرنا چاہتا ہو، جس گاڑی میں آپ بیٹھے ہوئے ہوں اگر اُس کا ڈرائیور اسے کلکتہ کی طرف لے جا رہا ہو تو آپ کراچی کی طرف جا ہی کب سکتے ہیں، چار و ناچار آپ کو اسی طرف جانا پڑیگا جدھر ڈرائیور جانا چاہتا ہے۔ آپ بہت بگڑیں گے تو اتنا کر لینگے کہ اسی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنا رُخ کلکتہ سے کراچی کی طرف پھیر لیں، اور برضا و رغبت نہ سہی کشاں کشاں اُس منزل پر جا پہنچیں جو آپ کی منزل مقصود کے عین مخالف سمت میں واقع ہے۔

موجودہ صورت حال یہی صورت حال اس وقت فی الواقع درپیش ہے۔ آپ کے امامت سے ہٹنے کے بعد جب یورپ نے علم کے میدان میں پیش قدمی کی تو ناگزیر اسباب نے اس کی نگاہ کا زاویہ خدا سے بیزاری (Theophobia) کی طرف پھیر دیا۔ اسی نقطۂ نظر سے اس نے تمام علمی معلومات کو جمع کیا، .... اسی نقطۂ نظر سے اس نے آثار کائنات کا مشاہدہ کیا، اسی نقطۂ نظر سے اس نے معلومات کو مرتب کر کے نتائج اخذ کیے، اسی نقطۂ نظر سے اس نے زندگی کے مقاصد، اخلاق کے اصول، تمدن کے ضوابط، اور انفرادی و اجتماعی برتاؤ کے ڈھنگ متعین کیے، اور اسی نقطۂ نظر سے اس نے اُن تمام قوتوں کا مصرف تجویز کیا جو اسے تحقیق و اجتہاد کی بدولت حاصل ہوئی تھیں۔ پھر جب اس علم کے زور پر وہ اُٹھا تو ایک طرف زمینیں کی زمینیں اور قومیں کی قومیں اس کے آگے مسخر ہوتی چلی گئیں، اور دوسری طرف وہی علم، وہی ذہنیت، وہی مقاصد و غایات، وہی فکری ساخت، وہی اخلاقی روش، وہی تمدنی قواعد و ضوابط، غرض وہی سب کچھ جو اس امام غالب کے پاس تھا، تمام دنیا پر چھا گیا، اب حال یہ ہے کہ ایک بچہ جب سے ہوش سنبھالتا ہے اُسی وقت سے اس کے ذہن اور اس کی زندگی کی تعمیر اُس نقشہ پر ہونے لگتی ہے جو یورپ کی امامت میں بنا ہے۔ علمی معلومات اُسی ترتیب سے اس کے دماغ میں اُترتی ہیں، مشاہدہ کے لیے وہی نقطۂ نظر اسے ملتا ہے، نتائج اخذ کرنے کی

ساری تربیت اسی طرز پر اسے حاصل ہوتی ہو، حق اور باطل، صحیح اور غلط، مقبول اور مردود کی تعیین کے لیے وہی معیار اُسے میسر آتا ہے، اخلاق کے وہی اصول، زندگی کے وہی مقاصد اور سعی و عمل کے وہی راستے اس کے سامنے روشن ہوتے ہیں، اپنے گرد و پیش زندگی کا سارا کار خانہ اسی ڈھنگ پر اسے چلتا ہوا ملتا ہے، اور جب وہ اس طرح پروان چڑھنے کے بعد خود کارگاہِ حیات میں حصہ لینے کے لیے تیار ہوتا ہے تو چونکہ یہی ایک مشین دنیا میں چل رہی ہے اور کوئی دوسری مشین چلنے والی موجود نہیں ہے، اس لیے اسی کا پرزہ اس کو بن جانا پڑتا ہے۔ خدا ناشناس تہذیب و تمدن کے اس کامل تسلط میں اول تو یہی سخت مشکل ہے کہ خدا پرستانہ نظریۂ حیات، مقصدِ زندگی اور اصولِ اخلاق کو دلوں اور دماغوں میں راہ مل سکے، کیونکہ علوم و فنون کی ساری ترتیب اور زندگی کی پوری روش اس کے بالکل برعکس سمت میں پھری ہوئی ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ ایسے نکل بھی آئیں جن کے ذہن میں یہ تخم جڑ پکڑ لے تب بھی گرد و پیش کی پوری فضا اس کو غذا دینے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس کو نہ کہیں علوم سے تائید ملتی ہے، نہ زندگی کے بنے اور جمے ہوئے نقشے اس کا ساتھ دیتے ہیں، نہ دُنیا کے چلتے ہوئے معاملات ہی میں کہیں اس کی جگہ نظر آتی ہے جس قدر معلومات گزشتہ پانچسو برس کی مدت میں انسان کو حاصل ہوئی ہیں ان کو مرتب کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کا سارا کام خدا ناشناس لوگوں نے کیا ہے۔ خدا پرستی کے نقطۂ نظر سے ان کی ترتیب کا اور اخذِ نتائج کا کوئی کام ہوا ہی نہیں۔ فطرت کی جو طاقتیں اس دوران میں انسان کے لیے مسخر ہوئیں اور قوانین طبیعی کی مزید دریافت سے جو فوائد حاصل ہوئے، ان سے بھی خدا پرستوں نے نہیں بلکہ خدا کے باغیوں نے کام لیا اسلیے ناگزیر تھا کہ تمدنِ انسانی میں ان سب کا مصرف وہی مقرر ہوتا جو ان کے مقاصدِ زندگی اور اصولِ اخلاقی کے مناسبِ حال تھا اسی طرح اجتماعی معاملات کی تنظیم کے جتنے نظری خاکے اور عملی طریقے اس دوران میں سوچے اور عملاً چلائے گئے اُن سب کے سوچنے اور چلانے والے وہ دماغ اور وہ ہاتھ نہ تھے جن پر خدا پرستی کا مسلک فرماں روا ہوتا، بلکہ وہ تھے جو خدا کی اطاعت سے منحرف تھے، اس لیے نظریات اور عملیات کے میدان پر آج سارے کے سارے وہی نقشے چھائے ہوئے ہیں جو انھوں نے بنائے ہیں، اور ایسا کوئی نقشہ جو خدا پرستانہ مسلک کی بنیاد پر بنا ہو، عملاً تو کیا موجود ہوتا نظریہ کی شکل میں بھی ایسی تفصیلی ترتیب کے ساتھ مرتب نہیں ہے جو آج کے حالات سے ربط کھاتا ہو اور جس میں آج کے مسائلِ حیات کا پورا پورا حل مل سکے۔ اب اگر اس مسلک پر اعتقاد رکھنے والا کوئی شخص راہب بن کر دنیا اور اس کی زندگی سے الگ تھلگ کسی گوشے میں جا بیٹھے اور پانسو برس پہلے کی فضا اپنے اوپر طاری کرلے تب تو بات دوسری ہے، ورنہ اس دنیا کے معاملات میں ایک زندہ انسان کی حیثیت سے حصہ لینے کی صورت میں تو قدم قدم

اس کے لیے مشکلات ہی مشکلات ہیں۔ اپنے مسلک میں نیک نیت اور صحیح الاعتقاد ہونے کے باوجود بارہا وہ نادانستہ اُن فکری اور عملی راہوں پر چل پڑتا ہے، اور بارہا اسے مجبوراً ان راہوں پر چلنا پڑتا ہے، جو اس کے مسلک سے بالکل مختلف ہیں۔ نئی معلومات جب اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کے لیے سخت دشوار ہوتا ہے کہ حقائق (facts) کو اُن ناخداشناس لوگوں کے نقطۂ نظر اور اخذ کردہ نتائج سے الگ کر کے جنھوں نے ان کی دریافت، ترتیب اور استنتاج کا سارا کام انجام دیا ہے، اس کے لیے اکثر وہ اس طرح حقائق کے ساتھ ساتھ ان کے نظریات اور نتائج کو بھی ہضم کر جاتا ہے کہ اسے اس امر کا شعور تک نہیں ہوتا کہ امرت کے ساتھ کتنا زہر اس کے اندر اُتر گیا۔ اسی طرح زندگی کے عملی معاملات سے جب اس کو واسطہ پیش آتا ہے تو وہ سخت مشکل میں پڑ جاتا ہے کہ کونسی راہ اختیار کرے۔ بہت سے اجتماعی نظریات جو فی الاصل اس کے مسلک کے خلاف ہیں، اُس کے دل و دماغ پر زبردستی چھا جاتے ہیں، کیونکہ دُنیا میں ہر طرف چلن ہی ان کا ہے۔ بہت سے عملی طریقوں کو غلط سمجھنے کے باوجود محض اس بنا پر وہ اختیار کرتا ہے کہ ان سے ہٹ کر وہ کوئی دوسری راہ سوچ نہیں سکتا۔ اور بہت سی غلط راہوں پر اسے مجبوراً اس لیے چلنا پڑتا ہے کہ ان پر چلے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔

انقلاب امامت کے لیئے انقلاب تعلیم ناگزیر ہے

حضرات! یہ ہے وہ صورتِ حال جس میں اس وقت آپ مبتلا ہیں۔ میں نے اس صورتِ حال کا جو تجزیہ کیا ہے، اگر اس میں کوئی غلطی آپ پاتے ہوں تو براہ کرم مجھے بھی اس سے آگاہ فرمائیں تاکہ میں اس پر نظر ثانی کر سکوں۔ لیکن اگر یہ تجزیہ صحیح ہے تو اس سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:۔

اولاً، ناخداشناس ائمہ کی امامت میں رہ کر خداشناسی و خداپرستی کا مسلک زندہ نہیں رہ سکتا لہٰذا جو کوئی اس مسلک پر اعتقاد رکھتا ہو اس کے عین ایمان و اعتقاد کا اقتضاء یہ ہے کہ اس امامت کو ہٹانے اور خداشناس امامت کو دُنیا میں قائم کرنے کے لیئے تیار ہو جائے۔

ثانیاً، جو نظام تعلیم محض پُرانے مذہبی علوم کی حد تک محدود ہے اُس میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ امت میں اتنا بڑا انقلاب کرنے کے لیے آپ کو تیار کر سکے۔ لہٰذا اگر آپ اس پر راضی ہوں کہ خداپرستی کا مسلک بتدریج مٹتے مٹتے دنیا سے فنا ہو جائے تب تو شوق سے اسی نظام تعلیم پر جمے رہیں، ورنہ اسے آپ کو بدلنا ہو گا۔

ثالثاً، جو نظام تعلیم تمام علوم کو اُسی ترتیب اور اُسی زاویۂ نظر سے لیتا ہے جو ناخداشناس ائمہ کی ترتیب اور اُن کا زاویۂ نظر ہے، اور جو اس تمدنی مشین کا پُرزہ بننے کے لیے انسانوں کو تیار کرتا ہے جو ان ائمۂ ضلال نے بنائی ہے، وہ دراصل ارتداد کا مجرب نسخہ ہے۔ اس سے بڑھکر کوئی فریب نہیں ہو سکتا کہ اس نوعیت کی کسی تعلیم گاہ پر

مسلم یونیورسٹی، یا اسلامیہ کالج، یا اسلامیہ ہائی اسکول کے الفاظ کا اطلاق کیا جائے۔ اور اس تعلیم کے ساتھ دینیات کے کسی کورس کو الگ سے لا کر جوڑ دینا ۹۵ فی صدی تو بالکل ہی لاحاصل ہے، اور ۵ فی صدی فائدہ اگر اس سے حاصل ہو بھی سکتا ہے تو وہ بیش ازیں نیست کہ لوگ کچھ مدت تک کفر کے رستہ پر خدا کا نام لیتے ہوئے چلتے رہیں۔

رابعاً، اصلاح تعلیم کا یہ لائحہ کہ علوم اسلامی کے ساتھ نئے علوم کا جوڑ لگایا جائے، یہ بھی امامت میں انقلاب کرنے کے لیئے آپ کو تیار نہیں کر سکتا، اس لیے کہ فلسفہ، سائنس، تاریخ، سیاسیات، معاشیات اور دوسرے علوم جو اس وقت مدون و مرتب صورت میں آپ کو ملتے ہیں وہ سب کے سب ناخداشناس لوگوں کی فکر و تحقیق کا نتیجہ ہیں اور ان کی ترتیب و تدوین میں اس گروہ کا نقطۂ نظر اس طرح پیوست ہے کہ حقائق واقعیہ کو نظریات اور اوہام و تعصبات اور اہواء و رجحانات سے الگ چھانٹ لینا اور خدا پرستی کے نقطۂ نظر سے اُن کو بطور خود مرتب کر کے دوسرے نظریات قایم کرنا نہ ہر طالب علم کے بس کی بات ہے نہ ہر اُستاد کے بس کی، اب اگر آپ ایک طرف پُرانے علوم کو پُرانی ترتیب کے ساتھ، اور نئے علوم کو اس خاص ترتیب کے ساتھ جو اس وقت پائی جاتی ہے، ملا کر پڑھائیں گے تو ان دو متضاد طاقتوں کے میل سے عجیب عجیب قسم کے مرکبات پیدا ہوں گے۔ کوئی پرانے علوم سے مغلوب ہوگا تو مولوی بن جائے گا۔ کوئی نئے علوم سے مفتوح ہوگا تو دہریت کی طرف چلا جائے گا بلکہ کامریڈیت تک جا پہونچے گا۔ کوئی دونوں کے درمیان مذبذب ہو کر مضمحل ہو جائے گا۔ بہت ہی کم آدمی اس نظام تعلیمی سے ایسے نکل سکتے ہیں جو دونوں قسم کے علوم کو جوڑ کر کوئی صحیح مرکب بنا سکیں، اور ان کا بھی اس قدر طاقتور ہونا بہت مشکل ہے کہ اُٹھ کر خیالات اور زندگی کے دھارے کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دیں۔

یہ نتائج جو میں نے حالات کے تجربہ سے اخذ کیئے ہیں اگر ان میں کوئی غلطی ہو تو میں پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے اس سے آگاہ فرمائیں۔ لیکن اگر ان نتائج کو بھی آپ تسلیم کرتے ہیں تو اب میں کہتا ہوں کہ امامت میں انقلاب کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ ان تینوں نظامات تعلیمی سے ہٹ کر ایک بالکل نیا نظام تعلیم بنایا جائے جس کا نقشہ ابتدائی تعلیم سے لے کر انتہائی مدارج تک تینوں سے مختلف ہو۔

نئے نظامِ تعلیم کا خاکہ

اس انقلابی اصلاح کی ضرورت ثابت کرنے کے بعد میں اس نظام کی تعمیر کا ایک خاکہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:۔

پہلی خصوصیت | سب سے پہلی چیز جو اس نئے نظام میں ہونی چاہیئے، وہ یہ ہے کہ دینی اور دُنیوی

علوم کی انفرادیت مٹا کر دونوں کو اس میں یکجان کر دیا جائے۔ علوم کو دینی اور دُنیوی دو الگ الگ قسموں میں منقسم کرنا در اصل دین اور دُنیا کی علحدگی کے تصور پر مبنی ہے، اور یہ تصور بنیادی طور پر غیر اسلامی ہے۔ اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے وہ دُنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ دُنیا کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنا کہ یہ اللہ کی سلطنت ہے اور اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی رعیت ہیں، اور دُنیوی زندگی میں ہر طرح سے وہ رویہ اختیار کرنا جو اللہ کی رضا اور اس کی ہدایت کے مطابق ہو، اسی چیز کا نام دین ہے۔ اس تصورِ دین کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام دُنیوی علوم کو دینی علوم بنا دیا جائے۔ ورنہ اگر کچھ علوم دنیوی ہوں اور وہ خدا پرستی کے نقطۂ نظر سے خالی رہیں، اور کچھ دوسرے علوم دینی ہوں اور وہ دنیوی علوم سے الگ پڑھائے جائیں، تو ایک بچہ شروع ہی سے اس ذہنیت کے ساتھ نشو و نما پائے گا کہ دُنیا کسی اور چیز کا نام ہے، اور دین کسی اور چیز کا۔ اس کے لیے یہ دونوں دو مختلف عنصر ہوں گے اور ان کے درمیان توافق پیدا کر کے ایک ایسی ہموار زندگی بنانا مشکل ہو گا جو اُدخلوا فِی السِّلمِ کَافَّۃ کی مصداق ہو سکے۔

مثال کے طور پر اگر آپ تاریخ، جغرافیہ، طبیعیات، کیمیا، حیاتیات (Biology)، حیوانیات (Zoology)، ارضیات (Geology)، ریاضی ہیئت (Astronomy)، معاشیات (Economics)، سیاسیات اور دوسرے تمام علوم ایک شخص کو اس طرح پڑھاتے ہیں کہ اول سے آخر تک کسی جگہ خدا کا نام نہیں آتا، نہ آفاق و انفس کے آثار پر اس حیثیت سے نظر ڈالی جاتی ہے کہ یہ آیاتِ الٰہی ہیں، نہ قوانین طبیعی کا ذکر اس حیثیت سے کیا جاتا ہے کہ یہ ایک حکیم کے بنائے ہوئے قوانین ہیں، نہ واقعات کی توجیہ اس حیثیت سے کی جاتی ہے کہ ان میں کسی قادر توانا کا ارادہ کام کر رہا ہے، نہ عملی علوم میں اس مقصد کا کہیں نشان پایا جاتا ہے کہ ان سے خدا کی رضا کے مطابق کام لینا ہے، نہ معاملاتِ زندگی کی بحث میں اُس ضابطہ کا کہیں بیان آتا ہے جو ان کو چلانے کے لیے خدا نے بتایا ہے، نہ سرگزشت حیات میں اس کے الٰہی مبدأ و غایت کی بحث کسی جگہ آتی ہے، تو علوم کے اس پورے مجموعہ سے اس کے ذہن میں دُنیا اور اس کی زندگی کا جو تصور پیدا ہو گا وہ خدا کے تصور سے بالکل خالی ہو گا، ہر چیز سے اس کا تعارف خدا کے بغیر ہو گا، اور ہر معاملہ میں وہ اپنا راستہ خدا اور اس کی رضا سے الگ بنائے گا۔ پھر جب تمام شعبوں سے یہ نقطۂ نظر اور معلومات کی یہ ترتیب لیے ہوئے، ایک شعبہ میں جا کر وہ الگ سے خدا کا ذکر سنے گا، اور اُن مقاصدِ زندگی اور اُن قوانین اخلاقی اور اُن ضوابط شرعی کی تعلیم حاصل کرے گا جنھیں آپ دینیات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں تو اسکی سمجھ میں نہ آئے گا کہ اس نقشہ میں خدا کو اور اس سے تعلق رکھنے والی ان ساری چیزوں کو کہاں جگہ دوں۔ پہلے تو اسے خدا کی ہستی کا ثبوت ہی درکار ہو گا۔ پھر وہ اس بات کا ثبوت مانگے گا کہ مجھے اس کی ہدایت درکار بھی ہے اور اسکے

پاس سے ہدایت آتی بھی ہے یا نہیں۔ اور ان سب باتوں کے بعد بھی اس کے لئے اپنی دنیوی معلومات کو اس نئی چیز کیساتھ یک جان کر کے ایک ہم رنگ نقشہ بنانا مشکل ہوگا۔ وہ خواہ کتنا ہی پختہ ایمان لے آئے مگر بہرحال اس کے لیے دین عین اس کی زندگی نہ ہوگا بلکہ زندگی کا ایک ضمیمہ ہی بن کر رہ جائے گا۔

یہ ساری خرابی دینی اور دُنیوی علوم کی تقسیم کا نتیجہ ہے اور جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں، یہ تقسیم بالکل اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہے۔ نئے نظام تعلیم میں دینیات کے الگ کورس کی ضرورت نہیں، بلکہ سارے کورس کو دینیات کے کورس میں تبدیل کر دینا چاہیے۔ شروع ہی سے ایک بچہ کو دنیا سے اس طرح روشناس کرانا چاہیے کہ گویا وہ خدا کی سلطنت میں ہے، اس کے اپنے وجود میں اور تمام آفاق میں خدا کی آیات پھیلی ہوئی ہیں، ہر چیز میں وہ خدا کی حکمت اور قدرت کے آثار دیکھ رہا ہے، اُس کا اور ہر شئے کا براہ راست تعلق خداوند عالم سے ہے جو آسمان سے زمین تک تمام معاملات دنیا کی تدبیر کر رہا ہے، دُنیا میں جتنی قوتیں اس کو حاصل ہیں اور جو اشیاء اس کے لیے مسخر ہیں، سب کی سب خدا نے اس کو دی ہیں، ان سب سے خدا کی مرضی کے مطابق اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر اسے کام لینا ہے اور اپنے اس کام کی جوابدہی خدا کے سامنے اس کو کرنی ہے۔

ابتدائی مراحل میں تو کوئی دوسرا نقطۂ نظر طالب علم کے سامنے آنا ہی نہیں چاہیے۔ البتہ بعد کے مراحل میں تمام علوم اس کے سامنے اس طرح آنا چاہئیں کہ معلومات کی ترتیب، حقائق کی توجیہ اور واقعات کی تعبیر تو بالکلیہ اسلامی نقطۂ نظر سے ہو، مگر اس کے مخالف دوسرے تمام نظریات بھی پوری تنقید و تنقیح کے ساتھ اس حیثیت سے اس کے آگے رکھدیئے جائیں کہ یہ ضالین اور مغضوب علیہم کے نظریات ہیں۔ اسی طرح عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے جملہ علوم کی بنیادوں میں تو مقاصد حیات، اصول اخلاق اور مناہج عمل اسلام کے پیوست کیۓ جائیں اور دوسروں کے اصول اور طریقے اس حیثیت سے طالب علم کو پڑھائے جائیں کہ ان کی فکری اساس، منزل مقصود اور راہِ عمل اسلام سے کتنی اور کس کس پہلو سے مختلف ہے۔ یہ طریقہ ہے تمام علوم کو دینی علوم میں تبدیل کر دینے کا، اور جب اس طریقہ سے تعلیم دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں دینیات کے لیے کسی علحدہ کورس کی کوئی حاجت ہی نہیں پیش آسکتی۔

دوسری خصوصیت دوسری اہم خصوصیت جو اس نظام تعلیمی میں ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس میں ہر طالب علم کو مجموعۂ علوم بنانے اور تکمیل کے بعد ہر ایک کو "مولانا"، اور ہر ایک کو جملہ مسائل میں فتوے کا اہل قرار دے دینے کا وہ طریقہ جو اب تک رائج ہے ختم کر دیا جائے، اور اس کی جگہ اختصاصی تعلیم کا وہ طریقہ اختیار

کیا جائے جو سالہا سال کے تجربات کے بعد دنیا میں مفید پایا گیا ہے۔ انسان کا علم اب اتنی ترقی کر چکا ہے، اور اتنے شعبے اس میں پیدا ہو گئے ہیں کہ کسی ایک شخص کا ان سب کو پڑھ لینا محال ہے، اور اگر تمام علوم میں محض معمولی سی شد بود اسے کرادی جائے تو وہ کسی شعبہ علم میں بھی کامل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بجائے بہتر یہ ہے کہ پہلے آٹھ یا دس سال کا کورس ایسا رکھا جائے کہ ایک بچے کو دنیا اور انسان اور زندگی کے متعلق جتنی معلومات کم سے کم حاصل ہونی ضروری ہیں وہ اس کو خالص اسلامی نقطۂ نظر سے دیدی جائیں۔ اس کے ذہن میں کائنات کا وہ تصور بیٹھ جائے جو مسلمان کا تصور ہونا چاہیے، زندگی کا وہ خاکہ جم جائے جو ایک مسلمان کی زندگی ہونی چاہیے۔ عملی زندگی کے متعلق وہ تمام معلومات اسے حاصل ہو جائیں جن کی ایک آدمی کو ضرورت ہوتی ہے اور وہ ان سب چیزوں کو ایک مسلمان کے طریقے پر برتنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اسے اپنی مادری زبان بھی آجائے۔ عربی زبان بھی وہ اتنی سیکھ لے کہ آگے مزید تعلیم میں اسے مدد مل سکے۔ اور کسی ایک یورپین زبان سے بھی واقف ہو جائے تاکہ معلومات کے اس وسیع ذخیرے سے فائدہ اٹھا سکے جو ان زبانوں میں موجود ہے۔ اس کے بعد اختصاصی تعلیم کے الگ الگ کورس ہوں جن میں چھ یا سات سال کی محققانہ تربیت حاصل کر کے ایک طالب علم اس شعبۂ علم کا ڈاکٹر قرار دیا جائے جس کی تعلیم اس نے حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر میں چند شعبوں اور ان کے طریق تعلیم کی تشریح کروں گا جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ میرے ذہن میں اس اختصاصی تعلیم کا کیا نقشہ ہے۔

ایک شعبہ فلسفہ اور علوم عقلیہ کیلئے مخصوص ہونا چاہیے۔ اس شعبے میں طالب علم کو پہلے قرآن کا فلسفہ پڑھایا جائے تاکہ اس ذریعہ سے وہ معلوم کر لے کہ انسانی حواس سے جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں ان کی تہ میں حقائق کی جستجو کرنے کی کیا سبیل ہے، عقل انسانی کی رسائی کہاں تک ہے اور کن حدود سے وہ محدود ہے، تجرد استدلال پر تخیلات کی عمارت کھڑی کرنے میں انسان کس طرح واقعات اور حقیقت کی دنیا سے الگ ہو کر خیال کی تاریک دنیا میں گم ہو جاتا ہے، مابعد الطبیعی امور کے متعلق کتنا علم انسان کے لیے فی الواقع ضروری ہے، اس ضروری علم تک پہونچنے میں مشاہدہ (observation) اور استقراء (Induction) سے کس طرح کام لینا چاہیے، کن امور مابعد الطبیعت کا تعین ہم کر سکتے ہیں، کن کے متعلق ایک مجمل اور مطلق حکم سے آگے ہم نہیں بڑھ سکتے، اور کہاں پہونچکر اجمال کو تفصیل سے بدلنے یا اطلاق کو تقیید میں تبدیل کرنے کی کوشش نہ صرف بے بنیاد ہو جاتی ہے بلکہ انسان کو تخیلات لاطائل کی بھول بھلیاں میں بھٹکا دیتی ہے۔ اس بنیاد کو مستحکم کر لینے کے بعد طالب علم کو تاریخ فلسفہ کا مطالعہ کرایا جائے اور یہاں قرآنی فلسفہ کی مدد سے اس کو تمام مذاہب فلسفہ کی سیر کرا دی جائے تاکہ وہ خود دیکھ لے

کہ حقائق تک پہونچنے کے جو ذرائع انسان کو دیئے گئے تھے اُن سے کام نہ لے کر یا اُن سے غلط طریقہ پر کام لیکر کس طرح انسان بھٹکتا رہا ہے، کس طرح اس نے اوہام کو حقیقت سمجھا اور اس سے کس طرح اس کی زندگی متاثر ہوئی کس طرح اس نے اپنی پہونچ سے ماوراء چیزوں کے متعلق رجماً بالغیب حکم لگائے اور اس کے کیا اثرات زندگی پر مترتب ہوئے، کس طرح اس نے اپنے حواس اور اپنی عقل کی حدود کا تعین کیے بغیر اُن حقیقتوں کا تعین کرنے میں اپنا وقت ضایع کیا جن کا تعین اس کے بس کی چیز ہی نہ تھا، کہاں ہندو فلسفیوں نے ٹھوکر کھائی، کہاں سے یونانی فلسفہ بھٹک نکلا، کدھر مسلمان فلاسفہ قرآن کی بتائی ہوئی راہوں سے ہٹ کر نکل گئے، متکلمین کے مختلف اسکولوں نے صدیوں تک جن مسائل پر بحثیں کیں اُن میں قرآن کی رہنمائی سے کہاں کہاں، اور کتنا کتنا تجاوز تھا، فلسفیانہ تصوف کے مختلف مذاہب نے مجمل کو مفصل، اور مطلق کو مقید بنانے کی کس طرح کوششیں کیں اور وہ کس قدر غلط تھیں، یورپ میں فلسفیانہ تفکر نے کیا کیا راہیں اختیار کیں، ایک ہی حقیقت کی جستجو میں کتنے مختلف مذہب بن گئے، ان مختلف مذاہب میں حق کتنا ہے اور باطل کی آمیزش کتنی ہوئی اور کن راہوں سے آئی، کون سے مابعد الطبیعی تصورات ہیں جنھوں نے یورپ میں جڑ پکڑلی ہے، اُن سے اخلاق و اعمال پر کیا اثرات مترتب ہوئے ہیں اور اگر کتاب اللہ کی رہنمائی سے فائدہ اُٹھایا جاتا تو فضول دماغی کاوشوں میں وقت ضایع کرنے اور غلط بنیادوں پر زندگی تعمیر کرنے سے کس طرح دنیا بچ سکتی تھی اس تمام مطالعہ کے بعد طالب علم اپنی تحقیق کے نتایج مرتب کرے، اور جب اہل علم کی جرح و تنقید کے بعد وہ اپنا کامل الفن ہونا ثابت کردے تو اس کو فلسفہ میں فضیلت کی سند دے کر چھوڑ دیا جائے۔

ایک دوسرا شعبہ تاریخ کا ہونا چاہیے جس میں قرآن کا فلسفہ تاریخ، مقصدِ مطالعۂ تاریخ اور طرز مطالعہ تاریخ طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے تاکہ اس کے قلب سے تمام تعصبات نکل جائیں، وہ حقایق کو بے رنگ نگاہ سے دیکھنے اور ان سے بے لاگ نتایج اخذ کرنے کے لیے مستعد ہو جائے، نوع انسانی کی سرگزشت اور تہذیب انسانی کے نشوو ارتقاء کا مطالعہ کرکے انسان کی فلاح و خسران اور سعادت و شقاوت اور عروج و زوال کے مستقل اصول مستنبط کرے، مداولت ایام بین الناس جس ڈھنگ پر اور جس ضابطہ کے مطابق ہوتی ہے اسے معلوم کرے، جو اوصاف انسان کو اوپر اُٹھاتے ہیں اور جو اسے نیچے گرا دیتے ہیں اُن سے واقف ہو، اور خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لے کہ کس طرح فطرت کا ایک خط مستقیم ابتداء سے آج تک سیدھا کھنچا ہوا نظر آتا ہے جو انسان کی ترقی کا اصلی راستہ ہے اس خط سے ہٹ کر جو بھی دائیں یا بائیں جانب دور نکل گیا اسے یا تو ٹھوکر کھا کر اسی طرف پلٹنا پڑا اور نہ ایسا بھٹکا گیا کہ پھر اس کا کچھ پتہ نشان نہ ملا۔ اس طرز مطالعہ سے جب طالب علم کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کا قانون کس قدر

بے لاگ ہے، اور کیسی غیر جانبداری کے ساتھ اس نے قوموں سے معاملہ کیا ہے، تو کوئی قوم بھی نہ اس کی جانبدار رہے گی، نہ کسی کے خلاف اس کے دل میں نفسانی عداوت کا جذبہ رہے گا۔ جس قوم کے کارنامے پر بھی وہ نظر ڈالے گا بے لاگ طریقے سے ڈالے گا اور فلاح و خسران کے ابدی اصولوں کی کسوٹی پر کس کر کھرے کو الگ اور کھوٹے کو الگ کر کے سامنے رکھ دیگا۔ اس تربیت ذہنی کے بعد اسے تاریخی دستاویزوں، اور آثار قدیمہ اور مآخذ اصلیہ سے بطور خود واقعات معلوم کرنے اور بطور خود نتائج اخذ کرنے کی مشق کرائی جائے، اور اتنا تیار کر دیا جائے کہ وہ جاہلی مورخین کے چڑھائے ہوئے رنگوں سے اصل حقائق کو الگ کر کے خود بے لاگ رائیں قائم کر سکے۔

ایک اور شعبہ علوم عمران (social sciences) کا ہونا چاہیے، جس میں پہلے قرآن اور حدیث سے تمدن انسانی کے بنیادی اصول بتائے جائیں۔ پھر تفصیل کے ساتھ اصول سے فروع کا استنباط کر کے، اور انبیاء کی رہنمائی میں جو تمدن بنے تھے ان کے نظائر سے استشہاد کرتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ ان قواعد اصلیہ (fundamental principles) پر کس طرح ایک صالح نظام معاشرت، نظام سیاست، نظام معیشت، تدبیر مملکت، اور تعلقات بین الاقوام کی عمارت اٹھتی ہے۔ پھر یہ بتایا جائے کہ کس طرح انہی اصولوں پر اس عمارت کی مزید توسیع ہو سکتی ہے، اور اجتہاد سے توسیع کا نقشہ مرتب کرنے کا کیا طریقہ ہے، اور انسانی علم کی ترقی سے جو نئی قوتیں دریافت ہوتی ہیں اور تمدن کے فطری نشو و نما سے جو نئے طرز عمل پیدا ہوتے ہیں ان سب کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس صالح تمدن میں جذب کرنے اور ان کو اپنے اپنے ٹھیک مقام پر رکھنے کی کیا صورت ہے۔ اس کے ساتھ ایک طرف طالب علم کو پچھلی قوموں اور مسلمانوں کی تمدنی تاریخ کا مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ دیکھے کہ تمدن کے ان اساسی اصول اور الہٰی حدود کے قریب رہنے، اور ان سے انحراف کرنے سے کیا نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف اسے دور جدید کے سیاسی، معاشی، اجتماعی نظریات و عملیات کا تنقیدی مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ یہ بھی دیکھ لے کہ انسان نے الہٰی ہدایت سے بے نیاز بن کر بطور خود اپنی زندگی کے لیے جو راستے تجویز کیے ہیں وہ کہاں تک اس کے لیے موجب سعادت یا شقاوت ہیں۔

سائنس کی مختلف شاخوں کے لیے چند شعبے علٰحدہ ہونے چاہئیں جن میں قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اب تک کی جمع شدہ سائنٹیفک معلومات کا جائزہ لیا جائے بلکہ آثار فطرت کے مزید مشاہدہ اور قوانین فطرت کی مزید دریافت کا کام بھی انہی خطوط پر کیا جائے جو قرآن نے کھینچ دیے ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب سائنس کی کتاب نہیں ہے، نہ اس کے موضوع کا براہ راست سائنس سے کوئی تعلق ہے لیکن چونکہ یہ اسی مصنف کی

تصنیف ہے جس نے کائنات کو تصنیف کیا ہے، اور وہ مصنف اپنی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں جگہ جگہ استدلال و استشہاد کا کام لیتا ہے، اس لیے اس کے گہرے مطالعہ سے سائنس کے ایک طالب علم کو نہ صرف نظام کائنات کا بنیادی فارمولا معلوم ہوجاتا ہے، بلکہ قریب قریب ہر شعبۂ علم میں اسے ایک صحیح نقطۂ آغاز (Starting Point) اور تلاش و تجسس کے لیے ایک صحیح رخ (Direction) بھی ملتا ہے۔ یہ وہ شاہ کلید (Master key) ہے جس سے سائنس کی ہر گتھی بآسانی حل کی جاسکتی ہے، جس سے تحقیق کا سیدھا راستہ صاف کھل جاتا ہے، جس کی مشکل کشائی سے اگر آدمی کام لے تو اس کا بہت سا وقت گتھیوں کو سلجھانے اور سلجھاتے سلجھاتے خود الجھ جانے میں ضائع نہ ہو۔ موجودہ سائنس کی گمراہی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ وہ حقائق واقعیہ کے مشاہدہ کی حد تک تو ٹھیک رہتا ہے، مگر جب ان حقائق کو جوڑ کر ان سے نظریات بناتا ہے تو کائنات فطرت کے مبدا و غایت سے ناواقف ہونے کے باعث ٹھوکریں کھاتا چلا جاتا ہے، اور اس سے نہ صرف بہت سی انسانی قوت فضول ضائع ہوتی ہے، بلکہ ان غلط نظریات کو جب انسانی تمدن میں جذب کر کے عملیات کی بنیاد اٹھائی جاتی ہے تو وہ فساد تمدن کی موجب ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کی رہنمائی میں جب ایک مسلم سائنٹسٹ ثابت شدہ حقائق کو نظریات سے الگ کر کے مرتب کرے گا اور مزید حقائق دریافت کر کے ان سے بہتر نظریات و نتائج نکال کر بتائے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا ان سائنٹیفک گمراہیوں کو چھوڑنے پر مجبور نہ ہو جائے جن میں آج وہ مبتلا ہے۔

جن علوم کو اس وقت علوم دینی کہا جاتا ہے ان کے لیے بھی الگ شعبے مخصوص ہونے چاہئیں مثلاً ایک شعبہ قرآن کے تحقیقی مطالعہ کا ہو جس میں پچھلے مفسرین کے کام کا جائزہ لینے کے بعد آگے مزید کام کیا جائے، مختلف پہلوؤں سے قرآن کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی جائے اور علوم انسانی کے تمام شعبوں سے استفادہ کر کے قرآن میں روز افزوں بصیرت حاصل کی جائے۔ اسی طرح ایک شعبہ علوم حدیث کا ہونا چاہیے جس میں قدیم محدثین کے کام سے پورا استفادہ کرنے کے بعد حدیث میں تحقیق، تنقید، ترتیب معلومات اور اخذ نتائج کا مزید کام کیا جائے، دور سعادت کے متعلق زیادہ سے زیادہ تفصیلات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی جائیں اور ان سے وہ نتائج اخذ کیے جائیں جو اب تک ہمارے علم سے مخفی ہیں۔ ایک شعبہ قانون کا ہونا چاہیے جس میں قرآن کے احکام، حدیث نبوی کی قولی و عملی تشریحات، صحابۂ کرام اور تابعین کے اجتہادات، اور ائمۂ مجتہدین کے طرز استنباط اور جزئیات میں انکی تفریعات کا مفصل تحقیقی مطالعہ کیا جائے، نیز دنیا کی دوسری پرانی اور نئی قوموں کے قوانین اور قانونی نظامات پر بھی گہری نظر رکھی جائے اور زندگی کے روز بدلنے والے مسائل و معاملات پر اصول قانون اسلامی کو منطبق کر کے فقہ

کہ اُن مضمونوں کو پھر سے رواں کیا جائے جو صدیوں سے سوکھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ شعبے نہ صرف بجائے خود بہت عظیم الشان کام انجام دیں گے، بلکہ دوسرے تمام شعبوں کو بھی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے متعلق انہی سے وہ مواد ملے گا جس کی بنیاد پر علم کی تمام راہوں میں تحقیق و اکتشاف کا کام چلایا جائے گا۔

تیسری خصوصیت میں نے چند شعبے محض تمثیلاً بیان کیے ہیں جن سے پورے نقشے کی تفصیلات کا ایک تصور بآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اب میں اس نظام تعلیمی کی آخری مگر نہایت اہم خصوصیت کا ذکر کروں گا، اور وہ یہ ہے کہ اس میں وہ بے مقصد تعلیم نہیں ہوگی جو آج کل ہندوستان میں دی جارہی ہے، بلکہ اس میں تعلیم دینے والے اور تعلیم پانیوالے دونوں کے سامنے ایک متعین اور واضح مقصد زندگی اور منتہائے سعی و عمل ہوگا، یعنی یہ کہ ان سب کو مسلک خدا پرستی کی امامت دُنیا میں قایم کرنے کے لیے جہاد کبیر کرنا ہے۔ یہ مقصد اُس نظام کی ہر چیز میں اسی طرح کام کریگا جس طرح انسانی جسم کی ہر رگ اور ہر ریشے اور ہر حرکت میں اُس کی روح کام کرتی ہے۔ طلبہ کی شخصی زندگی، ان کے باہمی اجتماعات، ان کے کھیل کود اور تفریحات، اور اُن کے درس و تدریس اور مطالعہ و تحقیق کے تمام مشاغل میں اسی مقصد کی کارفرمائی ہوگی، اسی کے مطابق ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کی جائے گی، اسی پر ان کے اخلاق ڈھالے جائیں گے، اور تمام ماحول ایسا بنایا جائے گا کہ ہر شخص کو ایک مجاہد فی سبیل اللہ میں تبدیل کردے۔

متوقع نتائج اس قسم کی تربیت اور اس قسم کی تعلیم پاکر جو لوگ تیار ہوں گے۔ ان میں یہ طاقت ہوگی کہ وہ اوقات کی رفتار بدل دیں۔ اُن کی محققانہ تنقید، جاہلیت کے علوم اور جاہلی تہذیب کی ساری بنیادوں کو ہلا دے گی۔ ان کے مدون کیے ہوے علوم میں اتنا زور ہوگا کہ جو لوگ آج جاہلیت کے نقطۂ نظر پر جمے ہوئے ہیں ان کو وہ کلامی نقطۂ نظر کی طرف پھیر لائینگے۔ ان کی تحقیق کے نتائج یورپ اور امریکہ اور جاپان تک کو متاثر کردیں گے اور ہر طرف سے معقول انسان ان کے نظریات کی طرف کھنچے چلے آئینگے۔ ان کا مرتب کیا ہوا نظریۂ حیات اور لائحۂ زندگی اتنی قوت کے ساتھ فکر و نظر کی دُنیا پر چھا جائے گا کہ عمل کی دُنیا میں اس کے خلاف کسی دوسرے لائحہ کا چلنا مشکل ہوگا۔ پھر اسی تعلیم سے اُس سیرت اور اُس عزم کے لوگ پیدا ہوں گے جو امامت کے نظام میں عملاً انقلاب برپا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ وہ اس انقلاب کے فن کو بھی جانتے ہوں گے، ان میں اس کے برپا کرنے کا مضبوط داعیہ بھی ہوگا، اور انھیں اپنی انقلابی تحریک کو خالص اسلامی راہوں پر چلانا بھی آتا ہوگا۔ پھر انہی میں یہ اہلیت بھی ہوگی کہ کامیابی کی منزل پر پہونچکر اسلامی اصول کے مطابق ایک اسٹیٹ ایک مکمل نظام تمدن کے ساتھ بناکر کھڑا کریں جس کی شکل اور روح اسلامی ہو اور جو دنیا میں امامت کرنے کی پوری طاقت و صلاحیت رکھتا ہو۔

عملی مشکلات حضرات! اس مرحلہ پر پہونچکر تین کٹھن سوالات سامنے آتے ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میری یہ معروضات سننے کے دوران ہی میں ان سوالات نے آپ کے دلوں میں خلش پیدا کرنی شروع کر دی ہوگی۔

نصاب اور معلمین کی تیاری پہلا سوال یہ ہے کہ یہ نیا نظام قایم کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ اس نئے طرز پر نہ تو پڑھانے والے ہی اس وقت کہیں مل سکتے ہیں اور نہ ایسی کتابیں ہی موجود ہیں جن سے کسی ایک شعبۂ علم کی تعلیم بھی اس نقشہ کے مطابق دی جا سکے، بلکہ شاید مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ پہلی جماعت کے بچے کو بھی اس طرز کی تعلیم دینے کے لیے کسی مدرس اور کسی کتاب کا ملنا اس وقت مشکل ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ایک نئی عمارت بنانے کے لیے بھٹہ تیار کرنا پڑتا ہے تاکہ اینٹیں پکائی جائیں اسی طرح آپ کو نیا نظام تعلیم بنانے کے لیے بھی ایک تربیت گاہ بنانا ضروری ہے تاکہ اس میں وہ آدمی تیار کیے جائیں جو اس خاص طریقہ کی تعلیم دینے کے قابل ہوں۔ اینٹیں بھی تو آپ کو پکی پکائی نہیں ملتیں۔ پکانی پڑتی ہیں۔ آدمی بھی آپ کو بنے بنائے نہیں ملیں گے۔ بنانے پڑیں گے۔ اسی نظام تعلیم سے کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی فارغ ہو کر نکلے ہیں جو فطرت ابراہیمی پر پیدا ہوئے ہیں۔ کافرگر تعلیم و تربیت کے سارے مرحلوں سے گزرنے کے باوجود اپنا ایمان بچا لائے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر اور مقصدِ زندگی اسلامی ہے یا ذرا سی محنت سے خالص اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ ان میں یہ طاقت بھی موجود ہے کہ جس مقصد پر وہ ایمان لائے ہیں اس کی راہ میں جفاکشی کر سکیں۔ ان میں اجتہادی صلاحیتیں بھی موجود ہیں۔ ایسے لوگوں کو لے کر اگر خاص قسم کی ذہنی و اخلاقی تربیت دی جائے، اور معلومات جس ترتیب سے اُن کے ذہن میں اب تک جمع ہوتی رہی ہیں اُن کو ذرا حکمت کے ساتھ بدل دیا جائے، اور زاویۂ نگاہ اچھی طرح اسلام کی سمت میں جما دیا جائے، تو یہی لوگ تحقیق و مطالعہ سے اس قابل ہو سکتے ہیں کہ علوم کو میرے بیان کردہ نقشہ کے مطابق از سرِ نو مدون کرنا شروع کر دیں۔ پھر جب تدوین علوم کا کام کسی حد تک انجام پا جائے تو ایک نمونہ کی درسگاہ ابتدائی تجربوں کے لیے بنائی جا سکتی ہے، اور بعد میں آہستہ آہستہ اسے ترقی دے کر یونیورسٹی کے مرتبہ تک پہونچایا جا سکتا ہے۔

متعلمین کی فراہمی دوسرا سوال یہ ہے کہ اس قسم کا نظام تعلیم اگر قایم بھی کر دیا جائے تو اس میں جاذبیت کونسی ہوگی جو پڑھنے والوں کو اس کی طرف کھینچے گی؟ جو نظام تعلیم موجودہ نظامات تمدن و سیاست کی خدمت کے لیے نہیں بلکہ ان سے لڑنے کے لیے بنایا جائے اس میں شریک ہونے والے کو یہ تو امید ہو ہی نہیں سکتی کہ کل وہ وہاں سے نکل کر کچھ کما کھائے گا، پھر کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو کمانے سے بے نیاز ہو کر اُس تعلیم کو حاصل کرنے کیلیے آئینگے جس کے بعد دنیوی لحاظ سے کوئی خاندار مستقبل نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نظام تعلیم میں حق اور صداقت کے سوا کوئی کشش نہیں ہے اور

کسی دوسری کشش کی حاجت بھی نہیں۔ جن لوگوں کے لیے اس چیز میں جاذبیت نہ ہو اور صرف روٹی ہی جن کو کھینچ سکتی ہو ان کی توجہ فرمائی سے یہ نظام تعلیم خود بھی اتنا ہی بے نیاز ہوگا جتنے وہ اس سے بے نیاز ہیں۔ اس کے لیے تو وہ لوگ درکار ہیں جو جان بوجھ کر اس مقصد اور اس کام کے لیے اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی وقف کرنے پر تیار ہوں جس کے لیے یہ نظام تعلیم بنایا جائے گا۔ اور ایسے لوگ بالکل ہی مفقود نہیں ہیں۔ تمام ہندوستان سے کیا پچاس بچے بھی ہر حال اس کام کے لیے نہ مل سکیں گے؟ اگر اتنے بچے بھی وہ قوم فراہم نہیں کر سکتی جو مدتوں سے اسلام اسلام چیخ رہی ہے تب بھی کچھ پروا نہیں۔ اللہ دوسری قوموں کو یہ سعادت بخشے گا۔

مال کا سوال تیسرا اور آخری سوال یہ ہے کہ اس کام کے لیے مال کہاں سے آئے گا؟ اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس سے جو مال اور ایمان دونوں رکھتے ہوں اور اتنی عقل بھی رکھتے ہوں کہ اپنے مال کا صحیح مصرف سمجھ سکیں۔ ایسے لوگ بھی اگر اس قوم میں نہ پائے گئے جو رات دن اسلام کے درد میں تڑپ رہی ہے تو میں پھر یہی کہوں گا کہ کچھ پروا نہیں، اللہ دوسری قوموں میں سے ایسے آدمی پیدا کرے گا۔ آخر پہلے بھی تو کفر و شرک ہی کی گود سے وہ اللہ کے بندے نکل کر آئے تھے جن کی مالی قربانیوں سے دنیا میں اسلام کا فروغ ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا ایک خاص نظریہ

علم الاخلاق اور علم المعیشت کا باہمی ربط و تعلق

(از جناب مولٰنا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاری)

["الفرقان" کی گزشتہ اشاعت میں "شاہ ولی اللہ نمبر" کے جدید ایڈیشن میں اضافات کی خوشخبری سُناتے ہوئے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ ان اضافات کو بعد میں "الفرقان" کے عام شماروں میں بھی شایع کر دیا جائے گا تاکہ ہمارے جن ناظرین کے پاس "نمبر" کا پہلا اڈیشن ہے وہ بھی اُن کو ملاحظہ فرما سکیں۔ مولٰنا حفظ الرحمٰن صاحب کا یہ مقالہ "نمبر" کے دوسرے ایڈیشن کا اہم ترین اضافہ ہے جو اپنے اُس وعدہ کے مطابق یہاں ہدیہ ناظرین کرام کیا جا رہا ہے ۔۔۔ اس مقالہ میں "اخلاق" اور "معیشت و اقتصاد کے باہمی ربط و تعلق" کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے ایک خاص نظریہ اور جلیل القدر تحقیق کو (جس کی قدر و قیمت کو آجکل خاص طور سے سمجھا جا سکتا ہے) وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ۔۔۔ مولٰنا سندھی مدظلہ کا جو مقالہ "نمبر" میں شایع ہو چکا ہے اس کی آخری فصل میں بھی شاہ صاحب کی اس تحقیق کا ذکر ہے لیکن وہاں یہ چیز بہت اختصار کے ساتھ آئی تھی، اور موضوع کی ندرت و اہمیت کے پیش نظر ضرورت اس کی توضیح و تفصیل کی تھی جو بحمد اللہ اس مقالہ سے پوری ہو گئی۔　　مدیر]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقالہ کا موضوع اس مقالہ کا اصل موضوع "علم الاخلاق کے ساتھ علم المعیشت کا تعلق" ہے مگر حکماء اسلام میں چونکہ حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ (نور اللہ مرقدہ) نے اس "تعلق" کو "علم الاخلاق" میں بہت اہمیت دی ہے اور حکمت ولی اللٰہی میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ اس لیے اگر ہم اس کی تعبیر ان الفاظ میں کریں کہ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کا خصوصی امتیاز کیا ہے تو یہ صحیح اور برمحل ہوگا۔

حکمت کی تعریف جدید و قدیم فلاسفر اور حکماء نے فلسفہ اور حکمت کی جو تعریفیں کی ہیں اُن کا خلاصہ اور نچوڑ اس طرح کیا جاسکتا ہے:-

"حکمت نام ہے قول و عمل میں درست کاری اور حق و راستی کی معرفت کا۔ پس اگر یہ معرفت اور درست کاری اشیاء کے پوشیدہ اسرار، اور اسباب و مسببات کے باہمی تعلق و ارتباط سے آگاہ کرتی ہے تو اس کو حکمتِ علمیہ کہتے ہیں"!

اسی بڑی حقیقت کو قرآنِ عزیز نے اپنے معجزانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:-

من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا (بقرہ)　　جس شخص کو "حکمت" سے حصہ دیا گیا ہے بلاشبہ اس کو زبردست بھلائی دی گئی، اور بہت بڑا کمال بخشا گیا۔

اور اگر مسطورہ بالا معرفت اور آگاہی رموزِ قدرت کے مطابق ہر شے کو اس کے مناسب جگہ دے تو اس کو "حکمت عملی" کہا جاتا ہے۔ [۱]

حکمت کی عظمت حکمت اپنے اندر کیسے عظیم الشان کمالات رکھتی ہے اور حیاتِ انسانی کے ارتقاء میں اس کا درجہ کس قدر بلند اور پُرعظمت ہے؟ اس کا اندازہ جدید اور قدیم علمی کائنات کے اُس ذخیرہ سے ہو سکتا ہے جو علمی نظریوں اور عملی سائنس کے ذریعہ ہماری مادی زندگی کی ترقی اور سربلندی کی بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا، اور دے رہا ہے۔ نیز ہماری روحانی نشو و نما اور کمالات کے ارتقاء کا ضامن اور کفیل ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خالقِ علوم نے اپنی ذات کے ساتھ اس کمال کو متصف ظاہر کیا ہے۔

انک انت العلیم الحکیم [۲]　　بلاشبہ تو ہی علم والا، حکمت والا ہے (یعنی سرچشمۂ علم و حکمت ہے)

حکمت اور علم الاسرار یہی حکمت جب "قوانین الٰہی" (شریعتِ حقہ) کے رازہائے سربستہ اور حقائق و رموز سے آگاہی میں استعمال کی جاتی ہے تو اس کا نام "علم الاسرار" ہو جاتا ہے۔ اس وقت اُس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ وہ بتائے کہ دین و مذہب کے قوانین و اصول کس طرح عقل و فطرت (نیچر) سے مطابقت رکھتے اور کس طرح کائنات کے انفرادی و اجتماعی نظام کے لیے باعث فلاح و سعادت ہیں۔

---

[۱] مدارج السالکین جلد ۲ صفحہ ۳۳۳　　[۲] اخلاق جلالی صفحہ ۲۶

دینی فلاسفر و حکماء | اسلام میں سرتاج انبیاء محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد فلسفہ و حکمت کے اس خاص شعبہ "علم الاسرار" کا معلم اول عمر بن الخطاب (فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) ہے اور معلم ثانی علی بن ابی طالب (حیدر کرار رضی اللہ عنہ) کو سمجھا جاتا ہے عورتوں میں یہ سعادت سب سے پہلے "عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے حصہ میں آئی۔

اس کے بعد اسلامی گہوارہ میں بہت سی ماؤں نے ایسے بچوں کی پرورش کی جو غزالی، قشیری، رازی، ابن تیمیہ، ابن قیم اور احمد سرہندی بن کر اس فلسفہ و حکمت کے "امام" کہلائے۔

حکیم الامت امام ولی اللہ دہلوی | لیکن بارھویں صدی ہجری کے شروع میں یو. پی کے غیر معروف قصبہ پھلت میں معلم اول حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کی نسل سے ایک بچہ نے عالم وجود میں قدم رکھا، والدین کی جانب سے اگرچہ اس کو احمد سے موسوم کیا گیا لیکن اپنی فطری کمالات اور "علم و اسرار حکمت" کی امامت کبریٰ نے اس آفتاب حکمت کو دارالسلطنت دہلی میں "ولی اللہ" کے لقب سے مشہور کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ فیلسوف امت ولی اللہ دہلوی نے حکمت ربانی اور فلسفہ الٰہی کا جو "اسلوب" قائم کیا وہ اپنے تمام پیشروؤں سے زیادہ ممتاز اور اپنی حیثیت سے بہت زیادہ وقیع ہے۔ یہی نہیں بلکہ تمام اسلامی و غیر اسلامی حکماء و فلاسفر کے نظریہ اخلاق میں وہ حقیقت مفقود نظر آتی ہے جو اس حکیم و فیلسوف کے یہاں بدرجہ کمال پائی جاتی ہے۔

حکیم الامت کا نظریہ اخلاق | شاہ ولی اللہ بہت سی پرعظمت کتابوں کے مصنف ہیں جو مختلف علوم و فنون کا نادر ذخیرہ ہیں مگر ان کی تصنیفی زندگی کا شاہکار "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ یہ کتاب علوم عقلیہ و نقلیہ کا بیش بہا گوہر اور انمول موتی ہے "علم اسرار" اور "حکمت ربانی" کے پیش نظر شاہ صاحب نے اس میں وہ سب کچھ سپرد قلم کر دیا ہے جو انسانی سعادت کے انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں اور دنیوی و اخروی دونوں زندگیوں سے متعلق ہے۔

اس کتاب کا ایک حصہ "علم الاخلاق" سے متعلق ہے جس میں اخلاق کے علمی نظریوں اور عملی درست کاریوں کو بہترین طرز نگارش کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

دوسری کتابوں میں جب آپ "علم الاخلاق" کے ان مباحث کا مطالعہ کریں گے جن میں "علم الاخلاق کا دوسری علوم سے تعلق" پر بحث کی گئی ہے تو تمام علماء اخلاق اور حکماء و فلاسفر کو اس پر متفق پائیں گے کہ وہ اس سلسلہ میں علم مابعد الطبیعۃ (میٹافزکس) فلسفہ طبیعی (فزکس) علم الارتقاء (ایولیوشن) علم النفس (سائیکالوجی) علم المنطق (لاجک) جمالیات (استھٹک) فلسفہ قانون (فلاسفی آف لا) علم الاجتماع (سوشیالوجی) اور فلسفہ تاریخ (فلاسفی آف ہسٹری) کا تو ذکر کرتے ہیں لیکن کسی ایک جگہ بھی یہ اشارہ نہیں کرتے کہ "علم اخلاق" کا کوئی تعلق اجتماعی علم المعیشت سے بھی ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو کس طرح کا ہے؟

ارسطو کی کتاب الاخلاق، فلسفۂ اخلاق میں ابن مسکویہ کی کتاب السعادۃ اور تہذیب الاخلاق، ماوردی کی ادب الدنیا والدین، غزالی کی احیاء العلوم، راغب کی الذریعہ، ابن قیم کی مدارج السالکین اور اسی قسم کی دوسری اخلاقی کتابوں میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں ملتا، مشہور حکما و فلاسفر اور علما، اخلاق کے تمام مباحثِ اخلاق کو غور و خوض سے مطالعہ کرنے کی باوجود اس سلسلہ میں ناکامی کے سوائے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ چنانچہ قدیم علما و حکمار مثلاً ارسطو، فلاطون، سقراط، منکہ ہندی، رواقی، ابیقوریین، کندی، فارابی، ابن سینا، غزالی، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد، ابن خلدون، ابن ہثیم، ابن عربی، ابن مسکویہ، اور اخوان الصفا کے بیان کردہ اخلاقی نظریے، جس طرح اس مسئلہ میں تہی دامن ہیں اُسی طرح جدید علمار اخلاق مثلاً کانٹ، اسپنسر، شوپنہار، دیکارٹ فرنساوی، بنتھم اور جون اسٹورٹ مل، اسپنوزا، جرین، ہیگل کے حکمت و فلسفہ کے تمام اخلاقی نظریے بھی اس سوال کے جواب میں واماندہ و بیچارہ نظر آتے ہیں۔

حالانکہ جرمن فلاسفر آگسٹ کمٹ اور کانٹ اور انگریز فلاسفر ہربرٹ اسپنسر تو اُن مشاہیر فلاسفروں میں سے ہیں جنھوں نے "علم الاخلاق" کے ساتھ "علم الاجتماع" اور "علم الارتقاء" کو منطبق کرنے کے لیئے بہت سے جدید اور وسیع نظریوں سے کام لیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی پروازِ خیال اس رفعت و بلندی تک نہ پہونچ سکی جو ولی اللہ دہلوی کے حصہ میں آئی۔

متاخرین علمائے اخلاق عارف رومی، سعدی اور شیخ سرہندی نے اخلاقیات پر بہت کچھ کہا اور خوب کہا مگر دنیا کے اجتماعی اخلاق کی بہتری یا بربادی پر جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہے اور ہوتی رہی ہے یعنی "اجتماعی اقتصادیات" اُس کا نشان یہاں بھی نہیں ملتا۔

غرض "ولی اللہ دہلوی" کی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" وہ پہلی کتاب ہے جس نے ہم کو اس بیش قیمت علمی نظریہ سے روشناس کرایا کہ "اجتماعی علم اخلاق کی فلاح و سعادت، اجتماعی معاشیات کے عادلانہ نظام پر موقوف ہے" اور یہ کہ دنیا کی قوموں کا اجتماعی اخلاق اس وقت تک صحیح اور بہتر نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُن کے درمیان ایک ایسا اجتماعی اقتصادی نظام قایم نہ ہو جائے جو افراط و تفریط سے پاک عادلانہ اصول رکھتا ہو۔

امام الحکمۃ ولی اللہ، کے علاوہ تمام علمار اخلاق جدید ہوں کہ قدیم، یہ سمجھتے رہے ہیں کہ قوموں کے اجتماعی اخلاق کو "حسین" بنانے کے لیے عمدہ اخلاقی نظریوں کے غازہ کی ضرورت ہے اس لیئے اُنھوں نے جدید علم الاخلاق کو علم الاجتماع پر منطبق کرنے کی زبردست کوشش کی ہے۔ مگر ان تمام علما سے جُدا ولی اللہ دہلوی نے یہ دعوےٰ کیا کہ اجتماعی اخلاق کا حُسن اُس وقت تک نہیں نکھر سکتا جب تک کہ اقوام کے اجتماعی جسم کو فاسد معاشی نظام کے

جذام سے صحت نہ ہو جائے۔ اگر یہ ہو جائے تو پھر اجتماعی اخلاقیات کا تازہ خون خود بخود جسم اقوام میں دوڑنے لگے گا۔ اور اس کے حسن و زیبائش کیلئے کسی خارجی پوڈر اور غازہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اجمال کی تفصیل اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علماء اخلاق کے نزدیک یہ تسلیم شدہ مسئلہ ہے کہ علم اخلاق کا علم الاجتماع کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اور وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں:۔

"انسان کی زندگی اجتماعی زندگی کے بغیر ناممکن ہے، لہذا وہ ہمیشہ کسی نہ کسی جماعت کا فرد ہو کر ہی زندہ رہ سکتا ہے، اور یہ ہماری قدرت سے باہر ہے کہ ہم کسی ایک فرد کے فضائل سے اس طرح بحث کریں کہ جس جماعت کی جانب وہ منسوب ہے اس سے بالکل قطع نظر کر لیں اس لیے کہ اس کے بغیر ہم یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ جس جماعت سے اس کا تعلق ہے اس کے اندر وہ کون سے اوصاف ہیں جن سے فضائل و محاسنِ اخلاق میں مدد ملتی یا رکاوٹ پیدا ہوتی ہے؟[1]"

"حقیقت حال یہ ہے کہ انسان نہ صرف کسی ایک بلکہ بہت سے روابط کے ساتھ ناگزیر طور پر مربوط ہے، اور اس طرح وہ اپنے کنبہ کا بھی عضو ہے، شہر و قریہ کا بھی، قوم کا بھی فرد ہے اور پھر تمام انسانی دنیا کا بھی[2]"

ان حقائق کے پیش نظر انفرادی اخلاق کا تعلق اجتماعی اخلاق کے ساتھ ایک ناگزیر امر ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو پھر بلاشبہ علم الاخلاق کا تعلق علم الاجتماع کے ساتھ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے[3] اور شاہ ولی اللہ نے خصوصیت کے ساتھ "بحث ارتفاقات" کے عنوان سے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے[4]۔

پس اس مسلّمہ عقیدہ نے "انفرادی اخلاق" کے مقابلہ میں "اجتماعی اخلاق" کی برتری پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور یہ واضح کر دیا کہ حیات انسانی میں اجتماعی اخلاق کی قیمت بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کی افادیت بہت زیادہ ہے۔

لیکن علماء اخلاق میں یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ "اجتماعی اخلاق" میں سے کس خلق کو شرف اور برتری حاصل ہے کتب اخلاق میں اس بحث کو "فضیلت" کے باب میں بیان کیا جاتا ہے اور اس میں سقراط، ارسطو، افلاطون، ابن مسکویہ اور دور حاضر کے علماء اخلاق کے مباحث کو تفصیل سے نقل کیا گیا ہے ان مباحث کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] اخلاق و فلسفۂ اخلاق ص ۲۲۳، [2] ایضاً ص ۲۲۵ [3] مختصر از اخلاق و فلسفہ ص ۲۲۵ تا ۲۲۶ [4] حجۃ اللہ جلد ۱ ص ۳۸، ۳۹

سقراط "ہر شے کی صحیح معرفت" کو سب سے بڑی فضیلت تسلیم کرتا ہے، ارسطو نظریۂ "اوساط"، کا قائل ہے یعنی ہر دو رذائل کے درمیان ایک فضیلت پوشیدہ ہے۔

افلاطون کبھی اپنے استاد سقراط کی تقلید کرتا نظر آتا ہے اور کبھی "خواہشاتِ نفس پر ضبط اور کنٹرول" کو سب سے بڑی فضیلت شمار کرتا ہے۔

ابن مسکویہ ارسطو کی تائید میں مصروف ہے، اور دورِ حاضر کے علماء فضائلِ اجتماعیہ کو بغیر کسی برتری اور فضیلت کے مختلف اقسام میں تقسیم کرتے نظر آتے ہیں، لیکن ولی اللہ دہلوی نے اصول اخلاق کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے "اجتماعی اخلاق"، کیلئے صرف ایک ہی فضیلت کو "اصل" اور "معیار" قرار دیا ہے۔ اور وہ "عدل"، ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

"عدالت ہی ایک ایسی اساس ہے کہ جب انسانی اطوارِ زندگی مثلاً نشست و برخاست، خواب و بیداری، رفتار و گفتار، اور شکل و لباس وغیرہ میں اس کا لحاظ کیا جائے تو اس کو "ادب" کہتے ہیں اور جب مالی حیثیت یعنی جمع و خرچ سے متعلق امور میں اس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کا نام کفایت ہے، اور اگر تدبیر منزل میں اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو وہ آزادی (سول لبرٹی) کہلاتی ہے اور اگر تدبیر مملکت میں اس کو بنیاد بنایا جائے تو اس کو "سیاست" کہا جاتا ہے، اور اگر اس کو باہمی اخوت و محبت اور تعلقات میں اساس بنایا جائے تو اسی "عدل" کو حسنِ معاشرت کا نام دیا جاتا ہے۔[1]"

"اجتماعی اخلاق میں "عدل"، کی حیثیت کو جس طرح شاہ صاحب نے ظاہر فرمایا ہے علماء اخلاق کیلئے یہ ایک ایسا بہترین نظریہ ہے جو "فضیلت" سے متعلق، قدیم و جدید تمام مباحث کے اختلاف کیلئے ایک "محاکمہ" اور فیصلہ کن مسئلہ کی طاقت رکھتا ہے اور اس سے اجتماعی اخلاق میں "عدل" کی برتری کے ساتھ ساتھ وہ تمام مشکلیں بھی حل ہو جاتی ہیں جو "فضیلت" کی بحث میں علماء اخلاق کے سامنے رونما ہیں۔

"عدل" کا تعلق نظام انسانی سے فیلسوفِ امت شاہ ولی اللہ، اجتماعی اخلاق میں "عدل"، کو یہ حیثیت کیوں دیتے ہیں؟ اس کا جواب خود انھوں نے "عدل" کی تعریف کرتے ہوئے دیا ہے۔ حجۃ اللہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"عدالت ایک ملکہ کا نام ہے جس کے ذریعہ سے تدبیر منزل، سیاستِ مملکت اور اسی قسم کے اجتماعی معاملات کیلئے سہولت اور آسانی کے ساتھ ایک عادل اور بہترین نظام قایم ہو جاتا ہے" اصل

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۶۹۔

ہو ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جس سے ایسے لطیف افکار کلیہ اور سیاسیاتِ عالیہ پھوٹ نکلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے عالم روحانیات کے نزدیک ٹھیک اور مناسب ہوں[۵۱]۔

اور فیوض الحرمین میں خلقِ حسن "سمت صالح" کی بحث میں فرماتے ہیں:۔

اخلاق انسانی میں ایک خلق کا نام "سمتِ حسن" (نیک سرشت) ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے نفسِ ناطقہ اُن اعمال و اخلاق میں بیداری اور توجہ کامل حاصل کر لیتا ہے جو اس کے اور خدا کے درمیان اور اس کے اور خدا کی تمام مخلوق کے درمیان وابستہ ہیں اور ایسے "نظام صالح" کی جانب راہ دیا جاتا ہے جو رضاء الٰہی کا منشا رہے۔

سو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کو ان اعمال و اخلاق کی سمجھ عنایت کرتا اور "عادلانہ نظام" کی جانب راہنمائی کرتا ہے[۵۲]۔

معیشت کا نظام اور علم الاخلاق اس طویل بحث کو اب اس طرح ترتیب دیجیے کہ "انسان" اگر اخلاقِ کریمانہ سے متصف نہیں ہے تو پھر وہ حیوانوں اور چوپاؤں سے بھی بدتر ہے اور اس آیت کا مصداق ہے۔

لھم قلوب لا یفقھون بھا و لھم اعین	اُن کے دل ہیں پر سمجھتے نہیں، اُن کے آنکھیں
لا یبصرون بھا و لھم اذان لا یسمعون	ہیں پر دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پر
بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل	اُن سے سنتے نہیں، یہ چوپاؤں کی طرح ہیں
اولئک ھم الغافلون (الاعراف)	بلکہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں، یہی ہیں
	جو غفلت میں سرشار ہیں۔

اخلاق میں انفرادی اخلاق سے زیادہ اجتماعی اخلاق کا مرتبہ ہے۔ قرآن عزیز نے اگرچہ جدا جدا ہر قسم کے اخلاقی اصول بیان کیے ہیں لیکن جس آیت کو جامع اخلاق کہا گیا اس میں اُن ہی اخلاقِ کریمانہ کا ذکر ہے جو اجتماعی اخلاق کہلاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان و	بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے عدل کا احسان کا
ایتاءِ ذی القربیٰ	اور قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک اور داد و دہش کا۔

پھر یہی آیت اس کیلیے بھی فیصلہ ناطق ہے کہ اجتماعی اخلاق میں بھی عدل کا درجہ بلند و بالا ہے اس لیے کہ

۵۱ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۶۸-۶۹ ۵۲ فیوض الحرمین ص ۸۰

"عدل" ذاے احسان تک رسائی ہوتی ہے، اور "عدل" ہی "ایتاء ذی القربیٰ" کی توفیق بخشتا ہی۔ اس لیے آیت میں اسکو اولیت کا شرف بخشا گیا۔

پھر عدل ہی اس چیز کو منصۂ شہود پر لاتا ہے جو اجتماعی اخلاق بلکہ اجتماعی حیات کا مدار ہے یعنی نظام صالح۔ بلاشبہ یہ ایک محور و مرکز ہے اور تمام اجتماعی مسائل اسی کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں، صرف اسی کے وجود سے اجتماعیات کا وجود ہی اور اسی کے فساد و فنا میں اجتماعیات کا فساد و فنا مضمر ہے۔

الحاصل ان ہر سہ درجات و منازل کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ عادل و صالح نظام کی صلاحیت اور اسکا فساد کس شے کے ساتھ وابستہ ہی؟ یہ بظاہر ایک بہت معمولی سوال ہے لیکن اپنی حقیقت کے پیش نظر بہت اہم اور اجتماعی حیات پر بہت زیادہ اثر انداز ہے۔

ارسطو کی کتاب الاخلاق اس کا جواب صرف یہ دیتی ہے کہ "صالح نظام" کا وجود "حصولِ سعادت" پر موقوف ہی جو اخلاقیات کے لیے "خیر اعلیٰ" ہے لیکن "سعادت" کس طرح ہم کو ایک مکمل اجتماعی صالح نظام تک پہنچاتی ہی، اسکا جواب ارسطو کے پاس نفی میں ہی، البتہ وہ "علم الاخلاق" سے الگ ہوکر اسکا جواب سیاسیات میں ڈھونڈنے کی سعی کرتا ہی اور اس طرح "نظام اجتماعی" کو اخلاق سے جدا کر دیتا ہی

سقراط اور افلاطون کے یہاں بھی یہی حال نظر آتا ہے اور اسی طرح ان کے متبعین مسلمان فلاسفروں اور حکماء کا حال ہے۔ ابن سینا، فارابی، ابن مسکویہ، ابن رشد اس سلسلہ میں یہ سب اسی اسکول کو مانتے چلے آتے ہیں جس کی طرح یونانی فلاسفروں نے ڈالی تھی۔

امام غزالی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عربی اور رومی اگرچہ اخلاقیات میں ایک مستقل اسکول رکھتے اور ان کے لیے بہترین نوامیس قائم کرتے ہیں، تاہم اس سوال کے جواب میں "عدل" تک پہونچکر وہ بھی خاموش ہو جاتے ہیں اور ان کا فکر اس سے اوپر پرواز کرنے کو تیار نظر نہیں آتا۔

لیکن اس سوال کا جواب امام الحکمت ولی اللہ دہلوی کے پاس موجود ہے، اور بلاشبہ انھوں نے "صالح عادل نظام" کی صلاحیت کو جس اصل اور ناموس پر قائم کیا ہے وہ انھیں کا طغرائے امتیاز ہی چنانچہ فرماتے ہیں:۔

> جب پارسیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیش کو انھوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک کو بھلا دیا اور شیطان نے ان پر غلبہ کر لیا تو اب ان کی تمام زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی کے اسباب میں منہمک ہو گئے اور آپس میں کا تنفس سرمایہ داری اور تمول پر فخر کرنے اور اترانے لگا، یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے ماہرین جمع ہوگئے جو

بجا عیش پسندوں کو داد عیش دینے کے لیے عیش پسندی کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے اور سامانِ عیش مہیا کرنے کے لیے عجیب و غریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے، اور قوم کے اکابر اس جد و جہد میں مشغول نظر آنے لگے کہ اسباب تعیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق ہو سکتے، اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ اُن کے اُمراء اور سرمایہ داروں کے لیے یہ سخت عیب اور عار سمجھا جانے لگا کہ اُن کی کمر کا پٹکہ یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا ہو، یا اُن کے پاس عالیشان سر بفلک محل نہ ہو جس میں پانی کے حوض، سرد و گرم حمام، بے نظیر پائیں باغ ہوں اور ضرورت سے زائد نمائش کے لیے بیش قیمت سواریاں حشم و خدم اور حسین و جمیل باندیاں موجود ہوں، اور صبح و شام رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوں اور جام و سبو سے شراب ارغوانی چھلک رہی ہو، اور فضول عیاشی کے وہ سب سامان مہیا ہوں جو آج بھی تم عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہو، اور جس کا ذکر قصۂ طولانی کے مرادف ہے

غرض یہ غلط اور گمراہ کن عیش اُن کے "معاشی نظام" کا اصل الاصول بن گیا تھا۔ اور کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ یہ صرف نواب اور امراء کے طبقہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ پوری مملکت میں ایک عظیم الشان آفت اور وباء کی طرح سرایت کر گیا تھا اور عوام و خواص سب میں یہی جذبۂ فاسد پایا جاتا اور ان کے "معاشی نظام" کی تباہی کا باعث بن رہا تھا۔

نتیجہ یہ تھا کہ مملکت کی اکثریت پر یہ حالت طاری تھی کہ دلوں کا امن و سکون مٹ گیا تھا نا امیدی کاہلی بڑھتی جاتی تھی اور بہت بڑی اکثریت رنج و غم اور آلام و مصائب میں گھری نظر آتی تھی، اس لیے کہ ایسی مفرطانہ عیش پرستی کے لیے زیادہ سے زیادہ رقوم اور آمدنی درکار تھی اور وہ ہر شخص کو مہیا نہ تھی، البتہ اس کے لیے بادشاہ، نواب، امراء اور حکام نے معاشی دست برد شروع کر دی، اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ کاشتکاروں، تاجروں، پیشہ وروں اور اسی طرح دوسرے کاروباریوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر کے اُن کی کمر توڑ دی، اور انکار کرنے پر اُن کو سخت سے سخت سزائیں دیں، اور مجبور کر کے اُن کو ایسے گھوڑوں اور گدھوں کی طرح بنا دیا جو آبپاشی اور ہل چلانے کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اور پھر کاشتکاروں اور مزدور پیشہ لوگوں کو اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ اپنی حاجات و ضروریات کے مطابق بھی کچھ پیدا کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ ظلم و بد اخلاقی کی انتہا ہو گئی تھی۔

اس پریشاں حالی اور افلاس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کو اپنی اخروی سعادت و فلاح اور خدا سے رشتہ اور بندگی جوڑنے کے لیے بھی مہلت نہ ملتی تھی۔ اور اس "فاسد معاشی نظام" کا ایک مکروہ پہلو یہ بھی تھا کہ جن صنعتوں پر نظام عالم کی بنیاد قایم ہے وہ اکثر یک قلم متروک ہو گئیں اور امراء و رؤسا کی مرضیات و خواہشات کی تکمیل ہی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بہتر حرفہ شمار ہونے لگا۔

اور جمہور کی یہ حالت تھی کہ اُن کی تمام زندگی بداخلاقیوں کا نمونہ بن گئی تھی اور اُن میں سے اکثر کا گزارہ بادشاہوں کے خزانوں سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہو گیا تھا۔ مثلاً ایک طبقہ جہاد کیے بغیر باپ دادا کے نام پر مجاہدین کے نام سے وظیفہ خواری کر رہا ہے، تو دوسرا "مدبرین مملکت" کے نام سے پل رہا ہے، کوئی بادشاہ اور اُمراء کی خوشامد میں قصہ خوانی کر کے شاعری کے نام سے وظیفہ پا رہا ہے تو کوئی صوفی اور فقیر بن کر دُعا گوئی کے زمرہ میں مالی استحصال کر رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسبِ معاش کے بہترین طریقوں کا فقدان تھا اور ایک بڑی جماعت چاپلوسی مصاحبت چرب زبانی اور دربار داری کے ذریعہ معاش حاصل کرنے پر مجبور ہو گئی تھی اور یہ ایک ایسا فن بن گیا تھا جس نے اُن کے افکارِ عالیہ اور ذہنی نشو و نما کی تمام خوبیاں مٹا کر پست و ارذل زندگی پر قانع کر دیا تھا۔

پس جب یہ فاسد مادہ وبا کی طرح پھیل گیا اور لوگوں کے دلوں تک سرایت کر گیا تو اُن کے نفوس دنائت و خست سے بھر گئے اور اُن کی طبائع، اخلاقِ صالحہ سے نفرت کرنے لگیں، اور اُن کے تمام اخلاقِ کریمانہ کو گھن لگ گیا، اور یہ سب اُسی "فاسد معاشی نظام" کی بدولت پیش آیا جو عجم و روم کی حکومتوں میں کارفرما تھا۔

آخر جب اس مصیبت نے ایک بھیانک شکل اختیار کر لی اور مرض ناقابلِ علاج حد تک پہنچ گیا تو خدائے تعالےٰ کا غضب بھڑک اُٹھا اور اُس کی غیرت نے تقاضہ کیا کہ اس مہلک مرض کا ایسا علاج کیا جائے کہ فاسد مادہ جڑ سے اکھڑ جائے اور اُس کا قلع قمع ہو جائے۔

اُس نے ایک "نبی اُمی" (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث کیا اور اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا، وہ آیا اور اُس نے روم و فارس کی ان تمام رسوم کو فنا کر دیا، اور عجم و روم کے رسم و رواج کے خلاف صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی

اس نظام میں فارس وروم کے فاسد نظام کی قباحت کو اس طرح ظاہر کیا کہ معاشی زندگی کے اُن تمام اسباب کو یک قلم حرام قرار دیا جو عوام اور جمہور پر معاشی دست برد کا سبب بنتے اور مختلف عیش پسندیوں کی راہیں کھول کر حیات دنیوی میں بیجا انہماک کا باعث ہوتے ہیں مثلاً مردوں کے لیے سونے چاندی کے زیورات اور حریر و دیبا کے نازک کپڑوں کا استعمال، اور تمام انسانی نفوس کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال اور عالیشان کوشکوں اور رفیع الشان محلات وقصور کی تعمیر اور مکانوں میں فضول زیبائش و نمائش وغیرہ کہ یہی فاسد نظام کے ابتدائی منازل اور معاشی نظام کی تباہی کا منشاء و مولد ہیں۔

بہر حال خدائے تعالیٰ نے اُس ہستی کو اخلاق کریمانہ اور نیک نہادی کا معیار اور ان تمام اُمور کے لیے میزان بنادیا۔

اسی طرح شاہ صاحب ”ارتفاقات“ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

”یہ واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا منشاء اگرچہ بالذات عبادات الٰہی سے متعلق ہے مگر عبادات کے ساتھ ساتھ اس منشاء میں رسوم فاسدہ کو فنا کر کے اجتماعی زندگی میں بہترین نظام کا قیام بھی شامل ہے، اسی لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق — میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔

اور اسی لیے اُس مقدس ہستی کی تعلیم میں ”رہبانیت“ کو اخلاقی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ انسانوں کی باہم اختلاط و اجتماع کی زندگی کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اس اجتماعیت کا امتیاز یہ قرار دیا ہے کہ اُس کے معاشی نظام میں نہ دولت و ثروت کو وہ حیثیت حاصل ہو جو عجمی بادشاہوں کے یہاں حاصل تھی اور نہ ایسی کیفیت ہو کہ تمدن سے بیزار دہقان اور وحشی لوگوں کی طرح اُن کی معیشت ہو

پس اس مقام پر دو متعارض خیال کام کر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ نظام معیشت میں دولت و ثروت ایک محبوب و محمود شئی ہے اس لیے کہ اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہے تو اُس کی بدولت انسانوں کا دماغی توازن اعتدال پر رہتا اور اُس سے اُن کے اخلاق کریمانہ صحیح اور درست رہتے ہیں۔ نیز انسان اس قابل بنتا ہے کہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو اس لیے کہ یکسانہ

اور مجبورانہ افلاس سوءِ تدبیر اور مزاج کے اختلال کا باعث ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نظامِ معیشت میں دولت و ثروت ایک بدترین چیز ہی جبکہ وہ باہمی مناقشات اور بغض و حسد کا سبب بنتی اور خود اہلِ دولت و ثروت کے اطمینانِ قلب کو تعب اور حریصانہ کد و کاوش کے زہر سے مسموم کرتی ہو اور قوموں کو استحصال بالجبر اور دوسروں پر معاشی دست برد کے لیے آمادہ کرتی ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ بداخلاقی کے مرض میں مبتلا کر دیتی، آخرت اور یادِ الٰہی یعنی روحانی زندگی سے یکسر غافل دبلے پر وا بنا دیتی اور مظلوموں پر نت نئے مظالم کا دروازہ کھولتی ہے۔ لہذا پسندیدہ راہ یہ ہے کہ دولت و ثروت "نظامِ معیشت" میں ایسا درجہ رکھتی ہو جو توسط اور اعتدال پر قائم اور افراط و تفریط سے پاک ہو۔ اور یہ صحیح معاشی نظام کے بغیر ناممکن ہے۔[1]

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

اور یہ واضح رہے کہ اگر کسی شہر میں مثلاً دس ہزار انسان آباد ہوں تو سیاستِ مدن کے پیشِ نظر ازبس ضروری ہے کہ ان کی صنعت و حرفت اور کسب و تجارت پر بحث کی جائے اور ان کے معاشی مسائل کو زیرِ بحث لایا جائے۔

سو اگر اہلِ بلدہ صرف شہری سیاست ہی کے دلدادہ ہیں اور ان میں صنعت و حرفت کا تو شوق ہی مگر وہ زراعت اور مویشیوں کی نگہداشت اور ترقی کی جانب سے بالکل بے پروا ہیں تو ان کی دنیوی ترقی خسارہ میں ہی۔

اور اگر عیش پسندی میں غرق ہیں نئی نئی قسم کی شرابوں کی ایجاد، اور بت گری کے ذریعہ عیاشی اور بت پرستی کی ترغیبات کے سامان مہیا کرتے ہیں اور مجسموں اور شبیہوں بنا بنا کر بالواسطہ بت پرستی کے مشاغل کو قوت پہونچاتے ہیں تو یہ ان کی دینی ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہی۔

اس کے برعکس اگر اہلِ بلدہ صنعت و حرفت، تجارت، زراعت، شہری سیاست اور اسی قسم کے معاشی و سیاسی امور میں ایسے طریق کار پر گامزن ہیں "جو حکمت" کے اصول پر مبنی ہی اور مناسب پیشوں کی ترویج کا باعث ہی نیز غیر مناسب اعمال اور شرعی و اخلاقی نقطۂ نظر سے قبیح اور بد نتائج کا موجب نہیں ہے تو اہلِ بلدہ کی دنیوی زندگی بہت خوب اور صحیح و درست ہی

---

[1] مختصراً حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۰۴ و جلد ۲ ص ۱۰۵ و ۱۰۶

اس سلسلہ میں یہ بھی پیش نظر ہے کہ اگر کسی شہر یا ملک کے ذمہ دار اور سر برآوردہ ارکان معتدل معاشی نظام سے الگ ہو کر زیورات کی زیب و زینت، لباس کی نزاکت، عمارات کی بلندی و رفعت، کھانے پینے کی اشیاء میں مفرطانہ تعیش، اور عورتوں کے حسن کو دوبالا کرنے کیلئے خارجی زیبائش کی جانب راغب ہو جائیں اور ضروری حاجات اور مناسب ضروریات کی جگہ مصنوعی تعیش کو اختیار کر لیں جس طرح کہ آج کل عرب و عجم اس میں مبتلا نظر آتے ہیں تو پھر اکثر افراد ملک کا رجحان امور طبعیہ میں تصرف کے ذریعہ بناوٹی جگمگاہٹ پیدا کرنے کی جانب ہو جائیگا تاکہ وہ ملک کے سر برآوردہ افراد کی خواہشات کی تکمیل کر سکیں اور یہی معاشی زندگی کا مدار ہو جائے۔ چنانچہ ایک جماعت اگر کنیزوں کو (اور اس زمانہ میں خود اپنی لڑکیوں کو) رقص وغیرہ کی تعلیم میں مشغول نظر آتی ہے تو ایک دوسری جماعت لباس میں قسم قسم کی نزاکتیں نقش و نگار، اور حیوانات و اشجار کی تصاویر کی تزئین کرتی دکھی جاتی ہے

اور ایک تیسری جماعت سونے چاندی اور جواہرات کے زیورات میں بے نظیر کاریگری اور طرح طرح کی اختراعات اور خارجی زیبائش کے غازوں اور قسم قسم کی صنعتوں میں منہمک رہتی ہے اور ایک چوتھی جماعت عمارتوں کی زیب و زینت، اُن کے مسرفانہ نقش و نگار، مینا کاری اور پچی کاری، رفیع الشان محلات و قصور کے نت نئے ڈزائنوں کی فکر میں مصروف پائی جاتی ہے۔

پس جب کسی ملک یا قوم کا ایک بہت بڑا گروہ اسی قسم کے مسرفانہ اور عیش پسندانہ صنعتوں میں منہمک ہو جاتا ہے تو پھر وہاں زراعت، تجارت، مفید صنعت و حرفت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے اور جب قوم کے سرمایہ دار اور ذمہ دار ارکان اپنی پونجی کو ان غیر ضروری اور فضول صنعتوں پر بے دریغ صرف کرنے لگتے ہیں اور اپنے رجحان طبع کو اس طرح ضایع کر کے داد تعیش دینے لگتے ہیں تو وہ اپنے ملکی اور شہری مصالح کو برباد کرتے اور صحیح نظام معاشی کو فاسد بناتے ہیں۔ اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ضروری حرفے اور پیشے ہیں یعنی زراعت، تجارت اور شعبہ صنعت و حرفت، ان کے لیے ماحول تنگ ہو جاتا ہے اور ان کے لیے راہیں مسدود ہو جاتی ہیں بلکہ ان پر محاصل اور ٹیکس کا اس قدر بار پڑ جاتا ہے

کہ کسی طرح وہ فروغ نہیں پا سکتیں۔ اور یہ مضرت آہستہ آہستہ خارش کی وبا کی طرح تمام افراد میں سرایت کر جاتی ہے اور معاشی نظام اور مدنی مصالح کو گھن لگ کر دنیوی زندگی کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے اور روحانی کمال اور اخروی زندگی پر اس قدر بُرا اور مہلک اثر پڑتا ہے کہ ناقابلِ بیان ہے۔

یہی مہلک جراثیم تھے جو عجم و عرب کے جسم تمدن و معیشت میں پیدا ہو کر اس کی دنیوی اور اُخروی صحت و فلاح کو برباد اور اُن کی اخلاقی حیات کو تباہ کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ القا کیا کہ وہ اس مہلک مرض کا علاج کریں اور عجم و عرب کو تباہی اور ہلاکت سے نجات دیں۔ اور علاج کے لیے طریقہ یہ اختیار کریں کہ مرض کی صرف علاج کافی نہ سمجھی جائے بلکہ اُس فاسد مادہ کا ہی قلع قمع کر دیا جائے اور اُس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے جو ان مہلک اثرات کا باعث ہے پس ذات قدسی صفات نے اسی مصلحت کے پیش نظر اس قسم کے تمام معاشی اور تمدنی نظام کو ممنوع قرار دیدیا جو اس مرض کے پیدا ہونے کا سبب بنتے تھے مثلاً رقص و سرود کی تعلیم، مردوں کے لیے حریر و دیباج اور اسی قسم کے ریشمی نازک لباس، سونے چاندی کی ایسی تجارت جو سود و ربا کا موجب بنتی ہو اور سود و قمار وغیرہ ۔[1]

شاہ ولی اللہ کے اس نظریہ کی صداقت کیلیے پُرانی تاریخوں کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں، موجودہ یوروپین حکمرانوں کی تاریخ ہی اس کے لیے زندہ شہادت ہے۔

کیا آپ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ جہاں تک انفرادی اخلاق کا تعلق ہے بعض یوروپین اقوام اخلاقی مسائل میں بلند اخلاق اور مضبوط کیرکٹر کی حامل نظر آتی ہیں لیکن جب اُن کی اجتماعی اخلاقی زندگی پر نظر ڈالیے تو غدر، فریب، بد عہدی، معاشی دستبرد، استحصال بالجبر اور اسی قسم کی بداخلاقیوں کا سرتاسر مرقع نظر آتی ہیں، وہ معاہدات کرتی ہیں مگر بدعہدی کے لیے، مظالم توڑتی ہیں مگر آئین اور قانون کا نام دے کر فریب کاریاں کرتی ہیں، مگر تدبر اور سیاست کہکر، اور معاشی دستبرد روا رکھتی ہیں مگر تجارت اور تہذیب آموزی کا پردہ رکھ کر حتیٰ کہ انفرادی بداخلاقیوں میں سے بھی بدکاری، شراب خواری اور عیاشی اُن کا مایہ خمیر بن چکی ہے

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۰۵ و ۱۰۶

لیکن یہ سب کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ اُن کے معاشی نظام کی بنیادیں جمہور کی حاجتوں کے پورا کرنے کے اصول پر استوار نہیں کی گئیں بلکہ اس سرمایہ دارانہ اصول پر قایم ہیں جس کو شاہ ولی اللہ کے نظریہ میں فاسد اور مذموم معاشی نظام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پس جس حکمراں قوم کا معاشی نظام رفاہیت کی افراط کا داعی اور معاشی دستبرد کا حامل ہے اُس قوم میں کبھی اجتماعی محاسنِ اخلاق پیدا نہیں ہو سکتے اور وہ قوم ہمیشہ اجتماعی بداخلاقیوں کا معدن ہوگی، کمزور اقوام کے لیے فتنہ بنے گی۔ اور تکبر، ظلم، حق تلفی، دوسروں کی تحقیر و تذلیل اور خودغرضی اور خوشامد پسندی جیسے مکروہ اخلاق اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائیں گے۔

اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو قوم، غلامی یا دوسرے اسباب کی بدولت ایسے معاشی نظام سے دوچار ہو جو مفید اور عادلانہ رفاہیت سے خالی اور محروم ہے تو وہ دوسری قسم کی اجتماعی بداخلاقیوں کا گہوارہ بن جائیگی اور اس میں ذلتِ نفس، تنوطیت یعنی نا اُمیدی اور یاس، عجز، بزدلی، افلاس اور گداگری جیسی بداخلاقیاں نمودار ہو جائینگی۔

پس شاہ صاحب کے زیر بحث نظریہ اخلاق کے پیش نظر اجتماعی اخلاق اور عادلانہ معاشی نظام میں ایسا تلازم ہے جو کسی طرح ایک دوسرے کو جدا ہونے نہیں دیتا۔ اور شاہ صاحب کی نظر میں اجتماعی اخلاق میں حسن و کمال جب ہی پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومت کا معاشی نظام ایسے اعتدال پر ہو کہ جس میں نہ بیباکانہ عیش پسندی کا دخل ہو نہ افلاس اور فقر و فاقہ کا اور نہ وہ معاشی دستبرد اور آئینی استحصال بالجبر پر قایم ہو اور نہ معیشت کے ترقی پذیر ذرائع سے خالی اور محروم ہو۔

حضرت شاہ صاحب فیوض الحرمین میں ایک مکاشفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

میں نے رویائے صادقہ میں دیکھا کہ مجھ کو اللہ تعالےٰ نے نظام خیر کی تکمیل کے لیے اپنی منشا و مراد کا آلہ کار بنا دیا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام مسلم ممالک پر کفار نے غلبہ کرکے اُن کو تہ و بالا کر ڈالا ہے اور یہ دیکھ کر مجھ پر ایک غضب کی سی حالت طاری ہے اور میرے اردگرد رومی، فارسی، ازبک اور عجم و عرب کے مسلمانوں کا جم غفیر جمع ہے کوئی گھوڑے پر سوار ہے تو کوئی اونٹ پر اور کوئی پاپیادہ اور وہ سب بھی میری طرح کفار کے اس غلبہ پر غضب ناک نظر آتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرفات کے میدان میں بقصد حج

جمع ہیں آخر وہ میری جانب مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

ما ذا حکم اللہ فی ھذہ الساعۃ (اس حالت کے پہونچ جانے کے بعد اب خدا کا فیصلہ کیا ہی؟) میں نے جواب دیا۔

فک کل نظام موجودہ تمام نظامہائے عالم کو درہم برہم کر دینا۔

امام الحکمت ولی اللہ کا اس سے یہ مطلب ہے کہ چونکہ اب عالم میں اسلام کا وہ بنیادی نظام باقی نہیں رہا جس کا جزء اعظم "صحیح معاشی نظام" ہے اور جو جمہور کے امن و اطمینان کا کفیل ہی تو اب تعمیر سے پہلے تخریب ضروری ہی اور اس کے بعد ہی اس عادلانہ نظام کے قیام کی توقع کی جا سکتی ہی۔

امام ابو یوسف رہ نے علم الاسرار کے معلم اول اور شاہ صاحب کے جد امجد حضرت عمر بن الخطاب رض کا ایک مقولہ کتاب الخراج میں نقل کیا ہی جو امام الحکمت کے نظریہ کی تائید کرتا ہی حضرت عمر رض نے ایک ذمی یہودی کو بھیک مانگتے دیکھ کر فرمایا:۔

وہ حکمراں خدا کے سامنے سخت مواخذہ میں گرفتار ہو گا جس کی قلمرو میں ایک بھکاری بھی بھیک مانگنے کے لیے مجبور ہو"

الحاصل امام الحکمۃ شاہ ولی اللہ دہلوی وہ پہلا فلسفی اور علم الاخلاق کا پہلا حکیم ہی جس نے دنیا کے سامنے یہ بیش بہا نظریہ پیش کیا کہ کسی قوم کا اجتماعی اخلاق تک پہنچنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس کے نظام حکومت میں ایسا "عادلانہ معاشی نظام" قائم نہ ہو جو افراط و تفریط سے الگ عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں فلاح و خیر اور امن و عافیت کا ضامن ہو۔ اور بلاشبہ "ولی اللہی حکمت و فلسفہ" کا یہ خصوصی امتیاز ہی کہ وہ اخلاقیات کو معاشیات کے ساتھ مربوط کرتی اور ان دونوں کے درمیان لازم و ملزوم کا رشتہ ثابت کرتی ہی۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین والعاقبۃ للمتقین۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بین الاقوامی حیثیت

(از حضرت مولنا عبید اللہ السندھی مدظلہ)

[مولنا ممدوح کا جو مقالہ "شاہ ولی اللہ نمبر" میں شایع ہوا تھا اس کے چوتھے باب کی پہلی فصل میں "اجتماعیت اسلامیہ" پر کلام کے ضمن میں مولنا کا ایک فقرہ یہ بھی تھا۔

"میں قریش کی ہستی ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السلام) کی دعا کا پہلا نتیجہ قرار دیتا ہوں کہ ایک امت ہونی چاہیے کہ وہ امم کو ہدایت دے (و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک) ــــ پھر اس اُمت کی ضرورتوں کے لیئے ایک فرد امام درکار ہے اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق دُنیا سے بواسطہ قریش ہی۔ اس نکتہ سے میرے بہت سے عقدے حل ہوگئے"

اس پر راقم سطور (مدیر الفرقان) نے یہ نوٹ لکھا تھا کہ

"یہاں مولنا نے اپنے اس مدعا اور اس نکتہ کو جو اہل علم کے لیے بھی نامانوس ہے بہت ہی ایجاز و اختصار سے بیان فرمایا ہی جس سے بہت سوں کو طرح طرح کے شبہے پیدا ہونے کا قوی امکان ہے کاش مولنا ایک مستقل مقالہ میں اس پر وضاحت سے روشنی ڈالیں" (شاہ ولی اللہ نمبر طبع اول ۲۹۱)

جناب بشیر احمد صاحب بی۔ اے لدھیانوی نے حضرت مولنا سندھی کی توجہ میرے اس نوٹ کی طرف مبذول کرائی تو حضرت ممدوح نے اپنے مُدعا کی توضیح میں ذیل کا

مضمون املا فرمایا جس کو جناب بشیر احمد صاحب ہی نے قلمبند کیا ہے اس سے مقصد کی کافی وضاحت ضرور ہو جاتی ہے لیکن موضوع کی اہمیت اور تحقیق کی ندرت کا مطالعہ اس سے زیادہ وضاحت کے لیے تھا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اس پہلو پر اپنی تصانیف "الفوز الکبیر" اور "تفہیمات الہیہ" میں اور "حجۃ اللہ البالغہ" کے متعدد مواقع پر یہ بحث اجمال اور تفصیل کے ساتھ فرمائی ہے۔ حضرات اہل علم فوز الکبیر (ص۵ بیان مقصد بعثت نبوی) اور حجۃ اللہ کے "باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان" اور "باب اسباب اختلاف دین نبینا صلے اللہ علیہ وسلم و دین الیہودیۃ والنصرانیۃ" کا مطالعہ اگر حضرت مولانا سندھی کے اس توضیحی مقالہ کی روشنی میں کریں تو اس باب میں حضرت شاہ صاحب رح کا اصل نظریہ انشاء اللہ تعالےٰ پوری طرح سامنے آسکتا ہے —— ان تمہیدی اور تعارفی سطور کے بعد ملاحظہ فرمایئے مولانا کا مقالہ جس کے لیے ہم جناب بشیر احمد صاحب بی۔ اے کی عنایت کے خاص طور پر ممنون ہیں] مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبوت کے دو درجے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دو درجے ہیں:۔

(۱) پہلا درجہ تو یہ ہے کہ آپ منجملہ جماعت انبیاء کے ایک نبی ہیں۔ آپ عرب کے صحرا میں پیدا ہوئے اور عرب قوم کو راہ راست پر لگا دیا۔

(۲) دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ ساری دنیا کے لیئے نبی الانبیا اور سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں اور ایک عالمگیر انقلاب کو کامیاب بنانا آپ کے فرائض میں داخل ہے۔ چنانچہ آپ نے اور آپ کے خلفا نے یہ انقلاب نمونے کے طور پر کامیاب بنا کر دکھا بھی دیا۔

غیر مسلموں کے شبہات عام طور پر اہل علم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دوسرا درجہ غیر مسلم اقوام میں پہلے متعارف کراتے ہیں۔ وہ قومیں عموماً نبوت کا ایک مفہوم اپنے ذہن میں رکھتی ہیں۔ جو انھوں نے اپنی قوم کے کسی نبی سے اخذ کیا ہے وہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی معیار پر جانچنا چاہتی ہیں۔ اور اعتراضات کا ایک طومار پیش کر رہی ہیں۔

مثلاً اگر آپ تمام دُنیا کے لیے نبی بن کر تشریف لائے ہیں تو آپ کی زبان عربی کیوں ہے۔ جب عربی زبان میں آپ کی تعلیم ہے۔ تو اسے عالمگیر تعلیم کیوں کہا جائے۔ یہ خاص عرب کے لیے مخصوص معلوم ہونی چاہئیے۔ دشمنوں کے ساتھ جدال و قتال نبوت کے منصب میں کیسے داخل ہوا۔ آپ کی تعلیم سے دُنیا کو فائدہ بھی ہوا۔ مگر بہت سے شاہی خاندانوں اور مذہبی مرکزوں کو سخت نقصان بھی پہونچا۔ ان اعمال کا نبوت کے ساتھ براہ راست تعلق کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے؟

ہمارا نیا علم کلام اس قسم کے سوالات یورپ میں کافی رائج ہیں اور پچھلی صدی میں اہل علم ان معترضین کا منہ بند کرنے کے لیے جواب سوچتے رہے ہیں یہاں تک کہ ہمارے ہاں فقط اس ایک مسئلے کے سمجھانے کے لیے علم کلام کا کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔

مسئلے کا ایک نیا حل لیکن ہم نے اس اُلجھن کا جو حل سوچا اس نے بہت سے جھگڑوں سے نجات دلا دی۔ ہم سب سے پہلے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عرب کے لیے نبی ہونا پیش کرتے ہیں۔ آج تک ہم نے دُنیا کے کسی عقلمند کو نہیں دیکھا کہ جو یہ اعتراض کرتا ہو کہ عرب میں نبی کیوں آیا۔ چنانچہ جس طرح اور ملکوں میں انبیا کا ظہور ہوا۔ اور اُنھوں نے اپنی اپنی قوم کو سیدھا راستہ دکھایا۔ اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی سرزمین میں پیدا ہوئے اور اہل عرب کو ہدایت دی۔ اس حیثیت سے آپ منجملہ جماعت انبیا ایک نبی ہیں۔ اور آپ سے انہی باتوں کی توقع ہونی چاہیے۔ جن کی ایک قومی نبی سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً ہر قوم کا نبی اپنی قوم کی معاشرت اور قومی زبان کا پابند ہوتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی عرب قوم کے نبی ہونے کی وجہ سے عرب قوم کی معاشرت اور عرب قوم کی زبان کے پابند ہیں۔ اسلیے کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ یہ اعتراض کرے کہ آپ کی کتاب عربی میں کیوں ہے۔ اسی طرح یہ اعتراض بھی اُٹھ جاتا ہے کہ آپ نے عربی معاشرت کیوں اختیار کی۔ آپ اپنی قوم کے اعلےٰ طبقہ میں ایک اعلیٰ فرد کی حیثیت سے پہلے ہی دن سے ہر فرد کے نزدیک مسلم ہیں۔ آپ کے معاشرتی کیرکٹر پر کسی شخص کو اعتراض نہیں۔

عرب کا مرکز قریش تھے۔ اور قریش کی ذہنیت اور معاشرت میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک فرد فرید مانے ہوئے تھے۔ دوسری قوموں کو ان کی معاشرت اور ذہنیت پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

آپ کی بین الاقوامی حیثیت حکمت الٰہی کا دوسرا مظاہرہ یہ ہے کہ قریش کے ذریعہ اقوام عالم کی

دبستی کا ایک مشترک نظام پیدا کیا گیا۔ قریش کے غلبے کی وجہ سے ان کی زبان (عربی) کا غلبہ ماننا پڑے گا جن قوموں کا مقابلہ قریش کے ساتھ ہوا۔ ان کو اگر شکست ہوئی اور کچھ نقصان اُٹھانا پڑا تو مفتوحین کو ہمیشہ نقصانات برداشت کرنے ہی پڑا کرتے ہیں۔

حکمتِ الٰہی کا تقاضا تھا کہ قریش آگے بڑھ کر قوموں پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ اس آنے والے واقعہ کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی حیثیت میں یہ فرض بھی تھا کہ قریش کو ایسی تعلیم دیتے کہ وہ اس کام میں بھی خدا پرستی کے اصولوں سے بھٹکنے نہیں پاتے۔ اس سلسلہ میں آپ نے اپنی قوم کی جو رہنمائی کی ہے۔ ویسی رہنمائی کسی نبی نے اپنی قوم کی نہیں کی۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی کوششیں حضرت موسیٰ نے کوشش کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں بین الاقوامیت کا منصب الٰہی کے ساتھ پورا ہووے۔ اور حضرت مسیح نے بھی یہی کوشش کی۔ لیکن حضرت موسیٰ نے جو جماعت تیار کی وہ بین الاقوامی مزاج پیدا نہ کر سکی۔ اور حضرت مسیح کی مساعی بھی اس سلسلے پر کارگر نہ ہو سکیں لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس مقابلے میں کامیاب ہو گئے۔ اور آپ نے آریہ اور سامی دونوں قوموں میں تورات کے احکام نافذ کر دیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی ایک حدیث میں آتا ہے کہ ہماری اور پہلی قوموں کی مثال ایسی ہی جیسے کسی بادشاہ نے محل بنانے کا ارادہ کیا۔ اس نے صبح سویرے مزدور کام پر لگائے۔ دوپہر کو ان مزدوروں نے کام سے جواب دے دیا۔ بادشاہ نے انھیں پورے دن کی مزدوری دے کر علحدہ کر دیا۔ پھر دوسرے مزدور لگائے انھوں نے عصر کے وقت جواب دے دیا۔ چنانچہ انھیں بھی پورے دن کی مزدوری دے کر علحدہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد مزدوروں کی تیسری جماعت کام پر لگائی گئی۔ انھوں نے شام تک اپنا کام پورا کر دیا۔ اس بادشاہ نے ان کو دوگنی مزدوری دی۔ پہلے لوگ خفا ہونے لگے، اس نے کہا کہ میں نے تم میں سے کسی کا حق تو نہیں مارا؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے میرا کام ختم کر دیا۔ میری خوشی ہے کہ میں نے ان کو دوگنی مزدوری دے دی۔ اس حدیث میں آگے چل کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ پہلی جماعت سے مراد یہود ہیں۔ دوسری سے نصاریٰ اور تیسری ہم ہیں۔

(یہاں حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ اور موطا میں بھی ہے۔ مفہوم ہم یادداشت سے لکھوا رہے ہیں۔ کوئی لفظ کم و بیش ہو تو اصل کتاب سے تصحیح کر لی جائے۔)

یہود کی ناکامی اب ہمارا اس سے استنباط یہ ہے کہ تینوں قومیں ایک ہی محل بنانے پر متوجہ تھیں۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کو تمام اقوام عالم میں عملی طور پر قایم کر دینا اس مقصد کو حضرت موسیٰ علیہ السلام حاصل کرنا چاہتے تھے مگر نہ کر سکے۔ ان کی شاندار قیادت کے باوجود بنی اسرائیل اپنی قوم سے باہر کے لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے پر راضی نہ ہوئے اور خود بھی عالمگیر فتوحات کا عزم پیدا نہ کر سکے

اگرچہ حضرت مسیحؑ کی قیادت میں ابراہیمی یعنی حنیفی تعلیم دور دور تک پہونچ گئی لیکن وہ بھی بنی اسرائیل کی مرکزی قوت کو اس بات پر راضی نہ کر سکے کہ وہ اپنے اندر دوسری قوموں کو مساوی درجے پر قبول کرلے حضرت مسیح کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل نے حضرت مسیحؑ ہی کو اپنی برادری ہی سے خارج کر دیا۔

بنی اسمٰعیل کی کامیابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسمٰعیل میں قریش کو مرکز بنایا۔ اور تمام قوموں میں ان کو لاکر بٹھا دیا۔ اور انھوں نے غیر ملکیوں کو بھائیوں کی طرح قبول کر لیا۔

چنانچہ عرب نے عراق فتح کیا تو سلمان فارسیؓ کو مدائن کا حکمران بنایا۔ یہ ذہنیت سلطان محمود نے بھی ظاہر کی۔ جب اس نے ہندوستان کا شہر ہند فتح کرکے راجہ جے پال کے پوتے کو اس کا حاکم بنا دیا۔ غلاموں کی حکومتیں تو مسلمانوں میں خاندان در خاندان چلتی رہی ہیں۔ اور قریش کے علے سے اعلےٰ خاندانی آدمی ان کے سامنے اس طرح احکام اسلام کی اطاعت کرتے تھے جیسے خود صحیح النسب اسمٰعیلی ابراہیمی کے سامنے۔ یہ تھی حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بین الاقوامی حیثیت اور یہ ہے حضور کی رحمۃ للعالمینی۔

ایک انتباہ آج دنیا میں انقلاب کو سب سے بڑی قوت تسلیم کیا گیا ہے۔ اور انسانوں کی انقلابی قوت سے کام لے کر بعض لوگوں نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ چنانچہ یورپ اقتصادی نظریات کا گہوارہ بن گیا ہے لیکن جس پیغمبر نے سب سے پہلا بین الاقوامی انقلاب برپا کیا اور جس نے ان لوگوں کو تیار کیا۔ جنھوں نے اس انقلاب کو چاردانگ عالم میں پھیلایا۔ اسی کے ایک امتی حکیم الامام ولی اللہ دہلوی نے یورپ کے نام نہاد بین الاقوامی انقلابوں کے سد باب کیلیے صحیح وصالح بین الاقوامی انقلاب کا جو قرآنی اصولوں پر مبنی ہو۔ ایسا دستور وضع کر دیا ہے جسے پیش کرکے وہ کہتے ہیں۔ کہ کوئی بین الاقوامی انقلاب کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اُس بین الاقوامیت کے نقش قدم پر نہ چلے گا۔ جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق پر متعین ہوا۔

ہم نے یورپ کے ایک لادینی انقلابی کی تاریخ عالم کے وہ حصے سنے ہیں جہاں وہ حضرت ابوبکرؓ کو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر آدمی مانتا ہے۔ انگریزی کا نامور ادیب اور مصنف ایچ۔جی۔ ویلز بھی اس مغالطے میں پھنسا ہوا ہے۔ انھیں سمجھانا چاہیے کہ حضرت ابوبکر کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا نسبت ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس ترتیب سے پیش کی جائے جس ترتیب سے ہم نے بتایا ہے تو یورپی مصنفین کے تمام اعتراضات رفع ہو جاتے ہیں۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بین الاقوامی نبوت کو تسلیم کیے بغیر چارہ ہی نہیں رہتا۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب اور انکی تحریک احیاء توحید و سنت کا مختصر تعارف

(از جناب مولٰنا محمد ایوب صاحب اصلاحی جیراجپوری)

["شاہ ولی اللہ نمبر"، میں، مولٰنا مسعود عالم صاحب ندوی کے مقالہ میں مدح کیساتھ اور مولٰنا گیلانی مدظلہ کے مقالہ میں ایک گونہ مذمت کے ساتھ "شیخ محمد بن عبدالوہاب" کی "تحریک وہابیت"، کا کچھ ذکر آچکا ہے ــــ وہیں ایک نوٹ کے ضمن میں اس تحریک کے متعلق بہ تفصیل کچھ لکھنے کا راقم سطور نے بھی وعدہ کیا تھا، ابھی اس کے لیے تو مہلت نہیں مل سکی البتہ اسی سلسلہ میں مولٰنا محمد ایوب صاحب اصلاحی کا یہ مختصر مقالہ آج شایع کیا جارہا ہے، یہ واقعہ ہے کہ یہ بہت مجمل اور مختصر تذکرہ ہے اور ساتھ ہی تصویر کا صرف ایک رُخ ہے، اس سلسلہ میں انشاء اللہ آئندہ کچھ اور بھی پیش کیا جائے گا۔ یہاں صرف اتنا اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہندوستان میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رح کی تحریک ان کے سیاسی دشمنوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہوئی۔ اسی طرح نجد کی اس تحریک کو بھی ان کے سیاسی دشمنوں نے اس قدر بدنام کیا ہے کہ جو لوگ مسلک کے لحاظ سے اساسی و اصولی قسم کا علماء نجد سے اختلاف نہیں بھی رکھتے ہیں۔ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم جیسے علماء کی پوری طرح عزت کرتے اور قدر پہچانتے ہیں وہ بھی تحریک نجد اور اسکے علمبرداروں سے تبری اور اظہار بیزاری کرتے ہیں ــــ حالانکہ اب تو اس تحریک کی مستند تاریخیں اور علامہ آلوسی جیسے ثقہ اور ارباب بصیرت علماء کی یادداشتیں شایع ہو چکی ہیں جن سے اس باب میں صحیح رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے ــــ ان سطور کے بعد ملاحظہ ہو

اصل مضمون] (مدیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نجد کا دورِ انحطاط عہد نبوی کے ایک عرصہ کے بعد جزیرہ عرب کے دوسرے صوبوں کی طرح نجد پر بھی ایک ایسا دور گزرا ہے جس میں اس کی تاریخ کا ہر گوشہ دینی اور دنیوی، ہر اعتبار سے تیرہ و تاریک دکھائی دے رہا ہے ان دنوں نجد میں مطلق العنانی، جمود، بے حسی اور قتل و خونریزی کا بازار گرم تھا، ایک ہمہ گیر تاریکی چھائی ہوئی تھی اور دین و مذہب مخصوص اہل علم کے دائرہ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا یہاں کا سواد اعظم جہالت دینی اور مشرکانہ رسوم و بدعات کا شکار ہو گیا تھا، خرافات اور توہم پرستیوں کو دین سمجھ لیا گیا تھا اور فرائض شرعی اور سنن نبوی سے غافل ہو کر عہد جاہلیت کے تمام اطوار و عادات اختیار کر لیے گئے تھے، حلال و حرام کا فرق باقی نہیں رہا تھا مراحل زندگی میں جہاں کہیں رہنمائی کی ضرورت پیش آئی تو احکام الٰہی کے بجائے کاہنوں اور نجومیوں کی رائیں دلیل راہ قرار دے لی گئیں، آغاز کار کیلئے تفاول اور شگون طلبی کو واجب العمل ٹھیرا لیا گیا۔

غرض جہالت دینی اور تقلید زمانہ کے اثرات سے سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا فقط نام ہی نام رہ گیا اور حقیقت کے لحاظ سے بدعات و خرافات کو دین و مذہب کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ ہر وہ طریقہ جو جلب منفعت اور حصول دولت کا ذریعہ ہو سکے وہی صاحب ثروت کا مذہب تھا اور ہر وہ چیز جو قار اور رتبہ کو دنیا کی نگاہوں میں بڑھا سکے خدا کے بندوں کا دین بن گئی تھی۔ شریعت امراء و روسار کی مرغوبات نفسانی کی پابند ہو گئی تھی اور عوام کا تو پوچھنا ہی کیا امراء و سلاطین کے نقوش پا ہی انکا مذہب تھے غرض اوضاع و اطوار، شرافت، شجاعت، سخاوت، حق کی پاسداری، ایفائے وعدہ، پاس عہد اور ایسے ہی وہ تمام فضائل اخلاق سرزمین نجد سے مفقود ہو چکے تھے جن پر اقوام عرب بجا طور پر فخر کرتی تھیں اور جنہیں وہ اپنی نظیر آپ تھیں۔

تمام اہل نجد کی یہی حالت تھی نفوذ و دھنا (صحرائے نجد) کے بادیہ نشین ہوں، یا شہروں کے متمدن باشندے، سب ہی اغراض ہمدردی اور نفس پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے، حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دینا ان کا عام شیوہ بن گیا تھا اگر شہر کے تمدن یافتہ شریف ڈاکوؤں کی صورت میں حقوق انسانیت کو پامال کر رہے تھے تو دیہاتوں اور صحراؤں میں قزاقوں کی جماعتیں غاروں اور گھاٹیوں سے نکل نکل کر دن دہاڑے قافلے

کے قافلے لوٹ لینی اور ہزاروں بے گناہ مخلوق کو لذتِ حیات سے محروم کر دیتی تھیں۔

یہ سب کچھ اسی وجہ سے تھا کہ وہاں کوئی ایسا منصف مزاج اور امن پسند صاحب اقتدار نہ تھا جو مفسدین کے ہاتھوں کو پکڑ لیتا بلکہ درحقیقت اس ابتری، بدامنی اور فساد کا اصلی سبب یہی امراء و حکام ملک تھے اور امن کی ان غارتگروں کے سرغنے در اصل یہی لوگ تھے اس لیے ان سے ملک کے امن و امان کی تمنا لاحاصل تھی ع

کہ نیاید زگرگ چوپانی

علما کا جہاد اور دردناک انجام رہے علمائے وقت سو انھوں نے قیام امن اور اصلاح ملک میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور اس راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات اور مصائب کا نہایت صبر و ثبات سے مقابلہ کیا، ان لوگوں نے پوری سرگرمی، جوش، صدق دل اور خلوص کے ساتھ دعوت حق اور تبلیغ ہدایت کی خدمت انجام دی، لیکن ان غریبوں کو ایسے ظاہری وسائل اور مادی ذرائع میسر نہ تھے جن کے ذریعہ ان دجاجلہ و شیاطین کے پنجۂ ہلاکت سے اہل نجد کو نجات دلا سکتے بلکہ حق گوئی کے اس جرم کی پاداش میں خود ہی ان کے بے درد ہاتھوں سے پامال ہوئے۔ یہ بدبخت یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ان کی نفس پرستیوں کی راہ میں کوئی مانع باقی رہے، اور چاہتے تھے کہ عذاب الٰہی کی دھمکیوں اور وعدوں کی صدائے حق ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، چنانچہ ہوا پرستی کا یہ کابوس ان کے دماغوں پر اس شدت کے ساتھ مسلط تھا کہ فضلائے عصر کی ایک بڑی جماعت کو انھوں نے اپنی دُنیا طلبی کی بھینٹ چڑھا دیا۔ رحمہم اللہ۔ ۱۱۹۶ھ میں قصیم کے بدبختوں نے صدہا علماء، شیوخ، قضاۃ اور واعظین و صلحاء کو خاک و خون میں تڑپا دیا اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سبھوں نے مل کر وسیع پیمانہ پر ایک کانفرنس منعقد کی تاکہ تمام علمائے نجد کو جو ان کی غلط کاریوں پر ان کو برابر ٹوکا کرتے تھے، فنا کرنے کی موثر تدبیریں سوچی جائیں۔ اس سلسلہ میں مختلف لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں، کسی نے جلاوطن کرنے کا مشورہ دیا تو کسی نے حبس دوام کا، اور بعض نے عبرت انگیز طریقہ پر ان غریبوں کو قتل کر ڈالنے کی تجویز پیش کی، غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں لیکن یہ تمام رائیں غور و خوض کرنے کے بعد رد کر دی گئیں کیونکہ یہ خطرناک نتائج سے خالی نہ تھیں، جلاوطنی کرنے میں یہ خطرہ تھا کہ مبادا وہ اس اثناء میں اپنے ہم خیال لوگ بڑھا کر ہمارے خلاف طاقتور محاذ قائم کر لیں اور ان کی بے خاموشی نہ لائی جا سکے۔ قید کرنے میں یہ اندیشہ تھا کہ موقع پا کر بھاگ نکلیں گے اور عبرت انگیز قتل میں قصیم کے امن پسند اور حق پرست طبقہ کے جذبات برانگیختہ ہو جانے کا امکان غالب تھا کیونکہ برشارع عام بے گناہ انسان کی عام خونریزی عوام کو یقیناً مشتعل کر دیتی ہے۔

جب یہ تمام تدبیریں مسترد ہوگئیں تو نئی تجویزیں سوچی جانے لگیں، اور پھر طرح طرح کی رائیں معرض بحث میں آئیں لیکن ایک بھی قابل قبول نہ ٹھہری۔ ایک نوجوان خاموش بیٹھا سب کی رائیں غور اور توجہ سے سن رہا تھا اور سنجیدگی کے ساتھ معاملہ پر غور کر رہا تھا مگر جب پوری جماعت کو کسی متفقہ فیصلہ پر پہونچنے سے اس نے عاجز دیکھا تو آخر میں اپنے لبوں کو جنبش دی اور تند لہجے میں بڑی حاکمانہ شان سے مجمع کو مخاطب کیا کہ میری رائے میں اس کے سوا کوئی راہ عمل نہیں کہ تمام علمائے نجد کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ایک کو بھی زمین پر زندہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ آخرکار اس تجویز پر سب نے خوشی سے اتفاق کر لیا۔

اس اتفاق رائے کے بعد قہوہ کا دور چلا اور پھر اس نوجوان نے اس رائے کو بروئے کار لانے کا یہ نقشہ بنایا کہ جو لوگ وہاں موجود تھے ان میں سے ہر فرد اپنے اپنے ماتحت گروہ کو اس متفقہ سازش کی اطلاع کرے اور جو دن اور وقت متعین ہو اس دن ہر گروہ اپنے اپنے حلقہ کے علماء پر قاتلانہ حملہ کرے اور اس طرح ہر جگہ کے علماء کو بیک وقت موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔

بالآخر یہ بدترین منظم سازش عمل میں لائی گئی۔ سب سے پہلے عیزاء کے یگانہ روزگار علامہ منصور ابوانجل، جو نماز جمعہ پڑھانے کے لیے گھر سے نکلے تھے، ان دشمنان علم و دین کے ہاتھوں جو پہلے ہی سے گھات میں تھے شہید ہوئے اور پھر چند گھنٹوں کے اندر ان سفاک ہاتھوں نے وہاں کے تمام علما کو موت کی گہری نیند سلا دیا۔ اسی طرح جناح کے اہل علم بھی اپنے پڑوسی اعداء دین کے ہاتھوں دین کی راہ میں کام آئے۔ ان مقتول علماء میں سب سے زیادہ دردانگیز اور مظلومیت و بیکسی سے لبریز حادثہ ایک نابینا عالم کے قتل کا تھا۔ انسانیت کے دشمنوں نے کیا یہ کہ مرحوم کے پیروں میں سوتی کی رسی باندھی اور انھیں اُلٹا لٹکا دیا حتیٰ کہ اسی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ غرض ہر مقام کے شیطانی جتھوں نے علمائے حق کا خون بہا کر علم و حکمت کی متاع تاراج کر ڈالی۔

علامہ محمد بن عبدالوہاب کا ظہور نجد میں مطلق العنانی، بدنظمی اور شر و فساد کا یہ دور دورہ تقریباً ڈھائی صدی تک رہا۔ اس عرصۂ شر و فساد میں قصر شریعت کی بنیادیں برابر متزلزل ہوتی رہیں اور اہل نجد کی سیاسی اور معاشرتی ابتری بڑھتی رہی کہ اسی اثناء میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کا ظہور ہوا جنھوں نے اس عام انتشار اور جہل و گمراہی کے خلاف سرگرم جہاد شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام میں انھیں بڑی کامیابی عطا کی شیخ کے اسی کارنامہ کو تحریک وہابیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس تحریک کے بانی اور رہنما علامہ موصوف ہی

ہیں نیز تحریک وہابیت کی تاریخ دراصل علامہ ہی کے مجاہدانہ کارناموں کی تاریخ کا نام ہے، اس لیے ہم اس کی تاریخ بیان کرنے سے قبل شیخ کے مختصر حالات زندگی پر بھی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

شیخ کا حسب و نسب سلسلہ نسب یہ ہے، محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی بن احمد بن راشد بن برید بن مشرف ابن ببضاد، شیخ کو علم و فضل ذہانت و فطانت، شجاعت و سخاوت وغیرہ فضائل اپنے آباء سے وراثت میں ملے۔ اس خاندان کا ہر فرد علوم شرعیہ، اصول دین، اور معقولات و منقولات میں اپنے اپنے وقت کا امام تھا، شیخ کے والد اپنے ہم عصروں میں سب سے باوقار اور ممتاز عالم دین تھے، ان کے دادا سلیمان بھی نجد کے مشہور فاضل اور صاحب درس و تدریس تھے۔

ولادت شیخ کی ولادت عینیہ میں ۱۱۱۵ھ میں ہوئی۔ عبدالوہاب کو بیٹے کی پیدائش سے انتہائی مسرت ہوئی۔ اور فال نیک سمجھ کر محمد نام رکھا، تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام کیا حتیٰ کہ عہد طفولیت ہی سے مبادی اسلام کی تلقین شروع کر دی، صحاح ستہ کی بیشتر احادیث شیخ کو کم سنی ہی میں یاد ہو گئیں اور ابتدا ہی سے ان کو علوم دین کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو گیا۔

ابھی دس برس کی عمر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ قرآن حفظ کر لیا اور صلاحیت اور فرزانگی کے آثار اسی وقت سے نمایاں ہونے لگے جب دینی علوم اور تعلیمات شرعی کے حاصل کرنے کے شوق میں ترقی ہوئی اور قوت فکر میں کچھ پختگی آئی تو اسلام کا تحقیقی مطالعہ شروع کیا ساتھ ہی اہل ملک کی دینی حالت پر تنقیدی نگاہ ڈالی تو ان کے بہت سے عقائد و اعمال کتاب و سنت کے خلاف اور طریق حق سے ہٹے ہوئے نظر آئے، انھوں نے دیکھا کہ اہل نجد نے جاہلانہ رسوم کو اسلام کا نام دے رکھا ہے، قبروں اور مزاروں کو پوج رہے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے، ان کے لیے نذریں مانتے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، ہزاروں درختوں کے تقدس پر ایمان لائے بیٹھے ہیں۔ اہل ملک کی اس خوفناک جہالت اور بے دینی پر شیخ نے شدید اعتراضات کیے اور حمایت دین خالص کے جذبہ سے بے تاب ہو کر توحید و اتباع سنت کی آواز بلند کی اور جاہلانہ رسوم و بدعات کی پُرزور تردید و مخالفت کی۔

لیکن ابتداءً شیخ نے اپنی اس تبلیغ کو عام نہیں کیا پہلے انھوں نے صرف علما کو ان کے جمود سے بیدار کیا اور ملک کی بے دینی پر ان کو توجہ دلائی اور انھیں تک اپنا دائرہ عمل محدود رکھا۔ اصولی اعتبار سے شیخ کا یہ طریقۂ کار بہت مناسب اور مدبرانہ تھا، تاریخ کے صفحات ہمیں بتلاتے ہیں کہ ہر مصلح اور مجدد نے اپنی دعوت اصلاح اور

تحریک انقلاب کا آغاز سنجیدہ طبقہ اور اہل علم ہی سے کیا ہی اور در اصل وہی تحریک کامیاب ہوئی جو اس اصول کی ساتھ عالم وجود میں آئی۔ شیخ نے بھی یہی بنیادی اصول پیش نظر رکھکر قدم اُٹھایا اور اہل ملک کے سواد اعظم سے جو علم و بصیرت سے بے بہرہ تھا، انھوں نے پہلے پہل کوئی تعرض نہیں کیا، بلکہ علماء سے اپنی تحریک کا آغاز کیا شیخ کے معقول اور مسکت دلائل اور خلوص نے آہستہ آہستہ ایک گروہ علماء کو ان کا حلقہ بگوش بنا دیا، لیکن ساتھ ہی عینیہ کا ایک متعصب اور اکھڑ گروہ ان کا سخت مخالف بھی ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندانی مناقشے چھڑ گئے دہابی خاندان اور وہاں کے ایک دوسرے خاندانی فریق کے مابین سخت آتش عداوت بھڑک اٹھی یہاں تک کہ بد امنی اور خانہ جنگی کے خطرات کے خوف سے رئیس عینیہ حریملا منتقل ہو جانے پر مجبور ہو گیا۔ اب گویا شیخ کی تحریک کی مخالفت خاندانی عداوت میں منتقل ہو گئی۔ باہمی مخالفت و کشیدگی کا یہ زمانہ (۱۱۳۹ھ) شیخ کے عالم شباب کا زمانہ تھا کہ جس میں اگر کسی کے قلب میں کوئی صحیح عقیدہ راسخ اور کوئی خیال دل نشین ہو جائے تو اس کے اظہار و اشاعت کی مخالفت میں ساری خدائی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی اور مصیبتوں کے پہاڑ سے بھی ٹکر لینا اس کے لیے آسان ہوتا ہے اچنانچہ یہی جوش شباب تھا جس نے علامہ محمد بن عبد الوہاب کو بڑی سے بڑی مخالفانہ قوتوں اور مصائب کے مقابلہ میں چٹان کی طرح ثابت قدم رکھا اور ابتدا میں انھوں نے ترک وطن کرنے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی آخر کار تھوڑے ہی دنوں کے بعد کچھ لوگ شیخ کے موافق ہو گئے لیکن علماء و رؤسا کی جماعتیں معاصرانہ چشمک اور ذاتی عناد کی بنا پر مخالفت ہی پر جمی رہیں اور انھوں نے ان کی مخالفت میں ساری قوت صرف کر دی شیخ نے جب دیکھا کہ یہ آتش عناد بڑھتی ہی جا رہی ہی اور ایک خالص دینی تحریک خاندانی عداوتوں کے ہنگاموں تلے دب جانا چاہتی ہے تو انھوں نے ہجرت کرنا ہی قرین مصلحت سمجھا۔

سفر حج مخالفین کی عداوت اور ایذا رسانی سے تنگ آکر شیخ نے اپنے وطن عزیز عینیہ کو خیرباد کہا اور حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ فریضۂ حج سے فارغ ہو کر حرم رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ پہونچے۔ وہاں اس وقت کے اکابر علما سے ملاقات ہوئی اور اس زمانہ کے (مقام مجمعہ واقع نجد) کے مشہور صاحب علم عبد اللہ بن ابراہیم بن یوسف کے پاس (جو دیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اقامت گزیں ہو گئے تھے) ٹھیرے اور ان سے بعض کتابیں پڑھیں موصوف نے ائمہ سلف کی تصنیفات کا ایک بے بہا اور نادر ذخیرہ جمع کر رکھا تھا انھوں نے شیخ کو نوادر کا یہ ذخیرہ دکھایا اور کہا "یہ وہ آلات ہیں جو میں نے اہل نجد کو سر کرنے کے لیے فراہم کیے ہیں،" شیخ کو اس مبارک ارادہ سے اور کتابوں کے اس سرمایہ کو دیکھ کر بڑی مسرت

ہوئی۔ اسی اثنائے قیام میں مشہور علامۂ عصر محمد حیات سندھی مدنی سے شیخ کا تعارف ہوا جو مدینہ کے رئیس العلماء تھے

نجد کی واپسی اور پھر سفر شیخ دیار حبیب ؐ کی زیارت کے بعد نجد واپس آئے، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے قیام کے بعد علوم دین کے شوق مطالعہ نے دوبارہ رخت سفر باندھنے پر مجبور کیا، چنانچہ اس غرض سے بصرہ پہونچے، وہاں بھی چند کتابیں پڑھیں اور ساتھ ہی اپنی تحریک، یعنی دعوت اصلاح، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سلسلہ شروع کر دیا جس سے اہل بصرہ دشمنی پر تل گئے اور سخت اذیتیں پہونچائیں یہاں تک کہ ان بے بصروں نے جوش غضب میں شیخ کا تمام زاد سفر چھین لیا اور دھوپ کی تیز گرمی میں ان کو شہر سے باہر نکال دیا۔ شیخ تنہا برہنہ پا بلد زبیر کی طرف چل پڑے لیکن تھوڑی ہی مسافت طے کرنے پائے تھے کہ شدت تشنگی سے حلق میں کانٹے پڑ گئے اور بے تاب و جاں بلب ہو کر تپتی ہوئی زمین پر گر گئے۔ اتنے میں بلد زبیر کے ایک شخص ابو جہد نامی کا جو مسافروں کو گدھوں پر پہونچایا کرتا تھا، اس طرف سے گزر ہوا شیخ کو اس کسمپرسی اور بے ہوشی کے عالم میں دیکھ کر جن کے چہرہ پر اس خستگی کی حالت میں بھی متانت و وقار اور روحانی جلال و جمال کے آثار ظاہر تھے اس کو ترس آگیا، اس نے فوراً ہی انھیں ٹھنڈا پانی پلایا اور گدھے پر سوار کر کے بلد زبیر پہونچا دیا۔

شیخ نے بلد زبیر میں کچھ دنوں قیام کیا اور پھر چاہا کہ شام چل کر اپنے اصلاحی کام کا آغاز کریں لیکن بے سروسامانی کی وجہ سے یہ ارادہ شرمندۂ عمل نہ ہو سکا۔ اس مجبوری کی وجہ سے نجد کی واپسی کا قصد کیا، پہلے احسا آئے اور شیخ عبداللہ بن عبداللطیف کے پاس چند روز قیام کر کے حریملا اپنے والد کے پاس جا پہونچے یہاں زیادہ تر وقت یا تو اپنے والد سے علمی استفادہ میں گزرتا یا علمائے حریملا کو ان رسوم اور بدعات کے خلاف ابھارنے میں، جن کے خلاف وہ منہ سے آواز بھی نہیں نکال سکتے تھے۔ یہاں شیخ اپنے والد کے اثر و اقتدار کی وجہ سے دشمنوں کی طرف سے بالکل مامون تھے۔

۱۱۵۳ھ میں عبدالوہاب، شیخ کے والد کی وفات ہو گئی، جس کا شیخ کے قلب پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ جب ناسور غم مندمل ہوا تو پھر اسی جوش اور سرگرمی کے ساتھ مشرکانہ رسوم کی مخالفت میں مصروف ہو گئے، اور قبر پرستی کی تمام صورتوں کو بلا خوف و خطر خلاف شریعت اور شرک ٹھیرایا اور ہے اس مشن کی تبلیغ میں روساء امراء کی زبردست مادی قوتوں سے بھی ٹکرائے لیکن پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ جن کے دلوں میں قبول حق کی صلاحیت تھی انھوں نے شیخ کی صدائے حق پر لبیک کہی لیکن بالعموم غرض پرست امراء

اور جاہل عوام نے انکی شدید مخالفت کی اور ایذا رسانی پر اُتر آئے۔

حریملا میں کوئی متفقہ رئیس نہ تھا، گو اہل حریملا ایک ہی قبیلہ سے تھے لیکن انکی دو شاخیں ہو گئی تھیں، وہ دونوں ریاست کی مدعی تھیں، اس وجہ سے نزاع کی وسیع خلیج ان کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔ ایک کے پاس اُجڈ غلاموں کی ایک جماعت تھی جنکی حشر انگیزیوں نے لوگوں کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ شیخ نے انکی ظلم آرائیوں کا سدباب کرنا چاہا تو انکی جان کے درپے ہو گئے، چنانچہ ایک تاریک رات میں قتل کرنے کے ارادہ سے شیخ کے گھر کی دیواروں پر چڑھکر انھوں نے گھر میں اُترنا چاہا کہ اتنے میں محلہ کے لوگوں نے دیکھ لیا اور للکار کر ان کی طرف دوڑ پڑے، غلام ڈر کر بھاگ گئے، شیخ حریملا کی اس انارکی اور بدنظمی سے پریشان ہو کر اور اپنی زندگی کو ہر وقت خطرہ میں دیکھ کر پھر عیینہ چلے آئے۔

عیینہ کا رئیس اس وقت عثمان بن محمد بن معمر تھا، اس نے شیخ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور بڑی خوش اخلاقی سے پیش آیا، انکی دعوت بھی قبول کر لی، اس کو شیخ سے بڑی ہمدردی اور عقیدت ہو گئی یہاں تک کہ اس نے اپنی بیٹی جوہرہ کو شیخ کے حبالہ نکاح میں دے دیا اور ان کے مشن کی حمایت پر پوری طرح کمر باندھ لی۔ شیخ حالات کو سازگار پاکر عثمان سے یہ کہتے ہوئے سرگرم عمل ہو گئے کہ اگر تم اعلاء کلمۃ اللہ میں ثابت قدم رہے، دین الہٰی کو فروغ دیا اور توحید خالص کی تبلیغ کی تو مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ تم کو کونین کی عزت اور خیر و برکت سے بہرہ مند کریگا۔

شیخ کی آزمائشوں کا اب نتیجہ ظاہر ہونے لگا، رئیس عیینہ کی یہ عقیدت اور حمایت دراصل غیب کی طرف سے اعلان نصرت تھا۔ اہل عیینہ کے بیشتر حصہ نے شیخ کی دعوت حق قبول کر لی اور انکے حلقۂ اثر میں داخل ہو گیا۔ عیینہ میں بہت سے ایسے درخت تھے جنکے تقدس کا اہل عیینہ کو یقین اور جن کے وسیلے حصول مقصود ہونے کا اعتقاد تھا۔ شیخ نے متبعین کی وفاداری کا سہارا پاکر اپنے پیروؤں کے ساتھ جاکر ان درختوں کو جڑ سے کاٹ گرایا، انہیں سے ایک بہت بڑے درخت کو سب سے زیادہ متبرک سمجھا جاتا تھا جس کی ایک ایک پتی کی عظمت کا ہر فرد معتقد تھا۔ شیخ نے اسے بھی "قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" پڑھتے ہوئے کاٹ کر زمین پر گرا دیا۔

اوہام پرست اُس وقت منتظر تھے کہ اتنے بڑے جرم کی پاداش میں اب کوئی نہ کوئی بلائے آسمانی نازل ہوا چاہتی ہے لیکن جب کچھ نہ ہوا تو اسے جادو کہنے لگے اور ان کی اندھی طبیعتوں پر حق کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شہر جبیلہ میں حضرت زید بن الخطاب رضؓ کی قبر پر ایک قبہ تھا جس کی توحید کے دعویدار مسلمان زیارت اور پرستش کرتے اور اس پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ شیخ نے اپنی جماعت کو لے کر اسے اپنے ہاتھوں سے منہدم کر دیا اور اس طرح کے جتنے قبے تھے سب کا استیصال کر دیا۔

آہستہ آہستہ شیخ کے ان کارناموں کا ملک میں چرچا پھیلنے لگا اور حقیقی توحید سے لوگ مانوس ہونے لگے لیکن قدرتی طور پر ان محیر العقول واقعات کا عوام کی ذہنیتوں پر یہ اثر پڑا کہ بہت سوں نے تو ان پیش آمدہ واقعات کو بے بنیاد افواہ اور ان ہونی بات تصور کیا اور جن کے دلوں میں شرک و بدعت کی گہری محبت تھی انھوں نے علانیہ ان واقعات کی، جو عالمِ وجود میں آچکے تھے، تکذیب کی، اور بہتیرے بغض و حسد کے جوش میں استہزا اور سب وشتم پر اتر آئے، اب ایک طرف قدامت پرست عوام نے اور دوسری طرف سیاسی اغراض رکھنے والے امراء و سلاطین نے اس انقلاب انگیز تحریک کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر کان کھڑے کر لیے انھیں اپنے لیے زوال حکومت کا بری طرح خطرہ محسوس ہونے لگا اس لیے اپنے اپنے طور پر ہر ایک نے اپنی تمام مادی قوتوں اور مکر و فریب کی تمام ممکن تدبیروں کے ذریعہ اس سیلاب بے پناہ کو روکنا چاہا لیکن ان میں سے ایک طاقت اور ایک تدبیر بھی اس کے بہاؤ میں نہ رک سکی۔

قابلِ پرستش قبوں کے انہدام اور "مقدس" درختوں کے استیصال کی خبر جب سلیمان بن محمد، رئیس احساء کے کانوں میں پڑی تو فرطِ غضب سے تمتما اٹھا اور سخت برہم ہو کر عثمان، رئیس عینیہ کو ایک تہدید آمیز خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"محمد بن عبدالوہاب کو جو تمہاری حفاظت اور پشت پناہی میں ہے، قتل کر دو، یا اپنے شہر سے نکال دو، کیونکہ اس نے تمام عرب کے عقائد بدل دیے، مقدس درخت کاٹ ڈالے اور صلحاء و اتقیاء کی قبروں کے قبے منہدم کر دیے۔ کیا ان گستاخیوں کے بعد بھی وہ گردن زدنی نہیں ہے؟ اگر تم اس حکم پر عمل نہ کرو گے تو یہاں کے جزیہ کی کل رقم جو تم کو ملتی ہے روک دوں گا"

یہ رقم کوئی معمولی رقم نہ تھی، اسی پر عثمان کی ریاست کا دار و مدار تھا، اس وجہ سے سخت متردد ہوا کہ کیا کرے اس نے شیخ کو بلا کر رئیس احساء کا یہ خط دکھایا اور اپنی مجبوری ظاہر کی۔ شیخ نے اسے ہر طرح کا نشیب و فراز سمجھایا اور اس امتحان و آزمائش میں ثابت قدم رہنے کی ہمت دلائی لیکن زوالِ دنیا کا خوف حمایت توحید کے جذبہ پر غالب آچکا تھا۔ انجام کار اس نے اس معرکہ میں شکست کھائی اور شیخ کو شہر سے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ گویا ابھی شیخ کے لیے مصائب کا ایک آدھ امتحان باقی رہ گیا تھا جس میں پورا اترنے کا قضا و قدر کی طرف سے تقاضا تھا۔

درعیہ کا سفر پچھلے صفحات کا نقشہ سامنے رکھیے تو نظر آئے گا کہ اب شیخ کے لیے، عینیہ، حریملا، احساء کسی مقام کی

امن نہیں رہ گیا تھا اس لیے احساء سے روانہ ہو کر درعیہ پہونچے اور اپنے دوست عبداللہ بن سویلم کے یہاں ہوئے وہاں کا امیر اس وقت محمد بن سعود تھا، اس نے اس کے بھائی ثنیان نے، جو بڑا عبادت گزار اور صاحب بصیرت تھا، اور اس کی بیوی مرضی بنت ابی وحطان نے شیخ کی آمد کی خبر سنی اور ان کی تحریک اصلاح کے حالات و واقعات بالتفصیل معلوم کیے تو سب کے سب ان کے عقیدت کیش ہو گئے۔ امیر درعیہ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا اور اس نے ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تحریک کی حمایت و تابعداری کا پر جوش وعدہ کیا۔ شیخ نے امیر کے اس لطف و کرم کا شکریہ ادا کیا اور کہا "اگر تم اللہ کے دین کی حمایت پوری مستعدی سے کرتے رہے اور کلمہ توحید بلند کرنے میں سرگرم رہے تو اللہ تعالےٰ کی رحمت سے پوری اُمید ہے کہ تم کو اعلیٰ مقام عطا کرے گا اور دنیا کی ملوکیت سے سرفراز کریگا"۔

شیخ نے امیر کی حمایت حاصل ہو جانے کے بعد بے فکری کے ساتھ توحید الٰہی، تعلیماتِ قرآنی اور صحیح اسلامی تہذیب و تمدن کی تلقین و اشاعت شروع کر دی، شیخ کی فیض رسانیوں سے بہرہ یاب ہونے کے لیے اور دین کی حقیقت و معرفت حاصل کرنے کے لیے امیر خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دوسرے لوگوں کا تو پوچھنا کیا لوگ دور دراز مقامات سے آ کر اس سرچشمۂ فیض سے ہدایت و سعادت کی سیرابی حاصل کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے درعیہ کی افق سے بدنظمی، رسم پرستی، بے دینی اور جہالت و بدعات کی ابر آلود فضا صاف ہو گئی، علم و معرفت اور تہذیب اسلامی کا ایک ایک گوشہ شمع اسلام اور نور توحید سے جگمگا اٹھا۔ علم کے پیاسے اور ہدایت کے طلبگار دور دور ممالک سے آکر اس چشمۂ رشد و ہدایت اور دریائے علم سے اپنی اپنی پیاس بجھانے لگے، طلبہ اور طالبان ہدایت کے ہجوم سے مسجدیں معمور ہو گئیں اور قال اللہ و قال الرسول کی سامعہ نواز صدائیں گونجنے لگیں۔ شیخ نے علوم دین پڑھانے کیلیے سلسلہ درس و تدریس جاری کر دیا تھا جہاں لوگوں کا اس قدر ازدحام رہتا کہ شیخ شب و روز مصروف درس رہتے۔

شیخ کی اس سعیٔ عمل اور لگاتار محنت کو اللہ تعالےٰ نے بڑی کامیابی عطا کی، نجد کی کایا پلٹ ہو گئی اور اہل نجد کے قلوب شرک و بدعت کی آلائشوں سے پاک ہو گئے۔

ولی اللّٰہی افادات و ہدایات

[حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متفرق ارشادات کی نشر و اشاعت کیلئے "الفرقان" میں اسی اشاعت سے یہ عنوان قایم کیا جارہا ہے آئندہ انشاءاللہ اسی عنوان کے ماتحت حضرت ممدوح کے خاص خاص افادات کو ہدیۂ ناظرین کرام کیا جائے گا، آج کی صحبت میں "توحید و شرک" کے متعلق آپ کے چند ارشادات "تفہیمات الٰہیہ" سے منتخب کر کے پیش کیئے جارہے ہیں۔ مدیر]

آہ امتِ محمدیہ یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر:-

"تفہیمات الٰہیہ" جلد ثانی کی ایک تفہیم میں امت محمدیہ کی موجودہ گمراہیوں پر اپنے رنج و افسوس اور باطنی غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً بشبرٍ و ذراعاً بذراعٍ حتی لو دخلوا جحر ضب لتبعتموھم۔ قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن.

اخرجہ البخاری و مسلم

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے آپ نے ایک دن فرمایا کہ "تم لوگ اگلی گمراہ امتوں کی کامل پیروی کروگے اور بالکل ان کے قدم بہ قدم چلوگے ــــ حتے کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں بھی داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی ایسا ہی کروگے ــــ بعض حاضرین نے عرض کیا ــــ

یارسول اللہ کیا یہ اُمت یہود و نصاریٰ کا اتباع کرے گی؟ ــــ حضور نے ارشاد فرمایا، "تو اور کس کا" (بخاری و مسلم)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کو نقل فرمانے کے بعد اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں:-

فقد رأينا رجالا من ضعفاء المسلمين يتخذون الصلحاء اربابا من دون الله ويجعلون قبورهم مساجد كما كان اليهود والنصارى يفعلون ذالك۔
(تفہیمات الٰہیہ جلد ثانی ص۱۳۳)

ہم نے ایسے بہت سے "مسلمان" دیکھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں (بزرگان دین اور اولیاء اللہ) کو اللہ کے نیچے گویا اپنا رب سمجھتے ہیں اور ان کی قبروں پر سجدے کرتے ہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے۔

نیز اسی "تفہیمات" جلد ثانی کی ایک اور تفہیم میں فرماتے ہیں:۔

كل من ذهب الى بلدة اجمير او الى قبر سالار مسعود او ما ضاهاها لاجل حاجة يطلبها فانه اثم اثما اكبر من القتل والزنا اليس مثله الا مثل من كان يعبد المصنوعات او مثل من كان يدعو اللات والعزى۔
(تفہیمات ص۴۵/۲)

ہر وہ شخص جو اپنی حاجت طلبی کے لیے (حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کے مزار پر) اجمیر جائے یا سید سالار مسعود غازی کے قبر پر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جا کے مراد مانگے یقیناً اس نے خدا کا بہت بڑا گناہ کیا، ایسا گناہ جو زنا اور قتل نفس سے بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ کیا وہ اُن مشرکوں کی مانند نہیں ہے جو اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں اور جو لات و عزی جیسے بتوں کو اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے ہیں

اسی کتاب کی ایک اور تفہیم، میں اقسام شرک پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثم ان الشرك بالله سبحانه في العبادة حده تعظيم لغير الله يقصد به الزلفى من الله تعالىٰ او النجاة في الدار الآخرة ومن اعظم الامراض في زماننا هذا عبادتهم لشيوخهم احياء او لقبورهم اموتا او الجهلة يقتدون بكفرة الهند في عبادة اصنامهم في نوائبهم۔ داما الاشراك

اللہ سبحانہ کے ساتھ شرک فی العبادہ کی حد یہ ہے کہ غیر اللہ کی ایسی تعظیم کی جائے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب یا دار آخرت میں عذاب سے نجات مقصود ہوتی ہے۔ اور ہمارے اس زمانہ کا عظیم ترین مرض یہ ہے کہ لوگ اپنے زندہ پیروں کی یا مرنے کے بعد انکی قبروں کی پرستش کرتے ہیں اور بہت سے جاہل (قبروں وغیرہ کی) اس طرح پرستش کرتے ہیں جیسے کہ کفار ہند اپنے بتوں کو پوجتے ہیں اور استعانت میں اللہ کے ساتھ شرک کرنے

بالله استعانة تحدہ ان يطلب من احد حاجة عالما بان فيه قدرة انجاحها من صرف الارادة النافذة كالشفاء في المرض والاحياء والاماتة والرزق وخلق الولد وغيرها مما يتضمنه اسماء الله تعالى۔

والاشراك بالله دعاء تحدہ ان يذكر غير الله سبحانه عالما بان فعله ذالك نافع له في معادہ او قربه الى الله كما يذكرون شيوخهم اذا اصبحوا۔ والاشراك بالله ذبحا تحدہ ان يذبح او يستبيب حيوانا لاحد بحيث ان لم يذبح هذا الحيوان لم ينكشف الحاجة التي في صدرہ والاشراك بالله في النذر والايمان تحدہ ان يجد وجوبا بشرف اسمه وتاله ذاته،

(تفہیمات جلد ثانی ص۶۴)

کی حد یہ ہے کہ کسی سے اپنی حاجت طلب کی جائے یہ سمجھ کر کہ وہ اس کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس کے ارادہ سے ہماری مراد پوری ہو سکتی ہے جیسا کہ بیماری سے چنگا کرنا، اور مارنا جلانا، اور رزق یا اولاد دینا اور علیٰ ہذا ان کے علاوہ وہ تمام امور جو اسماء الٰہی کے احاطہ میں آتے ہیں۔

اور دعاء میں اللہ کے ساتھ شرک کی حد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام کو یہ سمجھ کر جیا جائے کہ اس سے آخرت میں فائدہ ہوگا یا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا جیسا کہ بہت سے لوگ صبح کو اپنے پیروں کے نام کا ذکر کرتے ہیں، اور ذبح (قربانی) میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی حد یہ ہے کہ کسی جانور کو اللہ کے سوا کسی کے لیے ذبح کرے یا اس کو کسی کے نام پر چھوڑ دے اس خیال سے کہ اگر اس جانور کو ان کے لیے ذبح نہیں کیا تو میری وہ حاجت پوری نہ ہوگی ـــــ اور نذر و منت میں شرک باللہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا جس کیلیے نذر و منت مانی ہے اس کے نام کی بزرگی اور ذات کی بے انتہا عظمت کی وجہ سے اس نذر و منت کا پورا کرنا ضروری سمجھے (غرض یہ سب صورتیں شرک باللہ کی ہیں)

حجۃ اللہ البالغہ، اور بدور بازغہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے توحید کے باب میں "مسلمانوں" کی بے راہ رویوں اور گمراہیوں پر جو مفصل اور مدلل کلام کیا ہے وہ انشاء اللہ آئندہ کسی صحبت میں ہدیہ ناظرین کیا جائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور دارالعلوم دیوبند

(از جناب مولٰنا نسیم احمد صاحب فریدی فاروقی امروہی رفیق ادارۂ الفرقان بریلی)

[یہ نظم بھی "شاہ ولی اللہ نمبر" کے دوسرے ایڈیشن کی اضافات میں ہے]

ساقیِ دہلی[1] کے مستوں نے بارضِ دیوبند / جب رکھی بنیادِ میخانہ بطورِ یادگار

دور دورہ ساغرِ صہبائے طیبہ کا ہوا / جرعہ نوشانِ ازل آئے قطار اندر قطار

قاسمؒ و محمودؒ و انورؒ نے لنڈھائے خم کے خم / اپنی وسعت کے مطابق پی گیا ہر بادہ خوار

آج بھی ساقی کی چشمِ خاص کی تاثیر دیکھ / بادۂ مغرب کے متوالوں کا ٹوٹا ہے خمار

آج بھی آفاق میں اس میکدہ کی دھوم ہے / چار جانب سے سمٹ کر آرہے ہیں بادہ خوار

"درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق" / یہ خصوصیت یہاں ہر فرد میں ہے آشکار

اس کے ہر میخوار کو پیرِ مغاں کا حکم ہے / "باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

کاش! اے "ساقیِ دہلی" تو بھی آکر دیکھتا / اپنے میخانہ کی رونق اپنے رندوں کی بہار

تیرا دورِ جام، دورِ چرخ سے بھی تیز تر / تیرا مستقبل ترے ماضی سے بڑھکر شاندار

یاالٰہی حشر تک باقی رہے یہ میکدہ / دور میں ساغر رہے تا گردشِ لیل و نہار

اس کی ہر ہر اینٹ میں تاریخ بھی ثبت ہے / ہند میں بزمِ ولیؒ کی ہے یہ واحد یادگار

مسلمِ ہندی اگرچہ مفلس و نادار ہے / پھر بھی اس سرمایۂ ملت کا ہے سرمایہ دار

شوکتیں جب دہلیِ مرحوم کی آتی ہیں یاد / دیکھ کر اس کو بہل جاتا ہے قلبِ سوگوار

جن کی کوشش سے چلا ہے دورِ صہبائے حجاز / نور سے معمور کردے اے خدا اُن کے مزار

آفریدی تو بھی ہو ساغر بکف مینا بدوش
طالبِ جوشِ عمل ہو ساقیٔ ابرِ بہار

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

ہندوستان میں اسلامی اقتدار

کے ساتھ

صوفیہ صافیہ کی برکات اور ان کے احسانات

(از جناب مولٰنا محمد نور الحق صاحب علوی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور)

[قریب قریب اسی عنوان کے ماتحت مولٰنا ممدوح کا ایک تاریخی سلسلہ ۱۳۵۸ھ میں شروع ہوا تھا جس کی آخری قسط ربیع الاول ۱۳۵۹ھ میں شایع ہوئی تھی، پھر اس کے بعد بعض وجوہ سے (جنکا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) اس کی اشاعت معرض التوا میں آگئی، اب گویا ٹھیک ایک سال کے بعد اس سلسلہ کو پھر شروع کیا جا رہا ہے۔

مضامین سابقہ کی استحضار کیلیے اتنا یاد دلا دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ سابقہ قسطوں میں اسلام کے دخلہ ہند سے لیکر سلطان محمد عادل بن تغلق تک کے وہ حالات و واقعات ذکر کیے جا چکے ہیں جنکا تعلق اس موضوع سے ہے۔ چنانچہ پہلے اُن علما و مشائخ کا تذکرہ کیا گیا جنکی پابوسی سے سب سے پہلے سرزمین ہند مشرف ہوئی، جیسے کہ حضرت ابو حفص ربیع بصری (متوفی ۱۶۰ھ) اور شیخ ابو علی سندھی (جنسے ابو یزید بسطامیؒ نے حقائق توحید سیکھے) اور مثلاً شیخ اسمٰعیل لاہوری (متوفی ۴۴۸ھ) اور شیخ علی بن عثمان ہجویری (متوفی ۴۶۵ھ) وغیرہ وغیرہ ــــــ اس کے بعد حضرات مشائخ چشت کی آمد اور انکی مسلسل خدمات اور اسلامی سلطنت کیساتھ انکے روحانی تعاون کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے سلاسل سلطنت کے سلسلہ میں محمود غزنوی، سلاطین غوریہ قطب الدین ایبک شمس الدین التمش، رضیہ سلطانہ، ناصر الدین محمد التمش، غیاث الدین بلبن جلال الدین خلجی، علاء الدین خلجی، غیاث الدین تغلق، اور سلطان محمد عادل بن تغلق تک کا ذکر ہو چکا ہے، انکے زمانوں کے احوال و انقلابات انکی جہاندارانہ خصوصیات اور خصوصاً علما و مشائخ کے ساتھ انکے تعلقات کا مفصل تذکرہ پہلی قسطوں میں گزر چکا ہے ــ آخری قسط جو ربیع الاول ۱۳۵۹ھ میں شایع ہوئی تھی ہمیں سلطان محمد عادل بن تغلق کا مفصل تذکرہ کیا گیا تھا بعض مورخین نے اُس پر جو الزامات عائد کیے ہیں آج کی صحبت میں انکا جواب ملاحظہ فرمانے کے بعد سلسلہ کے بقیہ مباحث ملاحظہ فرمایئے ــــ مدیر]

الزامات

مذکورہ بالا اوصاف و حالات کے بیان کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن الزامات کی تردید بھی اپنے مشائخ کرام کے ارشادات عالیہ سے کر دی جائے۔ جو مورخین نے ازراہ ناواقفیت سلطان پر عائد کیے ہیں۔ ان الزامات کی تفصیل برنی وغیرہ میں موجود ہے۔ ہم یہاں اختصار کی خاطر "سیر المتاخرین" کا حوالہ دیں گے۔ وعلی اللہ قصد السبیل

(۱) (سیر المتاخرین میں ہے) میخواست کہ ضوابط سلاطین پیشین منسوخ ساختہ، قواعد مجددہ اختراع نماید۔ ازانجملہ یکے آنکہ خراج تمام ولایت میان دوآبہ یکے بدہ۔ (بلہ) قرار دادہ ص۱۲۲

(ترجمہ) وہ چاہتا تھا کہ تمام سلاطین گزشتہ کے آئین و ضوابط کو منسوخ قرار دے کر از خود نئے قوانین و ضوابط اختراع کرے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے۔ کہ دوآبہ کے مابین علاقے کا مالیہ بلہ مقرر کیا (اس سے جو جزوی تکالیف پیش آئیں ان کو برنی نے ذکر کر دیا ہے) وہاں ملاحظہ ہوں۔

حضرت مولنا مہاجر اس کی تردید میں فرماتے ہیں:۔

قلت بریلا تغییرا لخراج الی العشر تخفیفا علی الزراع لکن الناس لا یحتملونہ وفی زمان الاکبر لما قرروا الخراج علی قطعۃ قطعۃ قبلوھا واللہ الموفق تمہید ص۳۳۔

(ترجمہ) حقیقت الامر یہ ہے کہ سلطان کا مقصد اس سے یہ تھا کہ خراج کے عوض عشر مقرر کیا جائے اور سرکاری مالیہ بٹائی سے وصول ہو بحساب ۱/۲۔ تاکہ مزارعہ پر بوجھ نہ پڑے۔ لیکن رعایا نے ازراہ ناقہمی اس کو برداشت نہ کیا پھر اکبر کے عہد میں جب خراج زمین کے ہر ہر قطعہ پر عائد ہوا تو سب بلا چون و چرا مان گئے

(۲) سیر المتاخرین میں ہے:۔

وگاہے آرزو کردے کہ احکام شرعیہ ملکیہ از پیش خود اختراع نماید وگاہ در ترویج احکام شریعت و نماز و روزہ قیام نمودہ در اجتناب نواہی و مسکرات و سائر مناہی کوشش بلیغ و تعصب میرسانیدہ ص۱۲۲

(ترجمہ) کبھی یوں ارادہ کرتا کہ شریعت اور سیاست میں اپنی طرف سے ایجاد و اختراع کرے۔ پھر لطف یہ ہے کہ احکام شرعیہ علی العموم اور نماز و روزہ کی ترویج میں سعی کرتا۔ ممنوعات شرع، نشہ آور چیزیں اور دوسرے ناجائز امور کے بارے میں مناہی کوشش کرتا

جو بجد تعصب پہونچ جاتی تھی۔

حضرت مولٰنا اس افترا کی یوں تردید فرماتے ہیں :۔

قلت كان يفرق في الامور السياسية التي يجوز للسلطان ان يعمل فيها بالمصلحة التي يراها لكن الناس ارتسخ فيهم ان تقليد عامة الفقهاء لازم على السلاطين فبطل زعمهم في عهد الاكبر وقاموا تحت الميزاب ه تمہید ٣٣/٢

(ترجمہ) سلطان کا مقصد امور شرعیہ محضہ، اور ان امور سیاسیہ میں فرق کرنا تھا جن میں سلطان وقت کو جدید اقتضاءات اور اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرنے کا حق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امور شرعیہ منصوصہ میں سختی سے بازپرس کرتا تھا، لیکن اُس دور کے عوام اور خواص کالانعام بھی سمجھتے تھے کہ سلاطین پر فقہا کی تقلید ہر ہر جزئی میں لازم ہے۔ لیکن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ عہد اکبر آیا۔ اور ان لوگوں کی ساری خیالی باتیں باطل ہو گئیں، گویا بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے جا کھڑے ہوئے

سیاست اور مذہب کیا مذہب اور سیاست ایک ہیں یا علحدہ علحدہ؟ یہ مسئلہ ادوار متاخرہ میں افکار مختلفہ کا مرکز بنا رہا ہے اور اب بھی بنا ہوا ہے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے حالات میں اس پر کسی قدر بحث گزر چکی ہے حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ اگر لفظ مذہب سے مراد کتاب و سنت صحیحہ کے منصوصات ہیں تو لازمی طور ماننا پڑتا ہے کہ سیاست مذہب کا ایک حصہ ہے۔ اُس سے علحدہ چیز نہیں۔ لیکن اگر مذہب نام ہے فقہ مدون کا مختلف فقہائے کرام کے ارشادات جزئیہ کا تو ظاہر ہے کہ سیاست اسلامیہ کے لیے اس کا اتباع ہر حال میں لازم نہیں فقہی علمانے سیاسیات کے متعلق جو کچھ سوچا ہے اُس کی حیثیت ایک اجنبی کے مشورہ سے زائد نہیں جو "بیرونِ در" کھڑا ہو کر "اندرونِ خانہ" کے متعلق کچھ رائے زنی کرے اس کے برعکس متدین و عالم دین سلطان کے ارشادات و اعمالِ سیاسیہ کی نوعیت "صاحب البيت ادرى بما في البيت" کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ثانی اول سے ارجح ہوگا۔

(۳) سیر المتاخرین میں ہے

در اکثر علوم خصوصاً تاریخ و معقولات، نظم و نثر مہارت تمام داشت۔ و در تسخیر ممالک و ضبط آں ہا سعیِ بلیغ بکار برد۔ چنانچہ ولایت گجرات و مالوہ و دیوگڈھ و کنپلہ و ترہت و لکھنوتی و ستارگام

(ترجمہ) سلطان اکثر علوم میں علی الخصوص تاریخ و فلسفہ و نظم و نثر میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ تسخیر ممالک اور ان کے انتظام میں سعی بلیغ کرتا تھا چنانچہ ولایت گجرات، مالوہ، دیوگڈھ، کنپلہ، ترہت، لکھنوتی، ستارگام

را در اندک مدت بہ تسخیر آورد۔	کو تھوڑے سے عرصہ میں فتح کر لیا۔
و نوعے حکم داشت کہ کسے را مجال تخلف نبود۔	اس کے حکم سے کسی کو سرتابی کی مجال نہ تھی
و در داد و دہش نہایت عالی ہمت بود بخشش تمام عمر حاتم، کمترین عطایائے یک روزہ او بود۔	سخاوت و کرم میں نہایت عالی ہمت تھا۔ حاتم کی تمام عمر کی بخشش اس کے ایک دن کی کمتر عطا کے برابر تھی۔
مردم ہر طائفہ را از صوفی و قلندر و لشکری و نویسندہ و عمال و رعیت و تاجر را بہ اندک تقصیر و کمتر لغزش سیاست عظیم کردے۔ ھ ص۱۲۴	ہر گروہ کے لوگوں کو مثلاً صوفی ہوں یا قلندر سپاہی ہوں یا کلرک، او رحکام، رعایا ہوں یا تاجر تھوڑی سی کوتاہی۔ اور کمتر لغزش پر سخت ترین سزا دیتا تھا۔ ھ

خوں آشامی کا الزام اور اس کا جواب

یہ وہی خوں آشامی اور سفاکی کا الزام ہے۔ جس کا رونا برنی نے ساری باتیں چھوڑ چھاڑ کر از ابتدا تا انتہا رویا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شدت و سختی زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھی، جس قدر رعایا کی رجعت پسندی بڑھتی گئی اس کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ورنہ ابتدا میں وہ ایسا رحیم و کریم و عادل و باذل، اصول و ضوابط کا پابند نظر آتا ہے کہ اس سے زیادہ خیال کرنا بھی مشکل ہے۔ جو بادشاہ بذات خود قاضی کی عدالت[1] میں مدعی علیہ کی صورت میں مدعی کے برابر کھڑا ہو۔ جو بادشاہ اپنے آپ کو قصاص میں پیش کر دے۔ جسے انصاف و عدالت کے باب میں اس قدر اہتمام ہو کہ قاضی کے ساتھ اپنے بھائی کو اس لیے بٹھائے کہ اگر کوئی امیر قاضی کے حضور میں آنے سے گریز کرے تو شاہزادہ کے سپاہی اُسے فوراً حاضر کر دیں۔ تاکہ مظلوم کی داد رسی میں تعویق واقع نہ ہو ھ (ابن بطوطہ ص۳) ایسا بادشاہ طبعاً خونریز یا خوں ریزی پسند نہیں ہو سکتا۔ اُسکی دلی آرزو تھی

[1] (۱) ایک ہندو رئیس نے سلطان کے خلاف قاضی کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا کہ سلطان نے ناحق میرے بھائی کو قتل کیا ہے عدالت کی طرف سے طلبی پر سلطان پاپیادہ بے ہتھیار عدالت میں گیا۔ سلام کہہ کر تعظیم بجا لایا۔ پہلے قاضی کو کہلا بھیجا تھا کہ میرے آنے پر قیام نہ کیا جائے اور نہ کوئی اور قسم کا احترام۔ قاضی نے سلطان کے خلاف فیصلہ کیا۔ اس پر سلطان نے مدعی کو خوں بہا دے کر گلو خلاصی کرائی۔
(۲) اسی طرح ایک مسلمان نے عدالت میں سلطان کے خلاف کسی حق لازم کا دعویٰ کیا۔ محکمہ قضا نے سلطان کے خلاف فیصلہ کیا اور سلطان نے مال دیکر نجات حاصل کی (۳) امرا میں سے ایک شخص کے خورد سال بچے نے محکمہ قضا میں سلطان کے خلاف استغاثہ کیا کہ اس نے بیجا مجھے زد و کوب کیا ہے استغاثہ کے صحیح ثابت ہونے پر عدالت نے سلطان سے کہا کہ یا اس کو راضی کیجئے ورنہ قصاص کے لیے تیار رہیئے بچہ راضی نہ ہوا اس پر سلطان نے اپنی لاٹھی اسکو دی۔ بچے نے اکیس[۲۱] لاٹھیاں ماریں۔ چنانچہ ابن بطوطہ کہتے ہیں میں نے بچشم خود دیکھا کہ سلطان کے سر کی کلاہ سلطنت زمین پر گر پڑی ھ ص۵/۲ ابن بطوطہ

کہ عدل و داد، رائے و تدبیر میں ایسے ایسے کام کرے کہ دنیا میں یگانہ ثابت ہو۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور رجعت پسند بڑھتے گئے۔ تو وہ بھی ارتجاع کی جڑیں کاٹنے میں مشاق ہوتا گیا۔ سلطان بلند خیال تھا اور نہایت طلبی اس کی طبیعت ثانیہ تھی۔ ادھر رعایا کے خواص و عوام پست خیال، اور جامد طبع تھے۔ اس لیے جب وہ اپنے منصوبوں میں ناکام ہوتا تو رجعت پسندوں کو سختی سے سزا دیتا تھا۔[۵]

ویرانی دہلی | یہ الزام ویرانیٔ دہلی سے متعلق ہے۔ ۷۲۷ھ میں سلطان نے دیوگڑھ کو میانہ ممالک سمجھ کر اس کو دار الخلافہ بنایا۔ اور اس کا نام دولت آباد رکھا اور حکم دیا کہ دہلی کے باشندے دولت آباد ہجرت کر جائیں۔ اس کے بعد قصبات کے باشندوں کو بھی جو دہلی سے چار چار یا پانچ پانچ کوس پر رہتے تھے۔ ہجرت کا حکم دیا اس ہجرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عروس البلاد دہلی جو رشک بغداد اور موازیٔ مصر تھی نہ صرف خود ویران ہو گئی بلکہ اس کی نواحیں کتے اور بلی تک کا نام و نشان نہ رہا۔ اگرچہ سلطان نے مہاجرین کی روانگی اور دولت آباد پہونچنے کے خزانوں کے دہانے کھول دیے تھے۔ لیکن سالہا سال کے نازک بدن نازک مزاج بھلا اس جلاوطنی کی کب تاب لا سکتے تھے۔ کہ الجلاء اشد البلاء، والغربۃ اصعب الکربۃ، اکثر مہاجرین اس سفر میں کچھ راہ میں اور کچھ دولت آباد میں راہی ملک بقا ہو گئے سلطان نے اپنی طرف سے اس مہم میں ہر قسم کی سہولتیں مہیا کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ مثلاً حکم دیا کہ مہاجرین باشندگان دولت آباد سے مکان حسب مرضی خریدیں اور قیمت خزانہ شاہی سے ادا کی جاتے تاہم غربت کی تکلیف کم نہ ہوئی تھی نہ ہوئی۔ ص ۴۷۴ برنی۔ و منتخب ص ۲۲۴ جب سلطان نے دیکھا کہ حب وطن کا جذبہ مہاجرین کی رگ و پے میں جاری ساری ہے اور وہ یاد وطن میں سخت ترین تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ تو ۷۳۴ھ کو حکم دیا کہ جو شخص دہلی واپس جانا چاہے اس کو اجازت ہے۔ ص ۲۳۲ منتخب و ص ۴۸۹ بعد از برنی

مولانا مہاجر اس ابتلا کی حکمت یوں بیان فرماتے ہیں:۔

قلت تسہیل الانقلاب فی الحیوۃ الاجتماعیۃ یستلزم الہجرۃ وتبدیل | (ترجمہ) اجتماعی زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کی سہل ترین صورت یہ ہے کہ ہجرت کی جائے اور وطن مالوف سے

---

[۵] مذکورہ بالا وجہ خواجہ برنی وغیرہ نے لکھی ہے۔ ابن بطوطہ اس ویرانی کی وجہ بغاوت عام کا جذبہ قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ باشندگان دہلی اور بغاوت کے سوختے سربمہر خط لکھ کر دربار عام میں رات کو ڈال دیتے تھے جن میں سلطان کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اس پر سلطان نے عزم کر لیا کہ دہلی اور علاقہ سیری کو تمام تر ویران کر دیا جائے تاکہ یہ بغاوت کے جراثیم خود بخود مر جائیں۔ ص ۵۵۴ اصل یہ ہے کہ برنی کی ذکر کردہ وجہ بحکم مرجحہ کے درجہ کی ہو۔ اور ابن بطوطہ نے نکتہ باعثہ کی طرف اشارہ کیا ہو۔ وہ سر نکتہ باعثہ حضرت مولانا جابر ذکر فرما رہے ہیں۔ و باللہ التوفیق ۱۲ محمد نور الحق

[۶] حضرت مولانا مہاجر اسی کے متعلق فرماتے ہیں قلت و ہکذا ضاع سر الارتجاع عند الانقلابیین تمہید ص ۳۴ منہ

الا وطان ۔۔ تمہید ص۳۴ انتقال گوارا ہو ۔۔

(۵) سیر المتاخرین میں ہے :-

زمود تا مس را مانند طلا و نقرہ در دار الضرب بسکہ بزنند و فلوس مس را بدستور تنگہ بزر رواج دہند و در خرید و فروخت معمول دارند ۔۔ ص۱۳۵

(ترجمہ) سلطان نے حکم دیا کہ سونے اور چاندی کے سکوں کی طرح تانبے کے پیسے بھی ٹکسال میں بنائے جائیں اور روپیہ و پونڈ کی طرح اُن سے بھی خرید فروخت ہوا کرے۔

یہ کرنسی کا مسئلہ ہے جس کے فرضی مضارہ کو برنی نے ص۴۷۵ بعد میں بیان کیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بدایونی نے برنی سے بھی بڑھ کر اسکے مفاسد ذکر کیے ہیں۔ جو بجائے خود موجب ہزار تعجب ہیں دیکھو بدایونی ص۲۲۵ بعد

حضرت مولٰنا اس اختراع کی داد ان الفاظ میں دیتے ہیں :-

قلت ھذا ھو الذی نظمہ حکماء الاس و بافعلیوا علی اقتصادیات العالم ۔۔ ص۳۴

(ترجمہ) میں کہتا ہوں، کہ تانبے کے پیسوں کا رواج دینا وہ چیز ہے جس کو یورپ کے فلاسفروں نے منظم کرکے رواج دیا اور آج اقتصادیات عالم پر قابض ہیں۔

(۶) سیر المتاخرین میں ہے :-

دیگر اندیشہ باطل او آں بود کہ خراسان و عراق و ترکستان و خوارزم بلکہ سارے ولایت ربع مسکون را تسخیر نماید۔ باین تقریب سہ لک ہفتاد ہزار نوکر کرد۔ در سال اول مواجب بسپاہ رسید و لے در سال دوم خزانہ خالی گردید تا بہ تسخیر ولایت چہ رسد

(مہم چین)

(ترجمہ) سلطان کا ایک لغو خیال یہ بھی تھا کہ خراسان، عراق، ترکستان، خوارزم، بلکہ ممالک ربع مسکون کو مسخر کرے۔ اس مہم کو پورا کرنے کیلیے اُس نے تین لاکھ ستر ہزار فوج بھرتی کی۔ سال اوّل میں تو سپاہ کو تنخواہیں ملیں مگر دوسرے سال خزانہ خالی ہوگیا۔ تسخیر ولایت تو رہی ایک طرف۔

(مہم چین)

دیگر ارادہ لغو او آں بود کہ کوہ ہماچل کہ حائل است میان ہند و چین را تا دیوار چین ضبط نماید

علیٰ ہذا القیاس اس کا یہ لغو ارادہ بھی تھا کہ کوہ ہماچل کو جو ہند و چین کے مابین حائل ہے دیوار چین

بنا بریں اُمرائے نامدار و خوانین با اقتدار مامور کرد که مع افواج بہمراہی خود درون کوہ رفتہ سعی موفور بکار برند ہ ص ۱۲۵/۱

تک قبضہ میں لائے۔ بنا بریں اپنے امراء اور خوانین کو حکم دیا کہ وہ بذات خود فوج کے ہمراہ ہو کر پہاڑ کے اندر جاکر کام کریں

وز انداز ہشتاد ہزار سپاہ فرستاد، واز اں فقط دہ سوار برگشت ہ ص ۴۷ ۔ برنی

تصحیح برنی سلطان نے اسی ہزار فوج بھیجی تسخیر تو رہی بجائے خود اس تمام سپاہ سے فقط دس آدمی واپس آئے باقی لقمہ نہنگ اجل ہوئے۔ دیکھو برنی ص ۴۷

مولٰنا اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

قلت علے تمام مثل ھذہ الامور الصعبۃ تنتظم الملۃ۔ فان الفراد والجمع المحدود لا یکن لہ الفوز فی مثل ذلک الا باستمرار العمل ودوامہ واقناء شخصیتہ فی الملۃ فکان ذلک علاجاً للمرض المزمن للھند ہ تمہید ص ۳۴/۲

(ترجمہ) بزعم من اسی قسم کے مشکل کاموں کے ذریعہ ملت کو منظم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایک فرد یا محدود جمعیت ایسے اہم کاموں میں کامیاب نہیں ہوسکتی تا وقتیکہ کام کو دوام و استمرار حاصل نہ ہو اور اس راہ میں اپنی شخصیت کو ملت پر قربان نہ کردیا جائے سو اس وقت ہندوستان کی پرانی بیماری کا علاج یہی تھا جو سلطان نے سوچا ہ تمہید ص ۳۴/۲

تذکرہ　ہمارے مذکورہ بالا عنوان "سلطان اور ہمارے مشائخ"، کی یہ اہم کڑیاں ہیں جو قلمبند ہوئیں۔ وعلی اللہ التکلان۔

وفات　سلطان ٹھٹہ سندھ میں تپ دق سے، (جو محن گوناگوں اور اندیشہ ہائے بوقلموں کا نتیجہ تھا) ۲۱ محرم الحرام ۷۵۲ھ کو فوت ہوا۔ مدت سلطنت ستائیس سال ہ برنی ص ۵۲۵ و منتخب ص ۲۴۰/۱

(۶) سلطان فیروز شاہ باربک)

سلطان محمد عادل کی وفات کے بعد ۲۱، ۲۲، ۲۳ محرم الحرام تک تخت وتاج کے لیئے کوئی انتخاب نہ ہوا خود سلطان محمد را پسرے نہ بود"، ہ (برنی ص ۵۳۵ و فرشتہ ص ۱۴۵/۱) لشکر وغیرہ جنگی تعداد دو لاکھ سے متجاوز تھی ٹھٹہ سے بے سروسامانی اور نہایت بے ترتیبی سے کوچ کرکے سیون کی طرف روانہ ہوا ٹھٹہ سے چودہ کوس نکلنے پر سامنے سے مغلوں نے، اور پیچھے سے ٹھٹہ والوں نے اس بے بادشاہ لشکر کو آلیا۔ (برنی ص ۵۳۴) مصیبت کا

یہ عالم تھا کہ مال، جان، عزت و ناموس، زن و فرزند تمام کے تمام غنیم کے نرغہ میں تھے۔ خواب و خور حرام، تمام رات بیداری میں کٹی (ہ برنی ص۵۳۴، ص۵۳۵) زن و فرزند کے اس تاخت و تاراج میں منزلِ اول کٹی، دوسری روز اس سے بھی بدتر معاملہ پیش آیا۔ اور غنیم نے بے آبروئی قتل و نہب میں کسر باقی نہ چھوڑی۔ اس طرح دوسری منزل طے ہوئی۔ ان ہوش ربا کوائف و واقعات کو دیکھ کر جوان مسافرانِ بے وطن کو صحرائے سندھ میں پیش آرہے تھے۔ مخدوم زادہ عباسی، شیخ الشیوخ مصری، شیخ الاسلام حضرت نصیر الدین چراغ دہلی و دیگر علما و مشائخ ملوک و امرا، اکابر و معززان نے مذکورہ بالا دو لاکھ کی جمعیت کی طرف سے ملک فیروز باربک سے بہ تضرع التجا کی کہ وہ بحیثیت عمزادی، ولی عہدی تخت و تاج کو قبول کرے، فیروز باربک نے سفرِ حجاز، و زیارت حرمین شریفین کا عذر پیش کرکے معذرت چاہی (فرشتہ ص۱۴۴ و برنی ص۵۳۵) لیکن شنوائی نہ ہوئی چنانچہ ۲۴ محرم الحرام ۷۵۲ھ کو، بہ عمر زائد از پنجاہ سال (ہ فرشتہ) باجماع خواص و عوام، و بالحاح زن و بچہ، مرد بالغ و نابالغ، غلام و کنیز تخت و تاج کو فیروز شاہ نے قبول کیا۔ اعلان بادشاہی کے بعد یہ سب قافلہ دہلی کو روانہ ہوا، تو حالات یکسر بدل گئے، مغلوں اور سندھیوں کو اُن کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کی مجال نہ تھی، سلطان نے سردارانِ مغل اور سندھی سرغنوں کو ایسی سزائیں دیں کہ تمام شوریدہ سر یکسر اطاعت شعار ہو گئے۔ اس فتنۂ ہوش ربا کے فرو ادب جانے سے لشکر اور امرا اور زیادہ فداکار، اور اطاعت شعار ہوئے اور فیروز شاہ کی دھاک بیٹھ گئی سلطان سیون میں پہونچا۔ احترامِ حضرات کی خاطر چند روز وہاں ٹھہرا اور اپنے دریائے کرم سے اہالیانِ سیون کو امرا و مشائخ و علما وغیرہ طبقات انام کو سیراب کیا۔ نیز اُن سائلوں کو اپنی بخشش سے مالامال کرکے وطن جانے کی اجازت دی جو سلطان محمد عادل کی خدمت میں احتیاج کا تحفہ لے کر سیستان، عدن، مصر، قندھار اور دوسرے مختلف ممالک سے آئے تھے (ہ برنی ص۵۳۶) سلطان کو صوفیہ صافیہ کی برکات بے نہایات سے چونکہ شیفتگی تھی اس لیے "مزارہائے بزرگانِ سیوستان را زیارت کرد" (برنی ص۵۳۷) سلطان سیون سے چلکر بھکر پہونچا اور اپنی بخششوں سے باشندگان بھکر کو نوازا "و روضات بزرگان بھکر را زیارت کرد۔ و ادرارات و انعامات گذشتہ و پیوستہ بھکریان از سرِ نو مقرر داشت و خاطر بھکریان را بعد از سالہا جمع گردانید" (ہ برنی ص۵۳۸)۔ وہاں سے اُچہ آیا۔ وہاں بھی بے حد مراحم خسروانہ سے پیش آیا۔ بند شدہ وظیفے جاری کیے، اور محتاجوں کے لیے از سرِ نو وظیفہ جاری کرنے کا حکم دیا۔ "و خانقاہ شیخ جمال الدین اُچہ را کہ حکم اندراس گرفتہ بود، از سر احیا فرمود۔ و پسران شیخ جمال الدین را انعام داد۔ و آں خانوادہ رفتہ و گزشتہ را بنا فرمود" (ہ برنی ص۵۳۹) یہیں ملتان کے علما و مشائخ وغیرہ اظہار عقیدت کے لیے دربار شاہی میں حاضر ہوئے

اور بامُراد ہو کر واپس گئے۔ وہاں سے سیدھا اجودھن آیا اور شیخ الاسلام والمسلمین فرید الدین گنج شکر کے مزار پُرانوار کی زیارت سے مشرف ہوا۔ سلطان نے اس خانوادے کو بھی جس کا شیرازہ درہم برہم ہو چکا تھا از سر نو منظم کیا۔ اور شیخ علاء الدین کے پوتوں پر انعام واکرام کیا۔ اور جاگیریں دیں۔ (ہ برنی ص ۴۲ ۵) بقول برنی ماہ جمادی الاخرہ کی اخیر میں (ص ۴۶ ۵) اور بقول فرشتہ ۲ رجب ۷۵۲ھ کو دہلی پہونچا اور تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔

الاعتبارُ والتادیل مذکورہ بالا واقعات کا استنتاج علے الاعلان اس امر کی شہادت ہے کہ روحانیت وکشفِ صوفیۂ چشت یہاں بھی اپنے عائدشدہ یا التزام کردہ فرائض سے غافل نہیں۔ انقلاب حکومت کے مواقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا۔ شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سندھ کے اس جانگداز سفر میں صعوبتیں اسلئے برداشت کرتے ہیں کہ کہیں ذراسی سہل انگاری سے سیاست اسلامیہ غلط راہ پر نہ پڑ جائے جس کو صراط مستقیم پر چلانے کی ذمہ داری اسلاف چشت نے اپنے سر لی تھی۔ پھر یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فیروز شاہ بھی اس سے خالی الذہن نہیں کہ روحانیت صوفیہ کو میرے حال پر خاص نظر کرم ہے۔ اور مجھ کو اس کے دامن کے ساتھ وابستہ رہنے ہی میں سرخروئی کی سند حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلیے وہ اس سفر میں (جہاں اُس کو جلد تر دارالسلطنت میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ دہلی میں احمد ایاز جیسے نوے سالہ خرانٹی بڈھے نے سلطان محمد عادل کا ایک فرضی بچہ، پانچ یا چھ سال کا پیش کر کے اُس کی حکومت کا اعلان کر دیا تھا اور خود بدولت اُس کے سرپرست ہو کر زمام حکومت سنبھالے ہوئے تھا) اولیاء اللہ کے دامن کو بھائے ہوئے کوئی موقع اظہار عقیدت کا ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ وہ درہم برہم شدہ خانوادے اسلیے از سر نو منظم کرتا ہے کہ روحانیت کی وہ برقی رو کہیں ختم نہ ہو جائے جس نے کفرستان ہند کو نور اسلام سے روشناس کیا، اور اپنی سیادت کو منوانے کیلئے یہاں ایک مستحکم حکومت کی بنیاد ڈالی۔

تصریحات مذکورہ بالا کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اگر ان کے ساتھ مولانا عبدالقادر بدایونی کے ارشادات ذیل کو بشرط ثبوت ملا کر پڑھا جائے منتخب التواریخ میں ہے:

می گویند کہ مخدوم زادہ عباسی بغدادی، و شیخ نصیر الدین چراغ دہلی، قدس سرہما العزیز باعث سلطان فیروز بایں بیعت بودند۔ و در افواہ چناں مشہور است کہ مخدوم شیخ نصیر الدین چراغ دہلی ملک فیروز را در مدت غیبت سلطان خفیہ ونہاں بادشاہ کردہ بودند

(ترجمہ) مورخ کہتے ہیں کہ مخدوم زادہ عباسی بغدادی اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سلطان فیروز کی بیعت حکومت کا باعث تھے۔ نیز یہ بھی مشہور عوام ہے کہ سلطان محمد عادل کے پایۂ تخت سے غیر حاضر ہونے کی حالت میں خواجہ نصیر الدین موصوف نے سلطان فیروز شاہ کو خفیہ

بعضے منہیان ایں خبر را بہ سلطان رسانیدند، حکم فرمود تا ہر دو پیر و مرید را از دہلی مقید ساختہ بہ لشکر بیاورند ملک فیروز بنوعی دل محافظاں را بدست آوردہ بہماں حالت در نواحی ہانسی نزد شیخ بدرالدین کہ از اولاد شیخ جمال الدین ہانسی بود۔ رسید۔ آں بزرگوار فرمود سبحان اللہ۔ یکے را مقید گردانیدہ برائے سلطنت مے برند۔ و او خبر ندارد۔ چوں در نواحی تھٹہ بہ لشکر سلطان رسیدند و خبر ایں دو عزیز بہ سلطان رسید، حکم کرد کہ بمجرد رسیدن ایشاں را بقتل رسانند، و معاً در سکرات افتاد۔ محافظاں چوں ایں حالت دیدند ہر دو را گذاشتند و سلطان فیروز باتفاق اعیان لوائے سلطنت برافروختہ بعد ازاں مراجعت بدہلی نمودہ پرگنہ چوراسی را از ولایت ہانسی نذر خانقاہ و لنگر شیخ بدرالدین مذکور گردانیدہ صہ ۲۴۱ بعد

طور پر بادشاہ بنا دیا تھا کیسی نے دردار تعبیر ہی اور جاسوسوں نے اس کی اطلاع سلطان کو سفر میں پہونچائی سلطان نے حکم دیا کہ ہر دو پیر و مرید کو دہلی سے گرفتار کر کے یہاں لایا جائے۔ ملک فیروز نے پولیس کے محافظ دستہ کی دلجوئی کر کے ان کو اپنا لیا چنانچہ اسی حالت میں ملک فیروز نواح ہانسی میں شیخ جمال الدین ہانسوی کی یادگار شیخ بدرالدین کی خدمت میں پہونچا۔ شیخ نے از راہ تعجب فرمایا سبحان اللہ ان میں سے ایک کو سلطنت دینے کے لیے پا بجولاں لے جا رہے ہیں اور اس کو خبر بھی نہیں۔ جب یہ گرفتاران بلا نواح تھٹہ میں پہونچے تو سلطان نے حکم دیا کہ پہنچتے ہی ان ہر دو کی گردن ماردی جائے۔ اتنے میں سلطان پر سکرات موت غالب آ گئے۔ محافظوں نے یہ حالت دیکھ کر ہر دو کو رہا کر دیا، بعدہ یہی گرفتار بلا سلطان فیروز شاہ ہوا۔ دہلی واپس آکر سلطان فیروز شاہ نے پرگنہ چوراسی از نواح ہانسی کو شیخ بدرالدین کی خانقاہ اور لنگر کے لیے بخشدیا۔ منتخب التواریخ صہ ۲۴۱

یہ عقیدت مشائخ ہی کا جذبہ تھا کہ "در ۷۵۴ھ سلطان فیروز شاہ۔ شیخ صدرالدین را کہ از اولاد شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی بود، خطاب شیخ الاسلامی بخشیدہ بہ تقرب خویش اختصاص داد"، (منتخب صہ ۲۴۲ و سیر المتاخرین صہ ۱۲۷ و فرشتہ صہ ۱۳۵) (واضح رہے کہ یہ بزرگوار شیخ صدرالدین عارف کے علاوہ ہیں، وہ ۶۸۶ھ میں انتقال فرما چکے تھے چنانچہ تفصیلاً آ رہا ہے)

اسی بے پناہ عقیدت کا تقاضا تھا کہ سلطان فیروز شاہ نے حضرت فریدالدین گنج شکر، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سلطان الاولیا نظام الدین دہلوی، شیخ رکن الدین، شیخ جمال الدین (اُچہ) کے خاندانوں کو، اور ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک مشائخ کرام کی خانقاہوں کو دیہات، جاگیریں، باغات بخشے، جمہور، صوفیہ اور یتیموں (ختم قرآن

کرنیوالوں) کو بلا تکلیف پکا پکایا کھانا بروقت پہونچ جاتا تھا، وہ لوگ شب و روز عبادت و تسبیح و تہلیل اور ختم ہائے قرآن کریم میں مصروف رہتے تھے۔ بعد نماز ہائے پنجگانہ سلطان کے لیے دعائے خیر و برکت کرتے تھے

ھ برنی ص ۵۶۵

یہ ہے مختصر سرگزشت کشف اور سیاست کی دمسازی کی۔ سلطان اور توقیر مشائخ کی۔

خدمت علمار کرام

سلطان کے عہد میں علماء، مدرسین، مفتی، واعظ وغیرہ حضرات اہل علم کے وظائف بھی ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک پہونچے ہوئے تھے۔ پرانے مدارس، اور قدیم مساجد جو ویران ہو چکے تھے از سر نو مدرسین اور طلباء سے بھر گئے۔ تعلیم و تعلم کو از سر نو رونق و تازگی نصیب ہوئی۔ شہر تو رہے ایک طرف، دیہات کے ائمہ مساجد و مدرسین ہزاروں روپیہ وظیفہ پاتے، اور عزت و تکریم سے دیکھے جاتے تھے۔ نادار محتاج نان شبینہ کے طلبہ نہال ہو گئے۔ حد ہے کہ پھٹے ہوئے جوتوں والے طالب علم نفیس لباس زیب تن کیے ہوئے بادپا رہوار پر سوار ہوئے جا رہے ہیں۔ علوم دینیہ اور تعلیم احکام شرعیہ کا گھر گھر چرچا تھا "شب و روز در بلندی شعار دین محمدی مشغول مے بودند" (برنی ص ۵۶۶)

شاہی کالج

خدمت علوم دینیہ میں شاہی کالج کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے یہ کالج مدرسہ فیروز شاہی، سے مشہور ہے۔ سلطان نے اس کو حوض علائی کے کنارے تعمیر کرایا تھا۔ کالج مذکور اپنے گنبدوں کی سربلندی، کمروں کی خوبصورتی، صحنوں کی موزونی، نشستگاہوں کی لطافت، برامدوں کی دلآویزی میں دنیا کی مشہور عمارتوں سے فائق تھا جو شخص بھی ایک بار وہاں داخل ہوتا یوں سمجھتا کہ بہشت بریں میں داخل ہو گیا ہوں۔ کالج کی دلکشا عمارات و باغات کو دیکھ کر غم واندوہ کا نام و نشان بھی نہ رہتا تھا۔ مدرسین و طلبہ یہاں پہونچکر خانماں فراموش کر دیتے تھے۔ سیاحان عالم یک زبان ہو کر کہتے سنے گئے کہ ایسی عالی شان عمارت، اور روح افزا مدرسہ ہم نے اپنی طویل سیاحت میں نہیں دیکھا۔

کالج میں نماز با جماعت کے التزام و اہتمام کے علاوہ بندگان خدا عموماً نماز اشراق و ضحی و اوابین و تہجد و نماز زوال میں مصروف دیکھے جاتے تھے۔

اس عالیشان کالج، اور فرید دہر مدرسہ کے صدر مدرس، مولانا جلال الدین رومی تھے جو اپنے عہد کے یگانہ دہر فاضل تھے [مولانا شیخ قطب الدین رازی شارح مطالع کے شاگرد رشید ہیں، اور سید یوسف بن سید جمال حسینی کے استاذ خاص ہیں، سید صاحب شہر سے ملتان تشریف لائے۔ پھر سلطان فیروز شاہ کے عہد میں سپاہیانہ لباس میں

دہلی آئے۔ سلطان نے ان کی لیاقت علمی کو دیکھ کر ان کو بھی کالج کے اساتذہ میں داخل کر لیا۔ شیخ عبدالحق نے اخبار الاخیار میں ان کو اولیاء ہند میں شمار کیا ہے۔ ص ۱۰۳]

تعلیم علوم عقلیہ و نقلیہ کے علاوہ کالج مذکور میں "حفاظ خانہ" بھی تھا۔ جس میں شب و روز حفاظ، کلام مجید کے حفظ اور ختم میں منہمک رہتے تھے۔

کالج کا تمام ترخرچ خزانہ شاہی برداشت کرتا۔ تمام طلبہ کو تیار کھانا وقت معین پر پہونچ جاتا تھا (خواجہ برنی ص ۵۶۲)

جامع فیروزشاہی تعلیم دین کے سلسلہ میں جامع فیروزشاہی کا تذکرہ بھی غیر موزوں نہ ہوگا۔ عام طور پر نماز جمعہ اسی مسجد میں ادا کی جاتی تھی۔ دور دور محلوں اور ملحقات و مضافات کے لوگ یہاں نماز جمعہ ادا کرنے آتے۔ ازدہام و ہجوم کا یہ حال تھا کہ پبلک مکانات کی چھتیں، اور بازار نمازیوں سے پُر نظر آتے تھے (برنی ص ۵۶۲)

عام دینداری سلطان کی عدل پروری اور شریعت دوستی کا اثر تھا کہ اس کے عہد میں ہر طرف دینداری کے آثار نظر آتے تھے۔ مساجد، عیدگاہیں، سرائیں، دیندار لوگوں سے پُر نظر آتی تھیں۔ جدھر نظر اٹھتی تھی۔ علماء و مشائخ، صوفیہ، متعلم، علم، زاہد و خلوت نشین حضرات ہی نظر آتے تھے۔ خیال گزرتا تھا کہ ایسی مقدس اور اتنی مخلوقات خدا کہاں سے آ گئی۔ یہ سلطان کی ذات گرامی کا اثر تھا کہ بڑے بڑے کار آمد لوگ، اور منظم انجمنیں موجود تھیں۔

فسق اور فسق و فجور کا سدباب یہ دینداری ہی کا جذبہ عامہ تھا کہ جس کے ماتحت، احکام ذیل کی پابندی لازم قرار دی گئی تھی۔ سیر المتاخرین سے۔

بمقتضائے نیک ذاتی، و نیک نیتی، عورت مسلمہ کا فرہ را از رفتن بر مزارات و بت خانہ ہا منع کرد۔ و اساس فسق و فجور مثل میکدہ و بھنگ خانہ و دیگر ملاہی منہدم گردانید ۵ ص ۱۲

(ترجمہ، سلطان نے اپنی سعید فطرت، اور نیک نیتی سے حکم دیا کہ کوئی عورت مسلمہ مزارات پہ اور غیر مسلم عورت بُت خانہ میں نہ جایا کرے۔ نیز اُس نے بدکاری کے اڈے مثلاً شراب خانے اور بھنگ خانے وغیرہ گرا دیے تھے (ص ۱۲)

ثروت پھر اس دینداری کے ساتھ رفاہیت اور ثروت اس قدر کہ گزشتہ سلاطین کے دوروں میں اس کی نظیر ڈھونڈے نہیں ملتی (برنی ص ۵۵۴) اس کے عہد میں بازار پُر رونق اور تاجر بہت ہی آسودہ حال تھے۔ ان کا سرمایہ لاکھوں سے گذر کر کروڑوں تک پہونچ چکا تھا۔ شرفا کے گھروں میں گھوڑوں، مویشی، غلہ، اسباب کے لیے جگہ نہ تھی "الغرض نام احتیاج در رعایا نماندہ" (ص ۵۵۴۔ برنی)

رفع قحط | سلطان کے تخت نشین ہوتے ہی قحط زدہ مخلوقات کو آرام نصیب ہوا۔ جلوس کے سال اول ہی میں "ضابطہ خراج بر محاصل"، وضع کر کے نافذ کیا گیا۔ جس کے اثر سے قحط کا نام و نشان بھی نہ رہا۔

سیر المتاخرین وغیرہ میں ہے:-

سلطان مذکور بہ تقاضائے نیک ذاتی و حسن فطرت سلطنت بہ عدالت کردہ، ضوابط عدل و احسان در میان جہانیان گذاشت۔

(ترجمہ) سلطان فیروز شاہ نے اپنی سعید فطرت کے باعث اپنی حکومت کی بنیاد عدالت اور احسان پر رکھی اور انصاف کے متعلق چند ضابطے اپنی یادگار چھوڑے۔

(الف) از انجملہ یکے آنکہ خراج ممالک بر محاصل گرفتے و بقدر طاقت رعایا طلب نمودے و باضافہ و توفیر نہ فرمودے و از استقامت ضابطہ مذکور ولایت ہا آباداں شد، و کروہا و فرسنجہا مزروع گشت و دشت و بیابان در زراعت در آمد و کشت بکشت، باغ بباغ، و دہیہ بدہیہ متصل شد و از انکہ خراج بر محاصل شد ہیچ کسے در تنگئے نیفتاد

(۱) ضابطہ اول۔ خراج بر محاصل قاعدہ یہ تھا کہ خراج پیداوار کے مطابق لیا جاتا۔ مثلاً ایک زمیندار کی گندم سو من ہو تو اس سے ۱/۱۰ کے حساب سے مثلاً دس من مالیہ وصول ہوا۔ اور دوسرے سے جس کی زمین کا رقبہ پہلے سے مساوی مگر پیداوار صرف ۱۰ من ہی تو اس سے ایک من وصول ہوگا [انگریزی عہد کی لعنتوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ خراج زمین کی حیثیت پر ہی مثلاً ایک قطعہ زمین ان کے یہاں نہری لکھا ہوا ہے۔ خواہ فصل کا نام بھی نہیں وہ اس سے نہری زمین کی شرح سے مالیہ وصول کریں گے] ضابطہ مذکورہ بالا سے علاقے آباد ہو گئے، میلوں کوسوں تک زراعت ہی زراعت نظر آتی تھی۔ جنگل اور بیابان زمین مزروعہ کی شکل میں بدل گئے کھیتی اور باغات کے ذریعہ ایک دیہہ دوسرے سے مل گئی۔ چونکہ مالیہ سرکار بٹائی سے وصول ہوتا تھا اس لیے کسی کو کوئی زیر باری ہوتی تھی

(الف) و از اخذ محصول ادنے حرفہ مثل گلفروشی و ماہی فروشی، ندافی، قصابی، کوزہ خشتہ پزی وکاہ کاہی و امثال ذٰلک کہ باعث آزار غربا و عامہ برایا است، اجتناب داشت ۔ سیر ۲۲ و فرشتہ ۱۵۱

(جزو دوم) ادنیٰ پیشہ لوگوں پر کوئی محصول نہ تھا مثلاً پھلیرے، مچھلی بیچنے والے، دھنیے، قصاب، اینٹیں پکانے والے، گھاس چرانے والے علیٰ ہٰذا القیاس کیونکہ اس قسم کے محصول سے عوام کو سخت اذیت ہوتی تھی

(ب) سیاست مطلق ترک گفتہ ہیچ مسلمانے را آزار نے داد۔ و از فیض تربیت او، و اصلاح حال مردم احدے محتاج سیاست نشد۔

(۲) ضابطہ دوم۔ ترک سیاست، دور علائی، اور محمد شاہی کے برعکس فیروز شاہ نے جبر و تشدد کو یک قلم ختم کر دیا تھا اس کی تربیت سے رعایا اصلاح پذیر ہوئی۔ اور کسی کو

تادیب و تعزیر کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوئی۔

(ب) فرزندان و وارثان کسانے راکہ سلطان محمد شاہ تغلق بہ ناحق کشتہ و قطع اعضا نمودہ بود۔ بہ انعام و وظیفہ خوشنود کردہ خط برأت ذمہ سلطان ازاں جماعت گرفتہ، بہ مہر اکابر و اشراف رسانیدہ در مقبرہ سلطان گزاشت، تا وسیلہ رستگاری او در عقبے گردد (سیر ص ۲۳)

(جزو دوم) سلطان محمد عادل نے جن لوگوں کو ناحق قتل کیا۔ یا ان کے اعضا کاٹے سلطان فیروزشاہ ان کے وارثوں کو انعام دے کر ان سے سلطان مرحوم کے لیے برأت نامہ لکھواتا، اور اکابر و اشراف کی شہادتوں سے پختہ کر کے اس کو سلطان کے مقبرہ میں دفن کرا دیتا تاکہ قیامت میں سلطان کی رستگاری کا باعث ہو۔

(ج) محقق ضیاء الدین برنی نے ضابطہ سوم کے متعلق حسب ذیل تصریحات ذکر کی ہیں:۔

ایں ضابطہ سر جملہ امور جہانداری است و از استقامت او در جمیع ممالک محروسہ عدل و احسان منتشر گشت و در ظلم و تعدی مسدود گردید۔ و آں اینکہ سر شکلان دولت و عمال و اعوان و انصار مربہ محسنان دعا دلان و منصفان را برگزید۔ و ہیچ شریرے و ظالمے و خدا ناترسے را سری و سروری نداد۔ (اقتباسات از برنی ص ۵۹۵)

(ترجمہ) ضابطہ سوم، نیکوکار عمال کا تقرر۔ یہ قانون حکومت عادلہ کی روح رواں اور استحکام سلطنت کے لیے بمنزلہ محکم اساس کے ہے۔ اس کے نفاذ سے تمام ملک محروسہ میں عدل و احسان کی اشاعت ہوئی، ظلم و تعدی کے دروازے مسدود ہو گئے۔ یہ ضابطہ نیکوکار عمال کے تقرر سے متعلق ہے۔ سلطان نے ملکی اور فوجی محکمے تمام تر نیکوکار انصاف پسند حکام کے حوالے کیے کسی شریر، ظالم، خدا ناترس کو کہیں بھی حکومت کرنے کا موقع نہ دیا اس سے عدل عام ہوا اور ہر طرف رفاہیت اور آسایش پھیل گئی۔

تعمیرات عامہ سلطان موصوف نے زمانہ سلطنت میں اس قدر مسجدیں، مدرسے، مہمان سرائیں اور شفاخانے تعمیر کرائے کہ عہد بلبن کو بھی مات کر دیا، فیروزآباد وغیرہ تیس شہر، چالیس جامع مسجد پختہ، تیس مدرسے، بیس خانقاہیں، بائیس رباطیں، سو نہریں، ایک سو کوشک، ایک سو باون حمام، پانچ شفاخانے، سو مقبرے، دس بڑی مینار اور بے شمار باغات اس کے عہد کی یادگاریں ہیں۔

جون پور ہندوستان کا مشہور شہر جونپور سلطان نے اپنے عم زاد و ولی نعمت سلطان محمد بن تغلق عرف

فخرالدین جونا کے نام پر بسایا۔ دہلی کی لاٹھ فیروز شاہ بھی اُسی کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔

منشور نیابت خلافت ۷۵۳ھ بروز عید ضحیٰ دار الخلافہ مصر سے، خلیفہ کی طرف سے سلطان کے پاس منشور خلافت، لوا، و خلعت پہونچا۔ جس میں مذکور تھا کہ ہندوستان کی حکومت خلافت کی طرف سے آپ کے حوالہ کی جاتی ہے سلطان نے منشور مذکور کا بیحد احترام کیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ منشور مذکور یا تو آسمان سے نازل ہوا ہے۔ یا گنبد خضرا سے آیا ہے۔ اس منشور کے آنے کے بعد نماز عیدین اور نماز جمعہ میں اور زیادہ رونق ہوگئی۔ ۷۶۶ھ میں دوبارہ منشور خلافت آیا۔ اور خلیفہ نے سلطان کے لیے لوا، و خلعت بھیجا۔ ہر دوبار سلطان نے بھی بیش بہا تحائف خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیے (برنی ص ۵۹۸ فرشتہ ص ۱۴۶)

فلسفۂ ہند، اور دوسرے علوم ہند کی خدمت ۷۶۲ھ میں سلطان نے نگر کوٹ کی تسخیر کے لیے چڑھائی کی دشوار گذار راستے طے کرتا ہوا قلعہ کانگڑہ میں پہونچا وہاں کے مہاراجہ نے دربار میں حاضر ہوکر اطاعت کا عہد کیا، اور انعامات شاہی سے سرفرازی حاصل کی۔ سلطان نے اپنے ولی نعمت سلطان محمد عادل کی یاد میں نگر کوٹ کا نام محمد آباد رکھا۔ سلطان کو معلوم ہوا کہ جب سکندر یونانی مع نوشابہ یہاں آیا تو یہاں کے باشندوں نے نوشابہ کی تصویر بنا کر اُس کی پوجا شروع کی تھی، جو اب تک جوالا مکھی میں موجود ہے، اور اُس کی باقاعدہ پرستش کی جاتی ہے اس کے علاوہ جوالا مکھی میں ایک کمرہ ہے جہاں سے ہموارہ آگ کے سر بفلک شعلے نکلتے رہتے ہیں نیز وہاں قدیم برہمنوں کی تصانیف میں سے ایک ہزار تین سو کتابیں بھی موجود ہیں سلطان نے جوالا مکھی پہونچکر سب کچھ صحیح پایا۔ برہمن فضلا کو اپنے دربار میں بلا کر اُن سے بعض کتب کے مضامین سُنے، اور بہت محظوظ ہوا، حکم دیا کہ فلاں فلاں کتاب کا فارسی میں ترجمہ کر دیا جائے چنانچہ مولانا عزیز الدین (سیر المتاخرین، بدایونی میں عز الدین اور فرشتہ میں اعزالدین ہے) خالد خانی نے (جو فیروزی عہد کے شاعر و انشا پرداز ہیں) حکمت طبعی[1] کی ایک کتاب کا ترجمہ کر کے اس کا نام فیروز شاہی اور بقول بدایونی دلائل فیروزی رکھا۔ سلطان اکثر اوقات اپنی محفل میں اُن کے مضامین سُنا کرتا تھا۔ (سیر المتاخرین ص ۱۲۷)

---

[1] مورخ فرشتہ فرماتے ہیں۔ "مولانا اعز الدین خالد خانی (نون سے منتخب میں خانی بالفا ہے) کتابے از حکمت طبعی و شگون و تفاول در سلک نظم کشیدہ "دلائل فیروز شاہی" نام کرد۔ و ملحق ان کتابے ہست، متضمن اقسام حکمت نظری و عملی، و سلطان فیروز صورت نوشابہ را بیک لک تنگہ بمدینۂ طیبہ فرستادند و اورا در شارع عام زیر زمین کردند، و زر را در محتاجان تقسیم نمودند،" (ص ۱۴۶)

محمد نور الحق العلوی غفرلہ

بدایونی فرماتے ہیں کہ کتاب مذکور مثنوی تھی۔ جس کا موضوع تھا "ہبوط و صعود سیارات سبعہ و سعادت و نحوست آں ہا و تفاول و شگون"، میں نے ۹۷۲ھ کو لاہور میں از اول تا آخر اس کا مطالعہ کیا۔ نہ مستحق ستائش و نہ سزاوار مذمت،

اس کے علاوہ میں نے اور بھی کئی کتابیں دیکھیں جو سلطان کے حکم سے ترجمہ کی گئی تھیں، اُن میں سے بعض علم موسیقی سے متعلق تھیں۔ اور بعض دوسرے فنون سے مجھے اُن میں سے اکثر فرد تر معلوم ہوئیں۔ یا تو اس لیے کہ اُن کا موضوع بحث نکما تھا۔ یا صعوبت تعبیر حائل تھی (منتخب ۲۴۸ تا منتخب ۲۵۰)

ثانی شہاب الدین غوری اور اول و آخر کی یکسانی

"الغرض، بعد از سلطان معز الدین محمد سام رح بادشاہے حلیم تر، و نرمگیں تر و مشفق و مہربان و حق شناس و وفادار تر، در اسلام و مسلمانی پاکیزہ اعتقاد تر، از سلطان فیروز شاہ بر تخت دہلی نیامدہ (۵۴۲ھ برنی) بے خونریزی موحدان، و سیاست مسلمانان بر تخت نشست، در عہد شاہے از شاہان دہلی ایں چنیں دست ندادہ بشش سال است کہ موحدے از اہل اسلام در پیش سراسیاست نشدہ، و موے کسے از گناہگاران ملکی و مالی کژ نگشتہ۔ از یں جا گفتم کہ بعد از سلطان معز الدین سام ہیچ بادشاہے ہمچو فیروز شاہ بر تخت دہلی قدم ننہادہ (ص۔ برنی ۵۵۵ھ)

وفات ۱۸ ماہ رمضان ۷۹۰ھ میں، (۹۰) سال عمر پا کر سلطان فوت ہوا۔ مدت سلطنت (۳۸) سال و چند ماہ (ص ۲۵۵ منتخب التواریخ)۔ امیر تیمور گورگاں کا ہم عصر تھا۔ تیمور اور ویرانی دہلی کے لیے دیکھو فرشتہ ص ۱۵۶۔

خاتمہ سلطنت غوریہ

سلطان فیروز شاہ کی وفات کے بعد تقریباً پچیس ۲۵ سال تک اُن کی اولاد حکمرانی کرتی رہی۔ تا آنکہ ۸۰۱ھ میں امیر تیمور گورگاں صاحب تمران نے دہلی پر حملہ کیا اور اسکو بالکل ویران کر دیا۔ تیمور کے حملہ کے دوران میں ہندوستان کا برائے نام بادشاہ سلطان ناصر الدین محمود پسر سلطان محمد شاہ پسر فیروز شاہ تھا جو ذی قعدہ ۸۱۵ھ میں فوت ہوا۔ (فرشتہ ص ۱۶۱ و منتخب ص ۲۷۰)

"مدت سلطنت او کہ غیر از نام نبود بست سال و دو ماہ ۔"

"بعد از وفات سلطان ناصر الدین، سلطنت از خاندان فیروز شاہ منقطع گشت ،، (منتخب)

مورخ فرشتہ لکھتے ہیں"

"بعد از وفات ناصر الدین محمود بادشاہی دہلی از سلسلہ ترکان کہ غلامان شہاب الدین غوری وموالی غلامانِ او بودند، منقرض گشت ،، (ص ۱۶)

مولف سیر المتاخرین ذرا اور وضاحت سے کام لیتے ہیں، لکھتے ہیں:۔

"بعد از سلطان ناصر الدین محمود نسل و سلطنت سلسلہ ترکان کہ فرزند و خویشاں و غلامان سلطان شہاب الدین غوری بودند بست و چارتن، دو صد و سہ سال جہانداری کردند آخر شد" (ص ۱۳۳)

الغرض فیروز شاہ کی وفات سے سلطان بہلول لودھی (متوفی ۸۹۴ھ) تک کا عہد بے امنی اور فتنہ و فساد کا زمانہ تھا۔ والیِ ہند کے زمانے سے جو روحانی رو چلی تھی۔ وہ یہاں آ کر نرم پڑ گئی۔ و لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ۔

(فیوض چشتی)

یہاں تک ہم نے سلاطین غوریہ اور ان کے منتسبین کے کارناموں پر اجمالی بحث کی اور اُن کے وہی حالات بیان کیے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ ملت ہندیہ کی ذہنیت کیا تھی۔ اور سلاطین نے علماء ظاہر و اشراقی فلاسفروں (صوفیہ کرام) نے اس ذہنیت کی اصلاح کس طرح کی۔ بظاہر ہم سلاطین غوریہ کا تذکرہ کر رہے تھے مگر درحقیقت ہماری نظریں فیوض چشتی پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ آپ ہی کی روحانیت و اشراق کے ادنیٰ کرشمے ہیں کہ اس سرزمین سے جو ہزار ہا دیوتاؤں کی پرستش گاہ تھی قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود، علاء الدین خلجی، محمد شاہ عادل، فیروز شاہ بارک، جیسے سلاطین نامدار پیدا ہوئے اور پھر سلطان التارکین، حمید الدین ناگوری، خواجہ بختیار کاکی۔ سلطان الاولیا نظام الدین اولیا، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت صدر الدین عارف جیسے اولیاء کرام بھی تشریف لائے، کیا ان ملوک و حکماء اشراقیین کی کوئی نظیر بعد کے دوروں میں مل سکتی ہے ؟

جاؤ سے ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لیکر

(باقی)

مطبوعاتِ جدیدہ

[بہت سے حضرات عام قاعدہ اور رواج کے مطابق اپنی تصانیف اور مطبوعات ریویو، کیلیے بھیجدیتے ہیں لیکن یہاں فرصت سے محرومی کے باعث مہینوں ان کے مطالعہ کی نوبت نہیں آتی، اور بلا دیکھے کسی کتاب کے متعلق اظہار رائے ایک نا روا جسارت معلوم ہوتی ہے — جن کتابوں کا آج کی صحبت میں تعارف کرایا جارہا ہے ان میں سے بعض کو آئے ہوئے ایک سال تک گزر چکا ہے، امید ہے کہ حضرات مصنفین اور ناشرین اس تاخیر میں معذور تصور فرماکر معاف فرمائیں گے۔ مدیر]

سیرت النبی جلد ششم

تالیف علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ تقطیع کلاں صفحات ۶۱۲ قیمت چھ روپے

ملنے کا پتہ:- منیجر دار المصنفین اعظم گڑھ

اسلام اور مسلمانوں کی موجودہ ضروریات کو سامنے رکھ کر پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک مفصل و منقح سیرت کا جو سلسلہ علامہ شبلی مرحوم نے شروع کیا تھا اور جس کی تکمیل اب ان کے لائق ترین جانشین علامہ سید سلیمان ندوی فرمارہے ہیں یہ اسی سلسلہ کی چھٹی جلد ہے، اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کو نہایت جامعیت اور تحقیق کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے — اس کے چند اصولی ابواب یہ ہیں:۔

اخلاق، اسلام اور اخلاق حسنہ، اخلاقی معلموں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا امتیاز، اسلام کا فلسفۂ اخلاق، اسلام کی اخلاقی تعلیم کا تکمیلی کارنامہ، تعلیم اخلاق کے طریقے اور اسلوب، اخلاقی تعلیمات کی قسمیں، حقوق و فرائض، فضائل اخلاق، رذائل، آداب، پھر ان ابواب کے ذیل میں کئی سو ضمنی عنوانات ہیں جن کے ماتحت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس باب کی تعلیمات و ہدایات اور آپ کے اعمال و افعال کو پورے بسط اور تحقیق کے ساتھ صرف قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے پیش کیا گیا ہے — یوں تو ساری کتاب بار بار پڑھنے کے لائق ہے لیکن "اخلاقی معلموں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا امتیاز"، "اسلام کا فلسفۂ اخلاق"، "اسلام کی اخلاقی تعلیم کا تکمیلی کارنامہ" یہ تین باب خصوصیت کے ساتھ نہایت بصیرت افروز اور خاص طور سے قابل استفادہ

ہیں، تحقیق اور جامعیت کے علاوہ طرزِ ادا سادگی اور سلاست کے باوجود اس قدر دلکش ہے کہ مطالعہ کے ساتھ ساتھ ہر بات دل میں اُترتی اور گھر کرتی چلی جاتی ہے۔

ایک عجیب و غریب اور اتفاقی تقریب سے بعض تعلیم یافتہ غیر مسلموں نے بھی میرا نسخہ حاصل کر کے اس کا مطالعہ کیا اور پھر خود اُنھوں نے بتلایا کہ اس مطالعہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کے زاویہ نظر میں غیر معمولی تبدیلی کر دی،

ہر قسم کی پستیوں اور ناقدریوں کے اس دور میں ایسی کتابوں کا تیار ہونا خدا کی بڑی نعمت ہے، اور اہل زمانہ بالخصوص مسلمانوں کا اُن سے استفادہ نہ کرنا ان کی قابل ماتم محرومی ——— حُسنِ کتابت و طباعت اور کاغذ کی نفاست کیلئے دار المصنفین کا نام ہی کافی ضمانت ہے۔

تاریخ اخلاق اسلامی حصہ اول — تالیف مولانا عبد السلام ندوی ۲۰۰ صفحات، قیمت پونے دو روپیہ عہ

ملنے کا پتہ:- منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ (یو۔پی)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس کتاب کا موضوع اسلام اور مسلمان قوم کی اخلاقی تاریخ ہے ابھی اسکی صرف پہلی جلد شایع ہوئی ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس میں اولاً عرب قبل از اسلام کے اخلاق کی تفصیل اور اس کے بعد عہد رسالت میں اسلامی اخلاق کی تاریخ اور انکا تدریجی ارتقا اور اس کے اسباب و محرکات کو بیان کیا گیا ہے ——— جیسا کہ محترم مصنف نے اپنے دیباچہ میں ظاہر کر دیا ہے ان کو اس تصنیف کا خیال لیکی کی "تاریخ اخلاق یورپ" دیکھ کر پیدا ہوا ہے، اور اس لیئے وہ بطور نمونہ ان کے سامنے ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دین کے دوسرے شعبوں کی طرح اسلام میں اخلاقی تعلیم بھی بتدریج تکمیل کو پہونچی ہے اور استقرار کے لحاظ سے یہ بھی بڑی حد تک درست ہے کہ مکی آیات میں زیادہ تر اصول اخلاق کی تعلیم ہے اور تفصیلات بیشتر مدنی آیات میں ہیں، لیکن اس میں اور آج کل کے اصطلاحی "ارتقا" میں جو جوہری فرق ہے وہ زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھنے کی چیز ہے ——— نیز "اسلامی اخلاق" اور "مسلمانوں کے اخلاق" کے فرق کو آئندہ جلدوں میں ملحوظ رکھنا بلکہ اجاگر کرنا بیحد ضروری ہے اور اس طرح یہ کتاب دوسری حیثیت سے بھی بہت زیادہ مفید ہو جائے گی، اُمید ہے کہ خود فاضل مصنف کی نظر سے بھی یہ اُمور مخفی نہ ہوں گے۔

کتابت، طباعت وغیرہ اس کتاب کی بھی نہایت اعلیٰ اور دیدہ زیب ہے۔

دولت عثمانیہ حصہ اول — مرتبہ جناب محمد عزیز صاحب ایم۔اے (علیگ) رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ ۵۰۹ صفحات

قیمت تین روپیہ (سے) **ملنے کا پتہ** منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

دُنیا کی تاریخی قوموں میں ایک قوم عثمانی ترک بھی ہیں، جنکے اقتدار و حکومت کی تاریخ نہایت طویل اور شاندار ہے، زیر نظر کتاب اسی تاریخی قوم کی تاریخی حکومت کا جامع اور مبسوط تذکرہ ہے اور اس موضوع پر اُردو زبان میں بیشک اپنی نوعیت کی یہ پہلی اور کامیاب محنت ہے ابھی اس کی صرف جلد اول شایع ہو کر ہم تک پہنچی ہے اس میں ترک قوم کے ابتدائی حالات و انقلابات بیان کرنے کے بعد بانیِ دولت عثمانیہ عثمان اول (۱۲۸۸ء ۶۸۷ھ) سے لیکر مصطفےٰ رابع (۱۸۰۸ء ۱۲۲۳ھ) تک کی مفصل تاریخ ہے، کتاب کے مطالعہ کے بعد محترم مصنف کی محنت اور کامیابی کی داد دینی اور ان کے اس بیان کی تصدیق کرنی پڑتی ہے کہ

"اُن صفحات کی ترتیب میں عثمانی ترکوں کی تاریخ سے متعلق انگریزی، عربی، اور فارسی کی مستند ترین کتابوں نیز بعض منتخب ترکی اور فرانسیسی تاریخوں کے ترجموں سے مدد لی گئی ہے اور تلاش و تحقیق کا کوئی دقیقہ حتی الامکان فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے"

دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دوسری جلد بھی لکھی جا چکی ہے اور زیر طبع ہے۔ خدا کرے اُس کے آخری حصہ میں (جس کا تعلق "حال کی ترکی" سے ہوگا) "غریب اسلام" کے ساتھ بھی انصاف کیا گیا ہو۔

الاعتدال فی مراتب الرجال

تالیف حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

سیاسیات حاضرہ نے خود علماء ربانی میں جو اختلاف پیدا کر دیا ہے اس کی وجہ سے اوساط الناس اور عوام کو جو ذہنی الجھنیں پیش آتی ہیں، یا بعض اوقات بعض تنگ ظرف، ان سیاسی اختلافات کی وجہ سے بعض اکابر کی دیانت سے غیر مطمئن بلکہ ان کی شان میں بیباک اور گستاخ ہو جاتے ہیں جس کے افسوسناک مظاہر سے آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں، یہ کتاب دراصل اسی مرض کے علاج کیلئے لکھی گئی ہے ——— اس میں قرآن و حدیث اور سیرت سلف صالحین کی روشنی میں ایسے اختلافات کے بارہ میں نقطہ اعتدال کو بڑی تفصیل اور وضاحت سے پیش کیا گیا ہے ——— اگرچہ اس کتاب کی تصنیف کا محرک بعض اکابر اُمت کا موجودہ سیاسی اختلاف ہوا ہے لیکن درحقیقت "نفس اختلاف امت" یا "اختلاف علماء امت" کے عام موضوع پر یہ ایک بہترین فاضلانہ کتاب ہے، اور اکابر علماء سے دینی رابطہ رکھنے والے جس خاص طبقے کیلئے یہ لکھی گئی ہے اسکے لیے اس کا مطالعہ انشاء اللہ ضرور مفید اور بصیرت افروز ہوگا۔ تقطیع چھوٹی ڈھائی سو صفحات، کتابت، طباعت بہتر، کاغذ عمدہ قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ:- منیجر کتب خانہ یحیوی سہارنپور (مکتبہ الفرقان بریلی سے بھی طلب فرمائی جا سکتی ہے)

فضائل ذکر

تالیف حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ۔

عوام مسلمانوں کی ہدایت اور نفع رسانی کیلیے مولنا ممدوح چند رسائل "فضائل نماز" "فضائل رمضان" "و فضائل قرآن" کے نام سے بھی پہلے تالیف کرچکے ہیں اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب اور مقبول ہوئے ہیں یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کا ہے لیکن اس کی ضخامت بہت زیادہ ہے گویا یہ صرف "رسالہ" نہیں بلکہ "ذکر اللہ" کے موضوع پر ایک اچھی متوسط درجہ کی ضخیم کتاب ہے جسمیں قرآن و حدیث میں وارد شدہ "ذکر اللہ" کے تمام فضائل و آداب اور اثرات و برکات کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ بلکہ گویا باستیعاب بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ بہت سے "غافلوں" کے دل میں بھی "یاد الٰہی" کا ولولہ پیدا ہوسکتا ہے۔ سائز ۱۸×۲۲ ضخامت ۲۰۰ صفحات کتابت طباعت صاف کاغذ عمدہ قیمت ایک روپیہ (مناسب ہوتا کہ اس کی قیمت کثرت اشاعت ہی کے خیال سے کم رکھی جاتی)

ملنے کا پتہ :- کتب خانہ یحیوی مظاہر علوم سہارنپور و مکتبہ الفرقان بریلی سے بھی مل سکتی ہے۔

قرآن اور اقبال

مرتبہ مولنا ابو محمد مصلح۔ ملنے کا پتہ :- تھانہ والا بلڈنگ جیکلہ اسٹریٹ بمبئی ۳

اس کتاب میں ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کے منظوم کلام و بعض نثری مضامین کے ان حصوں کو جمع کیا گیا ہے جن کا تعلق قرآن پاک یا اس کی کسی خاص آیت سے ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اقبال مرحوم کو بالخصوص عمر کے آخری حصہ میں قرآن پاک سے ایک خاص شغف ہوگیا تھا اور ان کی دقیقہ سنج طبیعت اس سے بڑے بڑے نادر اور لطیف مضامین اخذ کرتی تھی، اس کتاب میں بھی ایسی چند چیزیں ناظرین کو ملیں گی، بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جنکو صرف لطائف و رموز ہی کا درجہ دیا جاسکتا ہے، اور ان کو تفسیری حیثیت دینا اور مراد قرآنی سمجھنا غلطی ہی نہیں بلکہ گناہ ہوگا۔ لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ ہے، کاغذ بھی نہایت قیمتی لگایا گیا ہے، جلد بھی خوشنما ہے چھوٹی تقطیع ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپیہ (۲) ہمارے خیال میں بہت زیادہ ہے۔

بین الاقوامی سیاسی معلومات

تالیف اسرار احمد صاحب آزاد شایع کردہ مکتبہ برہان نئی دہلی

موجودہ سیاسی تحریکات اور واقعات نے الفاظ و لغات میں ہزاروں اصطلاحوں کا اضافہ کردیا ہے اور جبتک کہ ان اصطلاحوں کے صحیح مفہوم معلوم نہ ہوں سیاسیات حاضرہ سے متعلق بیانوں اور تحریروں کا سمجھنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے، اس مشکل کے حل کیلیے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جسمیں ان اصطلاحات کے معانی و مفاہیم کی پوری تشریح کردی جاتی جو آج کل کے سیاسی مذاکرات اور تحریرات میں استعمال ہوتی ہیں، اور ان میں سے جن اصطلاحوں کا تعلق خاص تاریخی واقعات یا خاص شخصیات سے تھا ان واقعات اور اشخاص کا تذکرہ بھی اس میں درج ہوتا، تاکہ

مکتب سیاست کے طلبہ اس ضمنی شکل کو آسانی سے عبور کر سکتے ۔ زیر نظر کتاب (بین الاقوامی سیاسی معلومات) اسی مقصد کیلئے لکھی گئی ہے، اسمیں پانچ باب ہیں۔

(۱) افراد و اقوام (۲) ممالک و مقامات (۳) اصطلاحات، اعلانات اور معاہدات (۴) تحریکات و ادارات۔ (۵) متفرقات ــــ ہر باب میں اس سے متعلق چیزوں کی تشریح اور حسب ضرورت تاریخ بھی لکھی گئی ہے غرض کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہے اور اردو زبان میں اپنی نوعیت کی غالباً پہلی کوشش ہے۔ چھوٹی تقطیع ۲۳۰ صفحات، کتابت، طباعت اور کاغذ نہایت اعلےٰ جلد خوشنما ڈسٹ کور کی قیمت مجلد عہ

ملنے کا پتہ :۔ "مکتبہ برہان نئی دہلی" ــــ (مکتبہ الفرقان بریلی سے بھی طلب کی جاسکتی ہے)

شہنشاہیت | مترجمہ جناب مظفر شاہ خاں صاحب ظفر یوسفی شایع کردہ مکتبہ برہان نئی دہلی

اس کتاب کو سرسری طور پر جستہ جستہ مقامات سے دیکھا جاسکا ہے اور صرف اسی قدر مطالعہ سے یہ اندازہ ہوا کہ جدید سرمایہ داری کی یہ اچھی بصیرت افروز تاریخ ہے اور اس وقت جو مختلف تحریکیں فسطائیت، نازیت اور اشتراکیت وغیرہ کے ناموں سے یورپ میں جاری ہیں ان کے اسباب و محرکات بلکہ ایک حد تک ان کی تاریخ بھی اسی کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتی ہے، اور اس وقت یورپ میں آگ اور خون کی جو بے پناہ لعنت برس رہی ہے اس کے اصلی اسباب و محرکات بھی اس سے معلوم ہو جاتے ہیں ــــ اصل کتاب کے مصنف (جناب گوبند سہائے صاحب بی کام بجنوری سابق پرائیویٹ سکریٹری وزیر مال حکومت یو۔ پی) کی بصیرت قابل داد ہے انھوں نے اپنی اس کتاب میں یورپ کی جنگی تیاریوں اور جنگ آفریں حالات سے اندازہ لگاکر ۱۹۳۹ء میں جنگ چھڑ جانے کا قوی امکان بدیں الفاظ ظاہر کیا تھا۔

> جنگ تو لازمی ہی دکھائی دیتی ہے لیکن اس کیلئے ۱۹۳۹ء بڑا نازک سال معلوم ہوتا ہے آج اگر چھوٹے چھوٹے پیمانے پر جنگ کی مشق ہو رہی ہے تو مندرجہ ذیل باتوں کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ۱۹۳۹ء میں جنگ کا اصل ڈرامہ ضرور کھیلا جائے گا۔ ص۱۱۵

چنانچہ اگست ۱۹۳۹ء میں وہ ہولناک جنگ شروع ہو گئی اور آج تک پوری شدت اور تباہ کن کن چیزوں کے ساتھ جاری ہے ــــ کتابت طباعت اور کاغذ اعلےٰ تقطیع خورد .. ۵۰۰ صفحات مجلد خوشنما قیمت ؏

ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ برہان دہلی (مکتبہ الفرقان بریلی سے بھی مل سکتی ہے)

صہبائے ہند | مجموعہ کلام حضرت نشور واحدی کانپوری۔ ملنے کا پتہ :۔ منیجر نامی پریس کانپور

غالباً کسی "غیر شاعر" کیلئے حق نہ ہو کہ وہ شعری کلام کے متعلق اظہار خیال کرے ـــــ اس احساس و اعتراف کے باوجود "صہبائے ہند" کے متعلق یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ وہ اُردو شاعری کا اچھا اور بہت اونچا نمونہ ہے ـــــ اسمیں چار بابوں کے ماتحت نشور صاحب نے اپنے کلام کو مرتب کرکے پیش کیا ہے (۱) آفاقیات. (۲) ماورائیات (۳) غزلیات (۴) رباعیات ـــــ "آفاقیات" کے ذیل میں قریباً پچاس نظمیں ہیں جنمیں بعض فلسفیانہ ہیں بعض صوفیانہ اور بعض کا تعلق مسلمانوں کے موجودہ سیاسی اور قومی مسائل سے بھی ہے ـــــ "ماورائیات" عارف رومی کی مثنوی کے ابتدائی حصّہ کا ترجمہ ہے اور بہت کامیاب ترجمہ جس کو بلا شبہ نشور صاحب کی شاعری کا شاہکار کہا جاسکتا ہے "غزلیات" کے ماتحت چونسٹھ غزلیں ہیں قریباً سب ہی معیاری ہیں اور بعض تو بہت ہی بلند ہیں۔ پھر "متفرقات" اور "رباعیات" کے ذیل میں متفرق اشعار اور رباعیاں ہیں، بہر حال "صہبائے ہند" اہل ذوق کی قدر دانی کی پوری مستحق ہے، اللہ کرے کہ نشور صاحب اس خداداد ملکہ سے دین و ملت کی کوئی خدمت کرجائیں اور نرے "شاعر" بن کے نہ رہ جائیں

کتاب کے صفحات ۲۴۰ ہیں کتابت، طباعت اچھی اور کاغذ بھی عمدہ ہے قیمت مجلد ۶ غیر مجلد عہ

عربی کا معلم

مولفہ مولانا عبدالستار خاں صاحب ملنے کا پتہ :۔ مولوی شرف الدین اینڈ سنز تاجران کتب عربیہ بھنڈی بازار بمبئی ۳

کچھ دنوں سے عربی کی تعلیم و تعلّم کو سہل کرنے کی طرف بعض اہل توفیق علمانے خاص توجہ کی ہے اور اب تک اس سلسلہ میں کئی اچھے سلسلے تیار ہو چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب "عربی کا معلم" بھی اسی سلسلہ کی ایک کامیاب بلکہ ممتاز کوشش ہے اس کی ایک اچھی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قواعد (صرف و نحو) اور زباندانی (ادب) دونوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، حسن ترتیب بھی غور و خوض اور تعلیمی تجربہ کا پتہ دے رہی ہے۔ اس کے دو حصّے ہیں اور انشاء اللہ یہ امید غلط نہیں کہ صرف ان دو حصّوں کے پڑھ لینے سے طالب علم کو ایک طرف تو صرف و نحو پر پورا عبور ہو جائے گا۔ اور دوسری طرف اس کی ادبی لیاقت بھی انشاء اللہ اتنی ہو جائے گی کہ وہ متوسط درجہ کی عربی کی کتابیں پڑھ سکے گا اور درس قرآن میں بیٹھکر بھی پورا استفادہ کر سکے گا ـــــ طالب علم کے ذہن کو قرآن و حدیث سے قریب کرنے کے لیے مشقیہ جملوں میں قرآن و حدیث کے اقتباسات زیادہ لیئے گئے ہیں۔ بہر حال کتاب قدر دانی کے قابل اور مصنف کی محنت لائق تحسین ہے۔ دونوں حصّوں کی مجموعی ضخامت چھ سو صفحے کے قریب ہے تقطیع خورد کتابت، طباعت صاف قیمت ہر دو حصہ دو روپے (ے)

اساتذہ اور طلبہ کی مزید سہولت کیلیے خود مصنف ہی نے دونوں حصوں کی علاحدہ علاحدہ "کلیدیں" بھی لکھی ہیں۔ غالباً وہ بھی اس قیمت میں شامل ہیں۔

ہندوستان اور مسئلہ امارت

تالیف مولانا عبدالصمد رحمانی مونگیری۔ ملنے کا پتہ :- دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

ہندوستان میں بلکہ ہر ایسے ملک اور ایسے علاقہ میں جہاں مسلمان آباد ہوں "امارت شرعیہ" کی اقامت اور اس کی تنظیم کا مسئلہ ایک اساسی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے اسلام کی روح کو سمجھنے والا کوئی صاحب بصیرت غور و خوض اور "امارت" کی حقیقت کو سمجھنے کے بعد شاید اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کے اجتماعی فرائض میں یہ مقدم اور اہم فریضہ ہے اور بہت سے فرائض کے لیے موقوف علیہ ہے لیکن مسلمانوں کی بدنصیبی از عمل تو رہا بعد کی چیز علمی اور نظری طور پر بھی نفس مسئلہ ہی معرض بحث و اختلاف میں پڑ گیا، ——— زیر نظر کتاب خاص اسی مسئلہ پر لکھی گئی ہے اور مسئلہ کے اطراف و جوانب اور ما لہ و ما علیہ پر اس میں کافی سیر حاصل بحث کیگئی ہے۔ شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کا مختصر مقدمہ ہے اور باوجود اختصار کے ہر منصف مزاج کے لیے وہی فیصلہ کن ہو سکتا ہے جی چاہتا ہے کہ کم از کم اس مقدمہ ہی کی چند ابتدائی اور آخری سطریں یہاں نقل کی جائیں ——— شروع میں مختصر تمہید کے بعد فرماتے ہیں :-

"امامت کیا ہے؟ کسی ایک لائق شخص کی سرداری میں افراد امت کی ایسی شیرازہ بندی کہ اس پر "جماعت" کا اطلاق ہو سکے، احکام شرعی کا نفاذ و اجرا بقدر امکان انتظام پا سکے۔ اور جمعہ و جماعت اور نکاح و طلاق و میراث وغیرہ کے احکام کی تنفیذ ہو سکے، اور اگر اس سے زیادہ قوت ہو تو استخلاف و تمکین فی الارض کا وہ فرض بھی ادا ہو سکے جس کی بشارت قرآن پاک نے دی ہے"

اس کے بعد نفس مسئلہ کی مختصر توضیح و تشریح اور بعض قابل اعتنا شبہات کی جوابدہی کے بعد آخر میں ارقام فرماتے ہیں :-

"میں نے بارہا کہا ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ اگر کسی ایک مرکز پر مسلمان مجتمع نہ ہوئے تو یہ ہندوستان آگے چل کر مسلمانوں کے لیے بڑا راجپوتانہ ثابت ہوگا جس کا تھوڑا اسا مزہ وہ چکھ چکے ہیں، ضرورت ہے کہ حسب استطاعت ہم ایک عَلَم کے نیچے جمع ہوں تاکہ ہمارے جمعہ و جماعت ہمارے اعیاد، رویت ہلال، صوم و افطار اور زکوٰۃ و خیرات ائمہ و موذنین مکاتب و مدارس مساجد و مقابر، نکاح و طلاق، و فسخ و خلع، تبلیغ و ارشاد اور دوسرے مذہبی صیغے اور شعبے کسی

ایک نظام میں آجائیں اور مسلمان افراد کی رکھوالی اور دیکھ بھال غریبوں کی امداد، یتیموں کی کفالت، بیواؤں کی مدد، نومسلموں کی حفاظت، گمراہوں کی ہدایت وغیرہ کے کام تنظیم کے ساتھ انجام پائیں اور ہماری مذہبی و قومی خیرات کی کوڑی کوڑی سنت سنیہ کے مطابق ایک بیت المال میں جمع ہو کر مستحقین میں خرچ ہو سکے، **ہماری شرعی امارت اسی تنظیم کا نام ہے** ع

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

"امارت" کے متعلق جو کچھ ان سطروں میں آگیا ہے بالخصوص "مقطع" کے مصرعہ میں جو کہا گیا ہے اس کو دفتروں میں پھیلایا جا سکتا ہے — اصل کتاب کے بعض ضمنی مباحث میں اہل علم کے لیے بحث و نظر کی بھی گنجایش ہو سکتی ہے لیکن جہاں تک مدعا اور اصل مسئلہ کا تعلق ہے وہ ہمارے نزدیک ناقابل بحث ایک سمتی چیز ہے۔ کتاب کا سائز یہی الفرقان کا ہے طباعت، کتابت، کاغذ سب عمدہ ہیں۔ علاوہ مقدمہ وغیرہ کے ۱۲۸ صفحات ہیں۔ قیمت ۱۲؍

بعض کتابوں کی قیمتوں میں اضافہ

[کاغذ کی گرانی کی وجہ سے بہت سی کتابوں کی قیمتوں میں ان کے ناشرین نے اضافہ کر دیا ہے، چنانچہ ہماری فہرست کی مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے اسی تناسب سے ہم بھی رعایتی قیمتوں میں اضافہ کرنے کے لیے مجبور ہیں چنانچہ اپنے خریداروں کی اطلاع کیلیے ان کتابوں کی تازہ رعایتی قیمتیں یہاں درج کی جاتی ہیں پہلی قیمتیں منسوخ سمجھی جاویں]

تفسیر حقانی جدید ایڈیشن کامل آٹھ جلد پندرہ روپیہ (۱۵؍)
مکمل مدلل جدید ترین بہشتی زیور (رعایتی قیمت) پانچ روپیہ (۵؍)
حکایات صحابہ (رعایتی) ۱۰؍
صحیح بخاری شریف طبع جدید (رعایتی) پندرہ روپیہ (۱۵؍)
صحیح مسلم شریف مع شرح نووی (رعایتی) ساڑھے سات روپیہ (۷؍۸)
مشکوٰۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع (رعایتی) ساڑھے چار روپیہ (۴؍۸)
مشکوٰۃ شریف مجتبائی (رعایتی) پانچ روپیہ (۵؍)
جلالین شریف مطبوعہ اصح المطابع (رعایتی) ساڑھے پانچ روپیہ (۵؍۸)
جلالین شریف مجتبائی مع جامع البیان رعایتی چھ روپیہ (۶؍)

کوکب دری کامل رعایتی ساڑھے پانچ روپیہ (۵؍۸)
قرآن مجید معجز نما کلاں مجلد سنہری رعایتی ساڑھے چھ روپیہ (۶؍۸)
ہدایت نما قرآن مجید گلیز مجلد چرمی ساڑھے تین روپے (۳؍۸)
ایضاً رف مجلد پشتہ چرمی رعایتی ڈھائی روپیہ (۲؍۸)
ایضاً رف مجلد پارچہ سوا دو روپے (۲؍۴)
معجز نما حمائل شریف مجلد چرمی گلیز سفید کاغذ سوا تین روپے (۳؍۴)
قرآن مجید ہفت مہری سری گلیز مجلد چرمی تین روپیہ (۳؍)
ایضاً رف مجلد پارچہ پونے دو روپے (۱؍۱۲)

ملنے کا پتہ: **مکتبہ الفرقان بریلی**

(باقی کتابوں کی قیمتیں بدستور ہیں)

چند اہم سیاسی کتابیں

سیاسیات عامہ

بین الاقوامی سیاسی معلومات

اس کتاب میں بین الاقوامی سیاسیات میں استعمال ہونیوالے تمام الفاظ اور اصطلاحات قوموں کے درمیان سیاسی معاہدات بین الاقوامی شخصیتوں اور تمام ممالک کی اقوام کے تاریخی، سیاسی اور جغرافیائی حالات کو نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے بین الاقوامی سیاسیات کو سمجھ لینا نہایت آسان ہو جاتا ہے قیمت مجلد صرف ایک روپیہ بارہ آنے (عہ۱۲)

سوشلزم کی بنیادی حقیقت

اشتراکیت کی بنیادی حقیقت اور اس کی اہم قسموں سے متعلق جرمنی کے مشہور پروفیسر کارل ڈیل کی آٹھ تقریروں کا ترجمہ جنھیں جرمن زبان سے پہلی بار براہ راست اردو زبان میں منتقل کیا گیا ہے قیمت مجلد تین روپے، غیر مجلد ڈھائی روپے (عـ۲)

شہنشاہیت

اس کتاب میں فرانس، جرمن، اٹلی، برطانیہ روس جاپان اور امریکہ کی شہنشاہیت پرست حکومتوں کی سیاسیات پر تاریخی واقعات کے پیش نظر بہترین تنقید کی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام کس طرح اور کن فریب کاریوں سے آج دنیا کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہے اور ہندوستان پر اس کے اثرات کیا ہیں نیز یہ کتاب موجودہ جنگ یورپ کے صحیح اسباب و علل پر روشنی ڈالتی ہے قیمت مجلد صرف ایک روپیہ چھ آنہ (ے۶)

حکومت خود اختیاری

(مصنفہ مولوی سید طفیل احمد صاحب علیگ مصنف مسلمانوں کا روشن مستقبل)

اسمیں ہندوستان کے تمام سیاسی مسائل پر بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انگریزی تسلط سے گزشتہ دو سو سال میں ہندوستان کو کس قدر نقصان پہونچا ہے اور یہاں سے کتنی کثیر دولت یورپ کو گئی اور جا رہی ہے سیاسیات ہند کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بیحد ضروری ہے، آخری اڈیشن مع اضافات جدیدہ ۲۵۰ صفحات قیمت صرف ایک روپیہ (عـہ۱)

صنعت و تجارت کی بربادی

(مرتبہ سید طفیل احمد بی اے۔ علیگ)

یہ جز حکومت خود اختیاری ہی کا ایک خاص اور اہم باب ہے جو ایک مستقل مقدمہ کی اضافہ کے ساتھ علیحدہ شائع کیا گیا ہے، قیمت ۲/

مسلمانوں کی سیاست

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش

(مرتبہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

مولانا ممدوح نے پچھلے تین سال میں مسلمانان ہند کے سیاسی مسائل پر جو مسلسل بصیرت افروز مضامین لکھے ہیں جنھوں نے برسوں کی بلکہ صدیوں کی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر کے "اسلامی سیاست" کا صحیح نقشہ مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا ہے وہ تمام مضامین تین حصوں میں مرتب ہو کر شائع ہو چکے ہیں ہمارے نزدیک ہر مسلمان کیلئے انکا مطالعہ ضروری ہے حصہ اول ۸ر حصہ دوم ۱۲ر حصہ سوم عہ۱

اسلام کا نظریہ سیاسی

ایضاً۔ از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی قیمت رعایتی ۲ر

اسلامی حکومت کس طرح قایم ہوتی ہے؟

یہ مولانا مودودی کا وہ معرکۃ الآرا مقالہ ہے جو موصوف نے ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بزم "تاریخ و تمدن اسلامی" کی ایک خاص مجلس میں پڑھا تھا قیمت ۳ر

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق

یہ رسالہ ایک گریجویٹ کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے اختصار کے باوجود اشتراکیت اور اس کے نتائج سے واقفیت کیلئے کافی ہے قیمت صرف ایک آنہ ۱ر

مسلمانوں کا روشن مستقبل

(مصنفہ مولوی سید طفیل احمد صاحب بی اے علیگ)

یہ کتاب اپنی غیر معمولی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے تعارف سے بے نیاز ہے اس کا مطالعہ ہر اس شخص کیلئے ضروری ہے جو ہندوستان کی سیاسی صورت حال کو بصیرت کے ساتھ سمجھنا چاہے یہ آخری ایڈیشن ہے جس میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے سوا چھ سو صفحات قیمت مجلد ڈھائی روپیہ (عـ۲)

مسلمانوں کے افلاس کا علاج

(از سید محمد احمد صاحب کاظمی ایڈوکیٹ سہارنپور)

اس میں مسلمانوں کے افلاس کے اسباب اور ان کے ازالہ کی تدابیر پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ قیمت چار آنے ۴ر

ملنے کا پتہ:- مکتبہ الفرقان بریلی

Regd. No. A. 353

پرنٹر و پبلشر (مولوی) محمد منظور نعمانی نے بریلی الیکٹرک پریس بریلی میں چھپواکر دفتر الفرقان بریلی سے شائع کیا

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ط

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی ۱۳ ۵۳ھ
میں ہر قسم کی علمی مذہبی کتابیں سستی ملتی ہیں

اِن کتابوں میں ہر مسئلہ کا جواب اُردو میں دیکھ لیجئے
فتاوی دار العلوم دیوبند
از ہر مسئلہ دار العلوم دیوبند کے علماء کو حق تعالیٰ نے جو مقبولیت عامہ اور اعتماد تام عطا فرمایا ہے وہ آپ پر مخفی نہ ہوگا ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں عوام و خواص میں پنچایتوں اور عدالتوں میں دار العلوم دیوبند کے فتوے پر فیصلہ کن مانا جاتا ہے خود علما اور ارباب فتوے جب کسی مسئلہ میں الجھتے ہیں تو دار العلوم ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، تاہنوز ان عظیم الشان اور معرکۃ الآرا فتاوی کی ترتیب و اشاعت کا کوئی انتظام نہ تھا لیکن اب کچھ عرصہ سے اس کا ایک مد بھی سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اس وقت تک اسکی چھ جلدیں طبع ہو چکی ہیں قیمت فی جلد ایک روپیہ رعایتی صرف ۱۲ر
فتاوی محمدی معہ شرح دیوبندی
آپ نے اس سے پہلے بہت سے فتاوے دیکھے ہوں گے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فتاوی نظر سے نہ گزرا ہوگا۔ اس کتاب میں وہ مسائل جمع کیے گئے ہیں جن کا جواب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا اور حصہ دوم میں ان کے علاوہ ساڑھے نو سو مسائل ضروریہ کے وہ جس استفسار درج ہیں جن کا جواب صحابہ و تابعین نے عطا فرمایا قیمت ہر دو حصہ ۱۰ر رعایتی
سب سے اعلیٰ مکمل و مدلل جدید ترین ”بہشتی زیور“
ہماری اس مکمل و مدلل جدید ترین بہشتی زیور کو منگوا کر آپ یقیناً بہت زیادہ خوش ہوں گے اس ایڈیشن میں اس کتاب کی خدمت کا آخری حق ادا کر دیا گیا ہے
اصل کتاب کے تعارف کی چنداں ضرورت نہیں البتہ اس خاص ایڈیشن کے متعلق اتنا ضرور عرض کرنا ہے کہ اب تک کے تیار شدہ بہشتی زیوروں میں یہ ایڈیشن ہر حیثیت سے اعلیٰ اور سب پر فائق ہے متعدد و جید علما کی ایک جماعت سے عربی اور اردو میں جدید حاشی کا اضافہ، مسائل پر نظر ثانی و صحت، شبہات مخالفین کے جوابات اور ترجیح الراجح وغیرہ کا اضافہ نہایت اہتمام سے اور بے دریغ روپیہ صرف کر کے کیا گیا ہے، بعض مسائل میں خود حضرت حکیم الامت مدظلہ نے ترمیم بھی فرمائی ہے۔ بہت سی مسائل جن کا انجھاؤ صدیوں سے ختم نہیں ہوا تھا انکی پوری تحقیق اور تنقیح کر دی گئی ہے جہاں جہاں فقہ کی روایات میں خلاف تھا وہاں مفتی بہ تحقیق بہ راجح مرجوح کی پوری تفصیل کر دی گئی ہے اور چونکہ مسائل کے دلائل بھی قرآن و حدیث یا کتب فقہ کے حوالہ سے حاشیہ میں لکھ دیئے گئے ہیں اسلئے اب کوئی مخالف معاند اس کے کسی مسئلہ پر اعتراض بھی نہیں کر سکتا۔ بہرحال اب یہ ایک مستقل اور مستند فتاوی کی کتاب ہے جو اہل علم اور ارباب فتوی کو بھی پاس رکھنا ضروری ہے ان معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری لحاظ سے بھی انتہائی دیدہ زیب ہے، کاغذ نہایت عمدہ اور کتابت طباعت اعلیٰ قسم کی ہے۔ غرض اس مرتبہ ہر حیثیت سے اس کتاب کو بہترین اور مکمل تر بنانے میں روپیہ بے دریغ پانی کی طرح بہایا گیا ہے۔ باایں ہمہ قیمت وہی صرف چھ روپیہ ہے اور ہمارے یہاں رعایتی اس وقت صرف پانچ روپیہ (صہ)
سلسلہ تعلیم الاسلام
از مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہ العالی
بچوں کیلئے بہترین مذہبی و فقہی نصاب تعلیم ہے
قاعدہ تعلیم الاسلام ۱ر
تعلیم الاسلام نمبر اول ۱ر
تعلیم الاسلام نمبر ۲ ۲ر
تعلیم الاسلام نمبر ۳ ۳ر
تعلیم الاسلام نمبر ۴ ۴ر
مکمل سٹ کی رعایتی قیمت صرف دس آنے (۱۰ر)
تقطیع خورد کامل سٹ ۸ر
مجموعۂ فتاوی
مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی
اس کتاب کی تین جلدیں ہیں جن میں ہزاروں مسائل کی عجیب و غریب تحقیقات ہیں کوئی مسئلہ بے دلیل نہیں لکھا گیا ہے اس کے مطالعہ سے اہل علم کو فتوی نویسی میں ایک خاص بصیرت پیدا ہو سکتی ہے زیادہ تعریف فضول ہوگی کاغذ عمدہ کتابت طباعت بہترین قیمت اصلی ہر سہ حصہ پانچ روپیہ (صہ) رعایتی چار روپیہ آٹھ آنے (للعہ)
فتاوی عزیزی فارسی (دو جلد) از حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
قیمت دو روپے چار آنے (عہ)
فتاوی عزیزی اُردو دو جلد
یہ اصل فارسی فتاوے کا ترجمہ ہے قیمت تین روپے (سے) رعایتی دو روپے بارہ آنے (عہ)
فتاوی رشیدیہ ہر دو حصہ کامل
یہ خاتم الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح کے فتووں کا مجموعہ ہے جو آخری مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ کی زیر نگرانی خاص اہتمام سے چھپا ہے قیمت حصہ اول ۱۲ر حصہ دوم عہ حصہ سوم ۱۲ر رعایتی ہر سہ حصہ ۲ر
ملنے کا پتہ:- مکتبہ الفرقان بریلی

چندہ سالانہ
قسم اول
تین روپے
پیشگی

ممالک غیر سے
قسم اول
سات شلنگ
پیشگی

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان بریلی

جلد ۸ | بابت ماہ ربیع الآخر ۱۳۶۰ھ | نمبر ۴

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۲-۵
۲	عبرت کی باتیں	"	۶
۳	موعظۃ و ذکری	"	۷-۱۸
۴	دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا؟	حضرت مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ دار العلوم دیوبند	۱۹-۳۰
۵	نعت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم (نظم)	جناب خلیفہ حبیب اللہ صاحب فانی مرحوم بستی (سرہند)	۳۱
۶	حضرت شاہ ولی اللہ اور شیعیت	جناب مولنا محمد میاں صاحب مصنف "علماء ہند کا شاندار ماضی"	۳۲-۴۷
۷	مجدد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ (نظم)	مولنا محمد شعیب صاحب کفیل کرسی (ضلع بارہ بنکی)	۴۸
۸	ہندوستان اور صوفیہ صافیہ	جناب مولنا محمد نور الحق صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور	۴۹-۵۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ہمارے اسلامی کالج، اسلامی اسکول ——— اور "دینیات"

اگر آپ کو ایسے مضمونوں، ٹریکٹوں، اشتہاروں اور پوسٹروں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہوگا جن کا مقصد کسی اسلامیہ کالج، اسلامیہ ہائی اسکول، یا اسلامیہ گرلس اسکول کی طرف مسلم پبلک کی توجہ مبذول کرانا ہوگا تو اس نکتہ پر آپ نے اس میں خاص زور دیکھا ہوگا کہ ——— "اگر مسلمان طلبہ گورنمنٹ کالج، گورنمنٹ اسکول یا عام پبلک کے مخلوط کالجوں اور اسکولوں میں تعلیم حاصل کریں گے، تو اسلام، اسلامی عقائد، اسلامی تصورات اور اسلامی تہذیب سے وہ بے بہرہ اور بیگانہ رہ جائینگے اس لیے ضرورت ہے ایسے اسلامیہ کالجوں اسلامیہ اسکولوں یا ایسے اسلامیہ گرلس اسکولوں کی جنکا "ماحول خالص اسلامی" ہو، اور جن میں "دینیات" کی تعلیم کا بھی انتظام ہو۔" ———

یہی ہے نا! وہ سب سے اہم پوائنٹ جس کی بنا پر مسلمانوں کے جداگانہ کالجوں اور اسکولوں کے وجود کی بنیاد رکھی جاتی ہے، ممکن بلکہ غالب ہے کہ ان لکھنے والوں اور ایسا کہنے والوں کی نیت میں کوئی فریب نہ ہو، اور مسلمانوں کی مستقل اور جداگانہ تعلیم گاہوں کے قیام سے ان کی غرض اور انکا مقصد یہ بھی ہو، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ "اپیل اور پروپیگنڈے" کے وقت اس نکتہ پر جتنا زور دیا جاتا ہے کیا اس کا آدھا تہائی نہ سہی دسواں حصہ بھی عمل میں ملحوظ رکھا جاتا ہے ———

جو شخص "اسلام"، "اسلامی تصورات" اور "اسلامی سیرت" کے معانی کو سمجھتا ہو۔ کیا وہ ایمانداری سے بتلا سکتا ہے کہ ہمارے ان "اسلامیہ کالجوں" اور "اسلامیہ اسکولوں" میں ان چیزوں کی طرف کچھ بھی توجہ کی جاتی ہے؟ اور کیا ہماری ان درسگاہوں کے ماحول کو "اسلامی ماحول" بتلانا دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ نہیں ہے۔

جن حضرات کو اس میں شک ہو وہ ایک دن کسی گورنمنٹ کالج، یا گورنمنٹ اسکول، ——— یا کسی پبلک مخلوط

اسکول ہیں (جیسے کہ میونسپلٹی وغیرہ کے اسکول ہوتے ہیں) جائیں اور وہاں کا ماحول اور نظام تعلیم ونصاب تعلیم دیکھیں اور اسی دن کسی "اسلامیہ کالج" یا "اسلامیہ اسکول" کا معائنہ کریں۔ انشاء اللہ کوئی ایسا اساسی اور جوہری فرق ان چیزوں میں نہ پائینگے جس کا تعلق دین اور اسلام سے ہو۔

راقم سطور اس سے ناواقف نہیں ہے کہ اکثر اسلامیہ کالجوں اور اسلامیہ اسکولوں کے نصاب تعلیم میں "اسلامی دینیات" کا بھی کچھ حصہ رکھا جاتا ہے لیکن ہر واقف حال میری طرح باخبر ہوگا کہ اس کی حیثیت صرف ایک "فاضل ضمیمہ" کی بلکہ اکثر جگہ تو صرف خانہ پری کی ہوتی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ان "اسلامی تعلیم گاہوں" میں غریب "دینیات" کے ساتھ یہ "نوازش" جس طرح کی جاتی ہے اگر بالکل نہ کی جاتی تو اس سے اچھا ہوتا۔

اسی کا اثر ہے کہ جہاں تک اسلامی تصورات، اسلامی سیرت اور اسلامی احکام کی واقفیت اور پھر عملی پابندی کا تعلق ہے اس بارہ میں ایک گورنمنٹ کالج، یا مخلوط پبلک کالج، گورنمنٹ اسکول، یا مخلوط پبلک اسکول اور ہمارے اسلامیہ کالجوں اور اسلامیہ اسکولوں کے گریجویٹوں اور طالب علموں میں کوئی خاص فرق آپ نہیں پائیں گے۔

ان سطروں کے لکھنے کا منشا "قدامت" اور "تجدد" کی قدیمی آویزش اور مولویوں، مسٹروں کا پرانا تعصب نہیں ہے، اور نہ اس کا مقصد سب الزام اور طعنہ زنی ہے۔ بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ اگر ان اسلامی تعلیمی اداروں کے ارباب انتظام فی الحقیقت "اسلامیت" کی قدر وقیمت کو پہچانتے ہیں، اور دل سے چاہتے ہیں کہ ان کے طلبہ اسلامی تصورات کے حامل اور اسلامی تہذیب سے آراستہ ہوں اور نام کے سوا حقیقت کے اعتبار سے بھی مسلمان رہیں تو انھیں چاہیے کہ اس کا انتظام کریں صرف "دل کی خواہش" اور "آرزو" سے تو یہ کام نہیں ہو سکتا۔

چارۂ کار:

(۱) اس کے لیے سب سے مقدم اور سب سے اہم ضرورت اس کی ہے کہ صرف "دینیات" ہی کے نہیں بلکہ حتی الوسع جملہ مضامین کے اساتذہ ایسے منتخب کیے جائیں جو دل دماغ اور عقائد وافکار کے لحاظ سے پورے مسلمان اور عملاً اسلامی تہذیب سے وابستہ ہوں، اور کم از کم یہ کہ اسلامی تہذیب سے ان کی وابستگی دوسری غیر اسلامی تہذیبوں سے زیادہ ہو۔ اس کے بغیر کالج یا اسکول کا ماحول اسلامی نہیں بن سکتا، اور ماہرین تعلیم سے زیادہ اس بات کو کوئی نہیں جان سکتا کہ انسان بالخصوص طالب علمی کی عمر میں سب سے زیادہ متاثر (لٹریچر سے بھی زیادہ متاثر) ماحول اور سوسائٹی سے ہوتا ہے، اس لیے بہتر نصاب کے انتخاب سے زیادہ اہم مسئلہ عام

اساتذہ کے انتخاب کا ہے۔

(۲) اس کے بعد ضروری ہے کہ خاص دینیات کے لیے ایسے اساتذہ مہیا کیے جائیں جو دین میں کتابی واقفیت کے علاوہ ایسی بصیرت اور دینی تعلیم کا اتنا سلیقہ رکھتے ہوں کہ "جدید تعلیم" اور جدید تصورات و افکار سے آشنا دماغوں کو بھی "دین" سمجھا سکتے ہوں، عمر اور مطالعہ کے تفاوت کے ساتھ نفسیت اور ذہنیت میں جو فرق ہوتا ہے اس کا لحاظ رکھکر قدیم حقائق کی تعبیر و تشریح مخاطب کے فہم کے مطابق نئے انداز اور نئی زبان میں کر سکتے ہوں، اور کم از کم یہ کہ اتنی ذہنی صلاحیت رکھتے ہوں کہ بوقت ضرورت تیاری کر کے اس خدمت کو اس طرح انجام دے سکتے ہوں۔ اور اس سب کے سوا یہ کہ وہ اس کام کو صرف ڈیوٹی اور نوکری سمجھ کر نہ کریں بلکہ یہ ان کے دل کی لگن اور زندگی کا مشن بھی ہو۔

شاید کہا جائے کہ اس دنیا میں ایسے اساتذہ اور دینیات کے ایسے معلمین کہاں دستیاب ہو سکتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس وقت ایسے افراد کا حال خال ملنا بھی مشکل ہے لیکن پھر بھی یہ جنس نایاب نہیں ہے۔ بس کمیاب ہے، اور کمیابی بھی اس واسطے ہے کہ اس کی کہیں مانگ نہیں ہے ــــ موجودہ حالات میں یہ توقع تو قریب قریب امر محال کی توقع ہوگی کہ ان سطور کے سامنے آتے ہی ہر اسلامیہ کالج اور اسلامیہ اسکول اس تجویز کو جامۂ عمل پہنانے کیلیے آمادہ ہو جائیگا۔ ہاں اگر کوئی ایک آدھ تعلیمی ادارہ اس طرف توجہ کرلے (اور توقع اس کی بھی کم ہے) تو وہ ایسے اساتذہ تلاش کر سکتا ہے۔ اور جہاں دو چار جگہ سے بھی ایسے اساتذہ کی تلاش اور مانگ شروع ہوئی پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ جنس کمیاب بھی نہیں رہے گی، نیز جس کالج یا اسکول میں ادھر توجہ دی جائے گی وہ ہی چار برس کے بعد وہ اس قسم کے اتنے اساتذہ خود تیار کر سکے گا جو دسیوں بیسیوں تعلیم گاہوں کے لیے کافی ہوں۔

معلم دینیات کیلیے جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں وہ بھی کوئی بہت مشکل اور نادر الوجود چیز نہیں ہے صرف جستجو اور تلاش شرط ہے۔

ہاں یہ واقعہ ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی یا پنجاب یونیورسٹی یا ایسی ہی دوسری سرکاری یا نیم سرکاری یونیورسٹی کا ہر "فاضل" اور "کامل" اس کام کا اہل نہیں ہو سکتا اور نہ عربی مدرسوں ہی کا ہر سند یافتہ "فارغ التحصیل" اس خدمت کی انجام دہی کے لائق ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی ان ہی ٹوٹے پھوٹے پرانے عربی مدرسوں میں ہزار ناقدریوں کے باوجود اب بھی کچھ ایسے جوہر نکل ہی آتے ہیں جو اس قسم کی خدمات کی انجام دہی کی پوری صلاحیت اور اہمیت رکھتے ہیں اور تھوڑی سی تیاری کے بعد وہ اس قابل بن سکتے ہیں ــــ اگر تعلیمی اداروں کے ارباب انتظام اس شعبہ کے

معلمین کے انتخاب میں دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ یا دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ جیسے حضرات کی رہنمائی حاصل کر سکیں تو انشاء اللہ ان کو صحیح آدمی مل سکتے ہیں۔

(۳) تیسری ضرورت دینیات کے نصاب کے انتخاب کی ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اس مقصد کے لیے کم از کم تحتانی درجات کے واسطے اس وقت تک کئی اچھے نصاب اُردو میں تیار ہو چکے ہیں جو بہت سے اسلامیہ اسکولوں میں رائج بھی ہیں لیکن یہ نکتہ ہمیشہ اساتذہ کے پیش نظر رہنا چاہیے کہ طالب علم کی ذہنی تعمیر میں کتاب سے زیادہ اُن کے طریقۂ تعلیم کو دخل ہوتا ہے، اور اگر وہ چاہیں تو نصابی کتاب کے نقص کی تلافی اپنی تعلیم سے کر سکتے ہیں برخلاف اس کے طریقۂ تعلیم میں اگر نقص ہو تو کتاب کی خوبی اس کی تلافی نہیں کر سکتی، اساتذہ بالخصوص دینیات کے اساتذہ کو چاہیے کہ تعلیم میں حسب ضرورت وہ اپنے اجتہاد سے بھی کام لیں اور صرف نصابی کتابوں کے پابند نہ رہیں۔

(۴) ان اسلامیہ کالجوں اور اسلامیہ اسکولوں میں "دینیات" کے لیے کم از کم ایک گھنٹہ مستقل ہونا چاہیے۔ اور اس کی اہمیت اسی قدر ہو جس قدر کہ انگریزی زبان، یا حساب وجغرافیہ جیسے لازمی مضامین کی کہ اگر کوئی طالب علم دینیات کے شعبہ میں خام رہے تو وہ اس درجہ ہی میں فیل سمجھا جائے اور آئندہ سال پھر اس کو اس درجہ کی تعلیم حاصل کرنا پڑے۔ اسکولوں کے نوعمر طلبہ اس کے بغیر کبھی بھی اس کی اہمیت کو نہیں مان سکتے۔

(۵) ہر مہینے میں کم از کم ایک دفعہ مذہبیات اور دینیات کے کسی ماہر سے کالج یا اسکول میں کسی خاص مذہبی موضوع پر تقریر کرائی جائے یا مقالہ پڑھوایا جائے جس میں تمام طلبہ اور اساتذہ شریک ہوا کریں۔

یہ چند مشورے جو یہاں دیئے گئے ہیں نہ ان کے بروئے کار لانے کے لیے کسی بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے اور نہ انکی راہ میں کوئی اور ہی بڑی مشکل اور دقت حائل ہے۔ ضرورت صرف توجہ اور پھر عزم کی ہے، اور اگر ہماری اسلامیہ کالجوں اور اسلامیہ اسکولوں کے اربابِ انتظام درحقیقت اسلام کی کچھ قدر و قیمت سمجھتے ہیں اور اپنے کالجوں اور اسکولوں میں تعلیم و تربیت پانیوالی نسل کو حقیقی اور واقعی مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں تو اس قسم کی تبدیلیوں کے بغیر چارہ نہیں بلکہ یہ کم سے کم درجہ کی تبدیلیاں ہیں ـــــ اور اگر آپ سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا تو خدا کیلیے ان تعلیم گاہوں کے ناموں میں سے اسلام کے نام ہی کو نکال دیجئے۔ آخر یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ جہاں اسلام، اسلامی تہذیب اور اسلامی احکام صبح سے شام تک پامال ہوں۔ اس کے نام کے ساتھ آپ "اسلامیہ" کا جوڑ لگاتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ اخلاقاً بھی اتنا ہی غلط اور قابل ملامت نہیں ہے جیسا کہ شراب کی اس دوکان پر جس کا مالک اور جسکے ملازم سب بدقسمتی سے مسلمان ہوں "اسلامی دکان" کا بورڈ لگایا جائے۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ!

عبرت کی باتیں:۔

(۱)

"جمیعۃ العلماء صوبہ آگرہ" کا اجلاس مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم اور حال نائب صدر جمیعۃ العلماء ہند کے زیر صدارت ۱۹، ۲۰، ۲۱ اپریل کو بجنور میں ہوا تھا، مولانا ممدوح نے اس میں جو صدارتی خطبہ دیا ہے اس میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مستعفی شدہ کانگرس گورنمنٹوں کے کام پر بھی تبصرہ کیا ہے بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ انھوں نے جس تنگ نظری (بلکہ مولانا کے الفاظ میں کم ظرفی) کا برتاؤ کیا اور جو بے انصافیاں بلکہ بے ایمانیاں انھوں نے اس سلسلہ میں کیں اس پر مولانا ممدوح نے اپنے مخصوص انداز اور اپنی خاص ٹکسالی زبان میں جو تنقید کی ہے وہ ہمارے بہت سے بھائیوں کے لیے خاص طور سے قابل ملاحظہ ہے ——— مولانا فرماتے ہیں:۔

کانگریس کی بے پناہ طاقت اور انتخابی قوت نے کانگریس کو آٹھ صوبوں میں حکومت کا موقع دیا، کانگریسی حکومتوں کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ "انڈین نیشنل کانگریس" کی محبت کو لوگوں کے قلوب میں بڑھاتیں اور اقلیتوں کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرتیں...........

کانگریس حکومتوں کو قدرت کے اس زریں موقع سے فائدہ حاصل کرنے کی ضرورت تھی، لیکن ہو گیا وہی جو بیبر کی ہنڈیا میں سوا سیر پڑ جانے سے ہوا کرتا ہے، کم ظرفی اور تعصب کا وہ مظاہرہ کیا گیا کہ دشمن تو دشمن دوست بھی پریشان ہو گئے، حکومت ملنے کے بعد بھی ترازو ہاتھ سے نہ گئی۔ جو چیز دی گئی تول تول کر اور ناپ ناپ کر دی گئی۔ خیر اس کا بھی مضائقہ نہ تھا تول کر ہی دیا جاتا، لیکن پورا تو تولا جاتا، وزیر بن گئے، لیکن ڈنڈی مارنے کی عادت نہ گئی ہندو مسلمانوں کو دو مختلف آنکھوں سے دیکھا گیا۔" (اخبار انصاری دہلی۔ یکم مئی ۱۹۴۱ء)

(۲)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنے سیاسی مضامین کے تیسرے مجموعے (سیاسی کشمکش حصہ سوم کے مقدمہ میں مسلمانوں کے اس انقلاب حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ ان میں بجائے دینی داعیہ کے قومی عصبیت کا جاہلی جذبہ بڑھتا جا رہا ہے نقل کرتے ہیں:۔

"خدا ہے کہ ایک بڑے ممتاز (مسلمان) لیڈر کو ایک مرتبہ اس امر کی شکایت کرتے ہوئے سنا گیا کہ بمبئی اور کلکتہ کے دولتمند مسلمان اینگلو انڈین ناچ خانوں کے یہاں جاتے ہیں حالانکہ مسلمان طوائفیں ان کی سرپرستی کی زیادہ مستحق ہیں" (ترجمان القرآن جلد ۱۷ عدد ۲ صفحہ ۵)

انّ فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار ۔

موعظۃ وذکریٰ

آداب معاشرت کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات

[اس سے پہلی قسط میں کھانے پینے اور لیٹنے سونے کے آداب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زریں تعلیمات پیش کی جا چکی ہیں۔ آج اس سے آگے ملاحظہ فرمائیے ــــ مدیر]

صفائی اور طہارت کے آداب!

پاکی اور پاکیزگی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں خاص اہمیت حاصل ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ کسی مذہب اور صاحب مذہب نے اس باب میں انسان کی اتنی واضح اور مکمل رہنمائی نہیں کی ہے جتنی کہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات میں ملتی ہے، حتیٰ کہ اسلام کی تشریعی کتابوں کا آغاز ہی عموماً "طہارت" کے باب سے ہوتا ہے اور یہ باب اسلامی کتابوں کے چند بڑے اور مہتم بالشان ابواب میں سے ہے ــــ اور قرآن پاک نے صاف الفاظ میں "طہارت" کو اللہ تعالیٰ کے پیار کی بنیاد قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا کہ حق تعالیٰ کے پیارے اور اس کی محبت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو پاک صاف رہتے ہوں (ویحب المتطھرین۔ بقرہ ۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس باب کی صرف چند جزوی تعلیمات یہاں بھی ملاحظہ ہوں تفصیلات کیلئے حدیث کی کتابوں میں "کتاب الطہارۃ" دیکھی جائے۔

(الف) قضاء حاجت اور پیشاب کے بعد استنجا ضروری قرار دیا، اور اس کے لیے یہ طریقہ پسند کیا کہ پہلے ڈھیلے وغیرہ سے (بلکہ کم از کم تین ڈھیلوں سے) صفائی کی جائے اس کے بعد پانی استعمال کیا جائے۔

حضرت سلمان فارسی کی روایت اوپر گذر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ استنجا میں تین ڈھیلوں سے کم استعمال نہ کیے جائیں ــــ اور ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ "استنجا میں آخر پانی کا استعمال خصائل فطرت میں سے ہے"، گویا جو شخص قضاء حاجت کے بعد پانی سے طہارت حاصل نہیں کرتا وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کی نظر میں ایک خلاف فطرت فعل کا مرتکب اور "فطرت کا مجرم" ہے۔

(ب) استنجا بائیں ہاتھ سے کیا جائے (جو عام طور پر اچھے کاموں اور عام ضرورتوں میں استعمال نہیں ہوتا) حدیث کے اصل الفاظ "ولا یستطب بیمینہ" اوپر گذر چکے ہیں۔

(ج) پیشاب کیفما اتفق، ہر جگہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے لیے ایسی موزوں جگہ تلاش کی جائے جہاں چھینٹیں اڑکر اپنے اوپر آنے کا احتمال نہ ہو، مثلاً زمین نرم، یا ڈھلوان ہو، اور ہوا کا رخ نہ ہو، غرض ان باتوں کا لحاظ رکھ کر اور مناسب جگہ دیکھ کر پیشاب کے لیے بیٹھا جائے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا اراد احدکم ان یبول فلیرتد لبولہ موضعاً (سنن ابی داؤد)

جو تم میں سے کسی کو پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے لیے مناسب جگہ دیکھے (جہاں چھینٹوں وغیرہ کے آنے کا احتمال نہ ہو)

(د) پیشاب جو بعض دوسری نجاستوں سے کم درجہ کی نجاست ہے اس سے بدن اور کپڑوں کی پاکی اور صفائی کو اس درجہ اہم اور ضروری قرار دیا کہ اس میں غفلت اور بے پروائی پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے "عذاب قبر" کی تہدید سنائی، صحیحین اور سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر دو نئی قبروں پر ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں قبروں کے مُردے عذاب میں مبتلا ہیں، اور ان میں سے ایک کا گناہ صرف یہ ہے کہ وہ پیشاب سے پاکی اور صفائی میں احتیاط نہیں کرتا تھا (ملخصاً و مختصراً)

(ه) ہر دن کی پانچ نمازوں کے لیے وضو ضروری قرار دیا جس میں وہ تمام اعضاء دھوئے جاتے ہیں جو عموماً کھلے رہتے ہیں (یعنی ہاتھ پاؤں اور چہرہ) پھر اس وضو میں کلی، مسواک اور ناک کے نتھنوں کی صفائی کا حکم خاص طور پر تاکید سے دیا، ـــــ نیز خاص حالتوں میں غسل کو واجب کیا، اور ہفتہ میں کم از کم ایک دن (جمعہ کے دن) تمام بدن اور کپڑوں کی صفائی ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری قرار دی ـــــ اور ان تمام چیزوں کو عبادت الٰہی کا موقوف علیہ ٹھیرایا کہ ان کے بغیر ایک مسلمان کی نماز ہی نہیں ہوسکتی، بلکہ اگر ان طہارتوں کا لحاظ رکھے بغیر کوئی شخص نماز ادا کرے تو نہ صرف یہ کہ اس کی نماز صحیح نہ ہوگی بلکہ وہ الٹا گنہگار اور قابل سزا ہوگا

(و) "خصائل فطرت" کی حدیث جو صحیح مسلم اور سنن میں ہے اور کافی مشہور ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دس چیزوں کو "فطری خصائل" قرار دیا ہے ان میں سے اکثر بلکہ ۹ کا تعلق طہارت اور صفائی کے باب ہی سے ہے

مثلاً کلّی، مسواک، ناک کی اندرونی صفائی، پانی سے استنجا، بغل کے بالوں کی صفائی، زیر ناف کی صفائی، انگلیوں کے درمیان کی جگہ (گھائیوں) کو خاص طور سے دھونا اور میل سے صاف کرنا، ناخن ترشوانا اور ختنہ کرانا وغیرہ۔ جسم اور کپڑوں کے علاوہ گھروں کی صفائی کی بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے تاکید فرمائی ہے، ارشاد ہے:۔

نظفوا بیوتکم الحدیث (ترمذی) اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھو الخ

انہی چند احکام سے ہر عقل و شعور والا سمجھ سکتا ہے کہ پاکی اور صفائی کے باب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کتنی مکمل اور پھر کس قدر معتدل ہیں — آپ جن لوگوں کو روز صبح "اشنان" کرتے دیکھتے ہیں، یا جو فیشن کے نام تو میں دن میں ایک سے زیادہ دفعہ نہاتی اور کپڑے تبدیل کرتی ہیں چونکہ ان کے سامنے طہارت اور صفائی کا کوئی مفصل قانون اور واضح ہدایت نامہ نہیں ہے اس لیے اگر آپ ان کے طرز عمل کو غور سے دیکھیں گے تو اس روزمرہ کے "اشنان" اور کپڑوں کی دو وقتہ تبدیلی کے باوجود ان کو نجاست اور ناپاکی کی گندگی سے محفوظ نہ پائیں گے رب قدوس کی ہزاراں ہزار رحمتیں پاکوں کے اُس سردار پر جس نے دنیا بھر کو ظاہری اور باطنی پاکی کے طریقے سکھائے۔

لباس کے آداب !:۔

اگرچہ اس دنیا میں بعض مذاہب ایسے بھی ہیں جن میں عریانی اور برہنگی کو پسند کیا گیا ہے بلکہ برہنگی اسکے مذہبی پیشواؤں اور مہاتماؤں کا شعار ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ستر اور لباس انسانی فطرت کا مقتضٰے اور اُن چیزوں میں سے ہے جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہیں۔ پس جو احمق لباس سے معری ہو کر "خدا رسیدہ" اور "مہاتما" بنتے ہیں در حقیقت وہ انسانیت کی بلندی سے گر کر حیوانات کے طبقہ میں جا ملتے ہیں، پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے صحیفے قرآن پاک میں لباس کے متعلق ایک اصولی ہدایت یہ فرمائی گئی ہے:۔

یٰبنی اٰدم قد انزلنا علیکم لباسًا اے آدم کے فرزندو! ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا

ع۵ بڑے ناخنوں میں گندگی اور ہر طرح کا میل کچیل لازماً ہوتا ہے علی ہذا ظاہر ہے کہ غیر مختون شخص کے پیشاب کی جگہ مختون کی طرح صاف نہیں رہ سکتی۔ غرض ناخن ترشوانی اور ختنہ کو بھی صفائی میں خاص دخل ہے ۱۲

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ (اعراف ۳)

کیا ہی جو تمہارے ستر کو ڈھانکے اور تمہاری زینت ہو اور تقوی کا لباس وہ بہت بہتر ہے،

اس آیت میں لباس کے دو فائدے بتلائے گئے ہیں ایک یہ کہ وہ جسم انسانی کے اس حصہ کو چھپا دیتا ہے جس کا کھلنا باعث شرم و عار ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ انسان کے لیے سامان زینت ہے۔ —— لباس کے بارہ میں افراط اور تعدی کی جو صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً یہ کہ متکبروں اور مغروروں کا لباس پہنے یا کپڑوں کے بل پر اترائے اور اکڑے، یا مرد عورتوں کا سا لباس پہنیں یا عورتیں مردوں جیسا یا خاص خدا کے باغیوں اور خدا کے سرکشوں کا مخصوص لباس پہنا جائے ان تمام چیزوں کے متعلق ایک جامع بات کہدی گئی کہ "تقوے کا لباس ہی بہتر ہے"۔ —— احادیث میں لباس کے جو آداب اور احکام آتے ہیں وہ درحقیقت اسی آیت کی تشریحی دفعات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

(الف) تکبر اور غرور کا لباس نہ پہنا جائے یعنی جس لباس اور وضع سے غرور اور تکبر ظاہر ہوتا ہو اُس سے احتراز کیا جائے —— عرب کے مغرور اور نمایش پسند ایسا لباس پہنکر اپنے کبر و نخوت کا مظاہرہ کرتے تھے جو زمین پر گھسٹتا چلے (اور آج بھی سلاطین کے درباری لباسوں میں یہ جاہلی طریقہ باقی ہے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

من جرّ ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیمۃ (للشیخین وابی داؤد والنسائی۔ جمع الفوائد)

جو شخص کپڑے گھسیٹ کر غرور و نخوت کا مظاہرہ کریگا اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہیں کریگا

(ب) مردوں کے لباس میں سادگی اور عورتوں کے کپڑوں میں ستر کا زیادہ لحاظ ہونا چاہیے اسی بناء پر ریشمین کپڑے مردوں کے لیے حرام کردیے گئے اور عورتوں کو باریک کپڑوں کے استعمال سے ممانعت کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(۱) حرام لباس الحریر والذھب علی ذکور امتی واحل لاناثھم (شیخین ونسائی۔ جمع الفوائد)

ریشمین لباس اور سونا میری اُمت کے مردوں کے لیے حرام ہے اور عورتوں کے حلال

(۲) ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ کی بڑی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے یہاں آئیں اور باریک قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو آپ نے اُن سے روگردانی فرمائی (ان کی طرف سے منہ پھیر لیا)

اور ارشاد فرمایا:۔

یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لن یصلح ان یریٰ منہا الا ہذا و ہذا واشار الی وجہہ وکفیہ (ابوداؤد)

ای اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو پھر یہ ٹھیک نہیں کہ سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے اُس کے جسم کا کوئی اور حصہ ظاہر ہو۔

(۲) ایک اور حدیث میں غالباً اپنی عورتوں کے حق میں ہی جو باریک لباس پہن کر گویا بے لباس ہتی ہیں

رب کاسیات عاریات

بہت سی کپڑے پہننے والیاں ہیں جو بحقیقت ننگی رہتی ہیں۔

(۳) مردوں کا لباس عورتوں جیسا اور عورتوں کا لباس مردوں جیسا نہ ہو ــــ حدیث میں ہی:۔

لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرجل یلبس لبسۃ المرأۃ والمرأۃ تلبس لبسۃ الرجل (ابوداؤد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اس مرد پر جو زنانہ لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردانہ لباس سے شوق کرے۔

(ج) عورتیں جب کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو چادر میں لپٹ کر (یا برقعہ میں) نکلیں اور اپنے چہرہ کو گھونگھٹ (یا نقاب) سے چھپالیں۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:۔

یا ایہا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المومنین یدنین علیہن من جلابیبہن (احزاب)

ای پیغمبر اپنی بیویوں، بیٹیوں اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کیجیے کہ وہ اپنی چادر کا کچھ حصہ سر کے اوپر سے نیچے لٹکا کر چلا کریں۔

(د) کپڑا اگر گھس یا پھٹ جائے تو اس کو پیوند لگا کر استعمال کرنا چاہیے اور پیوند کو خلاف شان نہ سمجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ کو ہدایت فرمائی:۔

یا عائشۃ لا تخلقی ثوباً حتیٰ ترقعیہ

عائشہ کپڑے کو جب تک پیوند لگا کر نہ پہن لو اس کو پرانا کر کے نہ اُتارو۔

(ہ) چمڑہ کا موزہ اور علیٰ ہذا آج کل کا بوٹ جوتا جب پہنا جائے تو پہلے اس کو جھاڑ لیا جائے ممکن ہے کہ اس میں کوئی زہریلا کیڑا پہونچ گیا ہو۔ فرمایا:۔

من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر

ہر مومن مسلمان کو چاہیے کہ وہ موزے میں

فلا یلبس خفیہ حتی ینفضہما (کبیر للطبرانی جمع الفوائد) پاؤں نہ ڈالے تاوقتیکہ اس کو جھاڑ نہ لے۔

(و) جب نیا کپڑا پہنا جائے تو خدا کی حمد اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور پرانا کپڑا بجائے اس کے کہ بیکار کیا جائے کسی حاجتمند کو دے دیا جائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لبس ثوبا جدیدا فقال الحمد للہ الذی کسانی ما اواری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی ثم عمد الی الثوب الذی اخلق فتصدق بہ کان فی کنف اللہ و فی حفظ اللہ وفی ستر اللہ حیا و میتا

(للترمذی، جمع الفوائد)

جس نے نیا کپڑا پہنتے وقت کہا کہ "حمد اس خدا کی جس نے مجھے یہ کپڑا پہننے کو دیا جس سے میں اپنے ستر کو چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں جس سے میں زینت حاصل کرتا ہوں"۔ پھر اپنا پرانا کپڑا صدقہ کر دیا تو وہ اللہ کی پناہ میں اور اللہ کی حفاظت میں ہوگا اور اللہ اس کا پردہ رکھے گا جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی۔

چلنے پھرنے کے آداب:۔

چلنے پھرنے کے متعلق پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو ہدایات دنیا کو ملی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:۔

(الف) بدمستوں اور مغروروں فرعونوں کی طرح اکڑ کے اور اترا کے نہیں چلنا چاہیے بلکہ انکساری و فروتنی اور سکون و وقار کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیے۔ نیز نہ تو خواہ مخواہ بھاگ دوڑ کے چلے اور نہ بالکل کچھوے کی چال گن گن کے قدم رکھے۔ آپ کے لائے ہوئے صحیفہ ہدایت قرآن پاک میں ہے:۔

ولا تمش فی الارض مرحا ان اللہ لا یحب کل مختال فخور۔ واقصد فی مشیک

(لقمان)

اور زمین پر اکڑ کے نہ چلو۔ بیشک اللہ تعالے متکبروں مغروروں اور اتریوں سے محبت نہیں کرتا — اور اپنی چال میں اعتدال کی روش اختیار کرو۔

ایک دوسری آیت میں ہے:۔

ولا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا (بنی اسرائیل)

اور نہ زمین پر اکڑ کے نہ چل نہ تو تو اتنا زور آور ہے کہ (پیروں کے دھماکے سے) زمین کو چیر پھاڑ سکے اور

اور نہ (تن کے) پہاڑوں کی بلندی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

ایک اور آیت میں اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:۔

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونًا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلٰمًا (فرقان)	اور رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر چلتے ہیں سکینت اور فروتنی کے ساتھ، اور جب جاہل لوگ اُن سے اُلجھتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔

ایک دوسری آیت میں انہی کے حق میں فرمایا گیا ہے:۔

واذا مروا باللغو مروا کراما	اور جب کہیں فضولیات و خرافات پر انکا گزر ہوتا ہے تو وہ اپنی شرافت کو محفوظ رکھتے ہوئے شریفانہ طریقہ سے گزر جاتے ہیں

(ب) ہر طرف کی تاک جھانک اور نظر بازی نہ ہو بلکہ نظریں نیچی رہنی چاہئیں۔ فرمایا گیا:۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذالک ازکی لھم ط وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن (نور)	اے پیغمبر ایمان لانیوالوں کو تبلادیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور ایمان لانیوالی خواتین کو بھی سُنا دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں (گویا نظریں نیچی رکھنے کے حکم کا منشا بھی عفت و عصمت کی حفاظت ہے واللہ اعلم)

(ج) عورتیں عطر و خوشبو لگا کر باہر نہ نکلیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اذا استعطرت المرأۃ فمرت علی القوم لیجدوا ریحھا ھی کذا و کذا (سنن ابی داؤد)	عورت اگر عطر لگا کر باہر لوگوں کی طرف سے نکلے تا کہ وہ اس کی خوشبو محسوس کریں تو وہ ایسی ویسی ہے یعنی بدکار ہے۔

(د) مردوں اور عورتوں کو راستہ میں مل جل کر نہیں چلنا چاہیے بلکہ عورتیں ایک طرف ہو کر چلیں اور مرد ان سے علحدہ،

حدیث میں ہے:۔

نھی النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان یمشی الرجل بین المرأتین (سنن ابی داؤد)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان میں ہو کر چلے،

ابوداؤد کی ہی ایک حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر راستہ میں عورتوں اور مردوں کا مجمع مخلوط ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا:۔

استاخرن فانہ لیس لکن ان تحققن الطریق علیکن بحافات الطرق،،

تم مردوں سے پیچھے ہٹ جاؤ تمہارے لیے تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ بیچ سڑک پر چلو، تمکو کیسو ہو کر راستہ کے کنارہ کنارہ جانا چاہیے۔

ملنے جلنے کے آداب !:۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری چیزوں کی طرح ملنے جلنے کے اچھے آداب بھی تعلیم فرمائے جن میں چند عمومی آداب یہ ہیں:۔

(الف) ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان بھائی سے ملے تو سب سے پہلے "سلام" کرے جو عافیت اور سلامتی کی بہترین اور پُر معنی دعا ہونے کے ساتھ محبت کا پیغام اور اسلامی اخوت کا نشان بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذالقی احدکم اخاہ فلیسلم علیہ (ابوداؤد)

جب تم میں سے کوئی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملے تو سب سے پہلے اس کو سلام کرے۔

ایک اور حدیث میں ہے "السلام قبل الکلام"۔ یعنی مطلب کی بات شروع ہونے سے پہلے سلام کرنا چاہیے۔

(ب) جس کو سلام کیا جائے اس کا فرض ہے کہ وہ اور بہتر لفظوں میں جواب دے اور کم سے کم ویسے ہی لفظوں میں مثلاً "السلام علیکم" کے جواب میں اچھا یہ ہے کہ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" کہے اور کم سے کم "وعلیکم السلام" تو ضرور ہی کہے۔ قرآن پاک ہی میں ارشاد ہے۔

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا اوردوھا (النساء)

اور جب کوئی تمکو کسی طریقہ سے سلام کرے تو اس سے اچھے طریقہ پر جواب دو یا (کم از کم) ویسا ہی

جواب دو

(ج) سلام میں پیش قدمی کرنے والے کیلیے زیادہ فضیلت بتلائی گئی ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اولی الناس باللہ من بدأہم بالسلام (ابوداؤد و ترمذی)　　اللہ سے زیادہ قریب اور افضل وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

(د) اسی کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا کہ اصولاً پہلے سلام کرنے کا حق کس کا ہے — فرمایا:-

یسلم الراکب علے الماشی، والماشی علے القاعد والقلیل علے الکثیر (وفی روایۃ) والصغیر علے الکبیر (شیخین، ابوداؤد، ترمذی) جمع الفوائد　　سوار اور پیدل چلنے والے میں ملاقات ہو تو سوار پیدل کو سلام کرے اسی طرح چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کرے، چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے اور چھوٹی عمر والے بڑی عمر والوں کو سلام کریں۔

(ہ) حتی کہ اگر اپنے گھر میں بھی داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے۔ فرمایا گیا

اذا دخلت علے اهلك فسلّم یکن سلامك برکۃ علیك وعلے اهل بیتك (ترمذی)　　جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو بھی سلام کر کے جاؤ تمہارا یہ سلام خود تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کیلیے باعث برکت ہوگا۔

(و) مخاطب اگر اجنبی اور بے جان پہچان کا بھی ہو تو اُس کو بھی سلام کرنا چاہیے۔ فرمایا

السلام علے من عرفت ومن لم تعرف　　تم جس کو پہچانتے ہو اس کو بھی سلام کرو اور جس سے تمہاری جان پہچان نہ ہو اس کو بھی

ایک حدیث میں فرمایا گیا:-

ابخل الناس من بخل بالسلام (جمع الفوائد)　　سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بھی بخل کرے۔

(ز) ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ بھی ہونا چاہیے — فرمایا گیا

من تمام التحیۃ الاخذ بالید (ترمذی)　　مصافحہ کرنا سلام کا تکملہ ہے گویا اس سے سلام کی تکمیل ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے:-

تصافحوا یذہب الغل۔ (مالک) مصافحہ کیا کرو اس سے کینے دور ہوتے ہیں

(ح) ملاقات کے سلسلہ کی ایسی رسوم جنمیں شرک کا شائبہ ہو سکتا تھا اور جو آج بھی بعض قوموں میں جاری ہیں جن میں ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنی انتہائی پستی بلکہ بندگی کا اظہار کرتا ہی یا جنمیں خواہ مخواہ کا زیادہ تکلف ہو ان سب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا جیسے کہ کسی کے سامنے زمین بوس ہونا، یا جھکنا یا دست بستہ کھڑے ہونا۔ بلکہ ان امور کے بارے میں آپ نے تشدد فرمایا۔

حضرت معاذ اور حضرت سلمان کی مشہور حدیث ہی کہ انھوں نے بعض ممالک میں یہ رواج دیکھ کر کہ لوگ اپنے سرداروں یا دریوں، راہبوں کو سجدہ کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر ٹیکنا چاہا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمادیا اور بتلایا کہ یہ طریقہ صرف خدا کی عبادت کیلیے خاص ہی۔

اسی طرح ترمذی کی ایک حدیث میں ہی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ جب کسی دوست سے ملاقات ہو تو کیا ادباً و تعظیماً اس کے لیے جھکا جائے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ صرف مصافحہ کیا جائے۔

اور ابوداؤد و ترمذی کی مشہور حدیث ہی آپ نے فرمایا:-

من احب ان یتمثل لہ الناس قیاماً فلیتبوء مقعدہ من النار۔ جو شخص یہ پسند کرے کہ لوگ اس کی تعظیم کیلیے کھڑے رہیں اس کو جہنم میں اپنا ٹھکانا تجویز کرنا چاہیے

(ط) اگر کسی کے گھر پر جا کر اس سے ملاقات کرنی ہو تو ضروری ہی کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اندر آنے کی اس سے اجازت حاصل کی جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہی:-

یا ایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا وتسلموا علےٰ اھلھا ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون، فان لم تجدوا فیھا احداً فلا تدخلوھا حتےٰ یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا

ای ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ داخل ہو جب تک اُن سے اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کرلو، یہی تمہارے لیے بہتر ہی امید ہی کہ تم اس کا خیال رکھوگے۔ پھر اگر گھروں میں تمکو کوئی نہ معلوم ہو جب بھی انکے اندر نہ جاؤ۔ جبتک کہ تمکو اجازت نہ دیجائے

ھو ازکیٰ لکم واللّٰہ بما تعملون علیم، (نور) ا: اگر تم سے لوٹنے کو کہا جائے تو لوٹ آیا کرو تمہارے لیے یہ زیادہ اچھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اعمال کو خوب جانتا ہے

پھر اس حکم قرآن کی روشنی ہی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت لینے کا طریقہ یہ بتلایا کہ دروازہ کے باہر ہی کھڑے ہو کر کہے السلام علیکم، کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک شخص آستانہ نبوت پر حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا "الج" یعنی کیا میں اندر آجاؤں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا:-

اخرج الی ھذا فعلمہ الاستیذان فقل لہ قل السلام علیکم آادخل؟

باہر جا کر اس شخص کو اجازت لینے کا طریقہ بتلاؤ کہ اس طرح کہنا چاہیے "السلام علیکم، کیا میں اندر آسکتا ہوں؟"

مکان کے اندر آنے کیلیے اجازت کے اس اصول کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اتنی وسعت اور اہمیت دی کہ اگر کوئی شخص اپنی ماں کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو بھی پہلے اجازت لے اور اس کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ شاید وہ اس وقت کسی ایسی حالت اور ہیئت میں ہے جس کا دیکھنا بیٹے کے لیے صحیح نہ ہو

موطا امام مالک میں عطاء بن یسار سے مروی ہے

ان رجلا سال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال استاذن علی امی؟ فقال نعم قال انی معھا فی البیت فقال استاذن علیھا قال انی خادمھا فقال استاذن علیھا اتحب ان تراھا عریانۃ (جمع الفوائد)

ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ماں کے پاس جانے کے لیے بھی مجھے اجازت لینے کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، — اس نے عرض کیا کہ حضرت میں تو اسی کے ساتھ اسی گھر میں رہتا ہوں، آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لے کر ان کے پاس جاؤ — اس نے عرض کیا کہ حضرت میں اس کی خدمت کرتا ہوں فرمایا پھر بھی اجازت ہی لیکر اس کے پاس جاؤ، کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اس کو بلا کپڑوں کے دیکھو؟

(ی) پھر اس اجازت لینے (استیذان) کے متعلق ایک ادب آپ نے یہ تعلیم فرمایا کہ دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت نہ طلب کی جائے بلکہ دروازہ سے داہنی جانب یا بائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت مانگی جائے کیونکہ سامنے کھڑے ہونے میں گھر کے اندر نظر جانے کا احتمال ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہزیل بن شرجبیل سے مروی ہے کہ

جاء رجل نوقف علے باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستاذن فقام مستقبل الباب فقال لہ صلے اللہ علیہ وسلم ھکذا عنک او ھکذا فانما الاستیذان من النظر (لابی داؤد)

(جمع الفوائد)

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دردولت پر حاضر ہوا اور ٹھیک دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر داخلہ کی اجازت طلب کرنے لگا۔ حضور نے اس کو ہدایت فرمائی کہ دروازہ سے ادھر یا ادھر (داہنے یا بائیں) کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنی چاہئے۔ کیونکہ اجازت کا یہ قانون تو نظر ہی کی حفاظت کیلئے ہے۔

(ک) آج بھی بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دروازہ پر پکارتے ہیں یا دستک دیتے ہیں لیکن جب اندر سے دریافت کیا جاتا ہے کہ دروازہ پر کون ہے؟ تو وہ کہدیتے ہیں "میں ہوں" حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ نہایت ہی مہمل طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا۔ صحیحین اور ابوداؤد و ترمذی میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔

اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... فدققت الباب فقال من ذا؟ فقلت انا فخرج وھو یقول "انا انا"

جمع الفوائد

میں ایک دفعہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ پر دستک دی آپ نے دریافت فرمایا کون ہے؟ — میں نے عرض کیا "میں" آپ باہر تشریف لے آئے اور فرماتے تھے "میں میں" کیا؟

بسلسلہ دُنیا کو اسلام سے کس طرح روکا گیا؟

غزوۂ بدر اور اس کے نتائج

(از حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مدظلہم العالی شیخ الادب والفقہ دار العلوم دیوبند)

[ناظرین کرام کو معلوم ہے کہ یہ سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے اب تک تقریباً تیس چالیس قسطیں اسکی شایع ہو چکی ہیں، بعض گذشتہ قسطوں میں غزوہ بدر سے بعد کے کچھ واقعات بھی آچکے ہیں ——— یہ قسط جو آج یہاں درج ہو رہی ہے اور جس میں "غزوہ بدر" کا تذکرہ ہے ترتیب کے لحاظ سے اب سے بہت پہلے شایع ہونی چاہیے تھی، لیکن مولانا ممدوح نے یہ چند قسطیں اب سے کئی مہینے پہلے ایک ساتھ ارسال فرمائی تھیں، اور چونکہ ہر قسط کا مضمون سلسلہ کی کڑی ہونے کے باوجود ایک مستقل حیثیت رکھتا تھا اس لیے بجائے مضمون کی ترتیب کی رعایت کے ایسا کیا گیا کہ جس شمارہ میں جس قسط کے مناسب گنجایش نکلی اس میں وہی قسط درج کر دی گئی، اسلیے تاریخی ترتیب باقی نہ رہ سکی ——— جن قسطوں میں غزوہ بدر سے بعد کے واقعات آچکے ہیں ناظرین کرام ذیل کی قسط کو ان سے پہلی قسط تصور فرمائیں۔ (مدیر)]

"غزوۂ بدر":-

مکہ کے مغرور و سرکش منکروں اور مشرکوں نے جب داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے حلقہ بگوشوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، اور آپ کی دعوت حق کی اتنی سخت مزاحمت کی کہ اس کے لیئے مکہ اور اس کے ارد گرد کی زمین تنگ ہو گئی، تو آپ بحکم خداوندی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور اسی پاک بستی کو آپ نے اپنا مرکز بنا لیا ——— لیکن مکہ والوں نے یہاں بھی آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور برابر آپ کے خلاف شرارت آمیز سازشیں کرتے رہے اور دین الٰہی کی راہ میں برابر رکاوٹیں ہی ڈالتے رہے، جب یہ

شرارتیں حد سے گزر گئیں تو مسلمانوں کو "جہاد" کی اجازت ملی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ (الآیۃ)

اُن لوگوں کو جن سے باطل پرست لڑتے رہتے ہیں (جہاد) کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے ــــ اور اللہ تعالیٰ انکی مدد کرنیکی قدرت رکھتا ہے۔

اس اذن جہاد کے بعد سب سے پہلے جس معرکہ کی نوبت آئی وہ غزوہ بدر ہی، اور اسی سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، آج کی صحبت میں اسی کا کچھ حال سپرد قلم کیا جا رہا ہے ــــ واقعات کا سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے

ابوسفیان جو اس زمانہ میں مکہ کی مخالفِ اسلام طاقت کے ممتاز سردار تھے اپنی سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ لیکر شام گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مکہ میں کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کا کچھ مالی حصہ اس تجارتی قافلہ میں نہ ہو، صرف حویطب بن عبدالعزیٰ ایک ایسا شخص تبلایا جاتا ہے جس کا اس تجارت میں کوئی حصہ نہ تھا (اور اسی لیئے وہ مکہ والوں کی طرف سے شریک جنگ ہو کر بدر میں آیا بھی نہیں) شام پہونچکر اس قافلہ کو اس دفعہ غیر معمولی نفع ہوا اور پھر وہاں سے انھوں نے مخصوص شامی چیزیں خرید لیں تاکہ مکہ میں ان کو دُگنے داموں بیچ کے منافع کی رقم کو اور دو چند کر لیں ــــ جب یہ قافلہ اپنے تجارتی مال و متاع کے ساتھ مکہ واپس ہونے لگا (اور راستہ مدینہ کے قریب ہی سے ہو کر گزرتا تھا) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگرچہ اس قافلہ کے ساتھ مال و متاع بے انتہا ہے لیکن آدمی صرف تیس چالیس ہی ہیں (بعض کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ستر آدمیوں کی اطلاع ملی تھی) ــــ

غرض جب آپ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے اہل الرائے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اللہ کے مخالفوں اور دین کے دشمنوں کا ایک ایسا تجارتی قافلہ شام سے مکہ کو جا رہا ہے (اور اس کا بعافیت مکہ پہونچ جانا ہمارے خون کے پیاسے اور دین کے دشمن مشرکین مکہ کی طاقت اور ہماری مصیبت میں اضافہ کا باعث بن سکتا ہے اسلیے) اگر ہو سکے تو چلو اس کو راستہ ہی میں لے لیا جائے شاید اللہ تعالےٰ شانہ اس قافلہ کے ذریعہ ہم کو قوت عطا فرمائے اور مکہ کے مفسدوں کی طاقت ٹوٹ جائے۔ چنانچہ یہی تجویز طے ہو گئی اور ایک مختصر جماعت اس کے لیے تیار ہو کر روانہ ہو گئی ــــ اور چونکہ کسی کو یہ خیال ہی نہ تھا کہ اس سفر میں ہی کسی باقاعدہ جنگ کی نوبت آجائے گی اس لیئے ان جانے والوں کو ہی کافی سمجھا گیا اور دوسرے لوگوں نے اپنے

جانے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی۔

ابوسفیان شام سے واپسی میں اسی وقت سے حالات کی دریافت میں سرگرم تھے جس وقت سے وہ سرزمین حجاز میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے سامنے جب کوئی جماعت آتی یا کوئی شخص گزرتا تو وہ اس سے حالات کی پوری تحقیق کرتے، "جوئندہ یابندہ"، ان کو پتہ لگ گیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک جماعت کے ساتھ قافلہ کی مزاحمت کے ارادہ سے مدینہ سے روانہ ہو رہے ہیں، ابوسفیان کو اس خبر سے پریشانی ہوئی انھوں نے فوراً خاندان غفار کے ایک شخص ضمضم بن عمرو کو اسی لیے اُجرت دی کہ وہ بعجلت ممکنہ مکہ پہونچکر باشندگان مکہ کو اس حادثہ کی اطلاع دے، اور اُن کو اپنے اس کثیر مال کو بچانے پر آمادہ کرے۔ ضمضم بن عمرو عرب کے اُن لوگوں میں سے ایک تھا جو اپنی تیز روی اور خبر رسانی کی عجلت میں ضرب المثل تھے۔ اگرچہ وہ فوراً ہی مکہ کو روانہ ہو گیا، مگر قافلہ والوں کو عموماً اور ابوسفیان کو خصوصاً برابر تشویش رہی اور مدینہ کے قرب کے ساتھ ساتھ اس تشویش میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

ضمضم بن عمرو کے پہونچنے سے تین دن پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب نے ایک پریشان خواب دیکھا، اور اپنے بھائی عباس بن عبد المطلب کو بلوایا، اور کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے مجھ کو نیند ہی نہ آئی ہے، اور نہ اُس وقت سے اس وقت تک دل کو چین ہے، عباس نے دریافت کیا کہ کیا دیکھا؟ عاتکہ نے کہا میں نے خواب کچھ اس قسم کا دیکھا ہے جس سے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ قوم پر کوئی عام مصیبت نازل ہونیوالی ہے، ہمارا خاندان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بغض کی وجہ سے ناحق بدنام ہو گیا ہے اگر تم کسی سے اس خواب کا ذکر نہ کرو تو میں کہوں، عباس نے کہا کہ تم خواب تو بیان کرو، جس طرح تم کو خاندان کی ذلت کا خیال ہے اُس سے زیادہ مجھ کو ہے، میں تمہارا خواب کسی سے نہ کہونگا، عاتکہ نے بتلایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک شتر سوار مکہ کے قریب ایک سنگلاخ میں کھڑا ہو کر زور زور سے چلا چلا کر یہ کہہ رہا ہے کہ اے ناہنجارو! تین دن کے اندر اندر اُن مقامات پر پہونچ جاؤ جہاں تم کو قتل ہونا ہے، بہت سے لوگ یہ سن کر اس کے پاس پہونچ گئے اور وہ اس طرح کہ خود آگے آگے، اور اہل مکہ اس کے پیچھے مسجد حرام میں داخل ہوا، اس کے بعد وہ شخص مع اپنے اونٹ کے خانہ کعبہ کی چھت پر جا پہونچا، اور انھیں سابق الفاظ کا اعادہ کیا، پھر ایسا معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے اونٹ کے کوہ ابی قبیس کی سب سے اونچی چوٹی پر ہے اور وہی بات چلا چلا کر کہہ رہا ہے، اس کے بعد اس نے ایک بہت بڑا پتھر نیچے کی جانب پھینکا، وہ پتھر نیچے

ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا، اور مکہ کے گھروں میں سے کوئی ایک گھر بھی ایسا باقی نہ رہا جس میں اس کے ریزے نہ پہونچے ہوں۔

عباس نے خواب سن کر فرمایا کہ عاتکہ! یہ خواب بالکل سچا خواب ہے، دیکھو خبردار کسی سے اس خواب کا ذکر نہ کرنا ورنہ اس کا ایک شور مچ جاوے گا۔

حضرت عباس خود تو اس خواب کے ذکر نہ کرنے اور کسی سے نہ کہنے کی تاکید کر کے باہر نکلے مگر چونکہ خداوند عالم کو منظور ہی یہ تھا کہ اس خواب کی اشاعت ہو اس لیئے خود اپنے کہے ہوئے پر عمل نہ کر سکے۔

صورت یہ ہوئی کہ گھر سے باہر تشریف لائے تو سامنے سے ولید بن عتبہ بن ربیعہ آتا ہوا دکھائی دیا، ولید سے حضرت عباس کا دوستانہ بچپن ہی سے تھا ان کا ارادہ ہوا کہ اس سے عاتکہ کا خواب بیان کر دیں، مگر پھر خیال کیا کہ خواہ مخواہ کہیں بات پھیلے گی، چپ ہو رہے کہ ولید نے کہا، عباس! آج کیا بات ہے تم پریشان زیادہ ہو، یہ صحیح ہے کہ تمہارے خاندان کے لوگ تم سے جدا ہوئے ہیں ہم نے ان کو راہ راست پر لانے کیلئے کچھ تادیب بھی کی ہے، مگر یہ تو عرصہ کی بات ہو چکی، آج تو کوئی نئی بات ہے، جس کی وجہ سے تمہارے چہرے پر پریشانی برس رہی ہے سچ بتاؤ کہ کیا بات ہے؟ حضرت عباس نے فرمایا کہ ولید! تم بالکل صحیح سمجھے میں اس وقت فی الواقع بہت پریشان ہوں، مگر کیا کروں، کہنے کی بات نہیں، اور میرا راز دار تم سے زیادہ کون ہے مگر خوف ہے کہ تم اس کو راز میں نہ رکھ سکو گے، ولید نے کہا کہ ایسی بھی کیا بات ہے، آخر کچھ بتاؤ تو، عباس نے وعدے لے کر اس سے عاتکہ کے خواب کو بیان کر دیا، ولید نے اس خواب کا ذکر اپنے باپ سے کیا، بس پھر کیا تھا، اس خواب کا ذکر گھر گھر ہونے لگا۔

حضرت عباس دوسرے روز مسجد حرام میں تشریف لائے اور ارادہ کیا کہ خانہ کعبہ کا طواف کریں، ابوجہل وغیرہ رؤسائے مکہ کی ایک جماعت اسی خواب کا باہم ذکر کر رہی تھی کہ ابوجہل نے نہایت متانت کے ساتھ حضرت عباس سے کہا کہ ابوالفضل! طواف سے فارغ ہو کر ہماری ایک بات سن لینا، حضرت عباس طواف سے فارغ ہو کر مجمع میں تشریف لائے، تو ابوجہل نے حضرت عباس سے کہا کہ عبدالمطلب کے نام لیواؤ! تمہارے یہاں یہ عورت کب نبی ہوئی؟ حضرت عباس فوراً سمجھ گئے کہ عاتکہ کے خواب پر استہزاء کر رہا ہے مگر تجاہل عارفانہ کے طور پر فرمایا کہ کیا بات ہے، ابوجہل بولا میرا مطلب اس خواب سے ہے جو عاتکہ نے دیکھا ہے، حضرت عباس نے فرمایا کہ کیسا خواب؟ ابوجہل نے کہا کہ اے عبدالمطلب کے خاندان والو! تمہارے لیئے تو

یہی فخر کافی تھا کہ تمہارے مرد نبی ہونے لگے، مگر تم نے اس سے بھی آگے قدم بڑھایا، اور اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کے دعوے کرنے لگیں، عاتکہ کا خواب مکہ میں مشہور ہو چکا ہے، لو! یاد رکھو کہ ہم لوگ تین دن تو صبر و تحمل سے کام لیکر واقعات کا انتظار کرتے رہینگے، اگر کوئی بات خواب کے موافق ہوئی تو فبہا ورنہ ہم سب اہل مکہ بالاتفاق ایک محضر تیار کریں گے کہ تمہارا خاندان تمام اہل عرب کے جھوٹوں کا سردار ہے۔

حضرت عباس اس کے جواب میں اس سے زیادہ اور کیا فرما سکتے تھے کہ خواب کا قصہ محض غلط ہے، نہ عاتکہ نے کوئی خواب دیکھا، نہ میں نے اس کا کسی سے ذکر کیا، ہم لوگوں کو تم نے مطعون کرنے کی ٹھان لی ہے اسلئے ایک نہ ایک افترا ہم پر ہوتا رہتا ہے،

واپس ہوئے تو ادھر تو عاتکہ نے حضرت عباس کو اس خواب کے ظاہر کر دینے کی وجہ سے زیادہ برا بھلا کہا، اُدھر بنی عبد المطلب کے خاندان کی عورتیں جمع ہو کر حضرت عباس کے پاس پہونچیں اور کہنے لگیں کہ تم ایسے بزدل نکلے کہ ابو جہل جیسے فاسق اور خبیث لوگ مردوں سے بڑھکر اب اس خاندان کی عورتوں کو بھی جو چاہیں کہیں اور تم چپ رہو،

حضرت عباس سخت پریشان ہوئے اور فرمایا کہ خیر اب تو جو ہوا سو ہوا، خدا کی قسم اگر دوبارہ اس قسم کی کوئی بات ابوجہل نے کی تو میں اُس کو اچھی طرح مزا چکھاؤنگا۔

حضرتِ عباس تیسرے دن اسی ارادہ سے مسجد حرام تشریف لے گئے کہ اگر ابوجہل نے آج کسی قسم کی تعریض کی تو اس سے اچھی طرح بدلا لونگا، دیکھا تو ابوجہل مسجد حرام میں موجود تھا، حضرت عباس قصداً آہستہ آہستہ اُس کی جانب بڑھے تاکہ ابوجہل اُن کو دیکھ کر کوئی نیا آوازہ کسے، اور حضرت عباس کو موقع ملے کہ اُس کی مزاج پرسی کر سکیں۔

ابھی حضرت عباس اُس کے قریب بھی نہ پہونچنے پائے تھے کہ ابوجہل مسجد حرام کے دروازہ کی جانب تیزی سے بدحواسی کے ساتھ چلا، حضرت عباس سمجھے کہ ابوجہل نے میرے طرز و انداز سے یہ سمجھ لیا کہ آج میں اُس روز کی سزا اُس کو دونگا، لیکن فی الحقیقت یہ بات نہ تھی بلکہ ابو سفیان کا بھیجا ہوا قاصد مکہ میں پہنچ چکا تھا اور چلا چلا کر خطرے میں پڑے ہوئے قافلۂ تجارت کی امداد کے لیے اہل مکہ کو پکار رہا تھا، یہ آواز ابوجہل نے تو سُن لی تھی، لیکن حضرت عباس اپنے خیالات میں منہمک ہونے کی وجہ سے اس آواز کو نہ سُن سکے اور یہی وجہ ہوئی کہ حضرتِ عباس اور ابوجہل میں اس وقت کوئی مزاحمت نہ ہو سکی،

اہل مکہ حالات پر مطلع ہوتے ہی جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہمت اب اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ ہمارے اموال اور ہماری جانوں پر بھی نظر ڈالنے لگے اُن کو اب ہم بتلادیں گے کہ اُن کی یہ طمع کیسی خام طمع ہے۔

اس جنگ کیلیے اکثر نے تو خود ہی شرکت کیلیے تیاری شروع کر دی، اور جو لوگ کسی مجبوری کی وجہ سے خود شریک نہ ہو سکتے تھے اُنھوں نے کسی دوسرے شخص کو مصارف ادا کیے اور اپنا قایم مقام بنا کر شریک کیا، اور قریش کے خاندان میں تو باستثنائے ابو لہب کوئی ذی وجاہت ایسا شخص نہ تھا جو خود شریک نہ ہوا ہو،

ابو لہب نے اپنا قائم مقام عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو بنایا تھا، عاصی مذکور ابو لہب کے چار ہزار درہم کا مقروض تھا، اور کوئی صورت نہ تھی کہ یہ قرضہ ادا ہو سکے، ان دونوں میں باہم یہ طے ہوا کہ عاصی ابو لہب کی جانب سے اس جنگ میں شریک ہو، اور یہ چار ہزار درہم اس شرکت کا معاوضہ ہو جائیں

عاصی جانتا تھا کہ قریش کے اس ٹڈی دَل لشکر کے مقابلہ میں بیچارے مٹھی بھر مسلمانوں کی حیثیت ہی کیا ہے اس لیے ہماری فتح یقینی ہے، مفت میں جنگ کے غازیوں میں نام ہو جائے گا، واپسی کے بعد بڑے بڑے مجامع میں شیخی مارنے کا موقع بھی ملے گا کہ ہم نے فلاں فلاں کو قتل کیا، اور یہ ناقابل ادا قرض بھی اُتر جاوے گا، غرض یہ سب کچھ سوچ کر اس نے شرکت منظور کر لی اور سودے کو سستا سمجھا۔

القصہ ابو سفیان کی امداد کی غرض سے جانے والی جماعت ساڑھے نو سو کی تعداد میں ہو گئی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ پورے ایک ہزار تھے۔

اس جنگ میں مشرکین مکہ کے نقطۂ نظر سے دوسرے روسائے قریش کی طرح امیہ بن خلف کی شرکت بھی بہت ضروری تھی، کیونکہ اس کا اثر اہل مکہ پر بہت زیادہ تھا، اگر یہ جنگ میں شریک نہ ہوتا تو یقیناً اور بہت سے لوگ بھی حیلے بہانے کرتے اور جنگ میں شریک نہ ہوتے، مگر امیہ بن خلف اس جنگ میں شریک ہونے سے بچتا تھا، اور اس خیال میں تھا کہ اگر ضرورت ہو تو یہ بھی کسی کو اپنا قایم مقام بنا کر شریک کر دے،

امیہ بن خلف اس جنگ میں شرکت سے گھبراتا تو اس لیے تھا کہ حضرت سعد نے قیام مکہ کے زمانہ میں اُس سے کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تیرے لیے بد دعا کرتے ہوئے سُنا ہے امیہ بن خلف

باوجود اُس عداوت وبغض اور تکذیب کے جس میں اُس نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا اس بد دعا سے خائف تھا، اور اُس کو یقین تھا کہ یہ بد دعا میرے حق میں ضرور پوری ہو گی، اس لیے شریک جنگ ہونے سے جان چُراتا تھا، مگر اس خیال سے اس کو زبان پر نہیں لاتا تھا کہ سننے والوں میں سے کوئی تو بزدل کہے گا، کوئی مذاق اُڑائے گا، اور کوئی کہے گا کہ یہ ابتدا ہی عنقریب امیہ اب مسلمان ہی ہو جائے گا، اسی لیے جب لوگوں نے اُس سے دریافت کیا تو اُس نے یہ کہدیا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ لڑائی میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہی جو بدن کے ہلکے اور چھریرے ہوں، میں ہمیشہ سے بدن کے لحاظ سے بھاری بھرکم ہوں کبھی بھی دوڑ دھوپ اُچھلنے کودنے کے کام کا نہیں تھا لیکن اب سے پہلے تو طاقت تھی اس لیے بعض مواقع میں شریک ہو جایا کرتا تھا بڑھاپے نے تو گویا کسی کام ہی کا نہ رکھا، اس لیے میری شرکت نہ تو ضروری ہی اور نہ مفید،

بہت سے لوگوں نے کوشش کی کہ اُمیہ بن خلف کسی طرح شریک ہو جائے مگر وہ نہ مانا، اور اور اُس کا یہ عذر ایسا تھا کہ کسی کے پاس اس کا توڑ ہی نہ تھا، مکہ میں اس کا عام چرچا تھا کہ امیہ بن خلف اس جنگ میں شریک نہ ہوگا اور گھر گھر اس پر چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ عقبہ بن ابی معیط کو ایک تدبیر سوجھ گئی اور وہ کامیاب ہوئی۔

عرب کی عورتیں خصوصاً روسا اور شرفا کی عورتیں خوشبوؤں کا استعمال زیادہ کرتی ہیں، نہانے دھونے میں بھی، کپڑوں میں بھی، اور اس طرح بھی کہ جب ذرا فراغت سے بیٹھیں تو انگیٹھی میں خوشبو میں بھر کر پاس رکھ لیں، اُس کے دھوئیں سے اپنا دماغ بھی معطر اور گھر بھی معطر رہتا تھا، خوشبو کی انگیٹھی کا استعمال عورتوں کے ساتھ اس طرح خاص تھا جس طرح کہ ہمارے یہاں چوڑیاں پہننا عورتوں کا خاص طریقہ ہے۔

عقبہ بن ابی معیط نے ایک انگیٹھی میں تھوڑی سی آگ ڈال کر اُس کو جلنے والی خوشبوؤں سے بھرا اور امیہ بن خلف کے پاس اُس وقت لیکر آیا جبکہ وہ مسجد حرام میں اپنی قوم کے تمام روسا کے مجمع میں بیٹھا ہوا تھا، اور یہ انگیٹھی نہایت مودبانہ طرز پر اس کے سامنے لاکر رکھدی، اُمیہ نے تعجب سے مسکرا کر کہا کہ عقبہ! یہ کیا حرکت ہے؟ کیا تم نے مجھکو بھی عورت سمجھ لیا کہ خوشبو کی بھری ہوئی انگیٹھی میرے سامنے لاکر رکھدی، عقبہ نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ "عورتوں کی طرح سمجھ لیا، کیا معنی؟ میرے خیال میں تو آپ جیسے لوگ عورتوں سے بھی گئے گزرے ہیں،" ــــ عقبہ کی اس حرکت پر نہ صرف اُمیہ ہی کو غصہ آیا

بلکہ اُمیہ کے ساتھیوں کو بھی سخت اشتعال ہوا، مگر امیہ نے سب کو روکا اور کہا کہ عقبہ! آج تم مجھ سے اس قسم کا بیہودہ مذاق کیوں کر رہے ہو، عقبہ نے کہا کہ امیہ! باشندگان قریش پر یہ تو وقت پڑ گیا کہ جن مٹھی بھر لوگوں کی کوئی وقعت ہمارے یہاں نہ تھی وہ آج ہم کو مصیبت میں ڈالنے اور دُنیا میں ذلیل کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں، اور آپ کا یہ حال ہے کہ جنگ میں شرکت تو کیا کرتے شرکت کا ارادہ بھی نہیں ہے، عورتوں کی طرح یہاں بیٹھے وہاں بیٹھے، گویا آپ کی قوم پر کوئی مصیبت ہی نہیں ہے، پھر جب آپ خود عورتوں کی طرح چوڑیاں پہنکر بیٹھنا چاہتے ہیں، تو پھر اگر میں نے آپ کو عورت سمجھ لیا تو انصاف سے کہیے کیا بُرا کیا، کیا آپ کے نزدیک باشندگان مکہ پر اس سے زیادہ بدتر وقت بھی کوئی آسکتا ہے کہ وہی چند سر پھرے مسلمان جن پر ہمارے نوعمر لڑکے کوڑا مٹی ڈالتے تھے، آج وہ اس قافلے کو لوٹ لینے کا ارادہ کر رہے ہیں جس پر باشندگان مکہ کی زندگی کا مدار ہے، امیہ نے اس جگر دوز تقریر کو سنا اور کہا کہ عقبہ! خدا تیرا ناس کرے تو نے مجھ کو بھی اس میں شریک کر کے چھوڑا، عقبہ کی اس تدبیر سے امیہ کو اور امیہ کے تمام ساتھیوں کو بھی شریک ہونا پڑا۔

ادھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی تھوڑی سی جماعت کو ہمراہ لیکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور بیر ابی عینہ پر پہونچے اور طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو ابو سفیان کے قافلہ کے حالات معلوم کرنے کیلئے روانہ فرمایا (حسب روایۃ عیون الاثر لابن سید الناس) یہ مختصر جماعت صرف تین سو پانچ صحابہ پر مشتمل تھی، اور صحابہ میں سے آٹھ ایسے تھے جو باوجود شریک نہ ہونے کے بعض خاص وجوہ سے شریک سمجھے گئے، اور آپ نے مال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ دیا، اور فرمایا کہ دار آخرت میں ثواب ان غائبین اور حاضرین کا ایک ہی سا ہے،

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی انھیں حضرات میں سے ہیں جو جنگ بدر میں شریک تو نہ تھے مگر مال غنیمت کے حصہ دار اور آخرت کے ثواب میں شرکائے جنگ کے مساوی قرار دیئے گئے۔

ان کا واقعہ یہ ہے کہ وہ شریک ہونے کے لیے تیار تھے، مگر چونکہ ان کی اہلیہ محترمہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رُقیہ سخت علیل تھیں، اُمید زیست بھی نہ رہی تھی اس لیے وہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے اور اسی وجہ سے باوجود شریک نہ ہونے کے شرکائے جنگ کی طرح مال غنیمت کا حصہ بھی ملا، اور ثواب آخرت کی بشارت بھی حاصل کی۔

اس تین سو سے کچھ زائد جماعت میں سواری کے لیے صرف ستر اونٹ تھے، اسی لیے ایک ایک اونٹ پر سوار ہونے کیلیے کئی کئی آدمیوں کی باری مقرر کرلی گئی، خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اونٹ میں آپ کے علاوہ حضرت علی اور ابو لبابہ رضی اللہ عنہما شریک تھے، جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی باری سوار ہونے کی ہوتی اور سوار ہونے کیلیے عرض کیا جاتا تو آپ فرماتے، کہ نہ تو تم پا پیادہ چلنے میں مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ میں تمہاری بہ نسبت ثواب کا کچھ کم حاجتمند ہوں، اسی شان سے آپ وادی ذفران تک پہونچے وہاں پہونچکر آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اہل مکہ کی بھاری جمعیت اپنے قافلہ کی حمایت کے لیے پورے سامان جنگ کے ساتھ روانہ ہو گئی ہے، اور اب ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کو ہاتھ لگانا اسی وقت ممکن ہے کہ اولًا اس لشکر سے نمٹ لیا جائے۔

اس وقت حضور کے ساتھ تھوڑی سی جماعت تھی "ظاہری سیاست" کا مقتضا یہ تھا کہ اس دہشت انگیز خبر کو چھپایا جاتا، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو مطلقًا نہ چھپایا، اور ساری جماعت کو مجتمع فرما کر معلوم شدہ حالات ظاہر فرمائے، اور صاف فرمایا کہ ان حالات کو سننے کے بعد مشورہ دو کہ کیا کیا جائے، حضرت ابوبکر صدیق اُن لوگوں میں سے ایک تھے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گویا بولنا جانتے ہی نہ تھے، جب تک شدید ضرورت نہ ہوتی تھی خاموش ہی رہتے تھے، اور انتظار کرتے تھے کہ جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ کسی دوسرے کی زبان سے ادا ہو جاوے، مگر اس موقع پر سکوت فرمایا نہ انتظار کیا، کھڑے ہو کر مختصر مگر ولولہ انگیز تقریر نہایت عمدہ طرز پر فرمائی جس میں اپنی اور اپنے رفقا کی قربانی اور وفاداری کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اطمینان دلایا۔۔۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس تقریر سے فارغ ہو کر اچھی طرح بیٹھنے نہ پائے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھے، اور کھڑے ہو کر پوری فراخ حوصلگی کے ساتھ جنگ کی آمادگی اور خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت میں جان نثاری کا اظہار کیا، ان کے بعد ہی مقداد بن عمرو نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس کام کا امر خداوند عالم نے آپ کو کیا ہے آپ اس کو شروع کردیں، سب کے سب آپ کے ساتھ ہیں، یہ صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو لے کر جب عمالقہ سے جہاد کے لیے چلے اور اُن کے لشکر کو معلوم ہو گیا کہ عمالقہ سے مقابلہ کر لینا اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالنا ہے، تو اُنھوں نے حضرت موسےٰ سے نہایت بے مروتی کے ساتھ کہدیا کہ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون (اس جنگ میں ہمارے جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، آپ اور آپ کا خدا دونوں مل کر اس طاقتور قوم سے جنگ کرلیں، ہم یہیں

بیٹھے رہیں گے، کسی دوسری جگہ چلے نہ جائینگے) لیکن یا رسول اللہ آپ کی اُمت آپ کے ساتھ ہے اور اس کو معلوم ہوگیا ہے کہ یہ وقت سرفروشی اور جاں نثاری کا وقت ہے، آپ یقین فرمالیں کہ ہم حضرت موسیٰ کی قوم کی طرح اس جنگ کا ذمہ دار آپ کو اور خداوند عالم کو نہ بنائینگے ہم تو ایسے شدید وقت میں یہی عرض کریں گے کہ آپ اور آپ کا خدا دونوں باطل کے اس لشکر سے جنگ کریں، ہم آپ کے ساتھ ہوکر اس لشکر کی جان لینگے، اور ان کو اپنی جانیں دیں گے، ہمارے نزدیک اس آنے والی طاقتور جماعت سے مقابلہ کرنا تو ایک معمولی بات ہے، اگر آپ اس سے بڑھ کر بھی کوئی حکم دیں گے، تو ہم میں سے کوئی بھی اس کی تعمیل میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کرے گا،،۔۔۔ آپ نے حضرت مقداد کی حوصلہ افزائی کی، ان کو دعا دی اور پھر بھی فرمایا،، مشورہ دو کیا کرنا چاہیئے،،؟

اصل بات یہ تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما تھے اور مدینہ کے حضرات جو بغرض حج گئے تھے، حضور کی بیعت سے مشرف ہوئے تو حمایت کے معاہدہ میں اُن کے الفاظ یہ تھے:

یارسول اللہ انا برآء من ذمامك حتی تصل الی دیارنا فاذا وصلت الینا فانت فی ذمتنا نمنعك مما نمنع منه نساءنا وابناءنا، اے خدا کے رسول برحق! ہم آپ کی حمایت کی ذمہ داری اُس وقت تک لینے سے قاصر ہیں جب تک کہ آپ مکہ کو چھوڑ کر ہمارے یہاں مدینہ نہ آجائیں، البتہ جب آپ مدینہ میں آجاویں گے تو ہم آپ کی حفاظت بالکل اسی طرح جاں نثاری کے ساتھ کریں گے جس طرح اپنے جگر گوشوں اور اپنی عورتوں کی کرتے ہیں۔

بنا بریں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال تھا کہ چونکہ انصار نے مدینہ میں رہنے کی حالت میں حمایت اور ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اور ہم اس وقت مدینہ سے باہر آچکے ہیں اس لیے انصار کو معاہدہ کی روسے حق ہے کہ وہ مدینہ سے باہر ہونے کی حالت میں ہمارا ساتھ دینے سے انکار کردیں، اس لیے خاص طور سے آپ اہل مدینہ کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے، مقداد بن عمرو کی تقریر کے بعد بھی جب آپ نے مشورہ کے طور پر رائے ظاہر کرنے کا امر فرمایا، تو انصار کے نمائندے سعد بن معاذ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم نے آپ کو خدا کا برحق رسول مانا آپ پر ایمان لائے اور صمیم قلب کے ساتھ اقرار کیا کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ حق اور سچ ہے، اسی پر ہم نے آپ سے معاہدے کیے، اور آپ کی اطاعت کا اقرار کیا، اس لیے آپ جو کچھ چاہیں کریں، ہم آپ کا دامن نہ چھوڑیں گے، خدا کی قسم اس عظیم لشکر سے مقابلہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے

خیال ہے کہ شاید ہم مغلوب ہو جائیں، یقینی بات یہ بھی نہیں، ہو سکتا ہے کہ ہم ہی اُن پر غالب آجائیں کیونکہ بہت مرتبہ ایسا ہوا ہی کہ تھوڑی سی جماعت بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہے، لیکن جس جگہ نظر بظاہر اسباب ہلاکت کے سوا کوئی دوسری صورت ہی نہ ہو، ہم اس میں بھی آپ کا ساتھ دیں گے، مثلاً کسی عمیق سمندر میں آپ کود پڑیں تو ہم بھی اُس میں آپ کے ساتھ گھس جاویں گے، خواہ زندہ رہیں یا مریں ہم میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو آپ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاوے، ہمارے دلوں میں اسکی کوئی گرانی نہیں، کہ آپ ہم کو لیکر ہمارے دُشمنوں پر حملہ کریں، ہم لوگ میدان جنگ میں جم کر لڑنے والے ہیں ہم کو تو خدا کی ذات سے یہ اُمید ہے کہ اس جنگ میں ایسی پامردی کے ساتھ لڑیں گے کہ آپ ہم سے بہت زیادہ خوش ہوں گے، اس لیے آپ خدا پر بھروسہ کر کے قدم آگے بڑھایئے، سعد بن معاذ کی اس تقریر سے آپ بہت خوش ہوئے اور یہ فرما کر روانگی کا حکم دیا کہ خداوند عالم نے وعدہ فرمایا ہے کہ یا تو ابوسفیان کا تجارتی قافلہ تمہارے ہاتھ لگے گا، اور یا کفار مکہ کی یہ بھاری جمعیت تمہارے ہاتھوں سے شکست کھائے گی، اور خدا کی قسم! اس آنے والی جماعت کے لوگ جس جگہ مقتول ہوں گے، وہ مقامات اس وقت میری نظر کے سامنے ہیں۔

ابوسفیان تو برابر اسی ٹوہ میں تھے کہ مسلمانوں کا حال معلوم کریں، چنانچہ اُن کو مدینہ سے کچھ فاصلہ ہی پر معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں نے ہمارے ساتھ مزاحمت کرنے کی پوری تیاری کر لی ہے، اور اسی واسطے ابوسفیان نے وہ عام راستہ ہی چھوڑ دیا جس پر عموماً قافلے شام سے مکہ کو جایا کرتے تھے، اور ایک غیر معمولی راستہ اختیار کر لیا، اور جب دیکھا کہ مسلمانوں کی زد سے بچ گئے تو کفار قریش سے کہلا بھیجا کہ اب تم بھی واپس آجاؤ، قافلہ کی حفاظت کے لیے ہی تم آئے تھے، اب قافلہ محفوظ ہی۔

کفار قریش میں سے بعض سمجھدار اور سن رسیدہ لوگوں کی رائے بھی یہی تھی کہ ابوسفیان کی اس رائے پر عمل کیا جائے لیکن ابوجہل نے زیادہ سرگرمی سے کام لیا اور اس رائے پر عمل نہ ہونے دیا بالآخر جنگ ہوئی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار مکہ کی ساری قوت کا خاتمہ ہو گیا،

ابوجہل وغیرہ روسائے عرب تو بدر میں مارے گئے، اور ابولہب مکہ میں مرا، ابولہب اگرچہ قتل نہ ہوا مگر ایسے متعدی مرض میں مرا کہ اس مرض کے نام سے اہل عرب دور دور بھاگتے تھے، اس لیے ابولہب کی لاش کئی دن تک بے گور و کفن ہی پڑی رہی، اس کے بعد اس کے

اقارب نے تدفین کی مگر اس طرح کی کہ اگر کسی نجس چیز کو زمین میں داب دینے کی ضرورت ہو تو غالبًا اس سے زیادہ نفرت اور اجتناب اس سے بھی نہ ہوگا۔

اس جنگ میں اہل مکہ میں سے ایک بڑی جماعت تو موت کے گھاٹ اُتر گئی اور ایک جماعت کو مسلمانوں نے زندہ گرفتار کر لیا جنہیں سے بعض کو فدیہ لیکر اور بعض کو بغیر فدیہ ہی کے چھوڑ دیا گیا،

—— بدر کے اس معرکہ کے بعد اب یہ آسان نہ تھا کہ مسلمانوں پر ایسے مظالم توڑے جاسکیں جیسے مظالم اس سے پہلے توڑے جاتے تھے،

بدر کے میدان میں پہلی بار اس طرح ظاہر ہوا خدا کا وہ وعدہ نصرت جو آیت اذن جہاد میں کیا گیا تھا۔ (باقی)

نعت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم

(نتیجۂ فکر جناب خلیفہ حبیب اللہ صاحب فانی مرحوم ساکن بستی سرہند)

حضرت فانی مرحوم کی یہ غیر مطبوعہ نعتیہ نظم ہم کو اپنے دوست مولوی محمد رحمت اللہ صاحب منشی فاضل مدرس ہائی اسکول نروانہ ضلع پٹیالہ سے حاصل ہوئی ہے جو موصوف کے شکریہ کے ساتھ یہاں درج کی جا رہی ہے۔ (مدیر)

شاہدِ عالم شاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم　　　ساقیٔ کوثر شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم

وارثِ ملک و نگینِ سلیماں یوسفِ مصرِ ہدایت و عرفاں　　　عقدہ کشائے عیسیٰ مریم صلے اللہ علیہ وسلم

صدر نشینِ یثرب و بطحا چشم و چراغِ خضر و مسیحا　　　چشمۂ جود و کریم و مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

چندے اگر از چشمِ خلائق ماند نہاں در پردۂ ظلمت　　　آمد ازاں چوں نیرّ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

تا بجہاں چوں مہر علم زد شور عرب در ملکِ عجم زد　　　باغ جہاں شد تازہ و خرم صلی اللہ علیہ وسلم

نافِ زمیں پُر نافہ ز بویش نافہ بہ پیچ و تاب ز مویش　　　تازہ ز رویش گلشنِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

گرچہ بسے در راہ دویدہ سایۂ او خورشید ندیدہ　　　بود سراپا روح مجسم صلے اللہ علیہ وسلم

کرد چو عزمِ عالمِ بالا، خواند ملائک آیۃ اسریٰ　　　ہفت فلک طے کرد بیکدم صلے اللہ علیہ وسلم

ماہ ز مہر چو ہالہ فدایش ترکِ فلک سر برہ پایش　　　گشت زحل دربور ز خاتم صلے اللہ علیہ وسلم

شد بحریم قرب الٰہی گشت بخلعتِ خاص مباہی　　　یافت خلاص از دائرۂ غم صلے اللہ علیہ وسلم

فانیؔ اگر در منزلِ دنیا ہیچ نداری توشۂ عقبیٰ

کم نبود ایں زمزمہ ہیچم صلے اللہ علیہ وسلم

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شیعیت

(از جناب مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی مصنف علماء کا شاندار ماضی)

[یہ مقالہ در اصل "شاہ ولی اللہ نمبر" ہی کیلئے مولانا موصوف نے میری درخواست پر لکھا تھا لیکن اُس وقت عدم گنجائش کی وجہ سے اُس میں درج نہیں ہو سکا اور اب ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے ——— مدیر]

اسلامی ہند کی تاریخ سے سرسری واقفیت رکھنے والوں کو بھی معلوم ہے کہ اس ملک پر مغلوں سے پہلے کافی عرصہ تک افغانوں کے مختلف خاندانوں نے بھی حکومت کی ہے۔ یہ سب پٹھان حکمراں سُنّی تھے، افغانستان کے باشندے اور افغانستان "شیعیت" کی بلا سے محفوظ ہی رہا لیکن اس کے برعکس ایران شیعیت کا مرکز رہا ——— افغانوں کے بعد ہی مغلوں کا دور آتا ہے۔ ظہیر الدین بابر (سلطنت مغلیہ کا مورث) ہندوستان آیا اور ابراہیم لودی کو شکست دے کر اُس نے دہلی میں اپنی حکومت قایم کر دی۔ لیکن ہندوستان میں افغانوں کا اقتدار ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ شیر شاہ سوری افغانی تھا اس نے افغانوں کی شیرازہ بندی کی۔ سہسرام (صوبہ بہار) میں اپنی حکومت قایم کر کے استقلال کا دعوی کر دیا۔ ہمایوں نے اس باغی کا سر کچلنا چاہا مگر خود شکست کھا کر ایسا بھاگا کہ ایران میں پناہ ملی۔

ایران کا بادشاہ طہماسپ صفوی تھا۔ اس کا باپ اسمٰعیل صفوی خاندان صفویہ کا پہلا تاجدار تھا جس نے ایران پر پوری طرح تسلط حاصل کیا ——— یہ اگرچہ شیخ بہار الدین اردبیلی کی اولاد میں سے تھا جو چند واسطے سے حضرت قاسم بن حمزہ بن امام موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہم کی اولاد میں سے تھے اور سید تھے مگر سلطان اسمٰعیل اور اس کا باپ سلطان حیدر شیعہ ہو گئے تھے ——— سلطان اسمٰعیل کے بزرگ ایک عرصہ تک تخت ایران حاصل کرنے کیلئے لڑتے رہے مگر کامیابی سلطان اسمٰعیل کے حصہ میں تھی۔

مصنف عماد السعادت کا بیان ہے "مذہب اثنا عشری در ایران از وقت سلطان اسمٰعیل صفوی جابجا

رواج و رونق پذیرفت» (ص۱۱۱)

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ طہماسپ اور اس کی حکومت کس قدر متعصب ہوگی۔

علاوہ ازیں حدودِ ایران۔ ترکی ممالک سے ملی ہوئی تھیں۔ اور اختلاف مذہب نے ان دونوں حکومتوں کے درمیان منافرت کی ایک وسیع خلیج پیدا کر رکھی تھی۔ آئے دن آپس میں جنگ رہتی تھی کبھی ایرانیوں کی فتح ہوتی تھی کبھی ترکوں کی۔ ایسی صورت میں افغانستان اور ہندوستان میں خالص سنیوں کا اقتدار ایران کی شیعہ حکومت کے لیے بہت زیادہ خطرناک تھا۔ اور ان دونوں ملکوں کو فتح کرنا اور افغانوں کو زیر کرنا بھی بہت دشوار۔

جب ہندوستان میں ہمایوں کو افغانوں نے شکست دیدی تو آئندہ ہمایوں کے لیے ہندستان میں حکومت کرنے کا امکان صرف اسی صورت میں تھا کہ ایران کے شیعوں اور ہندوستان کے ہندوؤں سے مل کر اپنی طاقت بڑھائے رکھے۔ چنانچہ سلطنت مغلیہ کا یہی بنیادی اصول تھا۔

بابر بادشاہ نے ہمایوں کو وصیت کی تھی،

شیعہ و سنی جھگڑوں سے چشم پوشی کرو۔ جس طرح انسان کے جسم میں چار عنصر مل جل کر کام کر رہے ہیں اسی طرح مختلف المذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو، اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو، تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے (شاندار ماضی)

(غالباً "مختلف امراض" میں سب سے بڑا مرض "افغان" تھا۔ محمد میاں)

بابر اور ہمایوں کو اطمینان سے حکومت کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ لیکن اکبر نے اپنے دورِ حکومت میں اس ملی جلی حکومت یا نیشنل گورنمنٹ کا وہ نقشہ پیش کر دیا جس میں سنی مسلمانوں کے علاوہ ہر ایک کا اقتدار تھا، جس کی مکمل تفصیل مُلا عبدالقادر بدایونی کے حوالہ سے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے اس طویل مقالہ میں آپ نے ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ جو الفرقان کے "مجدد نمبر" میں شائع ہوچکا ہے۔)

خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مختصر الفاظ میں اس عہد کا نقشہ پیش کر دیا ہے،

کفار برملا بطریقِ استیلا اجراء احکام کفر در دار الاسلام مے کردند۔ و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند	کفار کھلے بندوں قوت اور غلبہ کے طور پر دار الاسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کے ظاہر کرنے سے عاجز تھے

.... واگر مے کردند بقتل میرسید | اور اگر کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔
وا ویلاہ۔ وا حزناہ۔ وا مصیبتاہ | افسوس۔ صد افسوس۔ دردناک مصیبت ہے المناک تباہی ہے۔
مکتوب ۱۹۳ دفتر اول حصہ دوم۔

کفار ہند بے تحاشہ ہدم مساجدے نمایند ودرانجا تعمیر معبد ہائے خود مے سازند۔ کفار برملا مراسم کفر بجامے آرند۔ ومسلمانان در اجرار اکثر احکام اسلام عاجزند۔ | کفار ہند بے دھڑک مسجدیں شہید کر دیتے ہیں اور اُن کی جگہ اپنے مندر بنا لیتے ہیں۔ کفار کھلے بندوں مراسم کفر ادا کرتے ہیں۔ اور مسلمان اکثر احکام اسلام کے جاری کرنے سے عاجز ہیں

رواداری کی انتہا ہو گئی کہ

روز کادتبی ہنود کہ ترک کل وشرب نمایند اہتمام دارند کہ دراں روز در بلاد اسلام ہیچ مسلمانے نان نپزد و نفروشد ودر ماہ مبارک رمضان برملا نان وطعام مے پزند۔ ومے فروشند۔ ہیچ کس از زبونی اسلام منع آں نمے تواں کرد۔ افسوس صد ہزار افسوس۔ مکتوب ۹۲ دفتر دوم | ہندوؤں کی کادتبی کے دن یعنی جس دن ہندو کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں (برت رکھتے ہیں) پوری کوشش کرتے ہیں کہ اس روز بلاد اسلام میں کوئی مسلمان دن میں روٹی نہ پکائے۔ اور رمضان شریف کے مبارک مہینے میں برملا روٹی سالن پکاتے ہیں۔ اور بیچتے ہیں۔ اور کمزوری اسلام کے باعث اُن کو کوئی بھی روک ٹوک نہیں سکتا۔ افسوس! صد ہزار افسوس!!

اکبر کے بعد جہانگیر کی سلطنت رہی۔

جہانگیر اگرچہ آخر میں حضرت مجدد صاحب رح کا عقیدتمند بن گیا۔ مگر اُس کی حکومت کے تقریباً بیس سال کا نقشہ خود جہانگیر کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔

دولت و پادشاہی من حالا در دست این سلسلت پدر دیوان کل۔ پسر وکیل مطلق دختر ہمراز و مصاحب (تزک جہانگیری) | میری حکومت اور بادشاہی اس وقت اس سلسل کے ہاتھ میں ہے۔ باپ (مرزا غیاث الدین) دیوان کل بیٹا (آصف خاں) وکیل مطلق۔ بیٹی (نور جہاں) ہمراز و مصاحب۔

پھر یہ سلسلہ بھی بعد میں ذات واحد پر محدود ہو گیا تھا۔ چنانچہ جہانگیر کے بخشی "معتمد خان" کا بیان ہے:

رفتہ رفتہ کار بجائے کشید کہ از بادشاہی بجز نامے نماند۔ مکرر مے فرمودند کہ من سلطنت را بنور جہاں بیگم ارزانی داشتم۔ بجز یک سیر شراب و نیم سیر گوشت مرا ہیچ در نمی باید۔
(اقبال نامہ جہانگیری مصنفہ معتمد خاں بخشی)

رفتہ رفتہ معاملہ یہاں تک پہونچ گیا کہ بادشاہت کا صرف نام رہ گیا۔ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سلطنت نور جہاں بیگم کو بخشدی ایک سیر شراب اور آدھ سیر گوشت کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔

غالباً اب تک یہ حقیقت آشکارا نہیں ہے کہ نور جہاں اور اس کے باپ بھائی سب شیعہ اور کٹر شیعہ تھے۔

نور جہاں کے والد مرزا غیاث بیگ جن کو جہانگیر نے "اعتماد الدولہ" کا خطاب دیا تھا اور جو دیوان کل (وزیر اعظم) تھے۔ خواجہ محمد شریف طہرانی کے بیٹے تھے۔

خواجہ در مبادی حال وزیر محمد خان تکلو حاکم خراسان بود۔ بعد از فوت محمد خاں بخدمت شاہ جمجاہ طہماسپ صفوی پیوست و شاہ وزارت خود را بخواجہ محمد شریف تفویض فرمود۔
(اقبال نامہ جہانگیری)

خواجہ محمد شریف ابتدا میں حاکم خراسان محمد خاں تکلو کا وزیر تھا۔ محمد خاں کے مرنے کے بعد شاہ طہماسپ صفوی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ طہماسپ نے اپنی وزارت خواجہ محمد شریف کو سونپ دی۔

پہلے عرض کیا گیا کہ صفوی خاندان سنیوں کا سخت دشمن رہا ہے۔ سنیوں کی حکومت تباہ کرنے کے بعد ہی یہ خاندان سلطنت پر قابض ہوا اور سلاطین عثمانیہ سے ہمیشہ نبرد آزما رہا۔ جہانگیر کے زمانہ میں شاہ عباس صفوی سریر آرائے سلطنت ایران تھا جس کی عمر ترکوں سے نبرد آزمائی میں ختم ہوئی۔

اس موقعہ پر مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی نے اپنے مقالہ "خطبہ شوقیہ" میں (جو مجدد نمبر میں شایع ہو چکا ہے) حسب ذیل عبارت درج فرمائی ہے:-

"جب نور جہاں تخت و تاج کی مالک ہوا اور مرزا غیاث وزیر اعظم، تو پھر شیعوں کا بول بالا کیوں نہ ہو۔ اس شیعہ گردی کا ادنے کرشمہ یہ تھا کہ نور اللہ شوستری جیسا بیباک شیعہ سلطنت کا قاضی القضاۃ بنایا گیا"۔

مومن نے تو کہا ہے:-

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومنؔ!
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے!

مگر اُس وقت اُس کو یاد نہ رہا کہ جہانگیر کو خدا نے آخری وقت ہی میں ایمان بخشا تھا۔ جبکہ وہ حضرت مجدد صاحب کا ارادتمند بن کر شراب و کباب سے تائب ہوا۔

بلکہ کہا جاتا ہے کہ شاہجہاں کو حضرت مجدد صاحب رح سے بیعت ہونے کا حکم خود جہانگیر نے دیا تھا۔ اور یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ عالمگیر نے علوم شرعیہ سے فراغت کے بعد حضرت مجدد صاحب کے فرزند ارجمند، عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت ہو کر نبیرہ حضرت مجدد صاحب رح حضرت شیخ سیف الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے باطنی تربیت حاصل کی تھی۔

بہر حال مغلیہ سلسلہ کے یہ دو بادشاہ وہ تھے جن کے زمانہ میں اگرچہ شیعہ وزراء رہے مگر اُن کا اقتدار نمایاں نہیں تھا، لیکن اُن کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عالمگیر رح جیسے باشرع بادشاہ کے جانشین معظم شاہ عرف بہادر شاہ اول نے (جو عالمگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا) ربیع الاول ۲۲ ھ میں علی الاعلان مذہب رفض اختیار کر لیا۔ اور قیام لاہور کے دوران میں خطیب جامع مسجد کو حکم دیا کہ شیعوں کی طرح خطبہ میں "علی وصی رسول اللہ ولی رسول اللہ" کا اضافہ کرے۔

خطیب آمادہ ہو گیا۔ مگر مجمع نے ہجوم کر کے اس کو قتل کر ڈالا، اور بلوہ ہو گیا۔ اسی طرح احمد آباد میں خطیب کو قتل کیا گیا۔ اس کے بعد علماء ربانی کو گرفتار کر کے قید و بند میں مبتلا کیا گیا۔

مصنف سیر المتاخرین (سید غلام حسین طباطبائی جو شیعہ مورخ ہیں) اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"اعاظم مذہب حنفی دعوہا و ختمہا برائے دفع بہادر شاہ، و استمداد از ہر بَرّ و فاجر و مسلم و کافرے نمودند۔ و بہادر شاہ بدستور اصرار بریں کار داشتہ در ترویج و تقویت مذہب شیعہ میکوشید۔ و مدتہا دراز در مباحثہ با علما باز بود"۔ (ص)

اس شیعہ مورخ (طباطبائی) کی بہکاری ملاحظہ ہو کہ وہ اُلٹا سنیوں ہی کے سر الزام رکھتے ہیں کہ "برائے دفع بہادر شاہ استمداد از ہر بَرّ و فاجر و مسلم و کافرے نمودند"

تاریخ فرشتہ کا مصنف بھی شیعہ ہے مگر وہ طباطبائی کی بہ نسبت سادہ مزاج ہے وہ جنوبی ہند کی شیعہ حکومتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ برأت بھی پیش کرنے لگتا ہے کہ خطبہ میں خلفاء راشدین کے ذکر کی ممانعت نہیں کی گئی۔ حالانکہ اُسی زمانہ میں حضرت مجدد صاحب رح خطبہ میں خلفاء راشدین کے ذکر کو اسی بنا پر واجب فرماتے ہیں کہ شیعہ اس کی ممانعت کر رہے ہیں بعصنف سیر المتاخرین نے اس کا قطعاً ذکر ہی نہیں کیا بلکہ سنیوں ہی پر الزام لگا دیا کہ علی وصی رسول اللہ و لی رسول اللہ کہنے پر خطیب کو قتل کر ڈالا۔

بہر حال اہل سنت کی جامع مسجد میں سنی خطیب بادشاہ کے خوف سے رافضیانہ خطبہ پڑھے۔ یہ بھی بزدلی اور شاہ پرستی کی بدترین مثال ہی۔ مگر جس بادشاہ نے طباطبائی صاحب کے ارشاد کے بموجب بہت دراز تک علمائے اہل سنت کے ساتھ مناظرہ کا دروازہ کھولے رکھا،، ـــ کیا یہ ممکن ہی کہ خطبہ میں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذکر خیر کو بند نہ کرے۔

سیدنا شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی عمر مبارک اس وقت تقریباً ۸ سال تھی۔ غالباً آپ کے عہد مبارک میں شیعہ سنی کا یہ پہلا قضیہ تھا۔

اسد خاں اور ذو الفقار خاں جو شاہ عالم کے معتمد علیہ وزیر تھے دونوں شیعہ تھے۔ شاہ عالم کے بعد اُسکے چاروں بیٹوں میں جنگ ہوئی۔ یہ دونوں وزیر معز الدین جہاندار شاہ کے حامی تھے۔ آخر کار معز الدین کو کامیابی ہوئی۔ تینوں بھائی قتل ہوئے اور اُن کی اولاد یا باپ کے ساتھ قتل کر دی گئی۔ یا قلعہ دہلی میں محبوس کی گئی ـــ آصف الدولہ اسد خاں بہادر کو وکالت کے عہدہ پر اور اُس کے بیٹے ذو الفقار خاں کو وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا ـــ لیکن ان دونوں شیعہ وزیروں نے معز الدین ہی کو اپنی حمایت سے کیوں نوازا۔ اسکی وجہ تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۱۰ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

"وجہ یہ تھی کہ ذو الفقار خاں دانشمند فطرتی تھا۔ اور سازشوں اور جوڑ توڑ کرنے کا اُستاد تھا وہ اول ہی سے جہاندار شاہ کے ساتھ ساری مہمات میں اس لیے شریک ہوتا تھا کہ وہ سب شاہزادوں میں زیادہ بیوقوف اور احمق تھا۔ سلطنت کی قابلیت نہیں رکھتا تھا، ذو الفقار خاں سمجھتا تھا کہ معز الدین میرے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہے گا جو ناچ نچاؤنگا ناچے گا۔ چنانچہ سارا اختیار سلطنت ذو الفقار خاں کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ بادشاہی

کچھ بھی حقیقت اپنی نظر میں نہ لاتا تھا"۔

جب خود بادشاہ کی یہ حالت ہو تو شیعہ اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر کیسے نہ پہونچے۔ عام رعایا اور بالخصوص بیچارے مولویوں کی تو حقیقت ہی کیا۔

مگر معزالدین جہاندار شاہ کی بد اعمالی نے بہت جلد ارکان دولت اور اہل ملک کو بددل کر دیا۔ چنانچہ معزالدین کے برادر زادہ "فرخ سیر" نے جو صوبہ بنگال کا گورنر ہونے کے باعث قتل و بند سے محفوظ رہ گیا تھا۔ حسین علی خاں کو گورنر صوبہ بہار اور سید عبداللہ گورنر صوبہ الہ آباد سے ساز باز کر کے دہلی پر حملہ کر دیا۔

فرخ سیر کامیاب ہوا۔ معزالدین کو اور اس کے وزیر اعظم ذوالفقار خاں کو قتل کیا گیا۔ معزالدین کا سر جھنڈے پر آویزاں کر کے بدن کو حوضہ میں ڈال کر۔ اور ذوالفقار خاں کے مقتول بدن کو ہاتھی کی دُم سے باندھ کر شہر میں تشہیر کرائی گئی۔

لیکن فرخ سیر کی یہ کامیابی سید حسین علی خاں اور سید عبداللہ کی رہین منت تھی۔ جو دونوں بارہ کے مشہور شیعہ تھے۔ انقلاب کے بعد حسین علی خاں کو امیر الامراء اور سید عبداللہ کو وزیر اعظم بنا کر قطب الملک کا خطاب دیا گیا۔

معزالدین کی دس ماہ حکومت کے بعد انقلاب ضرور ہوا۔ مگر صرف چند شخصیتوں میں شیعہ اقتدار بدستور باقی رہا۔ بلکہ کچھ زیادہ ہو گیا۔ یہ دونوں بھائی جزو کل پر قابض تھے۔ حتیٰ کہ اندرون قلعہ۔ انتہا ہو گئی کہ ذات خاص پر انہیں کا اقتدار تھا۔ پانچ چھ سال بعد فرخ سیر نے اس مہذب نظر بندی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ زنانخانہ سے اس کو عورتوں کے سامنے پکڑ کر ذلت کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے باہر لایا گیا اور آنکھوں میں سلائی ڈلوا کر قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ جہاں اس کے قبضہ میں صرف ایک طشت تھا۔ ایک آفتابہ اور ایک صراحی۔

یہ انقلاب ربیع الاول ۱۱۳۱ھ میں ہوا، جبکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عمر شریف ۱۶ سال سے کچھ زائد تھی۔ اور آپ کی ملّی و مذہبی خدمات کا آغاز تھا۔

کون کی فرضی تاریخوں نے تو یہی بتایا تھا کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا، مگر سو ڈیڑھ سو سال پیشتر کی تصنیفات کی شہادت یہ ہے کہ انقلاب کے وقت اہل ملک کی نظر صرف اس پر رہتی تھی کہ جو تخت پر بٹھایا جائے وہ عالمگیر کی اولاد میں سے ہو۔ چنانچہ اس ہنگامہ دار و گیر میں اہل شہر نے سادات بارہ اور

کے برخلاف بلوہ شروع کر دیا۔ تو اہل شہر کو مطمئن کرنے کیلیے سادات برادرس۔ نے ایک شاہزادہ کو پکڑ کر نہلائے دُھلائے تخت پر بٹھا دیا۔ اور جلوس شاہی کے شادیانے بجوا دیئے۔

یہ شاہزادہ۔ رفیع الدرجات شمس الدین۔ پسر رفیع الشان پسر شاہ عالم پسر عالمگیر۔ تھا۔ مگر یہ غریب مرض دق میں مبتلا تھا۔ تین ماہ دس روز کے بعد مر گیا۔

اس کے بعد سادات برادران نے اس کے دوسرے بھائی۔ رفیع الدولہ کو قید سے نکالکر تخت پر بٹھا دیا۔ مگر بد قسمتی سے وہ دستوں کے مرض میں مبتلا ہو کر ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ میں کوچ کر گیا

اب سادات برادران پریشان تھے۔ کیونکہ شاہزادوں کو پہلے ہی چن چن کر قتل کرا دیا گیا تھا یا آنکھیں نکلوا دی تھیں اور ملک عالمگیر کی اولاد کے سوا کسی دوسرے کی سلطنت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ مگر خوش قسمتی سے ان کو ایک شاہزادہ۔ روشن اختر پسر خجستہ اختر پسر شاہ عالم پسر عالمگیر مل گیا جو اپنی ماں (قدسیہ بیگم کے ساتھ ۸ سال سے فتح پور کے قلعہ میں قید تھا۔

اس نے ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ مطابق ستمبر ۱۷۱۹ء کو تاج شاہی زیب سر کیا۔ اور ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ لقب تجویز کیا۔ سادات برادران نے فرخ سیر کی روگردانی سے سبق حاصل کر لیا تھا۔ محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا تو نگرانی اور سخت کر دی۔ اپنے مخصوص آدمیوں کو "مقرب" تجویز کیا۔ ان کے سوا کسی کو بادشاہ سے ملاقات کی اجازت نہ تھی۔

بادشاہ کی عمر اس وقت کل سترہ سال تھی جس میں ۸ سال اُس نے اپنی ماں کے ساتھ قید و بند میں گزارے۔ بادشاہت کی قابلیت کیا ہو سکتی تھی۔ پھر اس پر یہ پابندیاں ۔۔۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کاٹ کے گڈے" سے زیادہ اُس کی حیثیت نہ تھی۔ اس نے اگرچہ تقریباً اکیس سال بادشاہت کی۔ مگر چونکہ قابلیت مفقود تھی نتیجہ یہی ہوا کہ سلطنت مغلیہ کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔

تقریباً ڈیڑھ سال بادشاہ نے اسی صورت سے گزارے۔ مگر اس عرصہ میں برادران سادات کی چیرہ دستیوں نے امراء دولت کے دلوں میں انقلاب کا داعیہ پیدا کر دیا۔ جو بادشاہ کی دلی مرضی کے مطابق ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد امین اعتماد الدولہ اور نظام الملک کی جدوجہد سے حسین علی خاں امیر الامراء قتل کیا گیا پھر سید عبداللہ نے علم بغاوت بلند کیا۔ بہت بڑی فوج فراہم کی۔

دہلی اور آگرہ کے قلعوں کی بے شمار دولت (جو اکبر کے زمانے سے اس وقت تک جمع تھی) اور جس کو

قطب الملک عبداللہ خاں نے پہلے ہی اپنے قبضہ میں کر لیا تھا) اُس کو فوج کی فراہمی پر بے دردی سے خرچ کیا مگر اس کا اقبال رخصت ہو چکا تھا شکست کھا کر گرفتار ہوا اور چند سال قید رہ کر اپنی موت مر گیا۔

اعتماد الدولہ محمد امین۔ اور نظام الملک آصف جاہ دونوں سُنی تھے۔ مگر اعتماد الدولہ کی زندگی نے وفا نہ کی۔ نظام الملک اگرچہ عرصہ تک زندہ رہے۔ مگر شیعہ پارٹی کو اُن کا اقتدار کب گوارا ہو سکتا تھا۔ ابتدائً بادشاہ کو نظام الملک کے خلاف بھڑکایا گیا جس کے جواب میں نظام الملک نے مرہٹوں سے سازباز کی اور دہلی پر حملہ کر کے بادشاہ کو اپنی مرضی کے مطابق رام کر لیا۔

جب شیعہ پارٹی کو اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اُس کے بعد سعادت خاں برہان الملک گورنر صوبہ اودھ نے نادر شاہ سے خط وکتابت شروع کر دی۔

نادر شاہ شیعہ تھا اُس کا حملہ اور دہلی کا قتل عام وغیرہ سب اسی خط وکتابت کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ حملہ نادر شاہی سے چند روز بعد ہی برہان الملک کا انتقال ہو گیا۔ اُنکا جانشین مرزا محمد مقیم صفدر جنگ اپنے خیالات اور سرگرمیوں میں برہان الملک سے کچھ کم نہ تھا جس نے بادشاہ کو اپنی مرضی کے مطابق رام کرنے کیلیے متعدد بار دہلی پر حملہ کیا۔ ۱۱۶۶ھ میں صفدر جنگ کا انتقال ہوا تو اُس کا بیٹا شجاع الدولہ باپ کا جانشین ہوا۔ جس نے کبھی مرہٹوں سے اور کبھی انگریزوں سے سازباز کر کے روہیلوں کی حکومت کو روہیلکھنڈ سے تباہ کیا۔

احمد شاہ جو محمد شاہ کے انتقال کے بعد ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ چھ سال متواتر وزراء کی چپقلش میں مبتلا رہا۔ حتیٰ کہ دہم شعبان ۱۱۶۷ھ میں معزول کیا گیا۔ اور عزیز الدین پسر معز الدین کو اُس کی جگہ تخت نشین کیا گیا۔ مگر صرف چھ سال بعد ۱۱۷۳ھ میں اُس کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا گیا اور اسی سال شاہزادہ عالی گوہر عرف شاہ عالم ثانی نے تخت دہلی پر قبضہ کیا۔ لیکن شاہ عالم پہلے ہی انگریزوں کو بنگالہ کی دیوانی بخش چکا تھا اور پھر تخت دہلی پر تسلط نجف خاں اور شجاع الدولہ کی جد وجہد سے حاصل ہوا تھا اور یہ دونوں شیعہ تھے۔ پھر شاہ عالم تخت دہلی حاصل کرنے کے بعد عیش وآرام میں مشغول ہو گیا۔ اور جو کچھ تھوڑی بہت سلطنت باقی رہ گئی تھی اُس کے سیہ سپید کا مالک نجف خاں رہا۔ یہی نجف خاں ہے جس نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے ہمعصر حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو گولی مروا کر شہید کرا دیا جس پر دہلی کے کسی مجذوب کا یہ مقولہ دہلی میں آج تک مشہور ہے کہ "نجف خان نماند ونجف خانیان"،،

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے عہد میں یہ تھے دہلی اور نواح دہلی کے حالات جن کو ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ یہاں بیان کیا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کا زمانہ اول سے آخر تک کس قدر شیعہ گردی کے پر آشوب فتنوں کا تختۂ مشق بنا رہا۔

پھر یہ تباہ کن واقعات دہلی تک ہی محدود نہ تھے، بلکہ سارا ہندوستان اسی قسم کی ہلاکت انگیز آندھیوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔

۵ شوال ۱۱۷۰ھ مطابق ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کو پلاسی کی مشہور جنگ ہو چکی تھی جس میں ہندوستان کے سب سے پہلے نامی غدار میر جعفر نے اپنے ولی نعمت سراج الدولہ سے غداری کر کے اجنبی طاقت کا ساتھ دیا۔ سراج الدولہ قتل کیا گیا۔ میر جعفر کو ناظم بنگالہ اور اس کے داماد میر قاسم کو ناظم بہار بنایا گیا۔

یہ تینوں ناظم یعنی سراج الدولہ۔ میر جعفر اور میر قاسم، شیعہ تھے۔

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ہوئی۔ آپ کی تریسٹھ سالہ زندگی کا مختصر نقشہ یہ ہے کہ ابتدائی چار سال سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد میمنت مہد میں گذرے اس کے بعد شیعہ اقتدار کے طوفان تھے جن سے سارا ملک تہہ وبالا ہو رہا تھا — اس ساٹھ سالہ بلکہ صد سالہ شیعہ اقتدار کے تلاطم کو دیکھنے والے کب خیال کرتے ہوں گے کہ اہل سنت کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی اس گرداب بلا سے نجات پا سکے گی۔

لیکن جس دین حق اور جس کتاب صادق کے تحفظ کی رب السموات والارض نے ذمہ داری فرمائی ہو، کون ہے جو اس میں رخنہ ڈال سکے — حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون — ہم نے ہی اس ذکر (قرآن پاک) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ — میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی

لا تزال طائفۃ من امتی منصورین — جس کو (خداوندی) امداد اور نصرت حاصل ہو گی

لا یضرھم من خذلھم حتی تقوم الساعۃ — اس کی مدد چھوڑنے والے اور رسوا کرنے والے قیامت

(ترمذی شریف) — تک اس کو نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔

نیز ارشاد ہوا:-

ان اللّٰہ یبعث علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا۔ — اللہ تعالیٰ ہر سو سال پر ایسے شخص یا اشخاص پیدا کرتا رہیگا جو اس سو سال کے رخنہ اور خلل کو دفع کر کے دین کو نیا تازہ کر دیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ذات قدسی بھی ہے۔ حق تعالیٰ نے جہاں آپ سے دین کے اور بہت سے شعبوں کی خدمت اور حفاظت کرائی جن کی فہرست بہت طویل اور شاندار ہے (اور ان کی ایک حد تک کافی تفصیل "الفرقان" کے شاہ ولی اللہ نمبر سے ناظرین کو معلوم بھی ہو چکی ہے) وہاں شیعیت کی گمراہیوں، اور شیعوں کی دسیسہ کاریوں سے اسلام اور مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کیلئے بھی آپ نے اتنا بڑا کام کیا جس سے اس باب میں انشاء اللہ آخر زمانہ تک رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے بعد سے اس سلسلہ میں اب تک بھی جو کام ہوا ہے وہ آپ ہی کی رہنمائی سے ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔

دوسرے دینی مقاصد کی طرح اس مقصد (فتنۂ شیعیت سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت) کے لیے بھی آپ نے دو طرح پر کام کیا، ایک تو صحیح اسلامی طریق یعنی مسلک اہل سنت کی حمایت اور رد شیعیت پر بہترین، نہایت مدلل اور پھر پر تاثیر لٹریچر فارسی زبان میں جو اس وقت گویا اسلامی ہند کی عام زبان تھی آپ نے تیار کیا، جو آج تک خدام اسلام کے لیے چراغ راہ کا کام دے رہا ہے ـــــ دوسرے اپنی تربیت اور فیض صحبت سے ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو آئندہ بھی کامیابی کے ساتھ اس سلسلہ کو جاری رکھ سکے، چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اور حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے تلامذہ میں سے مولانا حیدر علی وغیرہ نے اس سلسلہ میں جو کام کیا اور جو لاجواب کتابیں اس موضوع پر لکھیں، درحقیقت وہ حضرت شاہ ولی اللہ ہی کے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض کا نتیجہ ہیں۔

خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو لٹریچر اس مقصد کے لیے تیار کیا ابناء زمانہ کی غفلت کی وجہ سے آج ہمارے ہاتھوں میں اس میں سے آپ کی صرف دو اہم اور بڑی تصنیفیں ہیں۔ ایک ازالۃ الخفا دوسرے قرۃ العینین۔ ان دونوں کتابوں کی عظمت و جلالت کا معمولی اندازہ کرانے کیلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ ان کے مضامین سے ناظرین کو کچھ روشناس کرا دیا جائے۔

ازالۃ الخفا کی دو جلدیں فلس کیپ سائز کے ۷۶۰ صفحات پر مشتمل ہیں ہر صفحہ میں ۲۷ سطریں ہیں قلم خاصا خفی ہے۔

قرۃ العینین اس سے اگرچہ مختصر ہے مگر پھر بھی اچھی خاصی ضخیم ہے ۲۲×۲۶ سائز کے قریباً ساڑھے تین سو صفحات ہیں۔

ان دونوں کتابوں کا موضوع اگرچہ مناظرانہ ہے لیکن شاہ صاحب کا طریقہ بحث ان میں از اول تا آخر محققانہ ہے، جو بصیرت اور انصاف سے بہرہ مند انسان پر لازماً اثر انداز ہوتا ہے۔

ازالۃ الخفا میں سب سے پہلے خلافت کی تفسیر۔ تقسیم۔ خلفاء کے شروط و فرائض اور اقسام خلافت کے لوازمات، مجددانہ اور مجتہدانہ انداز میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

آپ کے نزدیک لفظ خلافت عام ہے۔ اور اس کی تقسیم حسب ذیل ہے:۔

خلافت
- راشدہ
  - خاصہ
    - منتظمہ
    - غیر منتظمہ
  - راشدہ مطلقہ
- غیر راشدہ جسکو خلافت کے بجائے سلطنت کہنا موزوں ہے
  - سلطنت راشدہ
  - سلطنت ضالہ

(۱) صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی خلافت شاہ صاحب کی اصطلاح اور ان کی تحقیق میں خلافت راشدہ خاصہ منتظمہ تھی۔ جس کو آثار و سنن میں "خلافت علی منہاج النبوت" اور "خلافت رحمت" کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی حیثیت کو مستقل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بلکہ ان کی شان بالکل ایسی ہی تھی جیسے بانسری بجانے والے کے مونہہ میں بانسری۔ یا آج کل کی اصطلاح میں وہ گراموفون کی ریکارڈ تھے۔ جس کی اپنی حقیقت کچھ بھی نہیں، جو کچھ بھر دیا گیا وہی اس میں سنا گیا۔ یہ دونوں بزرگ حضرت اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی صدا مبارک ہی کو پہنچاتے تھے۔ یہ "فنا" کے اس درجہ پر پہونچے ہوئے تھے کہ آفتاب کی کرنوں کی طرح جو کچھ تھا وہ آفتاب ہی تھا ـــ یا پرتوہ آفتاب ـــ اسی بنا پر ان حضرات کی مرضی کو مرضی رسول۔ ان کی صدا کو صدا نبی اور ان کی جدوجہد کو تتمہ نبوت کہنا بالکل بجا اور درست ہے۔ اور یہی معنی ہیں "خلافت رحمت" اور

خلافت نبوت، کہ جس کی بشارت احادیث قدسی میں دی گئی تھی۔

حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت بھی خلافت راشدہ ہی ہے مگر اس کی مثال آئینہ جیسی ہے کہ وہ بھی اگرچہ نور آفتاب ہی سے تابانی حاصل کرتا ہے مگر اس کے عکس میں شکل آئینہ کو بھی دخل ہوتا ہے۔ گول آئینہ کا عکس گول ہوگا۔ مربع کا عکس مربع۔ اور اگر آئینہ میں کچھ خرابی ہے تو اس کا اثر عکس میں بھی آئے گا۔

خلیفہ حقیقی پیغامبر مثل نئےست کہ نائی آنرا بر دہان خود مے نہد بجہت بلند گردانیدن آواز و مانند آں — وانشار نغمہ وتعین کیفیت آں راجع ست۔ بنائی الخ ص۱۰۹)

(۲) انعقاد خلافت کی صورتیں۔

(۳) قرآن پاک اور احادیث مقدسہ نے خلافت خاصہ اور خلافت راشدہ کے کچھ لوازم بیان فرمائے ہیں جو علی الترتیب خلفار راشدین میں پائے جاتے ہیں۔

(۴) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک

اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا اور ہماری نسل میں سے ایک فرماں بردار امت پیدا کر۔

نیز آپ کی دعا تھی:۔

وابعث فیھم رسولاً من انفسھم الآیۃ

نیز انھیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور تمام اخلاق وخصائل قبیحہ سے پاک صاف کر دے۔

قرآن پاک کا اعلان ہے کہ یہ امت، یہ جماعت، اور یہ رسول۔ یہی بنو اسمٰعیل ہیں۔ جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً الخ

چنانچہ خدا نے تم کو امت وسط (ایک بہترین جماعت) بنا دیا۔ تاکہ تم بذات خود (حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی قبولیتِ دعا کے شاہد بن جاؤ)

اور تمہارے تقدس ۔ تمہاری برتری ۔ تمہارے محاسن و مناقب کو دیکھنے کے بعد کسی کو بھی شک و شبہ نہ رہ سکے کہ دعاءِ ابراہیمی بلاشبہ قبول ہوئی اور پھر تم لوگوں کے سامنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دعاءِ ابراہیمی کی تصدیق کے شاہد ہیں،

نیز ارشاد ہوا ۔ کہ دعاءِ ابراہیمی کے بموجب وہ تم میں سے مبعوث ہوئے جو آیات اللہ و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تمہیں پاک و صاف کر رہے ہیں

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر (الآیۃ)

تم وہ بہتر جماعت ہو جو تمام انسانوں کے نفع اور فائدہ رسانی کے لیے پیدا کی گئی ۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر ۔ ایمان باللہ ۔ تمہارا وظیفہ و نصب العین ہے ۔

حضرت شاہ صاحب نے سو سے زیادہ آیتیں پیش کی ہیں، جن کی تفسیر تقریباً سو صفحات میں ہے، ان آیات میں اس اُمتِ اسلامیہ ۔ بالخصوص حضرات صحابہ ۔ مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ۔ اور مناقب ہیں ۔ اور وہ بشارتیں ہیں ۔ جن کا ظہور خلفاء راشدین یا بالخصوص حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانوں میں ہوا قرآن پاک کی سو آیتیں ۔ جس جماعت کے تقدس پر شہادت دے رہی ہیں دنیا کا کون منصف مزاج تسلیم کر سکتا ہے کہ وہ جماعت اُسی قرآن پاک کی نظر میں ضال اور گمراہ بھی ہو اور اس کا انتخاب ظلم اور عناد پر مبنی ہو ۔

قرآن پاک میں قصہ طالوت کے ذریعہ سے نظیر پیش کی گئی ہے جس کا منشا یہ ہے کہ جب کسی اُمت پر کفار کا غلبہ ہو جائے یا اُمت کو ترقی دینی مقصود ہو مگر اس اُمت کے پاس اُس اقدام و ترقی کے مناسب سامان نہ ہو تو خداوند عالم کسی بندے کو منتخب فرماتا ہے جس کی قیادت و سیادت میں غلبہ کفار سے قوم نجات حاصل کر لیتی ہے ۔ یا ترقی کے انتہائی درجہ پر پہونچ جاتی ہے ۔ اس شخص میں خاندان و نسب دولت و ثروت کا لحاظ نہیں کیا جاتا ۔ بلکہ جنگی قابلیت ۔ سیاسی تدبر ۔ ملکی تجربات وغیرہ کی برتری ملحوظ ہوتی ہے ۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مقدس ہستی ۔ پر مثال طالوت پوری طرح منطبق ہوتی ہے ۔ کیا ایسے شخص کی خلافت میں کوئی شک ہو سکتا ہے ؟

(۵) ازالۃ الخفاء میں نہایت ہی عجیب مضمون وہ ہے جس میں احادیث مقدسہ کو جمع کر کے ثابت کیا ہے کہ جس قدر فتن قرون اولیٰ میں یا اُن کے بعد ۔ ظہور پذیر ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُنکی

اطلاع دے چکے ہیں۔ نیز خلافت اور ملوکیت کی اُن تمام گردشوں اور انقلابات کو نام بنام بتا چکے ہیں، جو قرون اولیٰ میں ظہور پذیر ہوئے۔

(۶) شاہ صاحب کا عجیب و غریب مگر دلائل کے لحاظ سے ناقابل تردید دعوےٰ ہے کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی خلافت صرف امت کے اجتہاد یا اجماع ہی سے ثابت نہیں بلکہ قرآن پاک اور احادیث مقدسہ کے نصوص نے خلافت صدیقی کو فرض قرار دیدیا ہے۔ اُمت نے اپنے انتخاب و اجماع سے صرف اس فرض کو ادا کیا۔

(۷) ساٹھ صفحات میں ۲۰ صحابہ کرام کی نقل کردہ احادیث اور پھر تابعین کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے فضائل و مناقب بیان کیے گئے ہیں جن سے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے بموجب شیخین کی خلافت کی نہ صرف صداقت بلکہ وجوب اور فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ اُمت پر یہی فرض تھا کہ ان دونوں بزرگوں کو یکے بعد دیگرے خلافت کے لیے منتخب کرتی۔

(۸) دلائل نقلیہ کے بعد عقلی دلائل سے شیخین کی تفضیلت ثابت کی گئی ہے۔ طبیعت چاہتی ہے کہ اس مضمون کو الہامی کہا جائے۔ نبی ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو آیات و احادیث سے بیان کرنے کے بعد ثابت کیا گیا ہے کہ یہ خصوصیات ہی مدار فضیلت ہیں، انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو یہ خصوصیات تو نہیں دی جاتیں۔ البتہ صرف صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جن کو ان خصوصیات میں پوری پوری مشابہت حاصل ہے، چنانچہ یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی حیثیت ہمراز و زیروں جیسی تھی، جن کو طبیعتوں کی فطری موافقت نے "بادشاہ" کا اور اس کی تحریکات کا ــــــ رازدار معاون اور مددگار بنا دیا ہو۔ اور اُن میں سے ہر فرد اس تحریک کی ذمہ داری اپنی ذات پر مساوی حیثیت سے محسوس کرتا ہو۔ اور اصلاحی تجاویز کے پس و پیش اور نشیب و فراز سے پوری طرح واقف ہو۔

یہی مشابہت و موافقت فضیلت کلیہ ہے۔ جو صرف شیخین کو حاصل ہے۔

دیگر صحابہ کرام کے فضائل بہت کچھ بیان فرمائے گئے ہیں، مگر یہ حیثیت اور یہ فضیلت کلیہ صرف شیخین کا مخصوص حصہ ہے۔ اس مضمون کو قرۃ العینین میں بہت زیادہ بسط و شرح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور انداز بیان کے دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ

ایں سعادت بزور بازو نیست! تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

(۹) ایک عجیب و غریب خزانہ ہے، جو احادیث کے ہزاروں صفحات سے مرتب کیا گیا ہے جس میں حضرت فاروق اعظم رضی
کے مذہب کو مدون کیا ہے، چنانچہ اسکا عنوان ہے "رسالہ مذہب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ" اس رسالہ کے پچپن صفحات
ہیں، دوسرا رسالہ ہے "رسالہ تصوف فاروق اعظم"۔ یہ بھی بیس صفحات پر مشتمل ہے جسمیں علم تعبیر، آفات زبان، آفات
قلب، توبہ، یقین، مراتب یقین وغیرہ تصوف کے اہم عنوانات پر عجیب و غریب بحث ہے۔

(۱۰) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیاست، اور پھر آپ کی فتوحات کے متعلق بہترین معلومات
کے ذخیروں سے یہ کتاب لبریز ہے، پھر اسی طرح عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل، خصوصیات،
سیاست اور فتوحات کا ذکر ہے۔

ہم نے مذکورہ بالا نمبروں میں نہایت اختصار کے ساتھ مضامین کتاب کی جانب اشارے کیے ہیں انکے علاوہ
بہت سے اہم مضامین ہیں جو کتاب کے مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خلافت راشدہ اور خلفاء راشدین کی سیرت اور تاریخ اور جملہ مناقب و فضائل کے متعلق یہ کتاب
ایک مجاہدانہ کارنامہ ہے، اس کتاب کی روشنی میں سیکڑوں کتابیں تصنیف کی جا سکتی ہیں۔

یہ زمانہ تو آئین و دستور کا زمانہ کہا جاتا ہے جسمیں بھی طاقت اور اقتدار کے خلاف حق بات منہ سے نکالنا آسان اور
ہر ایک کا کام نہیں ہے، مگر نظر کرو ذرا اُس زمانہ پر جسمیں "آئین و دستور" بس فرما اور ارباب اقتدار کی خواہشات تھیں۔
رعایا کے کسی عالم کی تو کیا حیثیت خود بادشاہوں کی آنکھیں نکالی جاتی تھیں، اور جب ضرورت ہوتی انکے خانماں
برباد کر کے نعشوں کو بازاروں میں تشہیر کرادی جاتی تھی۔

لیکن اس جبر و قہر، بے آئینی، تعصب اور ظلم کے دور میں جبکہ اپنی خواہش کے بموجب۔ زبان نکلوا دینا، سرکو گردن
سے جدا کرا دینا، توپ دم کرا دینا، کھال کھنچوا لینا، غرض ہر ایک دردناک سزا ارباب حکومت کیلیے قطعاً سہل و آسان ہو۔
منشاء حکومت کے خلاف ایسی نادر و بے نظیر کتابوں کی تصنیف اور پھر انھیں خیالات کی اشاعت تعلیم و تربیت کیا کوئی معمولی خدمت ہے۔

ازالۃ الخفا کی تصنیف کے بعد جناب امیر شاہ خاں صاحب کی روایت ہے کہ نجف علی خاں وزیر اعظم نے اس تصنیف کی پاداش میں شاہ صاحب کے ہاتھوں کے گٹے اتروا دئے
امیر شاہ خاں صاحب کی روایت پر اگرچہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے حاشیہ لکھکر انکی تصدیق کردی ہے مگر یہ روایت کبھی مشہور نہ ہوئی۔ اس روایت کی تاریخی
صحت میں بہت بڑا شبہ ہے۔ البتہ یہ حقیقت مسلم ہے کہ خاندان ولی اللہی اس حق گوئی اور حق پرستی کی طفیل نظر حکومت میں معتوب رہا۔ یہاں تک کہ حضرت
شاہ عبدالعزیز صاحب اور انکے اہل و عیال کو دہلی سے پا پیادہ خارج کیا گیا، حتی کہ شریف خواتین کو بھی پیادہ پا ہی دہلی سے خارج ہونا پڑا
مگر یہ واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات سے بہت بعد کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مجددِ اعظم حضرت شاہ ولی اللہؒ

(از جناب مولٰنا محمد شعیب صاحب کفیل. مدرس مدرسہ نجاتیہ کرسی ضلع بارہ بنکی)

چھپے جاتے تھے جلوے شمعِ توحید و رسالت کے
رواں تھے ہر طرف جھونکے ہوائے شرک و بدعت کے

وقارِ شرع کی ہوتی تھی آزادانہ پامالی!
دیارِ ہند میں چلتی تھیں ہر سو آندھیاں کالی

رسول اللہ کی اُمت مائلِ باطل پرستی تھی
میانِ قعرِ دریا قوم پانی کو ترستی تھی

موحد خانداں بھی پابندِ رسم و بدعت تھے
مسلمانِ ہند کے سب غرقِ دریائے جہالت تھے

چھپی تھیں نورِ وحدت کے عقب تاریکیاں دل میں
برائے خرمنِ ایماں بھری تھیں بجلیاں دل میں

مراسم کفرِ پارینہ کے شامل تھے عبادت میں
شرابِ شرک کی جلوہ گری تھی جامِ وحدت میں

فضائے عیش میں پَر اُڑ گئے تھے فرض و سُنت کی
ہنسی اُڑتی تھی بیباکانہ احکامِ رسالت کی

جو تھے اہلِ دول وہ زینتِ دُنیا پہ شیدا تھے
مسلمانانِ ہند کے سب پیکرِ بے روح گویا تھے

غرض تھی اہلِ باطل کی ہر اک سو گرم بازاری
دیا اک بندۂ خاصِ خدا نے درسِ بیداری

کیا مائل مسلمانوں کو احساسِ شریعت پر
چھُری تکبیر کہہ کر پھیر دی حلقِ ضلالت پر

دیارِ ہند میں پھیلا ولی اللہ کا آوازہ
پریشاں ہو گیا سب شوکتِ باطل کا شیرازہ

دلِ روشن تھا اس کا مخزنِ اسرارِ روحانی
دماغ اس کا تھا اک گہوارۂ آیاتِ ربانی

مبلغ تھا وہ سنت کا محافظ تھا شریعت کا
وہ اک پُرجوش داعی تھا ہدایاتِ رسالت کا

تصانیف اس کی ہیں مشہور ردِ شرک و بدعت میں
بسر کی عمر ساری کوششِ ترویجِ سنت میں

ہوئی تردیدِ باطل کی احادیث و قرآں سے
سوادِ ہند روشن ہو گیا تنویرِ ایماں سے

برائے گمرہاں وہ خضرِ حق آگاہ تھا گویا
ولی اللہ حقیقت میں ولی اللہ تھا گویا

کرشمہ ہے یہ الفرقان کے اوجِ مقدر کا
کفیل اس نے شرف پایا ولی اللہ نمبر کا

ہندوستان اور صوفیہ صافیہ ———— از جناب مولانا محمد نور الحق صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور

گزشتہ سے پیوستہ

مسئلہ ثانیہ

نظریہ وحدتِ وجود، اصلاحِ ہند

سرزمین ہند پر چشت اہل بہشت نے جو احسانات کیے اُن کی ادنیٰ تفصیل گزر چکی ہے اُنھیں کی انتھک کوششوں سے یہاں مستقل اور پائدار حکومت قایم ہوئی جو صدہا سال تک رہی اور اسلام نے ہندوستان میں اپنے لیے گھر بنالیا، اُنھیں کی برکتوں سے آج مسلم ہندی ہندوستان کا جائز وارث ہے۔

اب یہ بحث باقی ہے کہ وہ کونسی ضرورتیں تھیں جن کے پیش نظر حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فلسفۂ وحدتِ وجود کو اسلامی نقطۂ خیال سے مدون کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ یہی وہ خاص نقطہ ہے جو ائمہ چشت اور بعد کے صوفیہ کرام لے کر آئے، اسی کے طفیل تبلیغ اسلام میں بے انتہا سہولتیں پیدا ہوئیں اور تبلیغ کا سلسلہ دور دور تک جا پہونچا (کما سیتضح) اسی کی برکت سے جوگیہ ہند، اور عوام خود بخود دھڑا دھڑ مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔

یہ سب کچھ اس لیے کہ نظریۂ وحدتِ وجود،، نے اُن میں اور مسلمانوں میں اتحاد فکری اور ایک گونہ یگانگتِ ذہنی کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔

قانون تشریع اور اعلیٰ حکمت میں وجہ امتیاز

قانون تشریع کسی قوم وملت کا گو ہم سے مختلف ہو مگر اعلیٰ حکمت کے اصول، عموماً ملل واقوام میں مشترک ہوا کرتے ہیں۔ یہی وہ اصول ہیں جو مختلف المذاہب اقوام میں اتحاد فکری ویگانگت ذہنی کا جذبہ پیدا کرکے مختلف اقوام کو باہم ملانے کے کفیل ہوتے ہیں۔

قانون تشریع ۲ دو مختلف قوموں کا علحدہ علحدہ ہی رہیگا۔ اس لیے یہ قانون اتحاد ویگانگت پیدا

لہ یہ مقصد اوّل کے مسئلہ اولیٰ کی طرف رجوع ہے۔ مسئلہ اولیٰ کے شروع میں ایک جملہ تھا فلسفہ وحدتِ وجود خاص ضرورتوں کے ماتحت حضرت شیخ اکبر نے مدون کیا، یہاں سے اس جملہ کی شرح شروع ہوتی ہے،، محمد نور الحق العلوی

نہیں کر سکتا، البتہ اعلیٰ حکمت میں دو عالی پایہ دانشمند اور حاذق فلاسفر مختلف نہیں ہوا کرتے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہندوستان قدیم زمانہ سے[۵۱] فلسفہ کا اصلی وطن ہے۔ اسلام اپنے ابتدائی دوروں میں ہند سے فی الجملہ روشناس ہوتا رہا لیکن "اسلامی ہند" ۶۰۳ھ سے وجود میں آیا جبکہ سلطان قطب الدین ایبک دہلی کا مستقل فرمانروا ہوا اور اس کے جانشین سلطان شمس الدین التمش کی حکومت کو ۶۱۶ھ میں خلیفۂ بغداد نے آزاد و مستقل حکومت تسلیم کر لیا۔

اسی زمانہ سے مسلمان فلاسفروں کو ہندوستان کی خوابیدہ ذہنیت کو بیدار کرنے میں سہولت پیدا ہوئی حضرت والیٔ ہند خواجہ معین الدین چشتی، متوفی ۶۳۳ھ، و خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، متوفی ۶۳۳ھ و شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی متوفی ۶۶۵ھ و خواجہ فرید الدین گنج شکر لاہوری متوفی ۶۶۴ھ متقارب زمانہ میں اعتماد علی النفس کی راہ سے اعتماد علی اللہ کا سبق پڑھاتے رہے۔

چشتی فیوض تمام شرق ہند میں

سکندر ہند، سلطان علاء الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد برکت مہد میں مسلمانوں نے سارا ہندوستان فتح کر لیا تھا، اُس وقت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین دہلوی قدس سرہ (المتوفی ۷۲۵ھ) جو خواجہ فرید الدین گنج شکر کے خلیفۂ اعظم تھے اور خواجہ رکن الدین ملتانی (متوفی ۷۳۵ھ) ان ہر دو حضرات کا تعلیمی اور تبلیغی نظام سارے مشرق پر حاوی ہو چکا تھا کیونکہ سلطان المشائخ کے شاگرد خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (متوفی ۷۵۷ھ) اور شیخ اخی سراج الدین[۵۲] آئینۂ ہند (متوفی ۷۵۸ھ)

---

[۵۱] قال المسعودی علی بن الحسین المتوفی ۳۴۵ یا ۳۴۶ھ فی مروج الذہب ذکر جماعۃ من اہل العلم والنظر والبحث ان الہند کان فی قدیم الزمان الفرقۃ التی فیہا الصلاح والحکمۃ۔ واحد توافی زمان البرہمن الاکبر کتاب السند ہند، وتفسیرہ دہر الدہور۔ ومنہ فرعت الکتب کالمجسطی ومن المجسطی کتاب بطلیموس ۵ وقال الحاج کاتب الچلپی الاستنبولی المتوفی ۱۰۶۷ھ (سبحۃ المرجان) فی کشف الظنون، اہل الہند اہل الآراء الفاضلۃ والاحکام الراجحۃ، لہم التحقق بعلم الحساب و الہندسۃ والعدد والطب والنجوم والعلم الطبعی والالہی، و جمہور الہند صابئۃ ولہم فی تعظیم الکواکب وادوارہا آراء ومذاہب ۵ — ۱۲

[۵۲] "خزینۃ الاصفیا" میں ہے شیخ سراج الدین، آئینہ ہند خلیفہ سلطان المشائخ است، بعد ازینکہ خرقہ خلافت یافت بہ سوئے بنگالہ

کی تعلیمات دکن، اور بنگال سے چین تک پہونچ چکی تھیں۔

علیٰ ہذا القیاس خواجہ رکن الدین مذکور کے اتباع سمرقند و بخارا و کشمیر و سندھ کو اپنا مرکز بنائے تھے

شیخ اکبر کی اقتدا اور وحدت وجود کا نظریہ

اپنے اُستادوں کی طرح یہ سب حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی کے فلسفۂ وحدتِ وجود سے تعلق رکھتے تھے۔

ملا محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں:۔

شیخ نظام الدین اولیا جامع علوم ظاہری و باطنی بودہ، پیوستہ دل انوار منزل را بہ کتب معتبرۂ تصوف مثل فصوص الحکم و مواقع النجوم و شروح آں ہا مشغول می داشت ھ ص ۳۹۱/۲

(ترجمہ) سلطان اولیا شیخ نظام الدین دہلوی علوم ظاہری و باطنی ہر دو کے جامع تھے۔ آپ ہموارہ کتب معتبرہ تصوف مثلاً فصوص الحکم و مواقع النجوم اور اُن کے شروح کے مطالعہ میں منہمک رہتے تھے۔

حضرت شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی (متوفی ۶۸۸ھ) جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (متوفی ۶۶۵ھ) کے خواہر زادہ (خزینہ ص ۲۹۱) اور تربیت یافتہ ہیں، ان کی کتاب **لمعات** فلسفۂ شیخ اکبر کی بہترین شرح سمجھی جاتی ہے۔

ملا عبد النبی متوفی بعد ۱۰۴۱ھ اپنی کتاب "میخانہ" ص ۳٦ میں لکھتے ہیں

شیخ فخر الدین عراقی تمامت اقصائے روم را طواف کرد تا بخدمت شیخ صدر الدین قونوی خلاصۃ الاولیاء (متوفی ۶۷۲ھ طبقات شعرانی ص ۲۰۳/۱) .... رسید جماعتے در خدمت شیخ فصوص الحکم بحث میکردند، و شیخ فخر الدین استماع مے کرد و از فصوص مستفید می شد و تمامی فصوص را استماع کرد۔ و فتوحات مکیہ را خواند، و شیخ صدر الدین را محبتے و اعتقادے

(ترجمہ) شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی تمام اطراف روم کا چکر لگا کر خلاصۂ اولیا شیخ صدر الدین قونوی کے پاس قونیہ میں پہونچے۔ (شیخ صدر الدین کا انتقال ۶۷۲ھ میں ہوا۔ طبقات شعرانی ص ۲۰۳/۱) شیخ کی خدمت میں ایک جماعت فصوص الحکم پڑھ رہی تھی عراقی نے بھی سماع شروع کیا۔ اور فصوص سے مستفید ہونے لگے۔ تمام فصوص سماعاً اور فتوحات مکیہ تمامۃً ختم کیں۔ شیخ صدر الدین نے

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) مامور گشت، بارہا شیخ در حق او می فرمود کہ او آئینہ ہند است در ق ۳۴٦ ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ

درحق شیخ فخرالدین بہم رسید روز بروز مہر او بہ شیخ زیادہ مے شد شیخ عراقی در اثنائے کہ فصوص مے شنید، لمعات را مے نوشت، چوں تمام بنوشت بر شیخ عرض کرد، او تمام بخواند اس ببوسید وبر دیدہ نہاد وگفت اے فخرالدین عراقی! سرّ سخن مرداں آشکارا کردی، لمعات حقیقت لُبّ فصوص است۔ ھ

جوہر قابل دیکھ کر ان پر زیادہ توجہ فرمائی اور روز بروز اُن کی محبت عراقی کے ساتھ بڑھنے لگی، ادھر شیخ عراقی فصوص کا سماع کر رہے تھے اور ادھر اپنی لمعات کی تصنیف میں مشغول تھے ختم ہونے پر کتاب شیخ کو دکھائی، شیخ نے پڑھ کر چومی، آنکھوں پر رکھی اور فرمایا، اے عراقی! آپ نے تو عارفان خدا کے رموز و اشارات کو حل ہی کر دیا ہے۔ لمعات دراصل فصوص الحکم کا خلاصہ ہے

ویدانت اور فلسفۂ وحدت وجود یہ فلسفہ چونکہ ویدانت فلاسفی کی تکمیل اور اُس کی اصلاح ہے، اس لیے کثیر التعداد ہندو اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔

علوم یونان، فلسفۂ وحدتِ وجود اور علمائے اسلام بروز چہارشنبہ ۲۰ جمادی الآخرہ ۸۵۷ھ میں جب سلطان محمد خاں فاتح[۱] نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو اس کی حکومت کا عیسائی علماء و حکماء یعنی ماہرینِ فلسفۂ یونان، سے اختلاط وارتباط بڑھا، سلطان نے خاص طور پر اہلِ علم کو متنبہ کیا کہ وہ یونانی فلاسفروں کے مختلف سکولوں سے (اشراقی ہوں یا مشائی) واقفیت پیدا کریں، پھر حکما و فلاسفہ اسلام نے جس قدر علم حقائق مدون کیا ہے، غزالی ہوں یا ابن عربی، انکی تحقیقات و نظریات کو فلسفی زبان میں تحریر کریں۔

چنانچہ علامہ مصلح الدین مصطفےٰ بن یوسف الحنفی، المعروف بہ خواجہ زادہ (متوفی ۸۹۳ھ جو سلطان محمد فاتح کے اُستاذ، اور قسطنطنیہ کے سرکاری کالج کے مدرس اعلےٰ تھے) آپ نے سلطان موصوف کے ارشاد کی تعمیل میں کتاب تہافت[۲] الفلاسفہ اسی سلسلہ میں لکھی (شذرات الذہب از ابن العماد الحنبلی ج ۷ ص ۳۵۴) و فوائد بہیہ ص ۲۱۴)

---

[۱] سلطان مذکور ۸۳۳ھ میں پیدا ہوا، اور بیس برس کی عمر میں ۸۵۵ھ کو تخت نشین ہوا۔ ۳۱ برس حکومت کی، سلاطین عثمانیہ کا چیدہ فرد ہے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ قسطنطنیہ کی فتح ہے، پچاس دن سخت ترین محاصرہ کے بعد مذکورہ بالا تاریخ میں اس کو فتح کیا، ۸۸۶ھ میں فوت ہوا ھ فوائد بہیہ ص ۲۷ و سبائک الذہب از محمد امین سویدی بغدادی ۱۲ نورالحق

[۲] مولف فوائد بہیہ (ص ۱۴۵) علی طوسی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ جب محمد خاں فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا اور وہاں آٹھ مشہور کالج

علی ہذا القیاس حضرت عارف عبدالرحمان جامی متوفی ۸۹۸ھ اور علامہ[1] جلال الدین محقق دوانی متوفی ۹۲۸ھ کی تصانیف اس کی شاہد عدل ہیں۔ ان سب میں یہی جلوہ نظر آتا ہے۔

خواجہ عبید اللہ احرارؒ حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ بن محمود احرار السمرقندی قدس سرہ المتوفی ۸۹۵ھ اس عہد کے بہت بڑے صوفی و فلاسفر ہیں جنھوں نے اس علم کو زندہ رکھا، یہی لوگ مشرق میں دوا[ئے] متاخرہ کے اُستاذ الاساتذہ مانے جاتے ہیں۔

عہد اکبر اور فلسفہ وحدت وجود اکبر کے عہد میں علامہ جلال الدین دوانی، مولنا عارف جامی اور خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہم کے بہت سے فلسفی مزاج شاگرد دہلی اور آگرہ میں جمع ہو گئے یعنی شیخ مبارک[2] ناگوری

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) بنوائے تو مولانا علی کو ایک کالج کا صدر مدرس مقرر کیا، ایک اور سلطان بسع وزیر محمود پاشا کے مولانا کے حلقہ درس میں آیا اور آپ سے التجا کی کہ ہمیں بھی درس سننے کا موقع دیا جائے مولانا نے میر سید شریف جرجانی کا حاشیہ شرح عضدی پر پڑھانا شروع کیا، اس قدر نکات اور لطائف بیان کیے کہ سلطان تڑپ اُٹھا۔ دس ہزار روپیہ مولانا کو مع خلعت کے اور پانچ پانچ سو روپیہ طلبہ کو انعام دیا۔ بعدہ مولنا سے درخواست کی کہ اسلامی حکما میں سے امام غزالی و ابن رشد اور حکمار یونان کے کلام پر محققانہ تبصرہ فرمائیے۔ چنانچہ مولانا طوسی نے ذخیرہ (طبع فی حیدرآباد) اور خواجہ زادہ نے تہافت الفلاسفہ لکھی، اول الذکر چھ ماہ میں اور دوسری چار ماہ میں تمام ہوئی۔ علمار عصر نے تہافت الفلاسفہ کو ذخیرہ پر ترجیح دی۔

مولانا طوسی جس طرح حکمار یونان اور مشائی فلاسفہ اسلام کے نظریوں کے ماہر تھے۔ اسی طرح آپ اشراقی فلاسفہ اسلام کے فیوض سے بھی مالا مال تھے۔ چنانچہ آپ پہلے خواجہ عبد اللہ الالہی کی خدمت میں پہونچے جو اس وقت تبریز میں تھے [مولنا عبد اللہ الٰہی خواجہ عبید اللہ احرار کے فیض یافتہ ہیں نیز انھوں نے خواجہ بہار الدین نقشبندی کی روحانیت سے بھی صوفیہ کے معہود طریقہ پر فیوض حاصل کیے شقائق نعمانیہ] بعدہٗ آپ خواجہ عبید اللہ احرار کی خدمت میں پہونچے اور معارف و مقامات وغیرہ متعلقہ امور کی تکمیل کی ص۱۴۵

ان تصریحات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود سلاطین کو بھی ان مسائل کا شغف تھا وہ درس سُنتے اور ان کے مدون کرنے کی درخواست کرتے تھے ۱۲ محمد نور الحق

[1] جلال الدین محمد بن اسعد دوانی صدیقی شافعی قاضی اقلیم فارس۔ علامہ زماں و فاضل دوراں معقول و منقول میں یگانہ دہر، علی الخصوص علوم عقلیہ میں مقتدائے زمانہ شمار ہوتے ہیں روم خراسان اور النہر کے طلبہ انکے پاس آتے تھے۔ حافظ سخاوی نے ضوء اللامع میں ان کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے وفات ۹۲۸ھ میں ہوئی، شذرات صفحہ ۱۶۰ و فوائد بہیہ صفحہ ۸۹ ۱۲ [2] شیخ مبارک اللہ بن خضر،

علامہ فتح اللہ شیرازی، یعقوب صیرفی کشمیری، خواجہ باقی باللہ ان میں زیادہ مشہور ہیں،

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) المعروف بہ شیخ مبارک، ہند کا بڑا فاضل پانچویں پشت سے یمن سے آکر سیون (سندھ) میں مقیم ہوئے بعدہٗ شیخ خضر آغاز قرن عاشر میں ناگور آکر مقیم ہوا۔ یہیں شیخ مبارک ۹۱۱ھ میں پیدا ہوا، جوانی کے بعد احمد آباد جاکر شیخ ابوالفضل گازرونی اور دیگر فضلا سے تکمیل کی نیز تحصیل علم و سیاحت کے شوق میں خواجہ عبید اللہ احرار کی خدمت میں پہونچا۔ خواجہ ان دنوں تبلیغی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان تشریف لے آئے۔ شیخ نے خواجہ سے معرفت الٰہی کی راہ معلوم کی، شیخ ابوالفضل فرماتے ہیں شیخ مبارک در حقائق شیخ عطار، و ابن فارض، و صدر الدین قونوی نظر عاطفت داشتند ھ سیر ص ۲۱۳ شیخ ۹۵۰ھ میں آگرہ آیا پچاس سال تک یہاں درس و تدریس میں سرگرم رہا۔ پانچسو ضخیم مجلد اپنے ہاتھ سے لکھیں، اخیر عمر میں باوجود نابینائی کے تفسیر لکھواتا تھا جس کا نام منبع عیون المعانی ہے در چہار جلد، ار ذی قعدہ ۱۰۰۱ھ میں فوت ہوا ھ مآثر الکرام ص ۱۹۵ و "دربار اکبری"، از مولانا محمد حسین آزاد کابلی ثم لاہوری۔ حالات شیخ مبارک ۱۲

(۵) میر فتح اللہ شیرازی حکمت نظری و عملی میں یکتائے زمانہ، الہیات، ریاضیات و طبعیات اور تمام اقسام علوم عقلی و نقلی و طلسمات و نیر نجات و جراثقال میں فریدۂ دہر ھ تاریخ ہند۔ از استاذ ذکاء اللہ ص ۸۴۳ خواجہ کمال الدین محمود، مولانا کمال الدین شروانی، میر غیاث الدین منصور شیرازی کا شاگرد مگر اساتذہ سے فائق تر عادل شاہ بیجاپوری نے اس کو شیراز سے دکن طلب کیا اور اپنا وکیل مطلق بنایا۔ ۹۹۱ھ میں اکبر نے اس کو منگوالیا، وہ فتح پور سیکری پہونچا، خانخانان، اور حکیم ابوالفتح گیلانی اس کا استقبال کرکے بارگاہ اکبری میں لائے، تھوڑی مدت بعد مقرب بارگاہ ہوا۔ اور عضد الدولہ، اور "امین الملک"، کا خطاب پایا علوم و فنون عقلیہ و نقلیہ میں علماء خراسان و عراق و ہند سے فائق تھا غرض "در کل عرصۂ عالم در زمان خود نظیر نداشت"، طبقات اکبری ص ۳۵۴ راجہ ٹوڈرمل کو حکم ہوا کہ مہمات ملکی اس کی صوابدید سے انجام دے جلال الدین دوانی، صدر شیرازی، میر غیاث الدین منصور، میرزا جان کی کتابیں اسی نے ہندوستان لائیں۔ اور ان کی تدریس شروع کرکے مذاق کو ادھر متوجہ کیا ۹۹۷ھ میں اکبر سیر کشمیر کو گیا، میر بھی ساتھ تھا، وہاں بیمار ہوکر سنہ مذکور میں وہیں فوت ہوا ھ مآثر الکرام ص ۲۳۶ بعد۔ اکبر کو میر کی وفات سے سخت صدمہ ہوا فیضی نے کہا ہے ؎

(ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ)

جلال الدین، محمد اکبر ۹۶۳ھ میں تقریباً چودہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا اور ۱۰۱۴ھ میں فوت ہوا۔ سیر المتاخرین ص ۱۶۶ و ص ۲۱۱

اکبری انقلاب نے ایرانی اور ہندوستانی مسلمان فلاسفروں کو ہندو فلاسفروں سے قریب کر دیا۔ ہندو فلاسفی اور ہندو اساطیر کے فارسی میں ترجمے کیے گئے، تواریخ میں اُن تراجم کی تفصیل موجود ہے مولٰنا محمد حسین آزاد نے بھی "دربار اکبری" میں بعض کا تذکرہ کیا ہے۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ:-

شہنشاہ جہاں را در وفاتش دیدہ پُرنم شد
سکندر را اشک حسرت ریخت کافلاطون عالم شد

۳۰ یعقوب کشمیری صیرفی تخلص، خلف خواجہ حسن عاصمی کہ از اعاظم امرائے کشمیر بود۔ در سال ۹۰۸ھ متولد شدہ و در خدمت مولٰنا محمد، کہ شاگرد عارف جامی بود بعد حفظ قرآن تحصیل علم ظاہری نمود۔ بعد ازاں راہ سلوک پیمودن گرفت و نسبت اویسی روحانیت امیر کبیر علی ہمدانی متوفی ۷۸۶ھ حاصل کرد۔ واز کاملین وقت گردید، بعدہ بخدمت خواجہ حسین خوارزمی بسمرقند رفت، خواجہ در تکمیل وے سعی بلیغ نمودہ بہ کشمیر رخصت نمود، واز شیخ سلیم چشتی فتح پوری بخرقہ خلافت چشتیہ ہم مستفیض گشت۔ چوں دراں وقت والیانِ حکومتِ کشمیر در فتنہ وفساد مشغول بودند، شیخ بظاہر و باطن متوجہ شدہ وسعی و امداد بلیغ بکار بردہ، خطہ کشمیر را تفویض بہ اکبر نمود، [ایں ست تفوق و اعلاء روحانیت صوفیہ صافیہ بہ سیاسیات ہند، وسعی بلیغ اوشاں در التیام جامعہ اسلامیہ ہندیہ۔ نور الحق] مریدان بسیار داشت چہ در ہند وچہ در کشمیر در ہمہ علام مسند، و امام وقت بود۔ وصاحب تصانیف رائقہ، بادشاہ مغفرت پناہ را (ہمایوں را) و بحضرت شاہنشاہی ما (اکبر را) نسبت بوے اعتقاد غریب بود، دریں زمان کہ رحلت او نزدیک است تفسیرے می نوشت کہ آیتے از کمالات او بود۔ در ۱۲ ذی قعدہ ۱۰۰۳ھ وفات یافت ہ خزینہ ص ۹۷۴ و بدایونی ص ۳۲۷ طبع کشوری

۳۱ خواجہ محمد باقی نقشبندی، عرف باقی باللہ۔ امام وقت و مقتدائے زمانہ۔ نسبت اویسی بخواجہ بہاء الدین نقشبندی و نسبت ظاہری بخواجہ امکنگی داشت و از روحانیت خواجہ عبید اللہ احرار فائدہ وافر گرفت۔ در اوائل از کابل بسمرقند رفت و بعد تحصیل علوم ظاہری، اکتساب علوم باطنی از خواجہ امکنگی نمود (امکنگ قریہ ایست، از مضافات سمرقند) وفاتش در ۱۰۱۲ھ وقوع یافت ہ خزینۃ الاصفیا ص ۵۷۳ ۱۲

محمد نور الحق

اس سے مسلمان علماء و فضلا، سنسکرت کے لٹریچر سے واقف ہو گئے۔ جس سے ایک نئی مشرقی ذہنیت پیدا ہوئی جس نے ادیانِ الٰہیہ کے مشترک اصول متعین کرنے میں سعی و کوشش شروع کر دی

ادیانِ الٰہیہ کا مابہ الاشتراک اسلام شروع سے تعلیم دیتا ہے کہ متمدن دنیا کے تمام مختلف حصے انبیاء عظام ہی کی تعلیم سے مستفید ہوئے۔ یہود و نصاریٰ کو بعض احکام میں مسلمانوں کے برابر مانا گیا ہے۔ پہلی صدی کے فاتح مسلمانوں نے ایرانی مجوسیوں، مغربی بربروں، ہندی برہمنوں اور بودھوں کو اہل کتاب مان لیا تھا۔

امام احمد بن یحییٰ بلاذری متوفی ۲۷۹ھ کتاب فتوح البلدان، ص ۴۳۹ طبع لیدن میں لکھتے ہیں:۔

وانتھی محمد بن القاسم الی الروری من مدائن السند، علی جبل فحصرھم شھوراً ففتحھا صلحاً علی ان لا یقتلھم۔ ولا یعرض لبدّھم۔ وقال ما البدّ الا ککنائس النصاریٰ والیھود وبیوت نیران المجوس اھ	(ترجمہ) فتح الاسلام محمد بن قاسم روہڑی پہنچا جو سندھ کا ایک شہر ہے اور پہاڑی پر آباد ہے۔ محمد نے کئی ماہ تک اُن کا محاصرہ جاری رکھا۔ بعد ازاں صلحاً اس شہر پر بدیں شرط قبضہ کیا۔ کہ محمد اُن میں سے کسی کو قتل نہ کرے اور نہ اُن کے مندر سے تعرض کرے

اس پر محمد نے کہا کہ مندر بھی ایسے ہیں جیسے یہود و نصاریٰ کے گرجے۔ اور گبروں کے آتش کدے، جب دورِ صحابہ میں اُن سے تعرض نہیں ہوا تو ہم کیوں کریں اھ [۳]

لیکن بعد کی حکومتوں نے اس اصول کی تحقیق مکمل کرنے میں کوئی خاص سعی نہیں کی، (باقی)

---

[۱] بُد (مندر) کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو۔ فہرست ابن ندیم، ص ۴۸۴ طبع مصر و فتوح البلدان از بلاذری طبع لیدن ص ۴۳۹

[۲] جمہوری حکومت میں "قانون" کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ جماعت یا جمہور کی رائے کے مطابق ہو، اربابِ حکومت اسی پر قوم کو چلانے کی خدمت انجام دیں۔ ان کی ذاتی پسند یا ناپسند کو قانون میں دخل نہ ہو۔ نوجوان فاتح سندھ نے ہندوؤں کو نہ صرف اپنے مقدمات کے فیصلہ کرنے کا اختیار دیا بلکہ اپنے لیے قانون وضع کرنا بھی اُن کے اپنے اختیار میں تھا۔ انقلاب حکومت نے بجز ایکے نظم و نسق میں تازہ قوت پیدا کر دی اُن کی اندرونی آزادی میں کسی قسم کا خلل نہیں ڈالا۔ مذہبی معاملات میں وہ بالکل آزاد تھے ہر شخص کو اپنے عقائد و عبادات کا اختیار تھا۔

شروع ہی میں محمد بن قاسم نے علماء دمشق سے فتوے ...... منگوا لیا تھا کہ مندروں کے ساتھ وہی مراعات کی جائیں جو اسلام نے مسیحی معابد، اور یہودی عبادت گاہوں کو دیں ھ تاریخ ہند از ہاشمی ۱۲ محمد نور الحق العلوی عفرلہ

[۳] (اقول) ہنود کے مندروں کو صرف وہ مراعات دینے سے جو یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں کو دی جاتی ہیں اُنکا صاحب کتاب مانا جانا ثابت نہیں ہوتا "ان کو اہل کتاب" نہ مان کر بھی ان کے مندروں کے ساتھ کنائس نصاریٰ اور صوامع یہود کا معاملہ کیا جا سکتا ہے کما لا یخفیٰ ۱۲ مدیر الفرقان عفا اللہ عنہ

چند اہم سیاسی کتابیں

سیاسیات عامّہ

بین الاقوامی سیاسی معلومات اس کتاب میں بین الاقوامی سیاسیات میں استعمال ہونے والے تمام الفاظ اور اصطلاحات و جو بول کے درمیان۔ سیاسی معاہدات بین الاقوامی تحریکوں اور تمام ممالک کی اہم کے تاریخی۔ سیاسی اور جغرافیائی حالات کو نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے بین الاقوامی سیاسیات کو سمجھ لینا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ قیمت مجلد صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ ۱۸ر

سوشلزم کی بنیادی حقیقت اشتراکیت کی بنیادی حقیقت اور اس کی اہم قسموں سے متعلق جرمنی کے مشہور پروفیسر کارل ڈیل کی آٹھ تقریروں کا ترجمہ جنھیں جرمن زبان سے پہلی بار براہ راست اُردو زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے غیر مجلد ڈھائی روپیہ (۲؁)

شہنشاہیت اس کتاب میں فرانس۔ جرمن۔ اٹلی۔ برطانیہ روس۔ جاپان اور امریکہ کی شہنشاہیت پرست حکومتوں کی سیاسیات پر تاریخ و واقعات کے پیش نظر بہترین تنقید کی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام کس طرح اور کن فریب کاریوں سے آج دُنیا کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہے اور ہندوستان پر اس کے اثرات کیا ہیں نیز یہ کتاب موجودہ جنگ یورپ کے صحیح اسباب و علل پر روشنی ڈالتی ہے قیمت مجلد صرف ۱۲؁

حکومت خود اختیاری مصنفہ سید طفیل احمد صاحب علیگ مصنف مسلمانوں کا روشن مستقبل

اسمیں ہندوستان کے تمام سیاسی مسائل پر بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انگریزی تسلط سے گزشتہ دو سو سال میں ہندوستان کو کس قدر نقصان پہونچا ہے اور یہاں سے کتنی کثیر دولت یورپ کو گئی اور جاری ہے، سیاسیات ہند کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بیحد ضروری ہے آخری اڈیشن مع اضافات جدیدہ ۲۵۰ صفحات قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

صنعت و تجارت کی بربادی

(مرتبہ سید طفیل احمد بی۔ اے۔ علیگ)

یہ در حقیقت "حکومت خود اختیاری" ہی کا ایک خاص اور اہم باب ہے جو ایک مستقل مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ علیحدہ شائع کیا گیا ہے۔ قیمت ۲ر

مسلمانوں کی سیاسیات

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش (از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

مولانا ممدوح نے پچھلے تین سال میں مسلمانان ہند کے سیاسی مسائل پر جو مسلسل بصیرت افروز مضامین لکھے ہیں جنھوں نے برسوں کی بلکہ صدیوں کی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر کے "اسلامی سیاست" کا صحیح تصور مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ وہ تمام مضامین تین حصوں میں مرتب ہو کر شائع ہو چکے ہیں ہمارے نزدیک ہر مسلمان کیلئے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔ حصہ اول ۸ر حصہ دوم ۱۲ر حصہ سوم عہ

اسلام کا نظریہ سیاسی

ایضاً از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی قیمت رعایتی دو آنہ ۲ر

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟

یہ مولانا مودودی کا وہ معرکۃ الآرا مقالہ ہے جو موصوف نے ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلامی کی ایک خاص مجلس میں پڑھا تھا قیمت تین آنے (۳ر)

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق یہ رسالہ ایک غیر مکتوب کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے اختصار کے باوجود اشتراکیت اور اسکے نتائج سے واقفیت کیلئے کافی ہے قیمت ایک آنہ ۱ر

مسلمانوں کا روشن مستقبل

(مصنفہ مولوی سید طفیل احمد صاحب بی۔ اے علیگ)

یہ کتاب اپنی غیر معمولی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے تعارف سے بے نیاز ہے اس کا مطالعہ ہر اس شخص کیلئے ضروری ہے جو ہندوستان کی سیاسی صورت حال کو بصیرت کے ساتھ سمجھنا چاہے یہ آخری ایڈیشن ہے جسمیں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے ساڑھے چھ سو صفحات قیمت مجلد ڈھائی روپے (۲؁)

مسلمانوں کے افلاس کا علاج

(از سید محمد احمد صاحب کاظمی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ)

اس میں مسلمانوں کے افلاس کے اسباب اور ان کے ازالہ کی تدابیر پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت چار آنے ۴ر

ملنے کا پتہ:۔ الفرقان بریلی

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

مُرتّبہ

مُحمّد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی ۱۳۵۳ھ
میں ہر قسم کی علمی مذہبی کتابیں بکفایت ملتی ہیں

ان کتابوں میں ہر مسئلہ کا جواب اردو میں دیکھ لیجئے
فتاوی دار العلوم دیوبند
فتاوی محمدی معہ شرح دیوبندی
سب سے اعلی مکمل و مدلل جدید ترین ”بہشتی زیور“
ہماری اس مکمل و مدلل جدید ترین بہشتی زیور کو منگوا کر آپ یقیناً بہت
زیادہ خوش ہوں گے اس ایڈیشن میں اس کتاب کی خدمت کا
آخری حق ادا کر دیا گیا ہے
اصل کتاب کے تعارف کی چنداں ضرورت نہیں البتہ اس خاص ایڈیشن کے متعلق اتنا ضرور عرض
کرنا ہے کہ اب تک کے تیار شدہ بہشتی زیوروں میں یہ ایڈیشن ہر حیثیت سے اعلی اور
سب پر فائق ہے مستند و ذمہ دار علما کی ایک جماعت سے عربی اور اردو میں جدید
حواشی کا اضافہ، مسائل پر نظر ثانی و صحت، شبہات مخالفین کے جوابات اور مختلف
ترجیح الراجح وغیرہ کا اضافہ نہایت اہتمام سے اور بیدریغ روپیہ صرف کر کے کرایا
گیا ہے، بعض مسائل میں خود حضرت حکیم الامت مد ظلہ نے ترمیم بھی فرمائی ہے۔ بہت سی
مسائل جن کا الجھاؤ صدیوں سے ختم نہیں ہوا تھا انکی پوری تحقیق اور تنقیح کردی گئی ہے
جہاں جہاں فقہ کی روایات میں اختلاف تھا وہاں مفتی بہ تحقیق پر راجح مرجوح کی پوری
تفصیل کردی گئی ہے اور چونکہ مسائل کے دلائل بھی قرآن و حدیث یا کتب فقہ کے
حوالہ سے حاشیہ میں لکھدیے گئے ہیں اسلیے اب کوئی مخالف معاند اس کے کسی
مسئلہ پر اعتراض بھی نہیں کر سکتا۔ بہرحال اب یہ ایک مستقل اور مستند فتاوی کی کتاب ہے
جو اہل علم اور ارباب فتوی کو بھی پاس رکھنا ضروری ہے۔ ان معنوی خوبیوں کے علاوہ
ظاہری لحاظ سے بھی انتہائی دیدہ زیب ہے، کاغذ نہایت عمدہ اور کتابت طباعت اعلی
قسم کی ہے۔ غرض اس مرتبہ ہر حیثیت سے اس کتاب کو بہترین اور مکمل تر بنانے میں
روپیہ بیدریغ پانی کی طرح بہایا گیا ہے۔ باایں ہمہ قیمت وہی صرف چھ روپیہ ہے
اور ہمارے یہاں رعایتی اس وقت صرف پانچ روپیہ
سلسلہ تعلیم الاسلام
مجموعہ فتاوی
فتاوی عزیزی فارسی
فتاوی عزیزی اردو دو جلد
فتاوی رشیدیہ ہر دو حصہ کامل
ملنے کا پتہ: مکتبہ الفرقان بریلی

چندہ سالانہ
قسم اول
تین روپے
چھ آنے

ممالک غیر سے
قسم اول
سات شلنگ
چھ پنس

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ الفرقان (بریلی)

جلد ۸	بابت ماہ جمادی الاولیٰ و جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۶۰ھ	نمبر ۵ و ۶

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہِ اولین	مدیر	ب-ج
۲	اپنے مخلص دوستوں سے ایک خاص گزارش	ناظم دفتر الفرقان بریلی	د-ھ
۳	عبرت کی باتیں	مدیر	و-ز
۴	افکارِ محشر (نظم و رباعیات)	حضرت محشر حسینی بلیاوی	ح
۵	خطباتِ بمبئی	مدیر	۱-۹۶
	تقریب		۲-۳
	پہلا خطبہ (تاریک ترین ماحول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اسلام کی انقلابی تحریک کا آغاز)		۴-۱۶
	دوسرا خطبہ (عقیدۂ آخرت اور توحیدِ خالص کی تعلیم)		۱۷-۲۶
	تیسرا خطبہ (اقامتِ صلوٰۃ)		۲۷-۳۹
	چوتھا خطبہ (زکوٰۃ، روزہ، حج)		۴۰-۴۸
	پانچواں خطبہ (تہذیبِ اخلاق، اصلاحِ معاشرت اور قیامِ جماعت)		۴۹-۶۰
	چھٹا خطبہ (جہاد فی سبیل اللہ اور اس کا مقصد)		۶۱-۷۶
	ساتواں خطبہ (اسلامی تحریک کے نتائج اور "حکومتِ الٰہیہ" کا نمونہ)		۷۷-۹۲

عربی مدارس کو عنقریب ہم ایک خاص پیغام دینا چاہتے ہیں لہٰذا ہمارے احباب اپنے اپنے نواح کے دینی مدارس کے پتوں سے مطلع فرماکر اس کارِ خیر میں ہماری مدد کریں۔ (نعمانی غفرلہٗ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

"الفرقان" کی اشاعت کو وقت پر لانے کے لیئے کئی مہینے سے مسلسل کوشش جاری ہے اور اب بعون اللہ وہ کامیاب ہوتی نظر آرہی ہے ——— محرم کا پرچہ شروع ربیع الاول میں شایع ہوسکا تھا، پھر صفر و ربیع الاول کا مشترک شمارہ اُس سے دو مہینے بعد جمادی الاولےٰ کی ابتدائی تاریخوں میں شایع ہوا، پھر قریباً ایک ہفتہ ہی کے بعد وسط جمادی الاولےٰ میں ربیع الثانی کا پرچہ بھی نکالدیا گیا۔ اب جمادی الاولےٰ اور جمادی الآخرہ دونوں کا یہ مشترک پرچہ انشاء اللہ جمادی الآخرہ ختم ہونے سے پہلے ہی آپ حضرات کی خدمت میں پہونچ جائے گا اور بہت دنوں کے بعد یہ پہلا موقع ہوگا کہ جس مہینے کا پرچہ ہے وہ اُسی مہینے کے اندر شایع ہورہا ہے فالحمد للہ علےٰ ذالک ولہ المنۃ ——— اب اُمید کی جاسکتی ہے کہ اس کے بعد رجب کا پرچہ انشاء اللہ وسط رجب میں شایع ہوسکے گا۔

اس سے پہلے بھی جب کبھی دو مہینے کا پرچہ ایک ساتھ شایع کیا گیا تو صرف اسی لیئے کیا گیا کہ کسی طرح نظام اشاعت پر قابو حاصل کیا جاسکے، اور یہ زیر نظر شمارہ بھی اسی غرض سے دو مہینے کا یکجا شایع کیا جارہا ہے۔

اس کے علاوہ اس دفعہ ایک دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہوئی کہ اس اشاعت میں بمبئی کی میری تقریریں شایع ہورہی ہیں (جنکی اشاعت کا وعدہ محرم کے رسالہ میں کیا جاچکا تھا) ان تقریروں کو یکجا شایع کرنا ہی مناسب اور زیادہ مفید سمجھا گیا یہ کل آٹھ تقریریں تھیں اور انکے آخر میں شامل کرنیکے لیئے ایک "تکملہ" بھی میں نے لکھا تھا یہ سب چیزیں ایک سو چھتیس صفحات پر ختم ہوئی تھیں اور اسی شمارہ میں اس سب کو شایع کرنے کا ارادہ تھا لیکن چھپائی کے وقت بریلی میں اتنا کاغذ دستیاب نہیں ہوسکا جو سب کے لیئے کافی ہوتا مجبوراً آخری تقریر اور "تکملہ" روک لینا پڑا "تکملہ" میں اس وقت کے کام کا پورا نقشہ اور "پروگرام" دفعہ وار لکھا گیا ہے ——— آئندہ اشاعت میں یہ دونوں چیزیں اس طرح شایع کی جائینگی کہ آپ اُن اوراق کو آسانی سے نکال کر ان خطبات کے ساتھ یکجا کرسکیں۔

"یہ تقریریں" دراصل صرف "تقریریں" نہیں ہیں، بلکہ یہ اُس "اسلامی انقلابی تحریک" کے احیار کی دعوت ہے، جسکو لیکر اللہ تعالےٰ کے سارے اولوالعزم پیغمبر آئے اور حق تعالےٰ نے جس کو خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واحد مقصد قرار دیا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

وہ اللہ ہی ہو جس نے اپنے رسول کو پیام ہدایت اور قانونِ حق لیکر بھیجا تاکہ اس کو تمام دوسرے قانون اور دستوروں پر غالب کردیا جائے خواہ مشرک لوگوں کو اس قانونِ حق کی برتری اور بالا تری ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

اور اسی واسطے ان تقریروں کو "الفرقان" کے صفحات پر شایع کیا جارہا ہو نیز علحدہ کتابی شکل میں بھی تیار کیا جارہا ہو تاکہ یہ پیام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے ——— "یہ خطبات" جن حضرات کے ملاحظہ سے گزریں وہ اگر ان کو دوسروں تک بھی پہونچانے کی کوشش فرمائیں (مثلاً اس طرح کہ اپنے دوسرے تعلیم یافتہ عزیزوں اور دوستوں کو دکھلائیں اور نا تعلیم یافتوں کو پڑھکر سنائیں) تو انشاء اللہ آخرت میں اپنی اس تھوڑی سی محنت کا بڑا اجر پائیں گے۔

فلیبلغ الشاهد الغائب!

جو حضرات اس دعوت اور پیام کو قبول فرمائیں وہ آج ہی سے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اصلاح کا وہ عمل شروع کردیں جس کا مطالبہ اسلام کرتا ہو اور جن کا ذکر ان "خطبات" میں کیا گیا ہو اور مفصل پروگرام کیلئے "حسن تکملہ" کا انتظار فرمائیں جو انشاء اللہ آخری خطبہ کے ساتھ "الفرقان" کے آئندہ پرچہ میں درج ہوگا۔

جس وقت یہ تقریریں بمبئی میں کیگئیں اور جس وقت یہ شایع ہو رہی ہیں، قانونی لحاظ سے چونکہ وہ نازک ترین وقت ہے اس لیے بعض باتیں جو کہنے کی تھیں صاف طور سے نہیں کہی جاسکی ہیں اور انکی طرف صرف اشارات کردیے گئے ہیں۔

اس دعوت و پیام اور پھر اس کام کا داعیہ میرے دل میں ابتداءً حضرت شاہ ولی اللہ رح کی رہنمائی سے پیدا ہوا ہو، حضرت ممدوح نے "تفہیمات" میں اجمالاً اور "فیوض الحرمین" میں کسی قدر تفصیل سے "خلافت ظاہرہ" اور "خلافت باطنہ" کے متعلق جو کچھ انعام فرمایا ہو جس کا کچھ ذکر "شاہ ولی اللہ نمبر" طبع اول کے صفحہ ۱۹۱ پر اور طبع دوم کے صفحہ ۲۰۶ پر مولانا گیلانی کا مضمون آچکا ہے، اسی سے میں نے یہ سمجھا ہو کہ جن حالات میں آج کل ہم گرفتار ہیں انہیں کام کا صحیح طریقہ اور اسکی ترتیب کیا ہو، اور چونکہ شاہ صاحب نے جو کچھ وہاں لکھا ہو وہ اسوۂ نبوی سے روشنی حاصل کر کے لکھا ہو بلکہ انھوں نے اپنی اس تحقیق کی بنیاد ہی اسوۂ نبوی پر رکھی ہو اس لیے شاہ صاحب کے توسط سے میرے لیے اصل رہنما اسوۂ نبوی ہی ہو۔ دکھنی بہ حادیا و امامًا۔

حضرت شاہ صاحب کی وہ پوری تحقیق ہمنے "حجۃ" میں بھی درج کردی ہو گویا وہی اس دعوت و تحریک کی اساس و بنیاد ہو۔ واللہ الموفق

اپنے مخلص دوستوں سے

ایک خاص گزارش!

ہمارے خاص احباب ان سطور کو ضرور ملاحظہ فرمائیں

کاغذ کی گرانی کا کچھ حال ان صفحات میں کئی مرتبہ لکھا جا چکا ہے، اور ہمارے دوستوں کو بطور خود بھی اس کا اندازہ ضرور ہو گا کہ جنگ یورپ کے امتداد کے ساتھ کاغذ کی قیمت میں یوماً فیوماً کس قدر غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے ——— بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بازار میں کاغذ کا نرخ دریافت کرایا جاتا ہے اور اگلے دن یا کچھ دیر کے بعد اسی دن جب خریداری کیلئے آرڈر دیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ روپیہ فی رم کا ابھی ابھی اور اضافہ ہو گیا ——— پھر غضب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی نرخ پر بھی بازار میں اپنی ضرورت کے بقدر کاغذ نہیں مل سکتا۔

آپ نے ابھی پچھلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایا کہ "الفرقان" کے اس شمارہ میں "ہم بمبئی کی آٹھوں تقریریں "مع تکملہ" کے ایک ساتھ ہی شایع کرنا چاہتے تھے لیکن کاغذ کی کمی کی وجہ سے آخری تقریر اور تکملہ روک لینا پڑا۔ اور اندیشہ ہو رہا ہے کہ کاغذ کی یہ کمیابی آگے کو غالباً اور زیادہ پریشان کرے گی اور خدانخواستہ آئندہ بروقت کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے "الفرقان" کا نظام اشاعت جس پر بہت دنوں کے بعد بمشکل قابو پایا جا سکا ہے، پھر بے قابو ہو جائے گا ——— اس لئے یہ سوچا ہے کہ کم از کم چھ مہینے کے خرچ کا کاغذ براہ راست مل سے ایک دفعہ منگوا لیا جائے جس کیلئے پانچسو روپے کی فوری ضرورت ہے اور اس روپے کی فراہمی کیلئے ہمیشہ کی طرح اب بھی آپ ہی حضرات سے کچھ عرض کیا جا سکتا ہے۔

سوال چندہ اور عطیہ کا نہیں ہے، آپکو معلوم ہے کہ یہ کھاتہ یہاں بحمد اللہ کبھی نہیں کھولا گیا۔ خدا کے فضل سے آپکے اس ادارہ کی اپنی مطبوعات میں اب کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو ہر صاحب ذوق مسلم مسلمان بڑی رغبت سے خرید سکتا ہے ——— خصوصاً "شاہ ولی اللہ نمبر کا دوسرا ایڈیشن" تو نادرۂ روزگار تحفہ ہے، اور یقیناً اس لائق ہے کہ ہر تعلیم یافتہ مسلمان اس کو اپنے پاس رکھے، آپ اپنے جس تعلیم یافتہ دوست کو بھی اس کی طرف توجہ دلائینگے اور اپنا "ولی اللہ نمبر" دکھا کر بتلائینگے کہ اس کا دوسرا کتابی ایڈیشن قیمتی اضافات اور نہایت مفید ترمیمات کے ساتھ شایع ہوا ہے تو انشاء اللہ وہ بڑی رغبت سے تمام

اس کی خریداری پر آمادہ ہو جائیں گے،

نمبر کے علاوہ "النجم الخاتم" بھی "دفتر الفرقان" کی مطبوعات میں ایک ممتاز اور قابل قدر تحفہ ہے ——

تیسرا تازہ تحفہ "خطبات بمبئی" ہے انشاء اللہ ۱۵ رجب تک یہ "خطبات" کتابی شکل میں بھی تیار ہو جائیں گے جن پر دبیز کاغذ کا مستقل ٹائٹل بھی لگا ہوگا۔

ان کے علاوہ "مکتبہ الفرقان" کی جو اور مطبوعات ہیں اُن کا تعارف نیز بعض اور اچھی کتابوں کا تعارف بھی اسی اشاعت میں متفرق طور پر آپ کی نظر سے گزرے گا۔

اگر ہمارے خاص احباب (جنکی تعداد اللہ کے فضل و کرم سے کچھ کم نہیں ہی) صرف اتنا کریں کہ اپنے ایک ایک دوست کو بھی "الفرقان" کی خریداری یا "مکتبہ الفرقان" کی کچھ کتابوں کی خریداری پر آمادہ کر کے آرڈر بھجوا دیں تو انشاء اللہ چند دنوں میں پانچسو روپیہ کی رقم فراہم ہو سکتی ہے اور ہم چھ مہینے کیلئے کاغذ کی طرف سے مطمئن ہو سکتے ہیں ——

ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے احباب اس طرف فوراً خاص توجہ فرما کر ہم کو ممنون کرم فرمائینگے۔

دوسرا "شاہ ولی اللہ نمبر"

اسی سال میں جسکی اشاعت کا ہم نے پہلے "ولی اللہ نمبر" میں وعدہ کیا تھا، کاغذ کے متعلق اِس پیدا شدہ صورت حال نے اُس کی اشاعت کے مسئلہ کو بھی مذبذب میں ڈالدیا ہی، اس کی ضخامت پہلے نمبر کچھ کم نہیں ہی، موجودہ نرخ کے حساب سے اس کے لیے ایک ہزار روپیہ سے زیادہ کا کاغذ درکار ہوگا —— اگر دوستوں کی پرجوش ہمدردی اور کوشش سے "ولی اللہ نمبر" کے دوسرے ایڈیشن کے چار پانچ سو نسخے اس وقت نکل جائیں تو ہم کاغذ کی گرانی سے بے پروا ہو کر اسی حالت میں انشاء اللہ اس کو بھی حسب وعدہ اسی سال شایع کر سکینگے۔ ورنہ ہم کو اور ہمارے ساتھ دوستوں کو بھی حالات کی کچھ سازگاری کا انتظار کرنا پڑے گا —— اگر ہمارے تمام ناظرین شاہ ولی اللہ نمبر طبع دوم کا کم از کم ایک خریدار پیدا کرنا اپنے ذمہ کر لیں تو ۵۰۰ سے زیادہ نسخے انکے ہاتھوں ہاتھ نکل سکتے ہیں، اسی واسطے اس اشاعت میں "شاہ ولی اللہ نمبر" طبع دوم کا اشتہار بطور ضمیمہ احباب کرام کو بھیجا جا رہا ہی۔ اگر ضرورت ہو تو بڑا پوسٹر جو نہایت شاندار چھپوایا گیا ہی اور ایک کارڈ لکھکر طلب کر سکتے ہیں

والسلام (آپکا مخلص خادم محمد عطاء اللہ القاسمی کان اللہ لہ ناظم دفتر الفرقان بریلی)

عبرت کی باتیں :-

اُردو کی خدمت یا خدا کی لعنت!

(۱)

اخبار "مسلمان لاہور" اپنی ۱۲ رجون کی اشاعت میں راوی ہے ـــــ کہ "انجمن ترقی اُردو" کا ایک وفد حال ہی میں چندہ کی غرض سے کلکتہ گیا تھا وہاں اُس کے عمومی چندہ کیلئے ایک سوانگ یہ بھی رچایا گیا کہ رائے بہادر سیٹھ سکھ لال کے کورنتھیں تھیٹر میں ایک تماشہ کا اہتمام کیا گیا جسمیں "آغا حشر مرحوم" کا مشہور ڈرامہ "ترکی حور" دکھایا گیا اور "ملکۂ موسیقی مس جہاں آرا کجن" کا ناچ گانا ہوا ـــــ اس تماشہ کی پوری آمدنی "انجمن ترقی اُردو" کی خدمت میں پیش کی گئی ـــــ اور اس کے ٹکٹ دفتر مسلم لیگ زکریا اسٹریٹ کلکتہ نے فروخت کیے۔

ـــــ آگے اسی اخبار (مسلمان) کی روایت ہے کہ اس لعنتی تماشے کیلئے جو اشتہار شایع کیا گیا تھا اس کا عنوان یہ تھا "آپ دوسروں کی مدد کیجیئے خدا آپ کی مدد کریگا"

دیکھا آپنے! یہ ہیں ہماری جماعتیں اور یہ ہے ان کی فرد عمل پھر اگر صلیب کے پرستاروں، شراب نوشوں خنزیر خوروں، اور بُت پرستوں، سود خوروں کے قہر وغلبہ کی صورت میں خدا کی لعنت ہم پر مسلط ہو تو تعجب کیا اور کیوں ہو۔

(۲)

اخبار "صدق لکھنؤ" کی سات جولائی کی اشاعت میں یہ تازہ اور عبرت آموز خبر نقل کیگئی ہے کہ حال ہی میں ہندوستان کے مشہور "سخنیے" اودے شنکر کے چھوٹے بھائی کی شادی ویدک مراسم اور ہندو ضابطہ کے مطابق جس عورت کے ساتھ ہوئی ہو (اسکے مذہب کی پوری تحقیق تو نہیں لیکن) اسکے باپ کا نام "استاد علاء الدین خاں" ہے، جس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً وہ کسی نسلی مسلمان خاندان ہی کی لڑکی ہے۔ ۲۲ رجون کے مشہور انگریزی اخبار "لیڈر الہ آباد" میں اس جوڑے کی تصویر بھی شایع ہوئی ہے۔

اس عبرت آموز خبر پر رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے محترم معاصر "صدق" نے لکھا ہے۔

"لیڈر" سیکڑوں نہیں ہزاروں مسلمانوں کی نظر سے گزرتا ہے کسی میں یہ تصویر دیکھکر غیرت کی حرکت پیدا ہوگی؟ ـــــ چند سال قبل بھی اس حد تک "رواداری" یا بے حسی اور بے غیرتی کی یہ حد ممکن تھی؟" (صدق، ۷ر جولائی)

لیکن جب مسلمانوں کے چوٹی کے لیڈروں "قائد اعظم" اور "خان عبدالغفار خاں" جیسوں کے گھرانوں سے بھی یہ نمونے

پیش ہونے لگے تو عام "لیڈر" پڑھنے والوں کو کسی "اُستاد علاء الدین خان" کی لڑکی کے ادو ہو شنکر کی بھاوج" بن جانے سے غیرت کیوں آئے، اب اس میں بے غیرتی کی بات ہی کیا رہ گئی؟ —— سوسائٹی میں اگر دینی یا قومی حس کچھ زندہ ہو تو اصل محاسبہ اور باز پرس کے لائق تو یہ "اکابر مجرمین" ہیں، جو ان کرتوتوں کے باوجود بھی مسلمانوں کے "قائد اعظم" اور "زعیم قوم و ملت" بنے ہوئے ہیں۔

(۳)

"انجمن حمایت اسلام لاہور" مسلمانان پنجاب کا واحد قدیمی تعلیمی ادارہ ہے جس کے ماتحت اسلامیہ کالج اور بہت سے اسکول اور مدارس چل رہے ہیں اور یہ سب دین و مذہب ہی کے نام پر چل رہے ہیں۔ ہم "دور افتادوں" کا خیال تھا کہ دینیات سے لاپروائی کے بارہ میں "حمایت اسلام" کے کالجوں اور اسکولوں کا وہ حال نہ ہوگا جو دوسرے اسلامی کالجوں اور اسلامیہ ہائی اسکولوں کا ہے لیکن —— "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم" "اسلامیہ کالج لاہور" کے ناظم دینیات مرزا عبد الحمید صاحب ایم۔ اے اپنے ایک تازہ مضمون میں اس باب میں انجمن کے متعلقہ اداروں کا افسوسناک حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"ہمیں مزید رنج ہوتا ہے کہ وہ ادارہ جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کو "دین" سے قریب تر کیا جائے .....
آج کس طرح مسلمان بچوں کو "پیٹ" اور "روٹی" کے نام پر قرآن سے دور رکھ کر عملاً فرنگیت کے سانچہ میں ڈھال رہا ہے اور اگر یقین نہ آئے تو "اسلامیہ کالج" میں تعلیم حاصل کرنیوالے اسی فی صدی طلبہ سے کلمۂ شہادت پڑھوا کر دیکھ لیجئے! کہ وہ قرآن عزیز اور دین کے اصولی مباحث تو کجا صرف "عہد اسلام" کے الفاظ تک سے بھی ناواقف ہیں..... مجھے بتایا گیا ہے کہ ابھی ابھی ایک پروفیسر صاحب نے کسی فوری جذبہ کے ماتحت اپنی جماعت سے "کلمۂ شہادت" پڑھوایا تو سوائے ایک دو طالب علموں کے کسی نے بھی جواب نہ دیا۔" {ماہنامہ دار الاسلام جون و جولائی ۱۹۴۱ء}

فلیبک علی الاسلام من کان باکیا

لیکن "دار الاسلام" کے اسی پرچہ اور مرزا عبد الحمید صاحب ایم۔ اے کے اسی مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن حمایت اسلام کے اہل حل و عقد کو دینیات کے ساتھ اپنی اس تقصیر کا اب احساس ہو رہا ہے اور تلافی مافات و اصلاح حال کیلئے پہلا قدم بھی اُٹھایا جا چکا ہے ہماری دعا ہے کہ خدا اس اُٹھے ہوئے قدم کو آگے ہی بڑھائے اور اس تحریک کا بھی وہی حشر ہو کر نہ رہ جائے جو اب سے چار پانچ برس پہلے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے اُٹھنے والی اسی قسم کی بلکہ بعینہٖ اسی تحریک کا ہوا تھا۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ اگر انجمن کی کونسل کے اس رجحان کی بنیاد خلوص پر ہوگی تو انشاء اللہ ضرور توفیق الٰہی ان کی مدد کریگی۔

اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ؕ

حدیثِ بے خبراں ہے، تو با زمانہ بساز" — زمانہ با تو نہ سازد، تو با زمانہ ستیز!
(اقبال)

کی روشنی میں

از

(حضرت محشر حسینی بلیاوی)

ایک روز کہا میں نے صورت گرِ عالم سے — ہیں تیری نگاہوں پر اسرارِ جہاں روشن
تو دیکھ بیاباں کی سیراب زمیں لیکن — بوندوں کو ترستے ہیں مرجھائے ہوئے گلشن
اغیار کے کھیتوں میں انبار ہے خوشوں کا — اور تیرے مسلماں کا آتش زدہ ہر خرمن
پامالِ فلک وہ ہیں نسبت ہی جنھیں تجھ سے — مسرور ہیں دُنیا میں وہ جو ہیں ترے دشمن
جو تیری خلافت کے دُنیا میں نگہباں تھے — اُن کیلئے گریاں ہے اب شمع سرِ مدفن
یہ میرا فسانہ ہے یہ میری کہانی ہے — آگے تو روا داری اب قہر و غضب بر من؟
گفتند مشو نالاں از رنج و غمِ دوراں — گفتم کہ بجبر ایں ہا، گفتند کہ "لاتحزن"
"گفتند جہانِ ما آیا بہ تو می سازد — گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن"
(اقبال)

رباعیاتِ محشر

(۱)

نمے بینم حرم را پاسبانے
سرشس سودا زدہ آتش بجانے
ز عزمِ نوجوان و زورِ بازو
بگرداند زمین و آسمانے

(۲)

بہ بیں اے خالقِ کون و مکانے
نہ سازد با مسلماں ایں جہانے
بگفتند ایں خطائے کیست بنگر!
یقیں را مے فروشی باگمانے

(۳)

نہ پیشِ حق گہے بینم سجودے
نہ بر پیغمبر ملت درودے
مسلمانی ہمین است و ہمین است
نہ چوں اینست از مسلم چہ سودے

(۴)

نمازِ پنجگانہ بے حضورے
جماعت با امام بے سرورے
چنیں کشتی و کشتی بان ہرگز
نہ کار آمد شود بہر عبورے

(۵)

رگِ مردہ کو پھر تازہ لہو دے ؛ دلوں کو التہابِ آرزو دے
ترے کلمے کی ذلت ہو نہ یا رب ؛ مسلمانوں کو پھر آبرو دے

باسمہٖ سبحانہٗ

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

خطبات بمبئی

یعنی

مولٰنا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان بریلی کی

وہ آٹھ تقریریں جو ۲ محرم ۱۳۶۰ھ سے ۹ محرم ۱۳۶۰ھ تک بمبئی میں ہوئیں

اور جن کے ذریعہ مسلمانان بمبئی کے قلوب میں "اسلامی انقلاب" کا داعیہ پیدا کرنے کی کوشش کیگئی اور اسوہ نبی کی

روشنی میں اسکے لیے مفصل پروگرام بتلایا گیا

مطبوعہ "بریلی الکٹرک پریس بریلی" —— ناشر ناظم الفرقان بریلی (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب :-

آئندہ صفحات میں جو آٹھ تقریریں درج کی جا رہی ہیں یہ بمبئی کے گھوگاری محلہ کے نوجوانوں کے زیر انتظام اور انہی کی دعوت پر ۲ر محرم ۱۳۶۰ھ سے ۹ر محرم ۱۳۶۰ھ تک مسلسل گھوگاری محلہ ہی میں ہوئی تھیں۔

ابتدائی دو تین دن تک حاضرین کا اندازہ صرف چار پانچ ہزار کے قریب رہا اس کے بعد یومًا فیومًا اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ آخری تقریروں میں حاضرین کا تخمینہ دس بارہ ہزار تک کیا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ بعض شریروں کی شرارت آمیز کوششوں کے باوجود کسی دن کوئی شورش تقریر میں نہیں ہو سکی، اور بمبئی کی پبلک نے پورے اطمینان وسکون کے ساتھ میری ان تقریروں کو سن لیا۔ منتظمین جلسہ نے لاؤڈ اسپیکر کا انتظام اچھا کیا تھا کہ کسی دن بھی اس کے متعلق شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ ناسپاسی ہوگی اگر اس جگہ میں لاؤڈ اسپیکر والوں کی اس مخلصانہ عنایت اور طلبی قدر افزائی کا شکریہ ادا نہ کروں کہ دو تین تقریریں سننے کے بعد انھوں نے میری تقریروں کے لیئے لاؤڈ اسپیکر فری کر دیا کہ جہاں بھی اور جتنی تقریریں بھی میری بمبئی میں ہوں ان کے نشر کیلئے وہ لاؤڈ اسپیکر بلا کرایہ دیں گے (اللہ تعالےٰ اُن کو اس اخلاص کی بہتر جزا دے)۔

پہلی دو تقریروں کو قلمبند کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا اور نہ اس کا ارادہ تھا تیسرے دن بعض احباب نے تقریروں کی قلمبندی اور پھر اشاعت کے لیئے اصرار کیا تو اس کا التزام کیا گیا اس لیے پہلی دو تقریریں صرف یادداشت سے لکھانی پڑی ہیں، باقی تقریروں کے نوٹ بہت مکمل تھے اس لیئے ان کی ترتیب میں حافظہ سے کام لینا نہیں پڑا ——— تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ان تقریروں کے سارے الفاظ وہی ہوں جو اس وقت مقرر کی زبان سے ادا ہوئے تھے غالبًا ان میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہوگی لیکن مضامین یقینًا وہی ہیں شاید کہیں کہیں مضمون کی تکمیل یا توضیح کیلئے کچھ اضافہ بھی ہو گیا ہو۔

دوران تقریر میں گاہ گاہ بعض ایسی چیزیں بھی کسی وقتی داعیہ، اور ہنگامی محرک کے ماتحت

آجاتی تھیں، جن کا اصل مضمون سے کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا تھا، ایسے اجزاء کو اس ترتیب میں قلم انداز کردیا گیا ہے۔

یہ چونکہ تقریریں ہیں، تصنیف و تالیف نہیں ہے اس لیے بہت ممکن ہے کہ تاریخی واقعات کے بیان میں تاریخی روایات کے الفاظ کی پوری پابندی نہ رہی ہو اور بیان میں اجمال یا تفصیل کا فرق ہوگیا ہو۔ اگر کہیں ایسا نظر آئے تو اس کو خیانت نقل یا غلط بیانی نہ سمجھا جائے اور نہ افسانہ نویسی پر محمول کیا جائے، کیونکہ تقریر کے وقت ظاہر ہے کہ کتاب مقرر کے سامنے نہیں ہوتی وہ ہر واقعہ کا حاصل اپنی زبان اور اپنے محاورات میں بیان کرتا ہے اُس میں اجمال و تفصیل کی قسم کی کمی بیشی ممکن بلکہ اغلب ہے عربی عبارات حتیٰ کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے تراجم میں بھی لفظی معنی کی پابندی نہیں کی گئی ہے اور میری یہ عام عادت ہوگئی ہے کہ میں سامعین یا ناظرین کی سہولت فہم کے لیے لفظی پابندی کا لحاظ کیے بغیر صرف مطلب خیز ترجمہ کرتا ہوں ان تقریروں میں بھی جا بجا ناظرین ایسا پائیں گے۔

آخر میں اپنے دوست مولوی قاری رفاقت حسین صاحب کا شکر گزار ہوں کہ ان تقریروں کے مسودہ کو انھوں نے مکمل اور مرتب کر کے قابل اشاعت کردیا ورنہ اگر یہ کام میرے ہی ذمہ رہتا تو اپنی محروم الفرصتی کی وجہ سے احباب بمبئی سے کیے ہوئے اُس وعدے کا پورا کرنا میرے لیے مشکل ہوتا۔ جو ان تقریروں کی اشاعت کے متعلق اُن سے کرلیا تھا۔ اور درحقیقت ان کی اشاعت میں دو تین مہینے کی جو دیر ہوئی وہ اپنی فرصت ہی کے انتظار میں ہوئی اور اب مایوس ہو کر میں نے موصوف کو یہ تکلیف دی۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس اشاعت کو مسلمانوں کے لیے نافع بنائے اور اس کو قبول فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

بریلی

جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا خطبہ!

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی ○

برادرانِ دینی اور عزیزانِ ملت!

آج قریباً پانچ سال کے بعد آپ کے اس شہر (بمبئی) میں حاضری کا اتفاق ہوا ہے۔ اس دوران میں یہاں کے احباب اور مخلصین نے بار بار ہا فرمایا اور بہت کچھ اصرار کیا لیکن میں اپنی مصروفیتوں اور مجبوریوں کے باعث حاضر نہ ہو سکا۔ مگر اس مرتبہ دوستوں کا اصرار میری مجبوریوں پر غالب آگیا اور مجھے حاضر ہونا پڑا۔

چار پانچ سال کے اس عرصہ میں ہمارے ملک کے حالات میں بعض اہم تبدیلیاں ہوئیں اور یہاں کے مسلمانوں کی زندگی سے متعلق نئے نئے مسائل پیدا ہوئے جن سے ہندوستان کا ہر حساس مسلمان کچھ نہ کچھ ضرور متاثر ہوا ہوگا، مجھ پر بھی ان واقعات اور تغیرات کا گہرا اثر پڑا جس کی وجہ سے گویا میری زندگی کا رُخ ہی بدل گیا اور اس لئے بہت ممکن ہے کہ پہلے تعارف کی بنا پر آپ حضرات مجھ سے جس قسم کی تقریر کی توقع رکھتے ہوں وہ پوری نہ ہو سکے، جن دوستوں نے اس وقت مجبور کر کے مجھے بلایا ہے

میں نے ان کو بھی یہ چیز لکھدی تھی لیکن اس کے باوجود وہ مصر ہوئے اب اگر میری گذارشات میں آپ کی قدیم دلچسپیوں کا سامان نہ ہو تو مجھے معذور تصور فرمائیے۔

بمبئی کی محرمی مجالس

آپ کے اس شہر کی محرمی مجلسیں جو غالباً یکم محرم سے ۱۲ محرم تک محلہ محلہ اور بازار بازار ہوتی ہیں مجھے معلوم نہیں کہ ان کا رواج یہاں کب سے ہوا ہے اور رواج دینے والوں کا مقصد کیا تھا بہت ممکن ہے کہ بعض دوسرے مقامات کی طرح یہ تشیع کے اثرات کا بقیہ ہو۔ اور ان کا مقصد بس کربلائی واقعات اور تذکرۂ شہادت کا سال بسال اعادہ ہو بلکہ غالباً ایسا ہی ہوگا۔ لیکن ضرورت ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو کچھ دینی شعور دیا ہے وہ ان مجالس کی اصلاح کریں اور ان اجتماعات سے کوئی مفید اور ٹھوس کام لیں۔

محرم سے ہمارا نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے اگر ان مجالس سے یہ کام لیا جائے کہ نئے سال کے شروع میں مسلمانوں کے ایمان کو ان کے ذریعہ سے تازہ کیا جائے، گزرنے والے سال کی گمراہیوں اور غلط کاریوں کی تلافی کی کوشش کی جائے اور اسلام کی ضروری تعلیمات اور قومی و دینی وقتی ضروریات ان کو بتلائی اور سمجھائی جائیں اور اس کام کے لیئے سال کے پہلے ہفتہ عشرہ کی راتیں آپ وقف کردیں تو یہی اجتماعات بہترین نتائج پیدا کر سکتے ہیں اور ان کے ذریعہ جو حرکت اور بیداری پیدا ہوگی وہ سال بھر تک انشاء اللہ کام دے سکتی ہے۔ اسی تخیل کے ماتحت میں نے یہ طے کیا ہے کہ اپنی ان آٹھ یا سات تقریروں میں جو مجھے یہاں کرنی ہیں انشاء اللہ مسلمانوں کے سامنے ان کی موجودہ دینی اور قومی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مفصل لائحہ عمل اور مرتب پروگرام پیش کروں گا۔

یہ پروگرام اور لائحہ عمل نہ خود میرا تراشیدہ ہے، نہ کسی لیڈر یا آج کل کی کسی سیاسی پارٹی نے اس کو بنایا ہے، بلکہ یہ قرآن مجید کا بتلایا ہوا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین رض کا برت کر دکھلایا ہوا پروگرام جس کے ذریعہ عرب کے جاہل، وحشی اور انتہائی پسماندہ بدوؤں کو وہ دینی اور دنیوی عروج نصیب ہوا جو آج تک دنیا کو محو حیرت کیئے ہوئے ہے ——

بہت سے خوش اعتقاد عرب کے اس انقلاب کو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں ہوا صرف ایک "پیغمبرانہ معجزہ" سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ قیامت تک کیلیئے اُسوہ اور نمونۂ عمل بھی ہے، یعنی ہمارا دعویٰ ہے

کہ اس طریقہ پر جب بھی کام کیا جائے گا۔ اور جس زمانہ اور جس ملک میں جو ایمان والی جماعت بھی اس پروگرام پر چلے گی تو لازماً اسی قسم کے نتائج اس سے پیدا ہوں گے جیسے کہ اب سے قریباً چودہ سو برس پہلے عرب میں پیدا ہوئے تھے ——— الغرض اپنی ان تقریروں میں آپ حضرات کے سامنے مجھے اسی پروگرام کو دفعہ وار پیش کرنا ہے ——— کوشش میرا کام ہے اور اس ارادہ کا پورا کرا دینا اور پھر اس سے اچھے نتائج پیدا کرنا حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے ——— آپ حضرات سے اتنی التجا ضرور ہے کہ میری ان خشک اور روکھی پھیکی گزارشات کو استقلال اور تسلسل کے ساتھ سنیں اور میرے ان افکار کو صرف دلچسپی اور خوش طبعی کا ذریعہ نہ بنائیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ٥

ہمارا نظریۂ انقلاب

بزرگو اور عزیزو! آج ہر طرف انقلاب کا شور ہے، ہندوستان کی ہر قوم و ملت انقلاب کی خواہشمند ہے ملک کی فضا میں "انقلاب زندہ باد" کے نعرے گونج رہے ہیں اور بیشک انقلاب کی خواہش میں مسلمانان ہند بھی دوسروں کے شریک ہیں۔ اور ہمارے ملک کے حالات بھی ایسے ہو گئے ہیں کہ اب قانون قدرت کے مطابق بھی یہاں انقلاب ضروری ہے لیکن اس انقلاب کے متعلق مسلمانوں کا نقطۂ نظر دوسروں سے مختلف ہے۔ اسلام جس انقلاب کو چاہتا ہے وہ نہ تو ہندوستان کو درجہ نوآبادیات ملنے سے پورا ہوتا ہے اور نہ "آزاد وطنی حکومت" اس کا مصداق ہے اسلام جس انقلاب کا خواہشمند ہے وہ یہ ہے کہ انسانوں پر سے غیر اللہ کی حاکمیت قطعی طور پر ختم ہو جائے اور صرف خدا کا قانون حکمراں ہو۔ اسلامی سیاست کا یہ بنیادی نظریہ ہے اور عہد نبوت اور پھر دور خلافت راشدہ میں جو حکومت الہٰیہ قائم ہوئی وہ اس کا عملی نمونہ تھا اور بحیثیت مسلمان ہونے کے وہی ہمارا نصب العین ہو سکتا ہے اور ہے۔

بہت ممکن ہے کہ ہماری کم مائیگی اور کمزوری کو دیکھتے ہوئے بہت سے دوست اس وقت میری ان باتوں کو خواب و خیال کی باتیں کہیں لیکن اگر ان کی نظر میں آغاز اسلام کی تاریخ ہو گی تو انھیں معلوم ہو گا کہ اب سے قریباً چودہ سو برس پہلے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریک کو جس وقت اٹھایا تھا اس وقت کے حالات اس وقت سے زیادہ ناسازگار تھے اس کے باوجود جس کو آج خواب و خیال سمجھا جا رہا ہے وہ واقع ہو کر رہا۔

اسلامی انقلاب کا پروگرام اور اسوۂ نبوی

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس مقصد کیلیے طریقۂ کار ہمیشہ کے واسطے وہی ہے جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیس سالہ جد و جہد میں پیش کیا

آج جن راہوں پر ہماری مختلف سیاسی پارٹیاں چل رہی ہیں وہ راہیں ملک کو اجنبی تسلط سے آزاد کرانے یا مسلمانوں کے قومی تحفظات منوانے کیلیے تو صحیح ہو سکتی ہیں لیکن ہمارے اس اصلی اسلامی نصب العین (قیام حکومت الٰہیہ) سے انھیں کوئی مناسبت بھی نہیں، بالفاظ دیگر یوں سمجھیے کہ ان راہوں پر چل کر ہم زیادہ سے زیادہ کامیابی اور ترقی جو حاصل کر سکتے ہیں وہ موجودہ ٹرکی اور ایران کی سی ترقی ہو سکتی ہے لیکن یہ ایک مسلمان کہلانے والی قوم کی ترقی ہوگی اس کو اسلام کی ترقی سمجھنا شاید دنیا کا سب سے بڑا فریب ہو۔ ممکن ہے آپ میں سے بہت سوں کو ہمارے ان خیالات سے اتفاق نہ ہو، لیکن ہم بلا خوف لومۃ لائم یہ بتلا دینا چاہتے ہیں کہ ٹرکی اور ایران کی موجودہ ترقیات ہم "دقیانوسیوں" کی نظر میں اسلام کی ترقی و کامیابی نہیں بلکہ یورپ کی غیر اسلامی طاقتوں کی اصولی فتح ہے، اسی لیے ہم حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کی اس شکست کو جو بالاکوٹ کے معرکہ میں ان کو ہوئی، اتاترک کی کامیابی سے بدرجہا بہتر سمجھتے ہیں، کمال اتاترک کے سامنے ترکی قوم کو نجات دلانے کیلیے نپولین کا اسوہ تھا۔ اور شاہ صاحب اور سید صاحبؒ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر اور اسی مقصد اعلے کیلیے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے:

(فشتان مابینہما)

بہرحال اس مقدس نصب العین (حکومت الٰہیہ) کیلیے جدوجہد کا صحیح طریقہ وہی ہو سکتا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور اس پر چل کر دکھلایا۔ اس لئے ہم اپنے پروگرام میں صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے ہی صحیح اور کامل رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس اسوۂ عمل اور طریق کار کو سمجھنے کیلیے ضروری ہے کہ ان حالات کا کم از کم اجمالی نقشہ سامنے ہو جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریک کو چلایا اس واسطے آج کی صحبت میں میں صرف اس وقت کے اجمالی حالات اور اس زمانہ کا ماحول آپ کے سامنے پیش کرونگا۔

بعثت نبوی کے وقت دنیا کی عام حالت

"صحیح مسلم" میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ بعثت کے متعلق ارشاد فرمایا۔

ان اللہ نظر الی اھل الارض فمقتھم عربھم وعجمھم الا بقایا من بنی اسرائیل

یعنی اس وقت تمام روئے زمین کے انسانوں کی خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی حالت نہایت خراب تھی

سب فطرت کی راہ سے ہٹ گئے تھے اور خدا سب ہی سے ناراض تھا بجز بنی اسرائیل کے چند افراد کے جن کا کچھ تعلق دینِ فطرت سے باقی تھا اور وہ اپنے اس دین کو سنبھالے دنیا سے الگ تھلگ اپنے صومعوں اور معابد کے گوشوں میں بیٹھے تھے۔"

غرض دنیا کی حالت اس وقت سخت ابتر تھی انسان کا اپنے خالق کے ساتھ جو تعلق ہونا چاہیے وہ یکسر بھلایا جا چکا تھا، خدائی حقوق پامال ہو رہے تھے، ہر جگہ خدا کے ساتھ کفر اور شرک کیا جا رہا تھا اور اس کے متعلق مختلف قوموں اور گروہوں کے اتنے شرمناک اور مضحکہ خیز عقیدے تھے کہ آج مذاہب کی تاریخ میں ان کا ذکر دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے اور یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کوئی انسان ان خرافات میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے —— خدا فراموشی اور خدا سے بغاوت کے علاوہ انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ جو معاملہ ہونا چاہیئے اس میں بھی بہت زیادہ بگاڑ آچکا تھا انسان اپنے ہم جنسوں کے لیے درندہ بنا ہوا تھا، قیصر و کسریٰ کے ظالمانہ طریق حکومت نے انسانیت کی کمر توڑ دی تھی، غریبوں اور پسماندہ طبقوں کیلئے یہ دنیا ایک دار العذاب بنی ہوئی تھی —— پھر انسانی دنیا کے قریباً وسط میں جو جزیرہ نمائے عرب تھا اور جہاں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد آباد تھی اس کی حالت اور بھی زیادہ خراب تھی —— عقائد اور الٰہیات کے باب میں ان کی گمراہی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید سن کر انھوں نے بڑے تعجب سے کہا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ہ (کیا اس رسول نے سارے خداؤں کا ایک خدا بنا دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے) ان کی بداعمالی اور بدکاری کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کی لڑکیوں کے ساتھ منہ کالا کرتے اور پھر فخریہ اس کو اپنے قصائد میں علی الاعلان اور علی رؤس الاشہاد قومی مجمعوں میں بیان کرتے تھے، بیحیائی اور بے شرمی کا یہ عالم تھا کہ حج کے موقعہ پر بہت سے قبائل مادرزاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے بلکہ اس حیوانیت کو ایک مذہبی بات اور نیکی کا کام سمجھتے تھے۔ دل کی قساوت اور انسانی جوہر سے ان کی محرومی کا اندازہ کرنے کے لیے ننھے بچوں کو زندہ درگور کرنے کی ان کی عادت کافی ہے بلکہ ان جزئیات سے آگے بڑھ کر کہا جا سکتا ہے کہ بداعمالی اور اخلاق باختگی کا شاید کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں وہ خصوصی امتیاز نہ رکھتے ہوں —— پھر ان تمام برائیوں اور گمراہیوں کے ساتھ ان کی سیاسی اور معاشی حالت بھی حد درجہ پست تھی ان کا کوئی باقاعدہ سیاسی نظام نہ تھا، اونٹ اور بکریوں کی

اُن کا گزارہ تھا ـــــ رہا تعلیمی پہلو سو اول تو وہ زمانہ ہی تعلیم کا نہ تھا لیکن بالخصوص جزیرۂ عرب علم کی روشنی سے اتنا دور تھا کہ انسانی دنیا کا کوئی خطہ شاید اس وقت جہالت میں اُس کی نظیر نہ تھا یہاں تک کہ قرآن پاک قوم عرب کو "امیین" ہی کے نام سے یاد کرتا ہے، یہ ہے اُس وقت کے حالات کا اجمالی خاکہ۔ اور یہ تھا اس زمانہ کا ماحول جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبی بنا کر کھڑے کیے گئے۔

نجاشی کے دربار میں رسول اللہ صلعم کی بعثت اور دعوت پر حضرت جعفر کی تاریخی تقریر!

عرب کے ان تاریک حالات کا نہایت جامع نقشہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اس تاریخی تقریر میں بھی ملتا ہے جو آپ نے حبش کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں کی تھی اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کو مکہ کے چند با توفیق انسانوں نے قبول کر لیا تو مکہ والوں نے اُن پر انتہائی سختیاں کیں، اُن کو طرح طرح سے ستایا اور حتیٰ کہ اُن کا سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا اور دانہ پانی تک بند کر کے اُن پر زندگی دشوار کر دی گئی، یہ مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مظلوموں کو اجازت دی کہ وہ مکہ چھوڑ کر امن و عافیت کے کسی اور گوشہ میں چلے جائیں ـــــ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی رحمدلی اور رعیت پروری کا اُس وقت ایک خاص شہرہ تھا اس لیے ان حضرات نے وہیں کا رُخ کیا اور مہاجرین کا یہ قافلہ چند روز سفر طے کر کے حبشہ پہونچ گیا، مکہ والوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اس مسئلہ پر مشورہ کیلیے سرداران مکہ کی ایک کمیٹی ہوئی، اور طے کیا گیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو ان لوگوں کو گرفتار کر کے حبشہ سے لایا جائے اور ان کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ اسلام اور اسلام کے داعی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنا تعلق منقطع کر کے ہمارے دین میں آ جائیں، چنانچہ اس غرض سے حبشہ جانے کے واسطے چند تجربہ کاروں کا ایک وفد مرتب کیا گیا۔ عمرو بن العاص جو سفارتی کاموں کا وسیع تجربہ رکھتے تھے اور جو اس قسم کے خارجہ معاملات میں اہل مکہ کے سفیر کی حیثیت سے شاہی درباروں میں جایا کرتے تھے وہ اس وفد کے قائد اور میر منتخب ہوئے یہ وفد مکہ کے بہترین ہدایا لیکر حبشہ پہونچا سب سے پہلے اِن لوگوں نے تحقیق کی کہ وزراء حکومت اور ارکان دربار میں کون لوگ یہاں زیادہ بارسوخ ہیں، اس کا پتہ چلا کر یہ لوگ ان سے ملے اور تحفے تحائف دیکر ان کو اپنے حق میں ہموار اور اس پر تیار کر لیا کہ دربار میں نجاشی کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہو تو یہ اس وفد کی تائید وحمایت کریں اور مسلمان مہاجرین کے خلاف رائیں دیں ـــــ اس طرح پہلے بالا بالا کام کرنے کے بعد یہ شاہی دربار میں حاضر ہوئے، پہلے وہاں کے درباری طریقے پر سب نے سجدہ کیا اس کے بعد اپنی درخواست اس طرح

پیش کی :۔

"بادشاہ جہاں پناہ ! ہمارے کچھ غلام بھاگ کر آپکے یہاں پناہ گزین ہوگئے ہیں، انھوں نے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے جو سب مذہبوں سے الگ اور سب کے خلاف ہے اور تو اور حضرت مسیحؑ کے متعلق بھی ان کے عقیدے نہایت گستاخانہ ہیں وہ حضرت مسیح کی کھلم کھلا توہین کرتے ہیں، ان لوگوں نے اپنا ایک جتھا بنا لیا ہے، اور فتنہ و فساد ان کا پیشہ ہے۔ ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ حضور عالی ایسے بدمعاشوں اور بے دینوں کو اپنی پناہ میں نہ رکھیں اور ہمارے حوالہ کردیں تاکہ ہم ان کے فتنہ و فساد کا انسداد کر سکیں"

رشوت خور ارکان دربار نے فوراً کہنا شروع کیا، بے شک بیشک ایسے لاالعقول اور ناہنجاروں کو ہرگز اپنے ملک میں پناہ نہیں دینی چاہیے اور ضرور ان کو گرفتار کر کے ان لوگوں کے حوالہ کر دیا جائے۔

بیدار مغز اور عدل پسند بادشاہ (نجاشی) نے کہا "یہ ایک فریق کا بیان ہے، دوسرے فریق کا بیان سُنے بغیر کوئی فیصلہ کرنا آئین عدل و انصاف کے خلاف ہے لہذا اُن مدعا علیہم کے نام پروانہ جاری کیا جائے کہ فلاں وقت وہ شاہی دربار میں حاضر ہوں۔ پروانہ جاری ہوگیا، مظلوم مہاجرین نے فوراً بیٹھ کر مشورہ کیا اور طے پایا کہ ہمارا وفد بھی سلطانی دربار میں جائے، حضرت جعفر امیر الوفد منتخب ہوئے ــــــ وقت مقررہ پر یہ لوگ بھی نجاشی کے دربار میں پہونچے اور حسب تعلیم اسلام داخلہ کے وقت بس "السلام علیکم" کہا، چوبدار نے کہا

مالک لا تسجد للملك ؟ (یہاں کے درباری قاعدہ کے مطابق) تم بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے؟

حضرت جعفر نے پوری بیباکی مگر وقار کے ساتھ جواب دیا :۔

انا لا نسجد الا للّٰہ تعالیٰ ہماری پیشانی خدا کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں جھک سکتی۔

اسلام میں غیر اللہ کو سجدہ بہر حال حرام ہے

واقعہ آگے بیان کرنے سے پہلے جی چاہتا ہے کہ ایک ضروری مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا چلوں غور فرمایئے کیسا نازک وقت ہے دشمن، درباری ارکان کو سازش کر کے ہمنوا کر چکے ہیں، خود بادشاہ ایک دوسرے مذہب (عیسائیت) کا پیرو ہے، سجدہ وہاں کا درباری ادب ہے، معاملہ اتنا سنگین بیٹھ ہے کہ اگر بادشاہ ان مہاجرین کے خلاف فیصلہ دے کر کہ کر وفد کو حوالہ

ان کو کردیتا ہے تو گو یا موت کے پنجہ میں ان کو دے دیتا ہے۔ اتنے نازک وقت میں بھی ان مومنین کاملین نے کسی تاویل اور حیلہ کے ساتھ سجدہ کے جواز کی گنجائش نہیں سمجھی ـــــ اس سے صاف سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر اللہ کے سوا کسی دوسرے کیلئے کسی تاویل اور حیلے سے بھی سجدہ جائز ہوتا تو یہ حضرات یقیناً اس نازک وقت میں اُس جواز پر عمل کرتے۔ اگر دیانت اور خدا ترسی ہو تو جو لوگ سجدہ تعظیمی اور سجدہ تحیۃ کے ناموں سے قبروں اور پیروں کیلئے سجدہ کو جائز کرتے ہیں وہ اسی ایک واقعہ سے ہدایت حاصل کرسکتے ہیں۔

حضرت آدم اور فرشتوں کے واقعہ سے اس مسئلہ کے متعلق جو ایک عام گمراہ کن مغالطہ دیا جاتا ہے جی چاہتا ہے کہ اُس کو بھی یہاں صاف کردوں

کہا جاتا ہے کہ فرشتوں نے بحکم خداوندی آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا تھا پھر وہ ہمارے لئے کیونکر ناجائز ہوسکتا ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ میں سے بیشتر مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ بہت سی چیزیں پہلی شریعتوں میں جائز تھیں اور ہماری شریعت میں وہ حرام کردی گئیں۔ مثلاً آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں حقیقی بہن بھائیوں کا نکاح ہوتا تھا اور ہماری شریعت میں وہ قطعی حرام ہے پس اگر مان بھی لیا جائے کہ فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا تو وہ ہمارے لیئے سند جواز نہیں ہوسکتا جبکہ قرآن پاک میں ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے سجدے صرف اللہ کے لیے ہونے چاہئیں۔ ارشاد فرمایا گیا:۔

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

سید المفسرین حبر الامۃ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں شمس و قمر کا ذکر تمثیلاً کردیا گیا ہے ورنہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی بڑی سے بڑی مخلوق کے لیے سجدہ نہ کرو۔

صحیح احادیث میں مروی ہے کہ بعض صحابہ نے شام وغیرہ ممالک میں یہ رواج دیکھ کر کہ وہاں کے لوگ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ ہم بھی آپکو سجدہ کریں، ظاہر ہے کہ یہ درخواست سجدہ عبادت کی نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ وہ تو صاف صریح شرک ہے اور اس چودھویں صدی کا بھی کوئی مسلمان اس کے شرک ہونے میں شبہ نہیں رکھتا پھر کسی صحابی کو اُس کا خیال کیونکر پیدا ہوسکتا ہے؟ بہرحال یہ یقینی امر ہے کہ یہ درخواست سجدہ عبادت کے لیے نہیں تھی بلکہ زیادہ

زیادہ سجدہ تحیۃ کیلیے تھی، مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو صاف منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا:۔

لاتسجد لی واسجد للحی الذی لایموت ”مجھے ہرگز سجدہ نہ کرو بلکہ صرف اسی حی و قیوم تمہارے سجدہ کا مستحق ہے جس کے لیے کبھی فنا نہیں۔“

ایک دوسری حدیث میں ہے فرمایا کہ ”اگر اللہ کے سوا کسی اور کیلیے سجدہ ہوتا تو عورت کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔“

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں بھی سجدہ عبادت کا نہیں بلکہ سجدہ تحیۃ ہی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

بہرحال جب قرآن و حدیث میں غیر اللہ کے سجدے کی صریح ممانعت موجود ہے تو کسی طرح بھی فرشتوں کے اس فعل سے ہمارے لیۓ اس کا جواز نہیں نکل سکتا۔

علاوہ ازیں یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ وہ سجدہ اس قسم کا تھا جیسا کہ ہم سجدہ کرتے ہیں محقق مفسرین نے تصریح فرمائی ہے کہ اس سے مراد صرف جھک کر حق تعظیم ادا کرنا ہے اور اصل عربی زبان میں سجدہ کے معنی جھکنے اور سر خم کرنے کے بھی ہیں اور جیسا کہ میں نے بتلایا بیشتر محقق مفسرین فرشتوں کے سجدہ کو اسی پر محمول کرتے ہیں۔

اور اگر ان سب بحثوں سے قطع نظر کر لیا جاۓ اور تھوڑی دیر کیلیۓ یہی مان لیا جاۓ کہ فرشتوں نے واقعی حضرت آدم کو یہی معروف سجدہ کیا تھا اور ان کو بارگاہ خداوندی سے اسی کا حکم ہوا تھا تو بھی عقل سلیم رکھنے والے تھوڑے سے غور و فکر سے سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا منشا سجدۂ غیر اللہ کی رسم کا جاری کرنا نہ تھا بلکہ آدم کے فرزندوں کو آدمیت اور انسانیت کا مقام بتلانا مقصود تھا تاکہ وہ اس کو سمجھیں کہ جب فرشتے جیسی مقدس اور معصوم مخلوق ہمارے سامنے جھکا دی گئی تو اب دنیا کی کوئی چیز اور کسی قسم کی مخلوق بھی ایسی نہیں جس کے سامنے ہمارا سر جھک سکے، ہمارا مقام وہ ہے کہ ہم صرف خدا ہی کیلیۓ اپنی پیشانی زمین پر رکھ سکتے ہیں۔“ مگر جب عقل ماری جاتی ہے اور فہم ماؤف ہوتی ہے تو آدمی دلائل کو الٹا استعمال کرتا ہے۔

الغرض آدم علیہ السلام کو اگر فرشتوں نے بحکم خداوندی سجدہ کیا تو وہ ہمارے لیۓ سجدۂ غیر اللہ کے جواز کی سند نہیں بلکہ اس طرف اشارہ ہے کہ انسان جس کے پہلے باپ (حضرت آدم) فرشتوں کے مسجود ہو چکے ہیں وہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو، اس لیے کہ اس کا مقام سب مخلوق میں اعلیٰ و بالا ہے۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث آگئی ورنہ میں نجاشی کے دربار کا واقعہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت جعفرؓ جب وہاں پہونچے تو آپ نے وہاں کے رسم و رواج کے مطابق سجدہ نہیں کیا بلکہ لوگوں کے توجہ دلانے پر بھی "انا لانسجد الا للہ تعالیٰ" کہکر سجدہ سے صاف انکار کر دیا۔ اب واقعہ اس سے آگے سُنیئے:-

مکہ کے وفد والے حضرت جعفر اور ان کے رفقاء کے اس طرز عمل سے اپنے دل میں بڑے خوش ہوئے کہ انھوں نے خود اپنی حماقت سے بادشاہ اور دربار کو ناراض کر لیا اور انھوں نے سمجھا کہ اب یقیناً فیصلہ ہمارے ہی حق میں ہوگا لیکن نجاشی کی سعید فطرت نے اسی ایمانی استقامت سے کچھ اور اخذ لیا۔ بادشاہ نے مہاجرین کے اس وفد کو مخاطب کرتے اور مکہ والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ جو آپ کے ہم وطن ہیں آپ لوگوں کے متعلق یہ دعوے لیکر آئے ہیں ان کا بیان آپ کے متعلق یہ ہے...... ......کیا آپ لوگ اس بارہ میں کچھ کہنا چاہتے ہیں، ہم اطمینان دلاتے ہیں کہ یہاں جو فیصلہ ہوگا انصاف سے ہوگا!!

حسب قرار داد حضرت جعفر طیارؓ بحیثیت امیر وفد کھڑے ہوئے اور ایک بہت مختصر سی تقریر کی جو کتب حدیث و سیر میں آج تک چند سطروں میں محفوظ ہے۔ اس تقریر میں اُنھوں نے بعثت نبوی کے وقت اپنی قوم کی عام حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے مجھے وہی اس وقت آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا ہے۔ تقریر کے اصل عربی الفاظ جو راویان حدیث و اخبار کے ذریعہ سے ہم تک پہونچے ہیں یہ ہیں:-

ایھا الملک کنا قوما اھل جاھلیۃ نعبد الاصنام و ناکل المیتۃ و ناتی الفواحش و نقطع الارحام و نسیئ الجوار و یاکل القوی منا الضعیف حتی بعث اللہ الینا رسولا نعرف نسبہ و صدقہ و امانتہ و عفافہ فدعانا الی اللہ نوحدہ و نعبدہ و نخلع ما کنا نعبد نحن و اباؤنا من دون اللہ من الحجارۃ و الاوثان و امرنا بالصدق و الامانۃ

بادشاہا! ہم لوگ سخت جہالت میں مبتلا تھے بتوں کو پوجتے اور مردار کھاتے تھے، بدکاریوں اور بیحیائی کی باتوں کے عادی تھے، قرابت اور پڑوس کے حقوق کا کوئی پاس لحاظ نہ تھا، ہم میں کا قوی کمزور کو کھا جاتا تھا (حتیکہ ہماری یہ بد حالی اور زیاں کاری اس حد تک پہنچ گئی) تو خدا نے ہم پر رحم کیا ہم ہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر ہماری طرف بھیجا جسکی عالی نسبی، سچائی، امانتداری اور پاکبازی سے ہم اچھی طرح واقف ہیں وہ خدا کا تعدی رسول آیا اور اس نے ہمکو خدا کی طرف بلایا کہ تجدید وحی کی توحید کی دعوت دی

وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء والفواحش وشھادۃ الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصن و امرنا ان نعبد اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئاً واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ فعدد علیہ امور الاسلام فصدقناہ وامنّا بہ واتبعناہ علیٰ ماجاء بہ فعدیٰ علینا قومنا فعذبونا وفتنونا عن دیننا وشقوا علینا فخرجنا الیٰ بلدک واخترناک علیٰ من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لا نظلم عندک ۔ (جمع الفوائد باب ہجرۃ الحبشہ)

اور حکم دیا کہ خدا کے سوا جن بتوں اور جھوٹے معبودوں کو ہم اور ہمارے باپ دادے پوجتے تھے ہم اُن سے بالکل الگ ہو جائیں، اُس نے ہمکو راست بازی اور امانتداری، حسن جوار اور صلہ رحمی کی تعلیم دی، اُس نے ہمکو ہدایت کی کہ حرام باتوں سے بچیں، ناحق کسی کا خون نہ بہائیں جھوٹی گواہی اور بدکاری کی باتوں سے الگ رہیں، یتیم کا مال نہ کھائیں اور کسی پاکدامن پر بہتان نہ لگائیں اُس نے ہمکو حکم دیا کہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نکریں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں (اس کے علاوہ بھی حضرت جعفر نے اسلام کی کچھ اصولی باتیں بیان فرمائیں اور اس کے بعد فرمایا کہ جب خدا کا وہ مقدس رسول اور بنی نوع انسان کا حقیقی محسن یہ پاکیزہ تعلیمات لیکر ہمارے پاس آیا) تو ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور اس کے احکام کی پیروی کرنے لگے بس ہمارا یہی جرم تھا جس کی وجہ سے قوم نے ہم پر سختیاں کیں، ہمیں طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا، اور ہم کو ہمارے دین سے برگشتہ کرنا چاہا اور ہم پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہم مجبور ہو کر آپ کے شہر کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور آپ کے ظل حکومت میں رہنا پسند کیا، اور اُمید تھی کہ آپ کے پاس ہم پر کوئی ظلم نہ کر سکے گا؛

میرے خیال میں بس حضرت جعفرؓ کا یہ تاریخی بیان اُس وقت کی عام حالت کا اندازہ کرنے کے لیے بہت کافی ہے، ہمارے زمانہ کے مشہور شاعرِ اسلام حفیظ جالندھری نے اس پوری تقریر کا ترجمہ اپنے شاہنامہ اسلام میں کر دیا ہے یہ اگرچہ تقریر میں شعر اشعار پڑھنے کا عادی نہیں ہوں لیکن جی چاہتا ہے کہ حفیظ کے اُن چند اشعار کو آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ سُنیئے حضرت جعفر کھڑے ہوئے اور اپنی سرگزشت اس طرح بیان کرنا شروع کی ؎

کہا اے بادشہ ہم لوگ کافر اور جاہل تھے ہم اس دارِ شقت میں نکمے اور کاہل تھے

بہت بدکار تھے، بُت پوجتے، مردار کھاتے تھے　　غریبوں کو، ضعیفوں کو، شریفوں کو ستاتے تھے
یتیموں پر، غلاموں، لونڈیوں پر ظلم ڈھاتے تھے　　پڑوسی زیردستوں کو زبردستی دکھاتے تھے
یہ حالت تھی برادر کا برادر جان لیوا تھا　　گناہوں کا سمندر ناؤ کا شیطان کھیوا تھا
دقیقہ کونسا باقی رہا تھا ڈوب جانے میں　　سہارا کوئی بھی باقی نہ تھا ہم کو زمانے میں
تکلف بر طرف جاتے تھے ہم سیدھے جہنم میں　　اسی اثنار میں ایک سچا نبی پیدا ہوا ہم میں
نبی، شہرہ ہے ساری قوم میں جسکی صداقت کا　　کوئی منکر نہیں جسکی دیانت کا امانت کا
وہ آیا اور اُس نے دعوتِ اسلام دی ہمکو　　نکالا موت کے پنجہ سے بخشی زندگی ہم کو
ہمیں تعلیم دی اُس نے بتوں کا پوجنا چھوڑو　　زنا سے جھوٹ سے چوری سے سرشوری سے منہ موڑو
ہمیں تلقین کی اک دوسرے کے حق کو پہچانو　　یہ سمجھی انسان ہو انسانیت دکھلاؤ نادانو
ہمیں اُس نے نماز و روزہ کے ارکان سکھلائے　　پسند آیا ہمیں وہ دین، ہم ایمان لے آئے
بس اتنی بات تھی جس پر ہوئے اہل وطن دشمن　　ہمیں جی کھول کر دینے لگے رنج و محن دُشمن
ہمارا جرم یہ ہے بت پرستی چھوڑ دی ہم نے　　اذیت کے سبب سے اپنی بستی چھوڑ دی ہم نے
ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ پھر گمراہ ہو جائیں　　یہاں حاضر ہیں ہم آپ ہی انصاف فرمائیں!

اس واقعہ کا کچھ حصّہ ابھی باقی ہے[15] لیکن مجھے یہاں صرف اتنا ہی دکھلانا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس وقت مبعوث ہوئے قوم عرب کی حالت اُس وقت کتنی پست اور تاریک تھی کہ یقیناً ایسی گئی گذری حالت میں بھی ہم مسلمان کہلانے والوں کی حالت اتنی گری ہوئی نہیں ہے پھر جس پروگرام پر چل کر وہ قوم بلند ہوئی اور اتنی بلند ہوئی کہ ایک طرف تقرب الٰہی کے وہ انتہائی درجات اُس نے طے کیے کہ بلا مبالغہ فرشتوں کو ان پر رشک آیا اور دوسری طرف دنیا کے ایک بہت بڑے وسیع حصّہ پر حکومت الٰہیہ قایم کر دی تو کیا وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ہم اُس پروگرام پر چل کر اپنی اِس حالت کو نہ بدل سکیں اور اپنی اُسی پہلی تاریخ کا اعادہ نہ کر سکیں۔

---

[15] انجام اس قضیہ کا یہ ہوا کہ نجاشی نے مسلمان مہاجرین کی صداقت اور مظلومیت کو جان لیا کہ کا وفد خائب و خاسر واپس آیا اور مسلمان باطمینان و عافیت حبشہ میں مقیم رہے ۱۲

حضرات! آج میں اپنی گزارش کے سلسلہ کو اسی پر ختم کرتا ہوں آئندہ تقریروں میں انشاء اللہ تعالےٰ بالترتیب اُس پروگرام کی دفعات کو پیش کروں گا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کی وحی سے حاصل کرکے پیش کیا تھا اور جو حکومت الٰہیہ کے قیام اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کا صادق جذبہ رکھنے والوں کے لیئے قیامت تک کے واسطے اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ ہے۔ واللہ یدعوا الیٰ دار السلام ویھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ٥

تاریخ و سیرت کی چند قابل دید کتابیں

رحمۃ للعالمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو بیان اور اسلام و قرآن کے خصائص کی توضیح و تشریح میں قاضی محمد سلیمان پٹیالوی مرحوم کی بے مثل وجد آفریں اور ایمان افروز تصنیف جو تین ضخیم جلدوں میں ہے قیمت جلد اول دو روپیہ (عہ) جلد دوم چار روپے للعہ جلد سوم تین روپے کامل کی رعایتی قیمت ساڑھے آٹھ روپے (۸ہ)

نشر الطیب حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی مشہور تالیف ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود نوری سے وفات شریف بلکہ داخلۂ جنت تک کے احوال مستند روایات سے لکھے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے عہ رعایتی ایک روپیہ چار آنے ؏

سیرت خاتم الانبیا از مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی اختصار کے باوجود جامع معتبر اور مستند سیرت ہے علماء نے اس کو بہت پسند کیا ہے بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہو چکی ہے قیمت ۱۰ر رعایتی ۸ر

رسول کریم سیرت نبوی کے موضوع پر یہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی بلند اور فاضلانہ تصنیف ہے جو دور حاضر کی ضروریات اور جدید علمی مذاق کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے بہت سے تعلیمی اداروں میں داخل نصاب ہو چکی ہے قیمت ۲ر رعایتی ۱۴ر

صاحب قرآن قرآن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت جو قرآن کی روشنی میں لکھی گئی ہے اصل نام "سیرت الحبیب الشفیع" ہے تالیف مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی قیمت ۴ر رعایتی ۳ر

پہلی تقریر سیرت از مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند سیرت نبوی کی روشنی میں مسائل حاضرہ پر تبصرہ جس سے معلوم ہوگا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی حیات انسانی کے تمام شعبوں میں آج بھی رہبر کامل کا کام دے رہی ہے قیمت ایک روپیہ رعایتی ۱۴ر

دوسری تقریر سیرت یہ مولانا ممدوح کی دوسری تقریر ہے جو پہلے سے بھی زیادہ جامع اور دلچسپ ہے قیمت ۱ر رعایتی ۱۳ر

پاک زندگی یہ بھی مولانا ممدوح ہی کی تصنیف ہے جس میں حضرت ابراہیم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگیوں کو خاص انداز میں پیش کیا گیا ہے قیمت چار آنے (۴ر) رعایتی ساڑھے تین آنے ۳ر

دوسرا خطبہ

ایمان بالیوم الآخر اور توحید خالص

(بعد خطبۂ مسنونہ)

حضرات! کل میں نے عرض کیا تھا کہ میں ان صحبتوں میں اصل اسلامی نصب العین (قیام خلافتِ الٰہیہ) کا وہ پروگرام مرتب طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں جو اب سے قریباً ساڑھے تیرہ سو برس پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت کی مختصر سی اسلامی دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا ——— چونکہ اس پروگرام کی حقیقت اُس وقت تک پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتی تھی جب تک کہ اس وقت کا تاریک ماحول آپ کے سامنے نہ ہو اسلیئے میں نے اُن حالات کا اجمالی خاکہ کل کی تقریر میں آپ کے سامنے پیش کیا ——— نیز اُس تاریخ کے پیش کرنے سے میرا ایک منشا یہ بھی تھا کہ آج ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اِس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ چونکہ مسلمان انتہائی تنزل کی حالت کو پہونچ چکے ہیں اور دولت دنیا اور اسباب ترقی سے محرومی کے ساتھ وہ اصل دین سے بھی بہت دور ہو گئے ہیں اس لیئے اب قیام خلافت الٰہیہ کا کوئی امکان نہیں رہا ہے" ———
میں اُمید کرتا ہوں کہ کل کی میری تقریر سے یہ غلط فہمی کچھ دور ہو گئی ہو گی۔ کیونکہ ہمارے حالات خواہ کتنے ہی ابتر ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابھی ہماری پستی اور گمراہی اُس درجہ تک نہیں پہونچی ہے جہاں تک عرب قوم پہونچی ہوئی تھی۔

اب آج سے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اُس پیغام اور پروگرام کو پیش کرنا چاہتا ہوں:۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شرف نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنی قوم کے سامنے سب سے پہلے دو چیزیں پیش کیں۔ ایک عقیدۂ آخرت، اور دوسری توحید خالص۔ عقیدۂ آخرت اور قانون جزا و سزا پر ایمان لانے کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو غیر مسئول اور اپنے وجود کو عبث نہیں سمجھتا، اور جمود و تعطل کی زندگی پر قانع نہیں ہوتا، وہ حیات دُنیا کے ہر لمحہ کو سعی و عمل کی مہلت سمجھتا ہے، پھر اُس کی جدوجہد

خوف خدا اور ضابطہ اخلاق سے آزاد نہیں ہوتی، وہ یقین رکھتا ہے کہ مجھے اپنی عمر کے ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہے اور جو کچھ اچھا یا بُرا یہاں کروں گا اسی کے مطابق اُس عالم میں جہاں مجھے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے جزا یا سزا بھگتونگا (فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ۵ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۵)

الغرض انسان کو ایک صحیح العمل انسان بنانے اور اس کے اندر صحیح جد و جہد کے لیے حرکت پیدا کرنے میں عقیدۂ آخرت کو بہت بڑا دخل ہے۔ آج اگر آپ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھتے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والی قوم اور یوم آخرت کا اقرار کرنے والی اُمت ان نتائج سے خالی ہے تو سمجھ لیجیے کہ عقیدۂ آخرت پر اس کا ایمان ہی صحیح اور کامل نہیں ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا ہی بتلا کر عقیدۂ آخرت کی تعلیم کو ختم نہیں کر دیا کہ مرنے کے بعد تم پھر خدا کے حکم سے جِلائے جاؤ گے اور اس دُنیا کے بعد ایک دوسرا عالم اور برپا ہوگا، بلکہ اس سلسلہ میں مختلف قوموں میں جو غلط فہمیاں تھیں (جیسی کہ آج بہت سے مسلمانوں میں بھی پھیلی ہوئی ہیں) ان کو بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زائل فرمانے کی پوری کوشش کی۔ مثلاً نصاریٰ سمجھتے تھے کہ "بس صلیب ساری مسیحی امت کیلئے کفارہ بن گئی اور اس لیئے تمام نصاریٰ ضرور بالضرور جنت میں جائینگے"، یا مثلاً یہود کا خیال تھا کہ "جنت بس ہمارے باپ دادا کی میراث ہے" وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی تمام غلط فہمیوں کا پردہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چاک فرما دیا، اور بتلایا کہ آخرت کی زندگی بس یہاں کے اعمال کا نتیجہ ہے اور ہر شخص وہی کاٹے گا جو اس نے بویا ہو۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ ۵ ثم یجزٰہ الجزاء الاوفیٰ ۵

دوسری جگہ قرآن پاک میں فرمایا گیا کل امرئ بما کسب رھین ۵

بہر حال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے مخاطبین میں عاقبت کی فکر پیدا کرنی چاہی، اور درحقیقت یہ بنیادی چیز تھی، اس عقیدہ پر استوار ہوئے بغیر انسان کا کوئی عمل صحیح نہیں ہو سکتا اور "خلافت الہیہ" کا تصور بھی پیدا نہیں ہو سکتا، پس آج جو لوگ اس مقصد کیلیے اُٹھنا اور کچھ کرنا چاہیں ان کیلیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے اور اپنے رفقا کے اندر عقیدۂ آخرت کو صحیح طریقہ پر پوری قوت کے ساتھ تازہ اور بیدار کریں اور اپنی جد و جہد میں اصلاً حق تعالےٰ کی رضا جوئی، اس کے حکم کی تعمیل اور "فلاح اخروی" کو اول درجہ میں پیش نظر رکھیں۔

توحید خالص دوسری چیز جس پر آپ نے اپنی تعلیم میں بیحد زور دیا اور اس کو بجا طور پر سارے دینی نظام اسلامی کی بنیاد کہا جا سکتا ہے وہ توحید خالص کا عقیدہ تھا اس باب میں آپ نے صرف اتنا ہی نہیں بتلایا کہ "اپنا بس ایک خالق اور پروردگار مانو اور صرف اسی کی پوجا کرو" بلکہ آپنے بتلایا کہ تمہارا جو الٰہ حق ہے وہی بلا شرکت غیرے تمہارا اور ساری کائنات کا مالک بھی ہے۔ دراصل حاکمیت اُس کے اور صرف اُسی کیلئے ہے، مارنا اور جلانا، بیمار ڈالنا اور تندرست کرنا، دُکھ درد میں مبتلا کرنا اور اس سے نجات دینا یہ سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ تمہاری ہر قسم کی عبادت و بندگی کا تنہا وہی مستحق ہے، وہی کارساز ہے، اُسی سے مانگو اُسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ، رزق کے خزانے تنہا اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں لہٰذا اُسی کو رزاق سمجھو اور روزی کی فراخی کیلئے بس اُسی سے دعا اور التجا کرو۔ ایسی عظمت جس میں کوئی کمی نہ ہو اور ایسی کبریائی جس میں کوئی کوتاہی نہ ہو تنہا اُس کے لیئے ہے، وہ سارے عیبوں، نقصوں اور ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہے، سبوح اور قدوس ہے لاشریک مالک الملک ہے، اس لیئے اُس کے اور تنہا اُسی کے بندے بن کر رہو اُسکی بندگی پر مضبوط ہو جاؤ اور اس کے سوا ہر ایک کی بندگی سے انکار کر دو، اس کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت نہ کرو اس کی رضامندی کیلئے ساری دُنیا کی مرضیات کو قربان کر دو۔

درحقیقت یہ ہے وہ توحید خالص جس کو لیکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور جس کی دعوت آپ نے دُنیا کو دی ——— کلمۂ اسلام کا پہلا جزو "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" درحقیقت ان تمام تفصیلات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے ——— ناواقفی سے آج عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ توحید اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا مطلب صرف یہ ہے کہ "خدا کے سوا کسی اور کی پوجا اور اصطلاحی عبادت نہ کی جائے اور بس" ——— یہی وجہ ہے کہ آج "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کے ساتھ طرح طرح کا شرک "مسلمانوں" میں جمع ہو رہا ہے بلکہ بہت سے گمراہ اور دین کے صحیح علم سے محروم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ توحید کا منشا بس یہی ہے کہ خدا کی برابر کسی اور کو نہ مانا جائے لیکن اگر خدا سے کچھ کم درجہ پر خدائی صفات و افعال میں کسی کو شریک بھی مان لیا جائے یا بس حادث و قدیم اور ذاتی و عطائی کا فرق کر لیا جائے تو یہ توحید کے منافی نہ ہوگا قاتلھم اللہ انیٰ یوفکون۔

آپ میں سے جن حضرات کو قرآن پاک کے مطالعہ کی کبھی توفیق ملی ہے وہ ضرور جانتے ہوں گے کہ عرب کے وہ مشرک جن کے سامنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے توحید کا پیغام پیش کیا اور جن سے اسی پیغام توحید کی بنا پر آپ کی جنگ ہوئی۔ وہ بھی اپنے معبودان باطل کو خدا کے برابر نہیں سمجھتے تھے

قرآن پاک میں صاف ارشاد ہے:-

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ (سورہ زخرف رکوع ۱)

اور اے رسول اگر آپ ان مشرکین سے سوال کریں کہ بتلاؤ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ صاف کہیں گے کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے جو غلبہ والا اور علیم کل ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں، بتلاؤ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کس کے تابع فرمان ہیں تو وہ بولیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے پھر وہ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔

آگے چل کر فرمایا:-

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (عنکبوت ع ۶)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ بتلاؤ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مردہ اور خشک زمین میں زندگی اور بالیدگی پیدا کی تو وہ صاف کہینگے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی نے کیا ہے آپ کہیے تو پھر ساری حمد و ستائش اللہ ہی کے لئے ہے لیکن ان میں سے بہت سے کچھ نہیں سمجھتے۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:-

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنّٰى تُصْرَفُونَ (یونس ع ۴)

اے پیغمبر! آپ ان مشرکین سے کہیے کہ بتلاؤ وہ کون ہے جو زمین اور آسمان سے تمکو رزق پہونچاتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو تمہارے کانوں اور تمہاری آنکھوں پر پورا قبضہ اور اختیار رکھتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو بیجان چیز سے جاندار پیدا کرتا ہے۔ اور جانداروں میں سے بیجان چیز کو نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو اس کارگاہ عالم کا پورا نظم و نسق کرتا ہے؟

اِن تمام سوالات کے جواب میں وہ صاف ہی کہیں گے کہ یہ سارے کام کرنے والا اللہ ہی ہے تو آپ اُن سے کہیے کہ پھر تم کیوں شرک سے پرہیز نہیں کرتے؟ سو یہی اللہ تمہارا حقیقی پروردگار ہے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا رہ جاتا ہے پھر تم کدھر مارے مارے پھرتے ہو:

پھر ایک اور جگہ فرمایا گیا، قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝

(مومنون ع ۵)

اے رسول! آپ ان مشرکین سے کہیے بتلاؤ کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کا مالک کون ہے اگر تم کو کچھ خبر ہے؟ وہ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے تو آپ ان سے کہیے کہ پھر تم (اپنے رویہ پر) کیوں نہیں غور کرتے ۔ اور آپ ان سے پوچھیے بتلاؤ! ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ اس کا جواب بھی وہ یہی دیں گے کہ یہ سب کچھ بھی اللہ ہی کا ہے تو آپ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ۔ نیز آپ ان سے دریافت کیجیے کہ بتلاؤ وہ کون ہے جس کے قبضہ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ جسے چاہے پناہ دے سکتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ؟ تو وہ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے ۔ آپ ان سے کہیے کہ پھر تم کس خبط میں ہو۔

مشرکین عرب کے متعلق یہ قرآن پاک کی صاف صاف شہادتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا ہی کو اپنا اور زمین و آسمان کا خالق و مالک مانتے تھے، چاند اور سورج جیسی کائنات کو بھی اسی کا تابع فرمان سمجھتے تھے، آسمان سے پانی برسانا، زمین سے رزق اگانا، مارنا اور جلانا، ان سب صفات میں وہ خدا کو لاشریک سمجھتے تھے اپنی قوتوں اور اپنے حواس آنکھ، کان وغیرہ کو بھی اسی کے اختیار میں جانتے تھے بلکہ ہر چیز پر کامل اختیار اور کامل تصرف اسی کا مانتے تھے لیکن اس کے باوجود چونکہ بعض خدائی افعال میں اپنے معبودانِ باطل کو شریک و سہیم سمجھتے اور اسی لیے ان کے ساتھ بندگی کا برتاؤ کرتے تھے صرف اس وجہ سے ان کو قرآن نے مشرک قرار دیا۔

بلکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ خدا کے سوا ان کے جو اور چھوٹے معبود تھے ان کو وہ خدا کا مملوک اور مخلوق ہی جانتے تھے

اور اقرار کرتے تھے کہ ان پر خدا کی حکومت چلتی ہے اور ان کی حکومت خدا پر نہیں چلتی ——— صحیح روایت میں ہے کہ حج کے موقع پر مشرکین تلبیہ اس طرح پڑھتے تھے ۔لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک (جمع الفوائد)

لیکن ان کے اس اقرار نے ان کو شرک سے نہیں بچایا کیونکہ ان اقراروں کے ساتھ وہ اپنے معبودانِ باطل کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور مصیبت کے وقت اُن کو پکارتے اور اُن کی دہائی دیتے تھے اگرچہ اس معاملہ میں بھی وہ خداوند تعالے اور اپنے معبودوں، دیوتاؤں میں فرق کرتے تھے مثلاً جب وہ دریا کا سفر کرتے اور اُن کی کشتی بھنور میں آجاتی تو اس وقت وہ صرف خدا ہی کو پکارتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ اس گرداب بلا سے نجات دینے کی قدرت بس اللہ ہی کو ہے قرآن کہتا ہے :۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ج (عنکبوت ع ۷)

جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ صرف اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا گیا :۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵ (لقمان ع ۴)

اور جب سمندر کی موج ان کے اوپر محیط ہو جاتی ہے تو وہ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا :۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ط (بنی اسرائیل ع ۱۱)

اور جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اس وقت تم خدا کے سوا اپنے ان سارے دیوتاؤں کو بھول جاتے ہو جنھیں تم پکارا کرتے ہو۔

حضرات! یہ تھا عرب کے اُن مشرکوں کا حال جن کو قرآن مشرک کہتا ہے اور ہم اور آپ بھی اُن کے مشرک ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ لیکن آج جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں ان میں بکثرت آپ کو ایسے گمراہ ملیں گے جو مصیبت کی سخت سے سخت اور کٹھن سے کٹھن گھڑیوں میں حتیٰ کہ دریا کے بھنور اور سمندر کی موجوں میں بھی خدا کے سوا اپنے دوسرے مددگاروں ہی کو پکارتے ہیں کیا آپ نے نہیں سُنا ؎

بگرداب بلا افتاد کشتی　　مدد کن یا معین الدین چشتی!

اور کیا آپ نے نہیں سُنا ہے

امداد کن امداد کن از بحرِ غم آزاد کن! | در دین و دُنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

الغرض توحید کیلئے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ خدا کے ہم پلّہ اور ہمسر کسی کو نہ مانا جائے بلکہ وہ توحید خالص جس کا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو دیا وہ وہی ہے جس کا میں نے ابھی کچھ پہلے ذکر کیا۔ مگر افسوس کہ توحید کی علمبرداری کے مدعی بہت سے نام کے مسلمان آج خود اس توحید کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور از سرتاپا شرک میں غرق ہونے کے باوجود اپنے کو موحد مسلمان سمجھتے ہیں۔

حالی مرحوم نے مسلمانوں کی اسی حالت پر اپنے تاریخی مسدس میں اس طرح نوحہ کیا ہے

کرے غیر گر بُت کی پوجا تو کافر! | جو ٹھیرائے بیٹا خدا کا تو کافر!

جُھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر! | کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر!

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں

پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں | اماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں

مزاروں پہ جا جا کے نذریں چڑھائیں | شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے

نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں | ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں

رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں | وہ بدلا گیا آکے ہندوستاں میں

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں

وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

ممکن ہے کہ کوئی ناواقف دوست اسکو حالی مرحوم کی "حرف شاعری" سمجھے لیکن دراصل یہ حقیقت ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو اجمیر شریف، پیران کلیر شریف، یا بہرائچ جیسے مقامات پر جاکر مسلمانوں کی "شرک نوازی" اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ صدق اللہ عزّ جلّ "وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون"

اس کے بعد میں صاف صاف یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ توحید خالص کی مخالفت صرف یہی نہیں ہے کہ

بتوں کو پوجا جائے اور صرف یہ بھی نہیں ہے کہ تعزیوں یا قبروں کی پرستش کی جائے یا پیروں، شہیدوں سے مرادیں مانگی جائیں اور ان پر نذریں چڑھائی جائیں بلکہ خدا کے مقابلہ میں کسی اور طاغوتی طاقت سے ڈرنا، خدائی قانون کے خلاف کسی اور قانون کی وفادارانہ اطاعت کرنا اللہ کے سوا کسی اور کیلئے حاکمیت کا حق ماننا اور اس کی بندگی اور غلامی پر راضی ہونا یہ سب بھی شرک ہی کے شعبے ہیں۔ اور یقیناً اُس توحید خالص کے خلاف ہیں جس کا پیغام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا اور یقیناً ان سب کے خلاف جہاد کرنا ہر مومن باللہ کا فرض ہے۔

میرے خیال میں توحید اور شرک کے معنی سمجھنے میں جو غلط فہمیاں ہوتی ہیں عموماً اُن کی بنیاد دو لفظوں کے غلط معنی پر ہے۔ ایک "عبادت،، دوسرے "الٰہ،،

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ عبادت صرف نماز، روزہ جیسے مقررہ مراسم عبودیت کا نام ہے اور غیر اللہ کی عبادت کا تحقق بس جب ہی ہوگا کہ خدا کے سوا ہم کسی اور کی نماز پڑھیں، اس کے لیے رکوع، سجدہ کریں یا کسی اور کے نام کا روزہ رکھیں ـــــ علیٰ ہذا "الٰہ،، کے معنی عموماً اُس ذات کے سمجھے جاتے ہیں جس کیلیے نماز روزہ جیسے مراسم عبودیت ادا کیے جائیں حالانکہ یہ دونوں خیال غلط ہیں۔ عبادت کے معنی بندگی کے ہیں اور جس طرح بھی ایک انسان غیر اللہ کے ساتھ بندگی کا برتاؤ کرے خواہ وہ رکوع، سجدہ کی شکل میں ہو یا اس طور پر کہ کسی اور کو اپنا اصل مالک اور مطاع مانے یا اس کیلیے اصل حاکمیت کا منصب ثابت کرے یہ سب صورتیں بھی بندگی کی ہیں، اور جس کے ساتھ بھی اس قسم کا معاملہ کیا جائے وہ گویا "الٰہ،، ہے۔ جو لوگ صرف اپنی خواہشات نفس کی اطاعت کرتے ہیں اور نفس کو اپنا حکمران سمجھتے ہیں، قرآن کی کھلی شہادت ہے کہ انھوں نے اپنی ہوائے نفس کو اپنا "الٰہ،، بنا لیا ہے۔ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ

اسی طرح جو لوگ اپنے قومی سرداروں یا اپنے پیشواؤں کو مستقل مطاع سمجھتے ہوں یعنی اُن کیلیے تحلیل و تحریم کے اختیارات مانتے ہوں اور آج کل کی اصطلاح میں یوں سمجھیے کہ اُن کے لئے تشریعی قانون بنانے کا حق تسلیم کرتے ہوں، قرآن پاک شاہد ہے کہ ایسے لوگوں نے اپنے ان سرداروں اور پیشواؤں کو اپنا رب بنا لیا ہے۔ ارشاد ہے۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط یعنی انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے ـــــ

عدی ابن حاتم رضؓ جو پہلے عیسائی تھے اور بعد کو مشرف باسلام ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی

صحبت سے بھی مشرف ہوئے انھوں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت ہم (عیسائیوں) نے اپنے علما اور درویشوں کو رب (خدا) تو کبھی بھی نہیں بنایا پھر قرآن کی اس آیت کا کیا منشا ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کیا یہ واقعہ نہ تھا کہ تم اپنے عالموں اور درویشوں کو قانونِ شرعی میں مختار سمجھتے تھے وہ جس چیز کو حلال کر دیتے تم اس کو حلال مانتے تھے۔ اور جس چیز کو وہ حرام کر دیتے وہ تمہارے یہاں حرام مان لی جاتی تھی ——— انھوں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت یہ بات تو تھی ——— آپ نے فرمایا تو بس یہی ان کو رب بنا لینا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کیلئے حق حاکمیت اور استحقاق قانونسازی تسلیم کرنا بھی ایک قسم کا شرک ہے۔

حضرات! یہ تھی وہ توحید خالص جس کا درس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ممبر پر دیا اور یہی ہے آپ کے اُس پروگرام کی پہلی دفعہ جس کو میں اس وقت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ توحید خالص کے اس سبق نے علاوہ اس کے کہ اہل عرب کو ان کے یہاں کی مروج بت پرستی اور توہم پرستی سے پاک کیا، ان کے اندر اللہ کیلئے بڑی سے بڑی اور سچی قربانی پیش کرنے کا جذبہ بھی پیدا کر دیا، جس دن اُن کے دل نورِ توحید سے منور ہوئے اللہ کے سوا دُنیا کی ہر طاقت کا خوف اُن کے دلوں سے نکل گیا۔ ہر بڑی سے بڑی مصیبت کا سامنا کرنا اُن کے لیئے آسان ہو گیا، وہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ ہر قسم کی تکلیف و راحت اور موت و حیات بس خدا کی طرف سے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیئے اور لوگوں کو اُسی کی حاکمیت منوانے کیلئے بڑے سے بڑے خطرات میں کودنے پر تیار ہو گئے۔ اس مستحکم یقین اور کامل ایمان نے پہاڑوں تک سے ٹکرا جانا اور سمندروں میں کود پڑنا ان کے واسطے آسان کر دیا ——— علم النفس کا ایک ماہر اُس انقلاب کے اسباب کو اگر تلاش کرے جو اب سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں پہلے سرزمین عرب میں اور پھر عجم کے بھی ایک بہت بڑے حصہ میں برپا ہوا تھا تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ سب سے پہلی وہ چیز جس نے عرب کے بدوؤں کو "انقلابی" بنایا وہ توحید خالص کا راسخ عقیدہ تھا۔

بزرگو! اور دوستو!! اگر ہم اُس قسم کے کسی انقلاب کی آج بھی سچی خواہش رکھتے ہیں تو ہمارا

پہلا کام یہ ہے کہ اُسی عقیدۂ توحید کی تجدید کریں، اور خدا کی وحدانیت پر اس طرح ایمان لائیں، جس طرح کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی اور صحابہ کرام رضؓ نے اس کو مانا۔ پھر ضروری ہے کہ ہمارا دل غیر اللہ کے خوف سے بالکل خالی ہو جائے دُنیا کی بڑی سے بڑی مادی طاقتوں کو ہم ہیچ سمجھنے لگیں، خدا کے سوا کسی کی پرستش کو ہم برداشت نہ کر سکیں، اور غیر اللہ کی حاکمیت کے اس اُصول کو جو آج کی دنیا کا عام شرک ہے توڑنے پھوڑنے کیلئے تیار ہو جائیں۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

تیسرا خطبہ

اقامت صلوٰۃ

(بعد خطبہ مسنونہ)

حضرات! جس پروگرام کو میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اس کا دوسرا جزو اقامت صلوٰۃ ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں سے جو آپ کی دعوت کو قبول کرتے تھے اور آپ کی جماعت میں شامل ہونا چاہتے تھے توحید کے بعد نماز ہی کا عہد لیتے تھے۔ صحیح بخاری کی مشہور شرح فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں۔

وکان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اول ما یشترط بعد التوحید اقامۃ الصلوٰۃ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم توحید کے بعد نماز کی شرط لگایا کرتے تھے

عام طور پر نماز کو آج ایک "رسمی عبادت" سمجھا جاتا ہے۔ اور فی الحقیقت ہم لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہیں اسکی حیثیت ایک اصطلاحی عبادت اور "پوجا پاٹ" ہی کی سی رہ گئی ہے۔ حالانکہ یہ نماز عبادت الٰہی کا وہ زندہ اور قوی التاثیر طریقہ ہے کہ ایک طرف تو انسان کو وہ قرب الٰہی کے انتہائی مقام تک پہونچا دیتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کو "اقامت خلافت الٰہیہ" کے مقصد کے لیئے تیار کرتا اور پھر اس کا بار سنبھالنے اور اس نظام کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے قابل بنا دیتا ہے ———— ممکن ہے اس وقت آپ میری اس بات کو صرف خطیبانہ مبالغہ سمجھتے ہوں لیکن اگر آپ ذرا سے غور و فکر سے کام لے کر نماز کی حقیقت اور اس کے مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے اس دعوے کے آپ خود ہی گواہ اور مصدق بنجائینگے

سب سے پہلے اس پر غور کیجیے کہ اگر نمازیں اسلام کے اصل منشا کے مطابق ادا کی جائیں تو اس سے زندگی میں کیا کیا نتائج پیدا ہونے چاہئیں۔

پہلی چیز جو نماز کی پابندی اور صحیح طریق پر اس کی ادائیگی سے پیدا ہوتی ہے وہ اپنی بندگی و غلامی اور حق تعالےٰ کی ربوبیت و آقائیت کا بار بار احساس ہے۔ گویا ہر نماز انسان کیلیئے اس سبق کو تازہ کر دیتی ہے کہ اس دُنیا میں

تو آزاد و خود مختار نہیں ہے کہ جس طرح چاہے زندگی گزارے، بلکہ تیری حیثیت ایک بندے اور غلام کی ہے، تیرا کام آقا کی اطاعت شعاری اور فرماں برداری ہے اور تیرا انتہائی کمال اُس کی خوشنودی کے لیئے اپنے آپ کو اور اپنی ساری قوتوں کو قربان کر دینا ہے۔

دوسری چیز جو اس نماز سے پیدا ہوتی ہے وہ اپنے فرائض کی یادداشت اور ادائیگی فرض کی مستقل عادت ہے۔ نماز انسان کو بتلاتی ہے کہ تیرا کام بحیثیت بندہ ہونے کے خداوند تعالےٰ کی خدائی کا اعلان و اظہار اور اس کے کلمہ کا بلند کرنا ہے اور پھر دن میں پانچ مرتبہ اس کو اس کی مشق کراتی ہے۔

تیسری چیز جو نماز سے حاصل ہوتی ہے وہ غفلت کا ازالہ اور خوف خدا کی تازگی ہے کیونکہ نماز میں انسان بار بار اس مراقبہ کو پورا کرتا ہے کہ گویا وہ خدا کے سامنے کھڑا ہے اور خدا اس کی تمام حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہے اس طرح نماز انسان کو اس کے لیئے تیار کر دیتی ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ تعالےٰ کی گرفت سے خائف رہے اور بدکاری اور غلط کاری کی طرف اس کا قدم نہ اُٹھے یہی معنی ہیں "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ" کے۔

چوتھا سبق جو ہمکو نماز سے ملتا ہے وہ اسلامی اخوت اور مساوات کا ہے۔ ایک محلہ اور ایک بستی کے نمازی جب اپنی مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو خواہ وہ کسی ذات اور کسی طبقہ کے ہوں ایک صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہو جاتے ہیں اس طرح کہ اگر کوئی آنے والا ایک نظر ڈالے تو شاہ و گدا، امیر و غریب، آقا و غلام میں کوئی فرق نہ کر سکے۔

یہی نماز ہم کو پانچواں اہم سبق اجتماعیت اور اطاعت امام کا دیتی ہے وہ ہمکو سکھلاتی ہے کہ تمہارے کاموں میں اجتماعیت ہو، تمہارا ایک مرکز اور ایک نظام ہو، اس نظام کا ایک ایسا امام ہو کہ پورا نظام اور پوری جماعت اُس امام کے اشاروں پر حرکت کرے ——— غرض اقامت صلوٰۃ یعنی نماز کی ادائیگی اگر صحیح طریق پر ہو تو اس سے لازماً یہ تمام نتائج نکلنے چاہئیں۔ مزید تفصیل کیلیئے ذرا آپ نماز کے تمام اجزا اور اُس کے تمام ارکان کی تحلیل کیجئے اور اُن کی حکمتوں پر مستقل طور سے غور کیجئے تو میرا مدعا اور زیادہ وضاحت کے ساتھ آپ کے سامنے آ جائے گا۔ اُس پوری تفصیل کا تو وقت نہیں البتہ کچھ اشارات کرتا ہوں ذرا غور سے سُنیئے!

جب نماز کا وقت آتا ہے تو سب سے پہلے خدا کا منادی ہماری بستی کے دینی مرکز یعنی مسجد میں کسی بلند

مقام پر کھڑے ہوکر اپنی آواز کے پورے زور کے ساتھ ایک ندا دیتا ہے جس کو "اذان" کہتے ہیں۔ آج ہماری بدقسمتی سے عموماً سمجھا یہ جاتا ہے کہ جس طرح مندروں اور گرجاؤں میں سنکھ اور ناقوس گھنٹے اور گھڑیال بجتے ہیں ویسے ہی اور گویا اسی مقصد کیلئے مسلمانوں کی مسجدوں میں یہ اذان پکاری جاتی ہے، یا زیادہ سے زیادہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ وقتِ نماز کے قریب ہونے کا اعلان اور مسجد کی حاضری کا بلاوا ہے اور بس! ـــــــــ لیکن ذرا اس پکار (اذان) کے کلمات پر غور تو کیجئے اس کا ایک ایک کلمہ اپنے اندر کتنی معنویت اور کتنے وسیع مقاصد رکھتا ہے۔ موذن کا پہلا کلمہ یہ ہوتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ عظمت وکبریائی بس صرف حق تعالیٰ کیلئے ہے، وہ سننے والی دنیا کو جتلاتا ہے کہ اے لوگو! تم خدا کے سوا جن طاقتوں اور جن ذاتوں کو بڑا سمجھے ہوئے ہو اور ان کی بڑائی کے نیچے تم دبے ہوئے ہو ان میں سے کسی کیلئے بھی حقیقی بڑائی نہیں ہے، سب سے بڑا، سب پر غالب، اور سب کا آقا بس اللہ ہی اللہ ہے۔ اس لیئے ہر طاغوتی طاقت کی بڑائی کا تصور ذہن سے نکال دو اور اسی ایک عظمت وکبریائی والے خدا کے بندے بن جاؤ ـــــــــ

موذن ایک دفعہ ان کلمات کو ادا کرنے کے بعد پھر پوری قوت اور جوش کے ساتھ دوہراتا ہے اور پکارتا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اس کلمہ کی چارمرتبہ پکار کا منشا یہ ہے کہ اس کلمہ میں جو کچھ ہے وہی اسلام کا بنیادی مطالبہ اور سب سے اہم حقیقت ہے یعنی یہ کہ دنیا میں جو بھی بڑائیوں کے مُدعی ہیں یا دنیا والوں نے جن کو غلطی سے بہت بڑا مان رکھا ہے وہ سب خدا کے سامنے ہیچ ہیں اور حقیقی عظمت وکبریائی صرف حق تعالیٰ کیلئے ہے۔

اس کے بعد وہ پکارتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـــــــــ یعنی اے سننے والو! میں دل سے گواہی دیتا ہوں اور زبان سے اقرار و اعلان کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، یعنی کوئی بندگی کے لائق نہیں حقیقی اطاعت اور اصلی حاکمیت کا کوئی مستحق نہیں، سب کی بندگی سے انکار کرو، سبھوں کی غلامی سے آزاد ہو جاؤ، ہاں ہاں سب کی بندگی کے بندھن توڑ دو، سب سے غلامی کے رشتے چھوڑ دو، بس اللہ ہی کو اپنا مالک اور آقا سمجھو، اسی کے بندے بن جاؤ، اسی کے قانون کو واجب الاطاعت قانون جانو اور اسی کے حکموں کو مانو، اسی کے سامنے سر جھکاؤ اور اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ ـــــــــ

حضرات! یہ ہے وہ پوری حقیقت جس کا اعلان موذن اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پکار کر کرتا ہے۔

اس کے بعد موذن اس کا پتہ دینا چاہتا ہے کہ اس بلند نظریہ اور سچے اور اعلیٰ تخیل کی طرف کس نے ہماری

رہنمائی کی اور کون اس تحریک کا قائد اور امام ہے چنانچہ موذن پکارتا ہے " اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ "

غلط فہمی سے بچانے کیلئے میں یہاں یہ عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خدا کے رسولوں کی حیثیت آج کل کی تحریکات کے قائدوں کی سی نہیں ہوتی میں نے صرف آپ کے سمجھانے کیلئے " قائد " کا لفظ بولا ہے ورنہ درحقیقت وہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان سفیر ہوتے ہیں وہ جن اصولوں کی طرف دنیا کو دعوت دیتے ہیں وہ ان کے وضع کردہ اصول اور نتائج فکر نہیں ہوتے بلکہ وہ خدا کی وحی سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ کیرکٹر کے لحاظ سے وہ انتہائی مقدس اور معصوم ہوتے ہیں، وہ جس چیز کی طرف دعوت دیں اس پر چلنے نہ چلنے میں بندے مختار نہیں ہوتے بلکہ عام بندوں کا کام بس ان کے لائے ہوئے احکام کی اطاعت ہوتا ہے کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ خدا کا پیغام اور اس کے احکام ہم تک پہونچاتے ہیں۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی تصدیق اور ان پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص " حزب اللہ " اور خدائی پارٹی کا رکن نہیں ہوسکتا۔ اور نہ آخرت کی نجات اس کو میسر آسکتی ہے ـــــ ـــ قرآن پاک خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیتا ہے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو اس دور کے پیغمبر اور قیامت تک کیلئے خاتم الانبیاء ہیں ان کی اطاعت کو فرض بتلاتا ہے اور تصریح کرتا ہے کہ ان کے لائے ہوئے احکام کی اطاعت ہی خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ؕ تو گویا موذن " اشھد ان محمدا رسول اللہ " کہکر جہاں اس تحریک کے قائد اور اس دین کے داعی کا پتہ دیتا ہے وہاں وہ " اشھد ان لا الٰہ الا اللہ "، کے سبق کی تکمیل بھی کرتا ہے کیونکہ " لا الٰہ الا اللہ " کی شہادت دے کر دنیا کو اس نے یہ بتلایا تھا کہ بندگی کے قابل اور اصلی حاکمیت کا مستحق صرف اللہ ہی ہے اور صرف اسی کے قانون کی اطاعت انسانوں کا فرض ہے۔ اب اس نے " اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ " کہکر دنیا کو یہ بھی بتلا دیا کہ خدا کا قانون جس کی اطاعت ہم کو کرنی چاہیئے وہ وہ ہے جو اس کے برگزیدہ رسول محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا اور بس اسی کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔

اس کے بعد موذن پکارتا ہے " حی علی الصلوٰۃ "، یعنی اے لوگو! نماز کیلئے آجاؤ اے لوگو! نماز کیلئے دوڑو!! گویا اس کلمے کے ذریعہ سے وہ بتلاتا ہے کہ ہمارے اس معبود برحق اور لاشریک

مالک حضرت حق تعالےٰ کے بھیجے ہوئے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ایک اہم تعلیم اور آپ کا تاکیدی حکم نماز ہے لہٰذا آؤ، دوڑو اور اس فریضہ کو کماحقہ ادا کرو۔ نیز وہ اس طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ ہمارے عملی پروگرام کی اولیں دفعہ یہی نماز ہے۔

اس کے بعد وہ پکارتا ہے حی علے الفلاح، حی علے الفلاح، اے لوگو! کامیابی اور کامرانی کی طرف آؤ! فلاح اور بہبود کی طرف دوڑو!! گویا وہ بتلاتا ہے کہ یہ نماز ہی تم کو کامیابی وکامرانی کی اعلیٰ منزلیں طے کرائے گی۔

اس کے بعد وہ اپنی پکار کو اپنے اسی اصلی نصب العین اور بنیادی عقیدے کے اعلان پر ختم کرتا ہے اور آخر میں پھر کہتا ہے اللّٰہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللّٰہ۔ ان دونوں کلموں کی تشریح میں چونکہ پہلے کر چکا ہوں اسلئے اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس اذان کے بعد کیا ہوتا ہے؟ سننے والے گھروں سے، بازاروں سے مسجد کی طرف چل پڑتے ہیں جو شخص جس کام میں ہوتا ہے اس کو وہیں چھوڑ کر مسجد کا رخ کرتا ہے۔ ٹھیک اس سپاہی کی طرح جو بگل کی آواز سن کر موقع پر پہونچ جاتا ہے ——— اس کے بعد اس مجمع میں جو لائق ترین شخص ہو یعنی جس کا علم اور جس کا تقویٰ دوسروں سے بلند ہو اس کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اس کو امام بنایا جاتا ہے ——— امامت کے اس انتخاب میں علم اور تقوے کے علاوہ اگر انسان اپنے دوسرے دنیوی تعلقات یا اغراض کے تحت کسی شخص کو اپنا امام منتخب کرنا چاہے تو شریعت کی نظر میں وہ مجرم اور خائن ہے اس طرح گویا روزانہ پانچ بار مسلمانوں کو امامت اور قیادت کیلیے صحیح اور عادلانہ انتخاب کی مشق کرائی جاتی ہے اور اجتماعی زندگی کی تعلیم دی جاتی ہے ——— حضرات! یہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں میرا شاعرانہ تخیل ہی نہیں ہے آپ سوچیے واقعہ آپ کا سنا ہوا یا تاریخوں میں دیکھا ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس وقت صدیق اکبرؓ کا انتخاب خلافت اور امت کی امامت کیلیے کیا گیا ہے تو سب سے بڑا وہ نکتہ جس پر اس انتخاب کی بنیاد رکھی گئی تھی یہی تھا کہ ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات میں امام نماز بنایا گیا تھا، تو نماز کی یہ بیچوقتہ جماعت اور اس کیلیے صحیح اور بہتر امام کا انتخاب ہمکو تعلیم دیتا ہے کہ ہماری زندگی جماعتی زندگی ہو اور ہمارے جماعتی نظام کا ایک امام ہو جس کے انتخاب میں اغراض، دنیوی تعلقات، اور

برادری کے رشتوں وغیرہ کا ہرگز ہرگز کوئی لحاظ نہ کیا جائے بلکہ علم، عدالت اور تقوے کی بنیاد پر یہ انتخاب ہو۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ساری نمازی صف بندی کر کے ایک مرتب فوج کی طرح کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امام تنہا آگے کھڑا ہوتا ہے پھر وہی اذان پکارنے والا مؤذن قریباً انھیں کلمات کو پھر دوہراتا ہے اور اس طرح پھر اُن تصورات اور خیالات کو تازہ کر دیتا ہے جو اذان کے ذریعہ سے اُس نے دلوں میں پیدا کیئے تھے ——— اب امام اور نمازی نماز شروع کرنے سے پہلے کہتے ہیں۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥ إِنَّ صَلٰوتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ٥ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ٥

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو ہمہ تن اس اللہ کی طرف متوجہ کر دیا جس نے زمین و آسمان اور ساری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ میں سب سے بندگی کے رشتے توڑ کر تنہا اُسی سے بندگی کا رشتہ جوڑتا ہوں اور میں ہر قسم کے شرک کرنے والوں سے الگ ہوں۔ میری نماز اور میری تمام عبادتیں اور مختصر یہ کہ میرا مرنا اور جینا سب کچھ اللہ ہی کے لیئے ہوگا وہ رب العلمین ہے اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے ہم کو یہی حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سے ہوں ——— یہ اقرار کرنے کے بعد پہلے امام "اللہ اکبر" کہکر دست بستہ خدا کے حضور میں کھڑا ہو جاتا ہے اس کے اتباع میں سارے نمازی بھی تکبیر کہکر اُسی ہیئت سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ "اللہ اکبر" کیا ہے؟ یاد کیجیے وہی نعرۂ تکبیر ہے جس کی تشریح میں ابھی اذان میں کر چکا ہوں گویا اب یہ سارے نمازی خدا کے گھر میں اور خدا کے حضور میں اجتماعی طور پر یک زبان اور ایک آواز ہو کر پھر اس حقیقت کا اقرار و اعلان کرتے ہیں کہ عظمت و کبریائی صرف حق تعالےٰ کیلئے ہے، وہی سب سے بڑا ہے، ور بڑائی کے سارے مدعی اُس کے سامنے ہیچ ہیں ——— اس کے بعد پہلے خاموشی کے ساتھ حق تعالےٰ کی تسبیح و تقدیس کی جاتی ہے اور اس کی عظمت و کبریائی کے تصور کو دل کے اندر بیدار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد امام سورہ "الحمد" کی تلاوت شروع کرتا ہے ——— اس میں کیا ہے؟ پہلے خدا کی حمد و ثنا ہے، اس کی ربوبیت، اس کی رحمت و رافت کا دلکش تذکرہ ہے پھر مالک یوم الدین سے عقیدۂ آخرت اور حق تعالےٰ کی خاص مالکیت کی یاد ہے۔ پھر "ایاک نعبد و ایاک نستعین" اس بات کا اقرار اور اعلان ہے کہ ہم صرف خدا ہی کے بندے ہیں اور تنہا اسی کی

بندگی ہمارا شعار ہے، ہم اُسی کے سامنے سر جھکا سکتے ہیں اور صرف اسی سے مدد مانگتے ہیں، وہی ہمارا حافظ و ناصر ہے اور اُسی پر ہمارا بھروسہ ہے ——— پھر اھدنا الصراط المستقیم ہ سے آخر تک اس بات کا اظہار ہے کہ ہم صحیح اصولوں پر زندگی گزارنے میں ہدایت ربانی کے محتاج ہیں اور اس کی رضا مندی کا دستور و قانون معلوم کرنے کیلئے اُسی سے التجا کرتے ہیں۔ جن مقبول و مقرب بندوں پر خدائی انعامات ہوئے اور جو خدا کی ناراضی اور اس کے غضب سے محفوظ رہے" اللہ تعالےٰ ہم کو ان کے طریقہ پر چلائے اور ہم کو اسی مقبول جماعت سے وابستہ کر دے" ——— اس موقع پر اقتدا کرنے والے تمام نمازی جو امام کی اس دعا میں شریک تھے یا یوں کہیئے کہ امام جن سب کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں یہ نیابت اور نمائندگی کر رہا تھا وہ سب آمین کہتے ہیں۔ گویا اس محضرنامہ پر اپنے بھی دستخط ثبت کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد امام قرآن مجید کا کوئی حصہ پڑھتا ہے جس کا تعلق یا تو عقائد و خیالات کی اصلاح سے ہوتا ہے، یا اُس میں اعمال و اخلاق، یا معاشرت و معاملات کے متعلق ربانی ہدایات ہوتی ہیں، یا تاریخ ماضی کا کوئی عبرت انگیز واقعہ ہوتا ہے جس میں ہمارے لئے درس عبرت اور سامان نصیحت ہوتا ہے۔ غرض اس میں انسانی زندگی کے قدرتی پروگرام کی کسی نہ کسی دفعہ کی تعلیم ہوتی ہے ——— اس کے بعد امام وہی نعرہ تکبیر لگاتا ہوا یعنی "اللّٰہُ اَکبَر" کہتا ہوا خدا کے حضور میں اپنا سر خم کر دیتا ہے اور اس کے اتباع میں سارے مقتدی بھی رکوع میں چلے جاتے ہیں اور خاموشی کے ساتھ اُس کی عظمت کا اعتراف اور اُس کی تسبیح کرتے ہیں ——— امام اس کے بعد رکوع سے سر اُٹھاتا ہے اور مقتدیوں کو خوشخبری سُناتا ہے کہ تمہاری حمد و ثنا خدا نے سُن لی (سمع اللہ لمن حمدہ) پھر امام اور مقتدی سب "ربنا و لک الحمد" کہکر خدا کی اس نوازش کا شکریہ ادا کرتے اور خدا کے حضور میں پھر "حمد"، کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، کیونکہ عاجز بندوں کے پاس اُس عالی سرکار کے لائق اس کے سوا کوئی اور نذرانہ نہیں ہے ——— اس کے بعد پھر "اللّٰہُ اکبر"، کہکر اس کی کبریائی کا اعتراف اور اپنی بندگی اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اُس کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں اور پھر اُسی حال میں اس کی عظمت و رفعت کے اقرار کے ساتھ اسکی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں یعنی اپنی پیشانی کو زمین پر رکھے ہوئے بار بار "سُبحانَ ربی الاعلےٰ"، کہتے ہیں ——— اس کے بعد پھر سب "اللّٰہُ اکبر" کہکر کھڑے ہو جاتے ہیں ——— ہر نماز میں دو، تین یا چار مرتبہ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ آخر میں تشہد کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے (جن کے صدقہ میں خدا تک رسائی ہوئی اور اس کے عالی دربار میں حاضری کی توفیق ملی اور جن کی رہنمائی

یہاں تک پہونچایا اُن کے واسطے) رحمت کی التجا کرتے ہوئے نماز کے اس سلسلہ کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں کہ پہلے سب داہنی طرف رُخ کر کے "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" کہتے ہیں اس کے بعد بائیں طرف رُخ کر کے یہی کلمہ کہتے ہیں۔

نماز کے خاتمہ پر یہ جو "السلام علیکم" کہا گیا کبھی آپ نے اس کی حکمت پر بھی غور کیا؟ اتنا تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ "سلام" اُس وقت کیا جاتا ہے جب غیبت کے بعد ملاقات کی نوبت آئے۔ دیکھیے! جس وقت میں آپ کی اس مجلس میں آیا تو میں نے سلام کیا۔ یا آپ نے مجھ کو سلام کیا لیکن اب مجھکو آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے اور تقریر کرتے ہوئے ایک گھنٹہ سے زیادہ ہو گیا ہو گا مگر اس درمیان میں نہ میں نے آپ کو "السلام علیکم" کہا اور نہ آپ نے مجھکو۔ کیونکہ ہم اور آپ اتنی دیر سے ایک جگہ ہی بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ اگر کوئی شخص مجلس میں ایسا کرنے لگے کہ ہر تھوڑی دیر کے بعد اپنے داہنے بائیں والوں کو "السلام علیکم، السلام علیکم" کہے تو اس کو اس کی جہالت، دیوانگی یا مذاق سمجھا جائے گا۔ الغرض یہ سب کو معلوم ہے کہ "سلام" غیبت کے بعد والی ملاقات میں کیا جاتا ہے —— اب سمجھیے کہ نماز کے بعد جو یہ داہنے بائیں "السلام علیکم" کہا جاتا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ اور اس کی تعلیم ہے کہ اللہ کی نماز اس قدر محویت اور استغراق کے ساتھ پڑھی جائے کہ بس خدا ہی کا تصور پیش نظر ہو اور حتیٰ کہ اپنے داہنے بائیں سے بھی انسان اس وقت بے خبر ہو جائے۔ گویا یوں سمجھیے کہ جب تک نماز ادا ہوئی سارے نمازیوں کے اگرچہ اجسام ایک ہی جگہ تھے لیکن ان کی روحیں اور ان کے دل دوسرے عالم میں تھے اب جب نماز ختم ہوئی تو گویا اتنی دیر کی غیبت کے بعد ساتھیوں سے نئی ملاقات ہوئی ہے۔ حضرات! یہ ہے میرے خیال میں اس "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" کا ایک منشا اور اس کی ایک حکمت واللہ اعلم

بندگو! اور عزیزو!! نماز کے ارکان اور اس کے اجزاء پر یہ ایک مختصر تبصرہ تھا بلکہ آپ نے اندازہ کیا ہو گا کہ بعض اجزاء کو میں نے بالکل چھوڑ دیا ہے لیکن میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے انھیں مختصر اشارات سے آپ اُن ارکان کی بھی حکمتیں اور اُن کے مقاصد بھی سمجھ سکیں گے۔

حضرات! یہ ہے وہ نماز جس کو ہم ایک رسمی پوجا پاٹ کے طریقہ سے آج کل ادا کرتے ہیں اب اگر ہماری نمازیں ہماری روحوں میں وہ انقلاب نہیں پیدا کرتیں جو ہونا چاہیے اور اُن کے ذریعہ سے ہمارے اند

وہ اسپرٹ نہیں دوڑتی جو دوڑنی چاہیئے تو سوچیئے کہ یہ قصور ہمارا ہے۔ یا نماز کا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر نماز ان تصورات اور اس اسپرٹ کے ساتھ ادا کی جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہماری حالتوں میں تبدیلی نہ ہو، خوف خدا ہمارے دلوں میں تازہ نہ ہو، اور ہر شیطانی طاقت اور طاغوتی حکومت کے خلاف جہاد اور بغاوت کا جذبہ ہمارے سینوں میں پیدا نہ ہو جائے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ آج کی میری گزارشات سے نماز کی کچھ حقیقت اور اہمیت آپ نے سمجھ لی ہوگی اور اس کا اندازہ فرما لیا ہوگا کہ نماز کیونکر انسان کو خلافت الٰہیہ کے لیئے تیار کر سکتی ہے۔ اگرچہ اس سلسلے کے بعض گوشے اس وقت رہ گئے اور کچھ قصداً ابھی مجھے چھوڑنے پڑے لیکن میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اگر بطور خود بھی اب کچھ غور و فکر کریں گے تو انشاء اللہ ان گوشوں تک بھی پہونچ سکیں گے۔

نیز مجھے توقع ہے کہ نماز کی اس اہمیت کا اندازہ کرنے کے بعد آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ قرآن پاک نے اس پر اتنا غیر معمولی زور کیوں دیا ہے؟

میں نے خود تو نہیں دیکھا لیکن اپنے ایک ثقہ بزرگ سے سُنا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے شاہ رفیع الدینؒ نے جن کا نام ہندوستان کے مسلمان ان کے ترجمۂ قرآن کی وجہ سے عام طور پر جانتے ہیں اپنے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ میں نے قرآن مجید کا غائر نظر سے مطالعہ کیا تو اُس میں صراحۃً اور اشارۃً نماز کا ذکر اور اس کی ترغیب قریباً سات سو جگہ پائی۔

نیز اسی نماز کے موضوع پر مولٰنا محمد عبد الشکور صاحب لکھنوی کا ایک رسالہ "کتاب الصلوٰۃ" ہے جو شائع بھی ہو چکا ہے اُس میں مولٰنا موصوف نے قرآن پاک کی ننیانوے (۹۹) آیتیں نماز کے بارہ میں جمع کی ہیں اُن کو دیکھ کر ہی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک نے کتنے مختلف طریقوں سے نماز پر زور دیا ہے ——

صرف ایک دو آیتوں کی طرف میں بھی یہاں اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ سورہ روم میں فرمایا گیا:۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ — نماز قایم کرو اور مشرکوں میں سے نہ بن جاؤ۔

گویا نماز کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا قرآن کی نظر میں ایک مشرکانہ فعل ہے، حضرات! ہمارے جو ائمہ تارکِ نماز کی تکفیر کے قائل ہیں اُن کا استدلال اس آیت سے بھی ہے۔ اگرچہ ہم اس میں کچھ تاویل کر لیتے ہیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ نماز کے بارہ میں یہ انتہائی تاکیدی آیت ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں

لکھا ہے۔ ھی من اعظم ما ورد فی القرآن من فضل الصلوٰۃ (یعنی قرآن پاک میں نماز کی فضیلت و اہمیت کے متعلق جتنی بھی آیتیں ہیں یہ اُن سب میں اعلیٰ ہے)

اور سنیئے سورہ مومنون کے شروع میں حق تعالےٰ نے اُن اوصاف و اعمال کا ذکر کیا ہے جن پر انسان کی فلاح کی بنیاد ہے اور سب سے پہلے نمبر پر وہاں نماز ہی کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ (یعنی اُن مومنوں کے لیئے فلاح ہے جو اپنی نمازوں کو خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں)

اس کے برعکس جو لوگ نماز ادا نہیں کرتے قرآن پاک ان کے بارہ میں صراحت کے ساتھ کہتا ہی کہ وہ خائب و خاسر ہیں اور ان کے لیئے آخرت میں تباہی و بربادی ہے چنانچہ سورہ "والمرسلات" میں ایسے باغیوں اور سرکشوں کا ذکر کرتے ہوئے جو کہنے کے باوجود نماز نہیں پڑھتے فرمایا گیا وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ ۙ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ۙ (یعنی جب ان سے نماز کو کہا جاتا ہے تو وہ نماز نہیں پڑھتے اُس دن (یعنی قیامت کے دن) اِن مکذبین کیلیئے بڑی خرابی ہو گی)

ایک اور جگہ جہنم کے مستحق کافروں کا سب سے بڑا جرم یہی بتلایا گیا ہے کہ انھوں نے رسول کے پیغام کی تصدیق نہیں کی اور نماز نہیں پڑھی فرمایا گیا فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۙ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۙ (یعنی نہ اِس مجرم نے پیغمبر کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ تکذیب اور روگردانی کی)

ایک موقع پر ایسے لوگوں کی عاقبت کی خرابی کا اعلان کیا گیا ہے جو نماز میں غفلت سے کام لیتے ہیں فرمایا گیا فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۙ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ ۙ (یعنی اُن نمازیوں کیلیئے بھی تباہی و بربادی ہے جو نماز سے غفلت برتتے ہیں)

ایک اور آیت میں نماز میں صرف سُستی کرنے کو منافقت کی علامت بتلایا گیا ہے وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی ۙ (یعنی جب وہ نماز کے لیئے اُٹھتے ہیں تو بڑی سُستی سے اُٹھتے ہیں جیسے کہ اُن کے سروں پر منوں کا بوجھ ہے۔)

حضرات! یہ میں نے اس وقت صرف اُن چند آیتوں کا ذکر کیا ہے جن میں تارکین نماز یا نماز میں سُستی اور بے پروائی کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ گویا وہ مشرکوں اور منافقوں کی صف میں ہیں اور اُن کا انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

لیجیے! اسی سلسلے کی ایک آیت اور یاد آگئی اس سے تو صاف ہی معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ نماز کا شوق و ذوق نہیں رکھتے اور جن پر نماز کی پابندی اور کماحقہ اس کی ادائیگی گراں ہے گویا آخرت پر اُن کا ایمان ہی نہیں ہے فرمایا گیا وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (یعنی نماز صرف اُن لوگوں پر گراں نہیں ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد خدا کے حضور میں جانے والے اور اس کی عدالت میں پیش ہونے والے ہیں) تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز اُن ہی لوگوں پر گراں ہوتی ہے جو آخرت اور بعث بعد الموت پر سچا یقین نہیں رکھتے۔ والعیاذ باللہ۔

قرآن پاک کے علاوہ احادیث میں بھی تارکین صلوٰۃ کیلئے اسی قسم کی سخت وعیدیں ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے لا تشرك باللہ شيئا وان قطعت او حرقت ولا تترك صلوٰة مكتوبة متعمدا فمن تركها فقد برئت منه الذمة ولا تشرب الخمر فانها مفتاح كل شر (یعنی تو خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اور توحید خالص پر قائم رہ اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تجھے آگ میں بھون دیا جائے اور خبردار تیری کوئی فرض نماز کبھی جان بوجھکر چھوٹنے نہ پائے کیونکہ جس نے اس کو چھوڑا اللہ اس سے بری الذمہ ہو گیا اور گویا خدا سے اس کا تعلق کٹ گیا اور فرمایا کہ شراب کبھی نہ پینا اس لیئے کہ وہ ساری شرارتوں اور برائیوں کا دروازہ ہے)

اور ایک حدیث میں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العهد الذی بیننا وبینهم الصلوٰة فمن تركها فقد كفر (ہمارے اور لوگوں کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے تو جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ گویا کافر ہو گیا)

بعض صحابہ کرام سے منقول ہے کہ نماز نہ پڑھنے والوں کو وہ مسلمانوں میں شمار نہیں کرتے تھے

حضرات! چونکہ وقت بہت گزر چکا ہے اس لیئے اب میں اس سلسلہ کو ختم کرنے پر مجبور ہوں ان چند آیات و احادیث سے آپ نے یہ اندازہ ضرور کر لیا ہوگا کہ اسلام میں نماز کی کتنی اہمیت ہے اور آج جو لوگ "مسلمان" ہونے کے باوجود نماز نہیں پڑھتے اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں انکے دعوئ اسلام کی کوئی قیمت نہیں، اور اگر وہ واقعی مسلمان بننا چاہتے ہیں تو آئندہ کیلئے نماز کا عہد کریں

اور پوری پابندی سے نماز ادا کیا کریں ــــــ شروع میں نماز کی جو حقیقت میں بیان کر چکا ہوں اگر وہ آپ کے ذہن میں ہوگی تو آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ اسلام میں نماز کی اتنی تاکید اور اتنی اہمیت کیوں ہے۔ دراصل اسلام جو کچھ چاہتا ہے نماز اس کے لیئے بندہ کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ ہے بشرطیکہ اسکو سوچ سمجھ کر کما حقہ ادا کیا جائے۔ اسی واسطے حدیث میں اس کو دین کا "ستون" کہا گیا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوٰۃ عماد الدین من اقامھا فقد اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین ط (یعنی نماز دین کا ستون اور اس کا رکن رکین ہے تو جس نے اسکو قایم کیا گویا اس نے دین کو قایم رکھا اور جس نے اسکو چھوڑا گویا اس نے اپنے ہاتھوں سے دین کی عمارت کو ڈھا دیا۔)

چیخ چیخ کے "اسلام زندہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگانے والو! اور مسجد کے سامنے باجہ کے مسئلہ پر سر پھوڑنے اور پھوڑوانے کا ارادہ رکھنے والو! خوب سمجھ لو کہ اگر تم نماز کما حقہ ادا نہیں کرتے ہو تو ان سب چیزوں کے باوجود تم ہی دین کی عمارت کو ڈھانے والے اور اسلام کو برباد کرنے والے ہو اور ایسی حالت میں تمہارے منہ سے "اسلام زندہ باد" کے نعرے دین اسلام کے ساتھ ایک تمسخر ہیں۔

حضرات! وقت بہت گزر چکا اب میں سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد پر آج کی تقریر ختم کرتا ہوں موطا امام مالکؒ میں ہے کہ آپ نے اسلامی قلمرو کے تمام صوبوں کے گورنروں کے نام ایک گشتی فرمان لکھا تھا اس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا۔

ان اھم اموس کم عندی الصلوٰۃ من حفظھا وحافظ علیھا حفظ دینہ و من ضیعھا فھو لما سواھا اضیع،،	تمہارے تمام کاموں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ مہتم بالشان کام نماز ہے، جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس پر مداومت کی اس نے

اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ یقیناً دین کے دوسرے کاموں اور دیگر فرایض کو بدرجہ اولےٰ ضایع کرے گا۔

ہمارے وہ جوشیلے نوجوان بھائی اس سے سبق لیں جو اسلام و ملت کی خدمت کا داعی جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور جو اس کے لیئے جیل جانے اور اس سے بھی بڑی قربانیاں کرنے کیلیے تیار رہتے ہیں لیکن نماز کیلیے پانچ وقت مسجد میں جانا ان کیلیئے دشوار ہوتا ہے۔

دوستو! اپنے قومی مسائل کیلیئے جیلوں میں چلا جانا تو غیر مسلموں اور خدا کے منکروں میں بھی

پایا جاتا ہے اور تنہا اس چیز کی خدا کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ مومن کا امتیاز یہ ہے کہ وہ بہادر سپاہی اور جانباز مجاہد ہونے کے ساتھ خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا، اس کے احکام پر شدت سے عمل کرنیوالا اور اعلیٰ درجہ کا عبادت گزار و پرہیزگار بھی ہو۔ صحابہ کرامؓ جن کی کوششوں سے وہ انقلاب برپا ہوا تھا جس کی یاد کر کے ہم آج اپنے ایمانی جذبات کو ابھارتے اور تازہ کرتے ہیں اُن کا طریقۂ زندگی ہم کو تاریخ نے یہ بتلایا ہے کہ وہ میدان جنگ میں بھی رات کے بہترین درویش اور عبادت گزار تھے اور دن میں اعلیٰ درجہ کے شہسوار "رہبان باللیل وفرسان بالنہار"

خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم انھیں کے نقش قدم پر چلیں، انھیں کی طرح جئیں اور انھیں کی طرح مریں

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

چوتھا خطبہ

زکوٰۃ، روزہ، حج

(بعد خطبہ مسنونہ)

حضرات! ان صحبتوں میں جس اسلامی پروگرام کے پیش کرنے کا میں نے ارادہ اور آپ سے وعدہ کیا تھا اُس کی دو اہم دفعات (عقیدہ توحید خالص اور اقامت صلوٰۃ) میں پیش کر چکا۔ آج اُسی سلسلہ کی بقیہ کڑیاں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

نماز کے بعد اسلام کا دوسرا عملی رُکن ”زکوٰۃ“ ہے۔ قرآن پاک میں جا بجا اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ادائے زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ قریباً تیس جگہ تو ”اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ“ ہی فرمایا گیا ہے اس کے علاوہ بھی جہاں کہیں قرآن میں اسلام کے اہم ارکان اور اس کے اساسی احکام ذکر کیے گئے ہیں وہاں نماز کے ساتھ متصلاً زکوٰۃ کا ذکر اکثر و بیشتر کیا گیا ہے ایک جگہ فرمایا گیا۔ اِنِّی مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ (میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی میرا فضل و کرم اور میری نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم نماز کو قایم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے) دوسری جگہ فرمایا:۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ (تمہارا حقیقی دوست بس اللہ ہے اور اُس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قایم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں) ایک اور جگہ ایمان والوں کے اوصاف میں فرمایا گیا یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُہُمُ اللّٰہُ (وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، بدی سے روکتے ہیں نماز قایم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں پر اللہ پاک رحمت فرمائے گا)

اور سورۂ ”لم یکن“ میں تو ”دین“ کی روح اور اس کی اساس و بنیاد بس توحید خالص، اقامت صلوٰۃ

ور ادائیگی زکوٰۃ کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (اور ان لوگوں کو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ اخلاص کے ساتھ اور تمام طواغیت سے الگ یکسو ہو کر صرف خدا ہی کی بندگی کریں اور نماز قایم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں یہی دین قیم ہے)

الغرض قرآن پاک میں جا بجا اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ایتاء زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اور نماز کے بعد اہمیت کے لحاظ سے اسلام میں اسی کا درجہ ہے۔

زکوٰۃ کیا چیز ہے؟ —— اس لفظ کے لغوی معنی "پاکی" کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے مقرر کیئے ہوئے حق کے نکالنے کا نام "زکوٰۃ" ہے اور اس کا یہ نام اسلیئے رکھا گیا ہے کہ وہ بقیہ مال کو پاک کر دیتا ہے قرآن مجید ہی میں فرمایا گیا ہے خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (یعنی اے رسول آپ مسلمانوں کے مالوں میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرکے ان کو پاک کیجیئے اور ان کا تزکیہ کیجیئے) گویا ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ نہیں دی جاتی ناپاک ہے اور اس مال کا رکھنے والا بھی ناپاک ہے۔

افسوس! آج مسلمان اس اہم فریضہ سے اس قدر غافل ہیں کہ گویا وہ اس حکم کے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ نماز تو خیر کچھ لوگ رسمی طور پر پڑھ بھی لیتے ہیں لیکن مالداروں اور دولتمندوں میں زکوٰۃ دینے والے آج دو فی صدی بھی مشکل ہی سے نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی ایسے انسان کا غالباً تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا جو مسلمان تو ہو مگر فرضیت کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو۔

حضرات! اگر آج زکوٰۃ کا صحیح نظام قایم ہو اور ہر وہ شخص جس پر قانون شرعی کی رو سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، دیانتداری کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے لگے تو یقین فرمایئے کہ مسلمانوں کے تمام وہ مذہبی اور قومی کام جو سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے بگڑے ہوئے ہیں استقلال اور خوبی کے ساتھ چل سکتے ہیں —— باوجودیکہ مسلمانوں میں دولتمندوں کا طبقہ بہت محدود ہے پھر بھی میں نے اندازہ کیا ہے کہ اگر یہی محدود طبقہ ٹھیک ٹھیک زکوٰۃ نکالے اور پھر اس کے صرف کا انتظام بھی صحیح ہو تو مسلمانوں میں کوئی یتیم اور مسکین انشاء اللہ ننگا یا بھوکا نہ رہے گا۔

برادران ملت! زکوٰۃ کا منشا صرف یہی نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ بس غریبوں اور مسکینوں کی

امداد ہوتی ہے بلکہ دراصل یہی زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہو کر اسلامی تحریک چلانے کیلئے فنڈ بھی بنتی ہے
آپ جانتے ہیں اس عالم اسباب میں کوئی کام بلا وسائل کے نہیں چلتا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیر قیادت
جب صحابہ کرام رض اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے تھے تو انکو بھی ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ سامان جنگ کی ضرورت
ہوتی تھی۔ قرآن پاک میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے گئے ہیں وہاں ایک مستقل مصرف "فی سبیل اللہ"
بتلایا گیا ہے جس کے معنی ہر اس کوشش اور جدوجہد کے ہیں جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اسلام کا بول بالا کرنے
کیلئے کی جائے اور جس کا منشا رخدائی قانون کی حکومت قایم کرنا ہو (اور اسی جد وجہد کا نام شرعی اصطلاح میں
"جہاد" ہے) تو چونکہ یہ زکوٰۃ جہاد کے مالی پہلو کی کفالت کرتی ہے اس لیئے یہ صرف ایک "مالی عبادت" ہی نہیں
ہے بلکہ درحقیقت اسلامی تحریک کے پروگرام کی نہایت اہم دفعہ بھی ہے

چونکہ انسان محدود النظر اور ساتھ ہی خود غرض بھی واقع ہوا ہے اس لیئے زکوٰۃ کے معاملہ میں
اُس کی نظر صرف اس پہلو پر جاتی ہے کہ اس سے میرے مال میں کمی ہو جائے گی اور میرا روپیہ پیسہ
میری جیب میں سے نکل کر دوسرے کی جیب میں چلا جائے گا۔ اس لیئے وہ اس کو صرف ایک مالی
تاوان اور ٹیکس سمجھتا ہے۔ درحقیقت یہ غلط فہمی نتیجہ ہے اُس انفرادیت کا جو مسلمانوں پر عموماً مسلط ہو گئی ہے
اور جس نے اُنکی جماعتی زندگی کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اگر ہماری نظر میں انفرادیت کی بجائے "اجتماعیت"
کی قدر و قیمت ہوتی اور ہم زندگی کے اس اصول کو سمجھتے کہ جماعت کی زندگی ہی میں فرد کی زندگی ہے
اور قوم اگر عزت کی زندگی سے محروم ہو جائے تو فرد کی بھی کوئی عزت نہیں ہو سکتی۔ تو ہم اس غلط فہمی میں
مبتلا نہ ہوتے ــــ ذرا گہری نظر سے کام لیجیئے اور سوچیئے کہ آپ کے پڑوس میں جو آپ کا غریب بھائی
رہتا ہے اگر آپ اس کو زکوٰۃ اس وجہ سے نہیں دیتے کہ آپ کے پیسے میں کمی آجائے گی تو اس کا
نتیجہ کیا ہوگا؟ غربت کی وجہ سے اُس کے بچوں کی صحیح تربیت نہ ہو سکے گی پھر وہ اپنا پیٹ بھرنے
اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیئے خدانخواستہ جرایم پیشگی اختیار کریں گے پھر وہ ایک دن خود
آپکے لیئے اور آپ کے مال و متاع کیلئے ایک مصیبت اور زبردست خطرہ بن جائینگے۔

لیکن اگر آپ نے اُس غریب کی امداد کی اور اس کے بچوں کی اس کی وجہ سے تربیت ہو گئی تو وہ آپکا
ممنون احسان بھی ہوگا اور پڑوسی ہونے کے ساتھ آپ کے جان و مال کے لیئے ایک بہترین محافظ
اور چوکیدار بھی بن جائے گا۔ اگر ہمارا ہر دولتمند اس راز کو سمجھ لے تو چند روز میں وہ طبقہ انشاء اللہ

مسلمانوں میں سے ختم ہو جائے گا جو اپنی غربت اور فلاکت ہی کی وجہ سے پہلے مجبوراً جرائم کا مرتکب ہوتا ہے اور پھر عادی اور پیشہ ور مجرم بن جاتا ہے۔ یہ "موالی[ع] اور غنڈے" جن کو آپ ہر وقت اپنے جان و مال کیلئے خطرہ سمجھتے ہیں آپ نے کبھی غور کیا کہ یہ طبقہ کیونکر اور کہاں سے پیدا ہوا؟ اس طبقہ کو غربت اور بے روزگاری پیدا کرتی ہے اگر آپ محلہ محلہ زکوٰۃ کی صحیح تنظیم کریں اور جو روپیہ زکوٰۃ کا محلہ کے بیت المال میں جمع ہو اس سے محلہ کے ہر غریب و نادار کی مناسب امداد کی جائے، بیکاروں کو روزگار کرایا جائے، اور انکی مدد کی جائے تو یقین کیجیے کہ اس طبقہ کا بیج بھی باقی نہ رہے گا۔ اس طرح ایک طرف تو آپ کی قوم میں جرائم پیشگی کا انشاء اللہ خاتمہ ہو جائے گا اور پسماندہ طبقہ آپ کی اس امداد سے کچھ دنوں میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لائق ہو جائے گا۔ نیز اس طرح آپ کی قوم کی اجتماعی حالت بہت کچھ بدل جائیگی، دوسری طرف خود آپ خطروں سے مامون ہو جائیں گے اور جو لوگ آپ کے مال کے آج چور اور ڈاکو ہو سکتے ہیں وہی اس کے بعد انشاء اللہ تعالےٰ آپ کے محافظ اور چوکیدار بن جائیں گے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! اس وقت جبکہ "انقلاب" کی ہوائیں بڑی تیزی کے ساتھ چل رہی ہیں اور یورپ کی موجودہ جنگ نے ہمارے ملک کے امن و امان کو بھی ڈانوا ڈول کر دیا ہے اور ہر وقت بدامنی اور بلووں کا خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے ایسے وقت میں خصوصیت کے ساتھ اسلام کے اس حکم کی طرف دولتمند طبقہ کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بڑی بڑی کوٹھیوں اور اونچی اونچی دوکانوں والے امراء کان کھول کر سن لیں کہ جس دن اس ملک میں کوئی بُری صورت پیدا ہو گئی اُس روز سب سے زیادہ مصیبت میں وہی ہوں گے، ان کے تکبر، ان کی خودپسندی اور ان کے بخل کی وجہ سے اُن کے غریب پڑوسیوں کے اندر حسد اور عناد کی جو چنگاری سُلگ رہی ہے اُس دن وہ ایک دم بھڑک اُٹھے گی اُس وقت وہ درندہ صفت ہو کر دولتمند طبقہ ہی پر ٹوٹ پڑیں گے اور عجب نہیں کہ اُن چند گھڑیوں میں ساری عمر کا حساب برابر ہو جائے عزیزانِ ملت! عقلمندی یہ ہے کہ بادل دیکھ کر چھپّر تیار کر لیا جائے اور سیلاب کے آنے سے پہلے بند لگا دیا جائے اگر اب تک آپ نے خدا کے اس حکم (زکوٰۃ) کی تعمیل نہیں کی ہے تو اب خدا کے لیئے نہ سہی اپنے جان و مال کے تحفظ ہی کیلئے اس کی ادائیگی کا ارادہ کر لیجئے ——— میں اپنے تجربہ اور خدا کی دی ہوئی

ع۔ یہ بمبئی کی خاص اصطلاح ہے اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو ہر شریف آدمی کی پگڑی کسی معمولی لالچ پر سر بازار اُتار دیتے ہیں اور گویا یہی کا پیشہ ہے ۱۲

بصیرت کی بنا پر یقین رکھتا ہوں اور آپ کو بھی یقین دلاتا ہوں کہ اب بھی اگر آپ نے اس طرف توجہ کر لی اور زکوٰۃ کی ادائگی کا کوئی باقاعدہ انتظام آپ نے کر لیا اور اپنے پڑوس کے غریبوں کی امداد کا کوئی صحیح نظام آپ قائم کر سکے تو انشاء اللہ تعالےٰ مصیبت کے اس وقت میں جس کا خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے آپ تمام خطرات سے محفوظ ہوں گے، آپ کے محلہ کے غریب بھائی آپ کیلئے جاں نثار سپاہی ہوں گے۔ پھر کسی کی مجال نہ ہوگی کہ آپ کو اور آپ کے مال و اسباب کو کوئی بدنیتی سے دیکھ بھی سکے۔

حضرات! یہ جو کچھ میں نے عرض کیا یہ نہ سمجھئے کہ زکوٰۃ کا بس یہی منشا ہے۔ یہ تو میں نے ایک جزوی مصلحت اور وقتی فائدہ آپ کی ترغیب کیلئے بتلایا ہے تاکہ اسی طرح کچھ آپ کی سمجھ میں آجائے ورنہ نظام زکوٰۃ جیسا کہ میں نے ابھی بتلایا تھا درحقیقت اصل اسلامی تحریک کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر زمانہ میں عموماً اور اس زمانہ میں خصوصاً اجتماعی تنظیم اور ترقی کا کوئی قدم بلا سرمایہ کی مدد کی نہیں اُٹھایا جا سکتا اور زکوٰۃ کا نظام ہماری سرمایہ کی ان ضرورتوں کا بڑی حد تک کفیل ہو سکتا ہے۔ اگر صرف آپ کے شہر (بمبئی) کے دولتمند مسلمان باقاعدہ زکوٰۃ ادا کریں اور وہ سب ایک بیت المال میں جمع ہو تو یقیناً وہ کروڑوں روپے سالانہ سے زیادہ ہوگی۔ اس سے ہم اپنے غریب اور پسماندہ طبقہ کی امداد بھی کر سکتے ہیں اور حکومت الٰہیہ قائم کرنے کیلئے (جو ہمارا اصل نصب العین ہے) وہ ابتدائی قدم بھی اُٹھا سکتے ہیں جس کیلئے اس وقت امکان ہے بلکہ زمین تیار ہے۔ اور پھر وہی سرمایہ ہمکو آئندہ کی منزلیں طے کرنے کیلئے بھی کسی حد تک کافی ہو سکتا ہے ــــــ الغرض اسلام کی مقرر کی ہوئی "زکوٰۃ" کو آپ دوسرے مذہبوں کی خیرات اور دان پُن پر قیاس نہ کیجئے یہ درحقیقت اسلامی تحریک کیلئے سرمایہ کا ایک انتظام بھی ہے۔

حضرات! اب تو شاید آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ نظام زکوٰۃ کا قیام حکومت الٰہیہ کے پروگرام کا کیونکر ایک بنیادی جزو ہے اور اس سے بے پروائی اور غفلت کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوتا ہے کہ ہم میں کے غریب اور مسکین امداد سے محروم ہو جائیں بلکہ ادائے زکوٰۃ میں کوتاہی یا اس کے غلط طور پر خرچ کرنے کا بہت بڑا ضرر یہ ہے کہ اعلاءِ کلمۃ الحق کی تحریک سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے زندہ بھی نہیں رہتی اور پھر اس کا لازمی نتیجہ من حیث القوم مسلمانوں کی غلامی اور کسی غیر اسلامی نظام کے ماتحت رہ کر زندگی گزارنا ہوتا ہے جیسا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی عام حالت ہے۔ اسی کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں بلیغ

اشارہ فرمایا گیا ہے۔ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ط (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اس سے ہاتھ روک کر ہلاکت میں نہ پڑو)

حضرات! میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے ان اشارات سے آپنے زکوٰۃ کی بڑی اہمیت کو سمجھ لیا ہوگا اور اسلامی تحریک کے پروگرام میں اس کا جو مقام اور درجہ ہے وہ آپ پر مخفی نہیں رہا ہوگا۔

آپ نے سُنا ہوگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے بعض نومسلم قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا حالانکہ وہ ہماری طرح اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور نماز اور دیگر احکام اسلامی کے بھی پابند تھے بس صرف ادائیگی زکوٰۃ سے منکر ہو گئے تھے۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین اور صحابہ کی جماعت میں دین کی سمجھ بوجھ کے لحاظ سے سب سے زیادہ ممتاز تھے اُن منکرین زکوٰۃ کے خلاف اسی طرح جہاد کیا جس طرح کہ ثبت کافروں اور مشرکوں سے کیا جاتا ہے۔ اور یہاں تک فرمایا کہ "خدا کی قسم اگر وہ اونٹ کی ایک رسی کے دینے سے بھی انکار کریں گے جو ان کو دینی چاہیئے اور جو عہد نبوی میں وہ دیا کرتے تھے تو میں اُن سے ضرور جہاد کرونگا"۔ قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا گویا ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور ایک کافر یا مشرک ہی اس خدائی حق کے ادا کرنے میں لیت و لعل کرسکتا ہے سورہ فصلت میں ارشاد ہے وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ہ (یعنی اُن مشرکوں کیلئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں)

حضرات! قرآن مجید کی اس آیت کے سامنے آنے کے بعد بھی جو شخص اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اُسے خود سوچنا چاہیئے کہ وہ اپنے کو مومن یا مسلمان کہنے یا کہلانے کا کیا حق رکھتا ہے؟

روزہ

حضرات! زکوٰۃ کے بعد اسلامی ارکان میں روزہ کا نمبر ہے روزہ کی جو روحانی برکتیں ہیں وہ آپنے غالباً اس سے پہلے بارہا سنی ہونگی قرآن مجید میں جہاں روزہ کی فرضیت کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس کی حکمت لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ،، سے بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ اس کے ذریعہ سے روزہ داروں میں تقویٰ اور پرہیزگارانہ زندگی کی عادت پیدا ہوتی ہے۔"

روزہ کے اس مقصد اور اس تاثیر کو سمجھنے کیلئے پہلے تقوے کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے در اصل تقویٰ اس کا نام ہے کہ انسان کو اس بات کا احساس ہو کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا محکوم ہوں

اپنی زندگی کے اعمال اور اس کا رخ متعین کرنے میں میں آزاد و خود مختار نہیں ہوں بلکہ مجھے قانونِ الٰہی کا پابند ہو کر ہی یہاں رہنا ہے ــــــــــ اس تصور سے دل میں جو ایک خاص خوف اور فکر کی کیفیت اور قانونِ الٰہی کی پابندی کا عملی اہتمام پیدا ہو جاتا ہے درحقیقت وہی تقوے ہے اور بیشک روزہ اگر اُس طرح رکھا جائے جو شریعتِ الٰہیہ کا مقتضا ہے تو اُس کی وجہ سے انسان میں تقوے کا یہ جوہر لازماً پیدا ہوگا ـــــــ ذرا غور فرمایئے! کھانا پینا اور شہوتِ نفس کے تقاضے کو پورا کرنا یہی انسان کی وہ حیوانی خواہشیں ہیں جن کے پورا کرنے کے لیئے وہ مطلق العنانی اور لاقانونی کی زندگی چاہتا ہے۔ اکثر و بیشتر عملی گمراہیوں اور بدکاریوں کا تعلق انھیں بہیمانہ خواہشوں سے ہے۔ وہ پیٹ کی خاطر چوری کرتا ہے، ڈاکہ ڈالتا ہے، لوگوں کے ساتھ دھوکہ اور فریب کرتا ہے، کمزوروں کا مال غصب کرتا اور ان پر ظلم ڈھاتا ہے اور امانتوں میں خیانت کرتا ہے ــــــــ اسی طرح دوسری نفسانی خواہش پوری کرنے کیلیے وہ فواحش کا مرتکب ہوتا ہے اور ناجائز طریقوں سے شہوت رانی کرنا چاہتا ہے۔ الغرض انسان کی یہی حیوانی خواہشیں ہیں جنکی وجہ سے وہ تقوے کے حدود توڑتا ہے ــــــ اور رمضان کے روزوں کے ذریعے سال کے پورے ایک مہینے گویا اس کو انھیں خواہشوں پر قابو رکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اور عادت ڈلوائی جاتی ہے کہ چاہت اور قدرت کے باوجود وہ ان ہی قوتوں کے تقاضوں کو پورا نہ کرے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ روزہ کے ذریعہ انسان کو عادی بنایا جاتا ہے کہ وہ اپنی ان خواہشوں سے مغلوب نہ ہو جائے بلکہ خود اُن پر سوار اور قابو یافتہ رہے ــــــ اس طرح زندگی کو پرہیزگارانہ بنانے اور انسان کے اندر تقوے کا جوہر پیدا کرنے میں روزہ بہت بڑی مدد دے سکتا ہے ـــــــ اسی کے ساتھ اگر ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اُن احکامات کو بھی پیشِ نظر رکھیں جو آپ نے روزہ کے متعلق دیئے ہیں تو پھر روزہ کی یہ تاثیر اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے مثلاً آپ نے فرمایا کہ "جب کسی کا روزہ ہو تو وہ ہر قسم کی بُری بات سے بھی پرہیز کرے اور کسی سے نہ لڑے بھڑے،، ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ "روزہ صرف کھانے پینے سے رُکنے کا ہی نام نہیں ہے بلکہ تمام بیہودہ اعمال اور بُری باتوں سے بچنا بھی اسکی شرط ہے" ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص روزہ میں جھوٹ بولے یا اور کوئی غلط کام کرے تو اس کا روزہ کھانے، پینے کے فاقے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا،،

اب دیکھیئے کہ اگر روزہ ان تمام شرائط کے ساتھ رکھا جائے اور اس کا مقصد بھی صرف خدا کے حکم کی

تعمیل اور اس کو راضی کرنا ہو تو اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ اس کے اثر سے انسان میں تقوے کا جوہر پیدا ہوگا علاوہ ازیں روزہ کے ذریعہ اس بات کی بھی مشق کرائی جاتی ہے کہ اللہ کے لئے انسان مصیبتیں برداشت کرنے کا عادی ہو اور خدائی احکام کے مقابلہ میں اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی ضروریات کی پروانہ کرے۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کے ہر سپاہی میں یہ اوصاف ہونے ضروری ہیں اس کے بغیر وہ خدا کا سچا سپاہی اور کامیاب مجاہد نہیں بن سکتا۔ نیز اسلامی تحریک کے علمبرداروں کو بارہا ایسی کٹھن منزلوں سے گزرنا اور ایسی مشکلات کا قدم قدم پر مقابلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس میں نہ کھانے پینے کی مہلت ملتی ہے، نہ دوسری نفسانی خواہشیں پوری کرنے کیلئے فرصت اور عافیت نصیب ہوتی ہے، اور بلاشبہ روزہ کی عادت انسان کو اس وقت کیلئے کافی تیار کردیتی ہے اور اس وقت اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں ہوتی۔ بہرحال روزہ بھی نماز اور زکوٰۃ کے بعد اسلام کا ایک رکن ہے اور اپنے اثرات اور فوائد کے لحاظ سے اسلامی تحریک کے پروگرام کی ایک اہم دفعہ بھی ہے۔

حج اسی طرح حج کا بھی حال ہے وہ "اصطلاحی عبادت" اور اسلام کا رکن بھی ہے اور اسلامی تحریک میں عملی حصہ داری کیلئے وہ مسلمان کو تیار بھی کرتا ہے۔ آپ حضرات کو اس کا اندازہ ہوگا کہ بیچارے غریب تو عموماً محنت اور مشقت کے عادی ہوتے ہیں لیکن دولتمند اکثر و بیشتر راحت طلب اور عافیت کوش ہو جاتے ہیں۔ اور یہ عافیت طلبی اور راحت کوشی ہر تحریک کے سپاہیوں کیلئے سم قاتل ہے کہنے والے نے سچ کہا ہے ؎

عیش پروردہ تنعم نہ برد راہ بعشق عاشقی پیشۂ رنداں بلاکش باشد

اور ظاہر ہے کہ "حج" کرنے والے کو سفری مصیبتوں کی برداشت اور مشقتیں جھیلنے کی کچھ نہ کچھ عادت ہوجانی لازمی ہے۔ نیز اس راہ میں اس کو کافی مالی قربانی بھی کرنی پڑتی ہے اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ "حج" جسمانی مشقت اور مالی قربانی کے لحاظ سے جہاد کا ایک نمونہ ہے۔

ہرگز ہرگز غلط فہمی نہ ہو:-

حضرات! میں نے آج اور کل میں اسلام کے چاروں عملی ارکان (نماز، زکوٰۃ، روزہ، اور حج) کے متعلق جو کچھ کہا ہے اور اسلامی تحریک یعنی قیام خلافت الٰہیہ کیلئے جدوجہد سے ان چاروں چیزوں کا جو تعلق بتایا ہے اس سے میرا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ انکی فرضیت کی بس یہی غرض و غایت ہے اور یہ چیزیں

جہاد فی سبیل اللہ کیلئے بس قواعد و پریڈ کا سا حکم رکھتی ہیں جیسا کہ آج کل کے بعض مغرب زدہ آزاد خیالوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان ارکان میں یہ فوائد بھی ہیں اور یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس کے تمام ارکان و احکام میں اس درجہ باہمی ربط ہے کہ گویا سب میں ایک ہی روح کارفرما ہے اور اس کی ہر عبادت جس طرح معرفت الٰہی اور تقرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے اسی طرح اعلاء کلمۃ الحق کیلئے مسلمان کو خدا کا بہترین سپاہی اور کامیاب مجاہد بنانے کا بہترین وسیلہ بھی ہے۔

آج میں اپنی گزارش کو یہیں ختم کرتا ہوں، اب اس سلسلہ کی بقیہ کڑیاں انشاء اللہ آئندہ تقریروں میں عرض کروں گا۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولٰنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وسائر اتباعہ الی یوم الدین۔

فضائل رمضان

(از حضرت مولٰنا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور)

اس رسالہ میں رمضان شریف کی برکتیں اور خاص فضیلتیں معتبر حدیثوں سے جمع فرمائی گئی ہیں جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ رمضان شریف کیسا بابرکت مہینہ ہے اور ہم اس کی برکتوں سے اپنی غفلت کے سبب کس قدر محروم رہتے ہیں بعض بزرگان دین کے رمضان المبارک کے معمولات اور اس سلسلہ کے ان کے پاکیزہ اور ولولہ انگیز حالات بھی اس رسالہ میں جمع کیے گئے ہیں۔ اعتکاف اور لیلۃ القدر کا بیان بڑا ولولہ انگیز ہے۔ قیمت چھ آنے (۶/)

تطہیر رمضان رمضان المبارک کی برکتوں اور عظمتوں کے بیان میں حضرت مولٰنا اشرف علی صاحب مدظلہ کا مشہور وعظ ہے قیمت ۱/

اکمال الصوم والعید یہ بھی حضرت مولٰنا مدظلہ کا وعظ ہے جس میں روزہ اور عید کے متعلق عجیب و غریب علوم و حقائق کا بیان ہے قیمت ۲/

فرحۃ الصائمین روزہ، اعتکاف و عید کے مسائل اور فضائل کے بیان میں بہترین اور سلیس رسالہ ہے قیمت ۱/

زبدۃ المناسک حج کے مسائل اور اسکے اذکار اور دیگر ضروریات حج کے متعلق حضرت مولٰنا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور رسالہ ہے جیبی سائز قیمت ۵/

معلم الحجاج مولٰنا مفتی سعید احمد صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپور کی حج کے موضوع پر نہایت جامع اور مبسوط کتاب ہے اس سے زیادہ مفصل کتاب غالباً دوسری نہیں لکھی گئی۔ جدید آفریقی بھی شامل کی گئی ہیں ۲۰×۲۶/۱۶ سائز کے قریباً تین سو صفحات پر ہے قیمت ۱۲/

پانچواں خطبہ

تہذیب اخلاق، اصلاح معاشرت اور قیام جماعت

(بعد خطبہ مسنونہ)

حضرات! کتاب اللہ اور اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) سے جو عملی پروگرام میں نے سمجھا ہے اور جس کو میں ان تقریروں میں پیش کر رہا ہوں اس میں اسلام کے ارکان اربعہ کے بعد بلکہ ان کے ساتھ ہی "تہذیب نفس" اور "اصلاح سیرت" یا یوں کہیے کہ اخلاق اور معاشرت کی درستی کا درجہ ہے قرآن حکیم جس طرح عقائد کی اصلاح کرتا اور اعمال صالحہ کی ترغیب دیتا ہے اسی طرح وہ اچھے اخلاق پر بھی زور دیتا اور برے اخلاق سے بشدت روکتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (یعنی میں اسی واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں۔)

تو میں آج کی صحبت میں اسی سلسلہ کی چند تعلیمات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اور انشاء اللہ تعالےٰ آخر میں بتلاؤں گا کہ "اسلامی تحریک" کے ساتھ ان تعلیمات کا کیا خاص ربط ہے اور اس تحریک کے علمبرداروں کا عمل اور ان کا کیرکٹر ان تعلیمات کے مطابق ہونا کیوں ضروری ہے سنیئے!

راست بازی اور سچائی

اخلاقی اصلاح کے سلسلہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی طرف خاص توجہ فرمائی ان میں سے ایک اہم چیز ہر حال میں سچائی کا التزام ہے۔ حدیث پاک میں ہے:-

تحروا الصدق وان رأیتم فیہ الھلکۃ فان فیہ النجاۃ واجتنبوا

سچائی کو اختیار کرو اگرچہ تمہیں اس میں ہلاکت نظر آئے کیونکہ نجات سچائی ہی میں ہے اور جھوٹ سے

الکذب وان رأیتم فیہ النجاۃ فان فیہ الھلکۃ — پرہیز کرو اگرچہ بظاہر اسمیں نجات دکھائی دے کیونکہ درحقیقت اُسمیں ہلاکت ہے

ایک دوسری حدیث میں جھوٹ کو منافقت کی علامت بتلایا گیا ہے۔

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ایکون المؤمن کذابا؟ یعنی کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا "نہیں" ——— اور حدیہ ہے کہ قرآن پاک میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کی گئی ہے فرمایا گیا "لعنت اللہ علی الکذبین"،

عہد کی پابندی سچائی ہی کا ایک شعبہ عہد کی پابندی بھی ہے۔ قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس کی تاکید مستقلاً بھی فرمائی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ — اور عہد کو پورا کرو قیامت میں تم سے عہد کے متعلق ضرور بازپرس ہوگی۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی مومن کی شان نہیں بلکہ منافق کی علامت ہے۔

امانت داری اسی طرح "امانت داری" بھی سچائی ہی کا ایک شعبہ ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے حلقہ بگوشوں کو اُس کی بھی بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں آپنے ارشاد فرمایا "کسی شخص کے متعلق اچھی رائے قایم کرنے کیلئے صرف اُس کی عبادت گزاری اور اس کا نماز روزہ ہی نہ دیکھو بلکہ اس پر نظر کرو کہ وہ جب بات کہتا ہے تو سچ کے خلاف تو نہیں بولتا ہے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت تو نہیں کرتا ہے"

نیز جھوٹ اور عہد شکنی کی طرح امانت میں خیانت کو بھی آپ نے منافق کی علامت بتلایا ہے بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص میں یہ تین بُری خصلتیں جمع ہوں وہ منافق ہی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں برسرِ منبر ارشاد فرمایا:۔

الا لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا — تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جسمیں امانت

دین لمن لا عھد لہ — نہیں، انہیں ایمان بھی نہیں اور جس کو عہد کا پاس نہیں اس کا گویا دین میں کوئی حصہ ہی نہیں

عدل و انصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اخلاقی تعلیمات میں سچائی اور ایمانداری کی طرح عدل وانصاف پر بھی بہت زیادہ زور دیتے تھے اور قرآن پاک میں بھی اس بارہ میں مختلف عنوانات سے بڑی سخت تاکیدیں فرمائی گئی ہیں۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ — اللہ تعالےٰ تمکو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے

ایک اور جگہ فرمایا گیا:۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی — اور جب بات کہو تو انصاف کی اور خدا لگتی کہو اگرچہ (فریق مقدمہ) تمہارا کوئی عزیز قریب ہی کیوں نہ ہو۔

عدل وانصاف کی راہ میں جو چیز عام طور سے حائل ہو جاتی ہے وہ کسی کی عداوت اور خصوصاً قومی عداوت ہو سکتی ہے، دوسروں کا کیا ذکر آج عام مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ "غیر قوم والوں" کے مقابلہ میں اپنی "قوم والوں" کی غیر منصفانہ طرفداری کو بھی وہ نیکی کا کام سمجھتے ہیں اور اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ "غیر قوم والوں" کے خلاف عدالتوں میں جھوٹ بولنا، تقریروں میں جھوٹ کہنا اور اخباروں میں جھوٹ لکھنا گویا گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا، بلکہ العیاذ باللہ اس کو "قومی خدمت" سمجھا جاتا ہے حالانکہ قرآن مجید میں بڑی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا تھا

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؗ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ — مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو اور کسی قوم کی عداوت تم سے یہ گناہ نہ کرادے کہ تم اس کے ساتھ بے انصافی کرو۔ تم ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو کیونکہ شیوہ انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے اور اس بارہ میں اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالےٰ تمہارے سب اعمال و افعال سے باخبر ہے۔

ایک اور آیت میں بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ اگر خود تمہارا یا تمہارے والدین یا دیگر عزیزوں

قریبوں کا معاملہ ہو جب بھی عدل و انصاف ہی سے کام لو اگرچہ اس سے تم کو یا تمہارے عزیزوں قریبوں کو کتنا ہی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ

اے ایمان والو! اللہ کیلئے انصاف کی حمایت پر قایم ہو جاؤ اگرچہ اس میں خود تم پر زد پڑے یا تمہارے ماں باپ یا دوسرے قریبی رشتہ داروں کا اس سے نقصان ہوتا ہو۔

عدل و انصاف کو اسلام میں اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اگر کسی کے دو بیویاں ہوں تو ایک دن ایک کے ساتھ رہنا اور دوسرے دن دوسری کے پاس رہنا ضروری قرار دیا گیا یہاں تک کہ اگر ایک کی اجازت کے بغیر دوسری کے ساتھ زیادہ دنوں رہے تو شریعت اسلام کی نظر میں وہ گنہگار ہوگا اور آخرت میں اس سے سخت باز پرس کی جائے گی۔

عدل و انصاف کا زیادہ تعلق سلاطین وقت اور حکام سے ہوتا ہے اُن کیلئے خصوصیت کیساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " یہ لوگ اگر بے انصافی کریں گے تو آخرت میں ان کو سب سے زیادہ سخت اور دردناک عذاب ہوگا " اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا اِمَامٌ جَائِرٌ،

لیکن اگر وہ عدل و انصاف پر قایم رہیں تو ان کے حق میں آنحضرتؐ نے خوشخبری سنائی ہے کہ قیامت کے دن جہاں عرش الٰہی کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا عادل بادشاہوں اور حاکموں کو عرش الٰہی کے زیر سایہ جگہ دی جائے گی۔

یہ واضح رہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تقسیم اور تفریق نہیں ہے یعنی مسلمان کا معاملہ خواہ کسی مسلم سے پڑے یا کافر سے بہر حال اُس کا دینی فرض ہے کہ وہ سچائی پر قایم رہے، عہد کی پوری پابندی کرے، امانت میں خیانت نہ کرے اور کسی حال میں عدل و انصاف کے خلاف اس کا قدم نہ اُٹھے۔

رحم علی الخلق عام خلق خدا کے ساتھ شفقت اور رحمدلی کی تعلیم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حلقہ بگوشوں کو بڑی تاکید سے دی ہے فرمایا:۔

ارحموا من فی الارض یرحمکم — تم زمین میں بسنے والی مخلوق کے ساتھ رحمدلی

من فی السماء۔ کرو اللہ تعالٰی تم پر رحم کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

من لا یرحم لا یرحم جو خود رحم نہیں کریگا اُس پر رحم نہیں کیا جائیگا

اس تعلیم میں بھی مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے یعنی جس طرح ایک مبتلائے مصیبت مسلمان کے ساتھ رحمدلی کرنا ہمارا فرض ہے اسی طرح کسی مبتلائے مصیبت غیر مسلم کے ساتھ ہمدردی کرنا بھی ہمارا فریضہ ہے۔ ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

الخلق عیال اللہ اقربھم الی اللہ انفعھم لعیالہ۔ ساری مخلوق خدا کی عیال ہے خدا سے زیادہ قریب وہی ہے جو اس کی عیال کو زیادہ نفع پہنچاتا ہو (یعنی خلق خدا کی زیادہ خدمت کرتا ہو)

معاملات میں ایمانداری اور راستبازی

خرید فروخت اور اسی طرح دوسرے معاملات میں ایمانداری اور راستبازی کا التزام بھی اسلام کی تاکیدی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انسانی زندگی کے پروگرام کی خاص دفعہ ہے

قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں اس کے بارہ میں بھی انتہائی تاکیدی قسم کے احکام ہیں ——— مثلاً قرآن پاک میں صحیح ناپ تول کرنے کے متعلق فرمایا گیا

واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ط اور جب تم ناپو تو پورا ناپو اور سیدھی ترازو سے صحیح طور پر تولو۔

دوسرے موقعہ پر ایسے لوگوں کے متعلق جو ناپ تول میں دھوکہ بازی اور بے ایمانی کرتے ہیں فرمایا گیا

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم اووزنوھم یخسرون الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم یوم یقوم الناس لرب العلمین اُن کم دینے والوں کیلیے بڑی تباہی ہے جو اور لوگوں سے جب ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب خود اوروں کو ناپتے یا تولتے ہیں تو کم دیتے ہیں کیا ان کو یہ خیال نہیں ہو کہ وہ ایک بہت بڑے دن اٹھائے جائیں گے جس دن کہ سارے لوگ رب العلمین کے حضور میں جزا و سزا کیلیئے حاضر ہوں گے۔

کم ناپ تول کے علاوہ اور بھی دوسری قسم کی جو بے ایمانیاں تجارت اور معاملات میں کیجاتی ہیں

اُن سے بچنا بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شرط ایمان قرار دیا ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک دن ایک غلہ فروش کی دوکان کی طرف سے ہوا، آپ نے غلہ کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اندر جو غلہ ہے اس میں نمی کا اثر ہے۔ دوکاندار سے آپ نے دریافت فرمایا کہ اندر یہ نمی کیسی ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ بارش کی وجہ سے کچھ غلہ میرا بھیگ گیا تھا یہ اسی کا اثر ہے۔ آپ نے فرمایا پھر تم نے اسی کو اوپر کیوں نہیں ڈالا تاکہ ہر گاہک اس عیب کو بھی دیکھ سکتا — اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا

من غشنا فلیس منا والمکر والخداع فی النار (یعنی جس نے ایسی دھوکہ بازی کی وہ ہماری جماعت میں نہیں ہوسکتا اور یہ مکاری اور دھوکہ بازی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔)

بعض دوکاندار گاہک کو دھوکا دینے اور اپنی غلط بات اس کو باور کرانے کیلیے جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں اور بھولے گاہک ان کی قسموں ہی کی وجہ سے پھنس جاتے ہیں ایسے دوکانداروں کے حق میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:-

ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمناً قلیلاً اولئک لاخلاق لھم فی الاخرۃ ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیٰمۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم (آل عمران)

جو اللہ کے عہد اور اللہ کی قسموں کو ثمن قلیل کے عوض بیچ ڈالتے ہیں (یعنی معمولی نفع کی خاطر جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں) اُن کا دار آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالے نہ اُن سے کلام فرمائے گا، نہ ان کا تزکیہ کرے گا بلکہ اُن کے لیے وہاں صرف دردناک عذاب ہی ہے

علیٰ ہذا وہ لوگ جو اپنے یا کسی اپنے عزیز و قریب کے فائدہ کیلیے جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں وہ بھی اسی آیت کے مصداق ہیں اور قیامت کے دن ان کا بھی یہی انجام ہونا ہے۔ (خدا کی پناہ اس کے غضب اور اس کے عذاب سے)

بہرحال خدا کے سپاہی کیلیے ایمان اور نماز روزہ ہی کی طرح ضروری ہے کہ اس کے معاملات بھی صاف صحیح اور پاکبازانہ ہوں اور کسی غلط طریقہ سے حاصل کیا ہوا ایک لقمہ بھی وہ اپنے پیٹ میں نہ جانے دے اور نہ اس قسم کا کوئی پیسہ جیب میں رکھے۔

قرآن پاک کا ایک عام حکم اس بارہ میں یہ ہے:-

یٰایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔	اے ایمان والو! تم کسی غلط اور باطل طریقہ سے کسی کا مال نہ کھاؤ

اب اس "غلط باطل" میں ہر وہ طریقہ آگیا جو شریعت اسلامی کی رو سے صحیح نہیں ہے خواہ وہ سود ہو یا رشوت، جوا ہو یا دھوکا فریب کی کوئی اور تجارت، الغرض جو پیسہ بھی ایمانداری، اور راستبازی کے طریقہ سے ہٹکر حاصل کیا جائے اس کا حاصل کرنا اور پھر اس کا استعمال کرنا ہر سچے مسلمان کیلئے حرام ہے۔

تمام بُرے کاموں سے بچنے کی تعلیم و تاکید

اخلاقی تعلیم کے سلسلے ہی میں یہ بتلا دینا بھی میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اسلام میں جس طرح اچھے اخلاق اور اچھی باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح بُرے اخلاق اور بُری باتوں سے باز رہنے کی بھی تاکید فرمائی گئی ہے تفصیل کا تو یہاں موقعہ نہیں اس لیئے اس سلسلہ کی صرف ایک دو قرآنی آیتیں جن میں اصولی قسم کا سبق دیا گیا ہے سنیئے سورۂ اعراف میں ارشاد ہے:۔

قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق۔ (اعراف ۴)	اے رسول لوگوں کو بتلایئے کہ میرے رب نے سب گندی اور بے حیائی کی باتوں کو خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپی اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو حرام کیا ہے

اس آیت میں تین قسم کی بُرائیوں کا ذکر ہے ایک "فواحش" یعنی وہ بدکاریاں جن کا تعلق شہوت نفس اور بے حیائی و بے غیرتی سے ہوتا ہے، جیسے کہ زنا یا نامحرموں سے نظربازی وغیرہ وغیرہ دوسرا لفظ اس آیت میں "اثم" فرمایا گیا ہے میرے خیال میں اس سے مراد عام انفرادی قسم کے گناہ ہیں جن کا تعلق حق اللہ سے ہوتا ہے۔ تیسرا لفظ "بغی" ہے اس سے مراد غالباً خاص کر وہ گناہ ہیں جن کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہوتا ہے۔ مثلاً ظلم، غصب، چوری، غیبت، بہتان، کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینا، دانستہ رشوت کھا کر یا کسی اور وجہ سے مقدمہ کا غیر منصفانہ فیصلہ کرنا وغیرہ وغیرہ ـــــ غرض انسان اپنی زندگی میں جن معصیات سے عام طور پر ملوث ہوتا ہے اس آیت میں اصولی طور پر ان سب کی حرمت کا اعلان کر دیا گیا ہے اور اسلامی تحریک کے ہر سپاہی کا فرض ہے کہ وہ ان مہلکات سے کامل پرہیز کرے۔ اس کے بغیر تقویٰ نہیں ہوسکتا اور تقوے کے بغیر ہمارا کوئی کام صحیح نہیں ہوسکتا ـــــ اب ایک جامع ترین آیت اور سنیئے جس میں تمام

اصولی قسم کی نیکیوں کی تاکید اور اصولی برائیوں سے ممانعت ایک ساتھ ہی کی گئی ہے۔ سورہ نحل میں ارشاد ہے

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی

مسلمانو! اللہ تعالےٰ انصاف اور احسان کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور گندی بے حیائی کی باتوں سے اور منکر و بغی سے منع فرماتا ہے۔

بہرحال میرا مقصد یہ ہے کہ ایمان و اسلام کا تقاضا صرف نیکی کرنا ہی نہیں ہے بلکہ بدیوں سے بچنا اور گناہ کی تمام باتوں سے پرہیز کرنا بھی ہر مومن کے لیئے ضروری ہے، اور اس پرہیزگاری کے بغیر کوئی شخص صحیح معنی میں مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا۔

حضرات! اسلام میں اخلاقی تعلیمات کا حصہ بہت وسیع اور بے حد وسیع ہے۔ یہاں میں نے اس سلسلہ کے صرف چند اوامر اور نواہی (مثبت اور منفی احکام) آپ کے سامنے بطور مثال پیش کیئے ہیں۔ انہی سے آپ اسلام کے اخلاقی نظریہ کا کچھ اجمالی اندازہ ضرور کر سکیں گے۔ اور انشاء اللہ سمجھ سکیں گے کہ وہ انسانوں کو کیسا انسان بنانا چاہتا ہے اور اپنے سپاہیوں کی سیرت کی تعمیر وہ کس طریقہ پر کرتا ہے۔ —— آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ جس جماعت کے افراد اس سیرت کے حامل ہوں، اور جس تحریک کا ہر سپاہی یہ کیرکٹر رکھتا ہو اس کی طاقت کتنی زبردست ہو گی اور اس کو دنیا کی اخلاقی ہمدردیاں کتنے وسیع پیمانہ پر حاصل ہو سکیں گی۔

اب میں ایک دو ایسی چیزوں کی طرف آپ کو اور توجہ دلانا چاہتا ہوں جن کا تعلق اسلامی تحریک سے براہ راست ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی شدید تاکید فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک باہمی اتحاد و اتفاق کی تعلیم ہے

اتفاق باہمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے حلقہ بگوشوں کو متحد اور متفق ہو کر رہنے کی جتنی سخت تاکید فرمائی ہے اتنی تاکید اسلام کے اصولی عقائد کے سوا شاید کسی چیز کی بھی نہ فرمائی ہو۔ قرآن مجید ہی میں فرمایا گیا:۔

وَاعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً وّلا تفرقوا

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط تھامے رہو

اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو۔

آگے چل کر فرمایا گیا:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا	اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقے فرقے
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ	ہو گئے اور واضح دلیلیں مل جانے کے بعد جن میں اختلاف
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝	پڑ گیا اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ	اور آپس میں جھگڑے نہ کرو اس سے تمہارے
رِيحُكُمْ۔	دل کمزور ہو جائیں گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی

ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے:۔

کل مومن اخوۃ ' سب مسلمان بھائی بھائی ہیں

حدیث پاک میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں اور جس طرح کہ اگر انسان کے کسی ایک عضو میں تکلیف ہو تو اس کو سارا جسم محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان مصیبت میں ہو تو ساری اسلامی جماعت کو اسکا احساس بلکہ اس سے بے چینی ہونی چاہیے۔ ـــــ ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ ساری اسلامی جماعت ایک عمارت کی طرح ہے اور جس طرح عمارت کا وجود اس پر موقوف ہے کہ اُس کی اینٹیں اور اس کے ستون ملے جلے رہیں اور اینٹوں کے بکھر جانے سے عمارت برباد ہو جاتی ہے، اسی طرح اسلامی جماعت کی حیات و بقا اس کے باہمی اتحاد و اتفاق میں ہے اور نا اتفاقی اس کے لیے بربادی ہے ــــــ ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ

ایاکم والفرقۃ فانہا ھی الحالقۃ	باہمی اختلاف اور تفریق سے بچو کیونکہ یہ وہ
(او کما قال)	لعنت ہے جو جماعت کو فنا کے گھاٹ اُتار دیتی ہے

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف نا اتفاقی اور اختلاف باہمی سے ہی منع نہیں فرمایا ہے بلکہ جو چیزیں جماعتوں میں اختلاف اور تفریق کا باعث بنتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی مسلمانوں کو حتمی طور سے منع فرمایا ــــــ آپ جانتے ہوں گے کہ اکثر اختلافات اور اکثر ناچاقیاں حسد، تکبر، خواہ مخواہ کی بدگمانیوں اور غیبتوں سے پیدا ہوتی ہیں، ان سب چیزوں سے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتاکید

منع فرمایا ہے — ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا یغتب بعضکم بعضاً۔	بدگمانیوں سے بچو! بدگمانی جھوٹ کی بڑی قسم ہے۔ ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو اور عیب جوئی نہ کرو آپس میں ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو دلوں میں باہم بغض و حسد نہ رکھو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔

غالباً اس حدیث کی بعض روایتوں کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں "وکونوا عباد اللہ اخواناً"، یعنی سب بھائی بھائی بن کر اتحاد و اتفاق سے رہو۔

اتحاد و اتفاق کی اہمیت کا مزید اندازہ اس سے فرمایئے کہ ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جہاں مسلمان ایک مرکز پر جمع ہوں اور ان کی ایک جماعت ہو اگر کوئی شخص وہاں پہونچ کر اُن میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرے تو وہ قابل گردن زدنی ہے"۔ بس اس سے اندازہ فرمایا جاسکتا ہے اسلام میں اتفاق کی ضرورت اور وحدت کی اہمیت کا۔

نظام جماعت اور مسئلہ امارت حضرات! اسی سلسلہ کی ایک اہم تعلیم جس کا اسلامی تحریک سے بہت قریبی تعلق ہے، بلکہ اس کو اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ گویا اس کے بغیر پہلا قدم بھی نہیں اُٹھایا جا سکتا وہ مسلمانوں کے لیے ایک امیر کا مسئلہ ہے۔ مسلمان خواہ کسی جگہ اور کسی حال میں ہوں ضروری ہے کہ ان کی جماعت کا ایک نظام ہو اور ان کا ایک امیر ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تین مسلمان بھی سفر میں نکلیں تو اپنا ایک امیر (سالار قافلہ) منتخب کرلیں — ایک اور حدیث میں ہے۔

لا یحل لثلاثۃ یکونوا بفلات من الارض الا امروا علیھم احدھم (مسند احمد)	تین آدمی اگر کسی جنگل میں بھی رہتے ہوں تو ان کے لیئے ضروری ہے کہ ایک کو اپنا امیر بنالیں اس کے بغیر ان کا زندگی گزارنا گویا جائز ہی نہیں

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد بعض کتابوں میں منقول ہے۔

لا اسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا	جماعتی زندگی کے بغیر اسلامی زندگی نہیں بن سکتی اور

بامامت ہو۔ امارت کے بغیر جماعت کی ہستی نہیں ہو سکتی

حضرات! یوں تو ہمارے بہت سے گناہ ہیں اور اُن گناہوں کا خمیازہ ہم اس ذلیل غلامی کی شکل میں بھگت رہے ہیں لیکن جماعتی زندگی سے محرومی اور قیام امارت سے غفلت ہمارا سنگین ترین گناہ ہے ـــــــ کچھ لوگ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ آج مسلمانوں میں جو چند سیاسی جماعتیں ہیں ان میں سے کسی ایک سے وابستہ ہو کر اسلام کے اس حکم پر عمل ہو جاتا ہے لیکن یہ صرف مغالطہ ہے اسلام جس قسم کے اجتماعی نظام کا تصور رکھتا ہے اور امارت کے متعلق اسلام کا جو نظریہ ہے اُس سے ان جماعتوں کا کوئی تعلق نہیں یہ تو یورپ کی سیاسی پارٹیوں کے طرز پر پارٹیاں بنائی گئی ہیں اور اُن کیلئے طریقہ کار بھی یورپ ہی سے لیا گیا ہے اس لیے ان سیاسی جماعتوں کے ہونے کے باوجود اسلامی جماعت اور امارت کی جگہ ابھی خالی ہے اس وقت کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ اس ضرورت کا احساس رکھنے کے باوجود میں خود بھی کسی ایک شخصیت کی طرف ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو دعوت نہیں دے سکتا کہ اس کو وہ اپنا امیر بنالیں البتہ اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ہر جگہ کے لوگ کم سے کم وہ حضرات جو "اسلامی تحریک" کے چلانے کا جذبہ رکھتے ہوں وہ اپنے ہم خیالوں میں سے جس کو زیادہ صالح اور زیادہ اہل سمجھیں اُس کو اپنا امیر بنالیں اور اسلامی حدود کے اندر اس کی پوری اطاعت کریں۔ "اسلامی تحریک" کے بنیادی اصولوں میں سے یہ ایک اصول ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ تھوڑے زمانہ کے بعد انشاء اللہ وہ وقت آجائے گا کہ ہم ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو کسی ایک امیر کی طرف دعوت دے سکیں لیکن اُس وقت سے پہلے ہر جگہ امارت کے اصول پر ایک عارضی مقامی تنظیم کام کرنے والوں کو کر لینی چاہیئے لیکن یہ "تنظیم" بھرتی کے اصول پر نہ ہو بلکہ حقیقی معنی میں "جماعت" بنائی جائے یعنی جو لوگ اسلام کے منشاء کو سمجھتے ہوں اور اس کے احکام اور اس کے پروگرام پر آخر تک عمل کرنے کیلیے تیار ہوں صرف وہ اس نظام میں آئیں اور جو اس طریقہ کار سے مطمئن نہ ہوں وہ خواہ مخواہ تعداد بڑھانے کیلیے اس جماعت میں نہ آئیں۔ بہرحال اسکے لیے پختہ آدمی درکار ہیں۔ اگرچہ تھوڑے ہوں۔

الغرض "اسلامی تحریک" چلانے والوں کیلیے ضروری ہے کہ پہلے ان کا ایمان صحیح و پختہ ہو پھر ارکان اسلام کے وہ پوری طرح پابند ہوں اور اُس اسپرٹ کے ساتھ اُن کو ادا کریں جو اللہ پر ایمان رکھنے والے

ایک فداکار سپاہی میں ہونی چاہیئے۔ نیز ان ارکان کے مقاصد اور نتائج کو وہ اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ اسی کے ساتھ وہ اسلام کے نظام اخلاق کے پابند ہوں، سچائی، امانت داری، عہد کی پابندی، اور بہر حال عدل وانصاف پر قائم رہنا انکا شعار ہو، خلق خدا کے ساتھ رحمدلی اور ہمدردی اُن کے رگ وریشہ میں سرایت کیئے ہوئے ہو، وہ اخلاص کا پیکر اور للّٰہیت کا مجسمہ ہوں، ان کی دوستی اور دشمنی صرف حق کیلئے، بلکہ اُن کا مرنا جینا صرف اللہ کے واسطے ہو، وہ باہم متحد اور متفق ہوں ان کے دلوں میں باہمی بغض وحسد نہ ہو، ان کے سینے کینوں سے پاک ہوں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کا خیرخواہ اور ہمدرد وغمگسار ہو، پھر ان سب کا ایک جماعتی نظام ہو، ایک امیر ہو اور یہ سب شرعی حدود کے اندر اس کے فرماں بردار اور مطیع ہوں ——— یہ سب چیزیں جب پیدا ہوجائیں تو اس کے بعد اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے اپنی صوابدید کے مطابق یہ جماعت جدوجہد کریگی اسی کا نام شرعی اصطلاح میں "جہاد" ہے اور وہ اس پروگرام کا آخری جزو ہے۔

آج کی اس تقریر کو میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر ختم کرنا چاہتا ہوں جس میں آپ نے اسلامی انقلابی پروگرام کی یہ آخری دفعات ارشاد فرمائی ہیں۔ یہ حدیث مستدرک حاکم اور مسند احمد میں ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔

انا امرکم بخمس اللّٰہ امرنی بھن الجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجھاد فی سبیل اللہ (الحدیث)

میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اور مجھے ان کا حکم اللہ نے دیا ہے جماعتی نظام[۱] امیر جماعت کا حکم سننا اور اس کی اطاعت[۲] کرنا، بوقت ضرورت وطن سے ہجرت کرجانا اور اللہ کیلئے گھر بار کو چھوڑ دینا اور آخری چیز یہ ہو کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

اب انشاء اللہ کل میں جہاد کے متعلق کچھ عرض کرونگا جو ہمارے پروگرام کی آخری دفعہ ہے۔ اور بتلاؤنگا کہ اسلامی جہاد کی حقیقت اور اس کا مقصد کیا ہے، اس کے آداب وشرائط کیا ہیں، اور اس کے بارہ میں غیرمسلموں اور مسلمانوں کو بھی کیسی کیسی غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد وھو المسئول لتوفیق الصواب والسداد

چھٹا خطبہ

جہاد فی سبیل اللہ اور اُسکا مقصد

(بعد خطبہ مسنونہ)

حضرات! کل کے وعدہ کے مطابق آج "اسلامی تحریک" کے انقلابی پروگرام کی آخری دفعہ "جہاد فی سبیل اللہ" کے متعلق مجھے کچھ عرض کرنا ہے ——— ہمارے چالاک سیاسی دشمنوں نے اسلامی جہاد کے خلاف اس قدر زبردست اور عیارانہ پروپیگنڈا کیا ہے کہ دوسروں کا کیا ذکر خود مسلمان، اور اچھے خاصے لکھے پڑھے مسلمان اُس سے متاثر ہیں ——— اسی ناپاک اور پُر فریب پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ اب جہاد کا نام سنتے ہی ایک نہایت ہولناک اور لرزہ خیز خونریزی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور عالم تصور میں لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ایک نہایت غیر مہذب قوم کے مذہبی دیوانوں کا کوئی گروہ ہے جن کی شکلیں نہایت مہیب اور صورتیں نہایت ڈراونی ہیں وہ خون میں سرابور ننگی تلواریں سونتے ہوئے غیر مسلم آبادیوں پر چڑھے چلے آرہے ہیں اور جو کافر سامنے آجاتا ہے اس کی گردن پر تلوار رکھ کر کہتے ہیں کہ "ہو جا مسلمان اور پڑھ ہمارا کلمہ نہیں تو ابھی تیرا سر تن سے جدا کیا جاتا ہے"، پھر اگر وہ ذرا چیں بجیں کرتا ہے تو بیدردی اور سفاکی کے ساتھ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں اور اس کا مال واسباب لوٹ کر آپس میں بانٹ لیا جاتا ہے!!

حضرات! یہ ہے ہمارے جہاد کی وہ بھیانک اور سیاہ تصویر جو ہمارے چالاک سیاسی دشمنوں نے دُنیا کے سامنے کھینچی ہے ——— اور چونکہ یہ چالاک مصور اس وقت سیاسی اقتدار کے مالک ہیں، اور سیاست کے میدان میں ہم کو شکست دے کر زیر کر چکے ہیں، مزید براں یہ پروپیگنڈے کے فن میں بھی لاثانی اُستاد ہیں اس لیے اُن کا یہ افسوں کامیاب ہے اور عام دماغوں میں

ہمارے جہاد کی یہی تصویر نقش ہوگئی۔ یہاں تک کہ اسلام کے بہت سے نادان دوستوں اور سادہ لوح ہمدردوں نے بھی اس کے جواب میں اسلام کی حمایت اور خدمت کا صحیح طریقہ یہ سمجھا کہ جہاد کے تعلیم اسلام ہونے سے ہی انکار کردیا جائے چنانچہ انھوں نے پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ اس سے انکار کردیا اور قرآن پاک میں جہاں جہاں جہاد کا لفظ آیا تھا اس کے معنی "جہاد بالنفس" اور "جہاد بالشیطان" کے کرڈالے گئے۔ اور جو بعض "کم ہمت" اسلامی تاریخ کی روشنی میں ایسا سفید جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کرسکے تو اُنھوں نے بھی مرعوبانہ انداز میں "بیچارے اسلام" کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے کہنا شروع کردیا کہ "بیشک اسلام میں جہاد تو ہے مگر صرف "دفاعی" ہے یعنی جب کوئی طاقت مسلمانوں پر حملہ آور ہو یا انکی مذہبی آزادی سلب کرنا چاہے تو حفاظت خود اختیاری کے طور پر اور اپنے تحفظ کی خاطر اُن کو جوابی کارروائی کرنی چاہیے بس یہی اسلامی جہاد ہے"۔

بہر حال ہمارے ان سیاسی دشمنوں کے اس پروپیگنڈے سے خود ہمارے دل دماغ بھی متاثر ہوئے اور اس کا اتنا اثر پڑا کہ بہت سے ہم میں سے یا تو جہاد ہی کے منکر ہوگئے اور یا اُنھوں نے اُس میں ایسی اصلاح نما تحریف فرمائی کہ اُس کی روح ہی نکل گئی ——— اور پھر کتنی عجیب بات ہے کہ ہمارے جہاد کے خلاف یہ پروپیگنڈا بھی انھوں نے کیا جن کے ہاتھ اس پروپیگنڈے کے وقت بھی مظلوموں کے خون میں بھرے ہوئے تھے اور مختلف قوموں کے لاکھوں کمزور افراد کے خونوں کے چھینٹے جن کے دامنوں پر پڑے ہوئے تھے اور جن کی فوجیں عین اسی وقت اپنی توپوں اور بندوقوں کے زوروں سے کمزوروں کو پامال کررہی تھیں اور ان کے ملکوں اور ان کی آزادی کو چھین رہی تھیں ——— شاید انھوں نے اپنی اس خونریزی اور سفاکی کی طرف سے لوگوں کی نظریں پھیر دینے ہی کیلئے نہایت معصومانہ انداز میں مگر بڑی قوت کے ساتھ "اسلامی جہاد" کے خلاف یہ پروپیگنڈا کیا تھا۔ مگر غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں نے نہ ان عیاروں کے کردار کو دیکھا اور نہ جہاد کی حقیقت کے متعلق اسلامی لٹریچر ہی سے کوئی روشنی حاصل کرنی ضروری سمجھی بلکہ ان کے پرفریب بیانوں اور بلند بانگ دعووں پر ایمان لاکر "قانون جہاد" کا انکار یا اس کی "مرمت" بہتر پالیسی سمجھی۔ نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ وہ جہاد جو اسلام کا رکن اعظم تھا اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے متعلق فرمایا تھا "ذروة سنامه (الاسلام) الجهاد" (یعنی جہاد اسلامی تحریک کا جزو اعظم

ہی) اس کی حقیقت ہی مبہم ہو کر رہ گئی اور اس طرح لوگوں کی نظروں سے اس کی اہمیت گرادی گئی۔

تو آج کی تقریر میں مجھے جہاد کی حقیقت اور اسلام میں اس کی اہمیت ہی کو آپ حضرات کے سامنے واضح کرنا ہے اور ساتھ ہی "اساتذۂ یورپ" کے اس پروپیگنڈے کی بھی حقیقت کھولنی ہے جو انھوں نے پچھلی دو تین صدیوں میں ہمارے "جہاد" کے خلاف کیا ہے ——— میں یقین رکھتا ہوں اور یقین ہی کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان پروپیگنڈا کرنے والوں میں بیشتر وہ ہیں جو خود حقیقت حال کو صحیح طور پر جانتے ہیں، لیکن انھوں نے صرف اپنی سیاسی اغراض کیلیے از راہ بے ایمانی یہ پروپیگنڈا کیا ہے البتہ جو سادہ لوح اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے ہیں (اور ہمارے برادران وطن کا خصوصیت سے یہی حال ہے) وہ ضرور غلط فہمی میں ہیں اور صرف انکی ہی غلط فہمی کو دور کرنا ہمارا کام ہے ———

حضرات! مجھے اس سے بھی انکار نہیں ہے کہ ہمارے جہاد کے متعلق اس غلط فہمی کے لیے یورپ کے پروپیگنڈے کے علاوہ کچھ اور بھی اسباب ہیں، اس لیئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی طرف بھی توجہ کروں۔

ان میں سے ایک بڑا بلکہ غالباً سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ عام طور پر اسلام کو بھی دوسرے "مذہبوں" اور "دھرموں" کی طرح ایک "مذہب" اور "دھرم" اور علیٰ ہذا مسلمانوں کو دنیا کی بہت سی "قوموں" میں سے ایک "قوم" سمجھا جا رہا ہے اور اس غلط فہمی میں خود مسلمان بھی قریب قریب غیر مسلموں کے برابر ہی مبتلا ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ میں پہلے اس غلط فہمی کو رفع کروں۔ میری گزارش کا یہ حصہ خاص طور پر ذرا غور سے سنا جائے۔

آج کل جب "مذہب" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے چند عقائد، چند عبادات اور زندگی کے چند مراسم کا مجموعہ مراد ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ اس وقت "مذہب" کے کچھ معنی نہیں سمجھے جاتے اور اسلام کو بھی بس ایک ایسا ہی "مذہب" سمجھا جا رہا ہے جس میں چند خاص عقیدوں اور خاص طرز کی چند عبادتوں کی تعلیم ہے۔ اور جو چند مخصوص مراسم کی پابندی چاہتا ہے ———

اگر فی الحقیقت اسلام ایسا ہی مذہب ہوتا تو یقیناً اس میں "جہاد" کے کوئی معنی نہیں ہوتے مگر

واقعہ یہ ہے کہ اسلام پوری انسانی زندگی میں ایک "انقلابی اصلاحی دعوت" کا نام ہے۔ وہ دوسرے "مذہبوں" اور "دھرموں" کی طرح صرف چند عقیدوں اور خاص طرز کی چند عبادتوں ہی کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ پوری حیاتِ انسانی کو ایک ایسے معتدل سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے کہ اس سے زیادہ صالح اور معتدل طریقِ زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ زندگی کا دستور اور نظام بنانے پر اس کو قابو اور قدرت حاصل ہو ــــــ اسی طرح مسلمان اُس جماعت کا نام ہے جو اس "انقلابی اصلاحی دعوت" کے نظریہ اور مسلک کو قبول کر کے خود اس کی داعی اور اس کے لیئے ساعی بن جائے تو آج کل کی عام اصطلاح کے لحاظ سے مسلمان کوئی "قوم" نہیں ہے بلکہ ایک بین الاقوامی پارٹی کا نام ہے جو انسانی دنیا کے نظام کے متعلق کچھ اپنے خاص اصول اور نظریات رکھتی ہے اور اس کو یقین ہے کہ دنیا سے ظلم و جبر اور بے امنی و بد چلنی کا خاتمہ جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ساری دنیا کا نظام ہمارے ان اصولوں کے مطابق ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ پاک مقصد بلا حکومتی اقتدار کے حاصل نہیں ہو سکتا اور حکومتی اقتدار کا حصول بغیر انقلابی جد و جہد کے ناممکن ہے۔ پس جہاد درحقیقت اُس انقلابی جد و جہد ہی کا نام ہے جو الٰہی منشا کے مطابق دنیا میں امن و عدل کا نظام قایم کرنے کیلیے کی جائے ــــــ اسی کو ایک حدیث میں اس طرح ادا کیا گیا ہے کہ "لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا"، یعنی جہاد کا منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔ یعنی خدا کا قانون سارے غیر خدائی قانونوں سے بلند و بالا اور ان پر حاوی و حکمراں ہو جائے ــــــ الغرض اس میں شک نہیں کہ اسلام میں "جہاد" کا حکم ہے اور وہ مسلمانوں کا اہم فریضہ اور اسلام کے انقلابی پروگرام کی آخری دفعہ ہے۔ لیکن یہ سمجھنا کہ جس طرح دنیا میں دو قومیں اپنے مفاد یا میدانِ ترقی میں مسابقت کیلیئے لڑتی ہیں اسی طرح جب مسلمان کسی اور قوم سے ایسے ہی اغراض کیلیئے جنگ کریں تو اس کا نام ان کے یہاں جہاد ہوتا ہے۔ اور اسلام میں اُسی کا حکم ہے، تو ایسا سمجھنا انتہائی غلطی ہے ــــــ میں پوری بصیرت اور ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ مسلمان اگر اپنی قومی منفعت یا قومی بلندی کیلیے کسی سے لڑیں تو وہ ہرگز "جہاد" نہیں ہے بلکہ اسلام میں ہر ایسی لڑائی لڑنا حرام ہے جس کا مقصد خدا اور اسکے قانون کے سوا کسی اور کی بڑائی اور بلندی ہو۔ اسی واسطے جہاد کے ساتھ ہر جگہ "فی سبیل اللہ" کی قید لگا دی

جاتی ہے تاکہ کوئی شخص "اسلامی جہاد" کو "مسلمانوں کی قومی جنگ" نہ سمجھ لے ———— ایک حدیث میں ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضرت! جہاد فی سبیل اللہ کا کیا مطلب ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے ارادہ سے جنگ کرتا ہے، اور کوئی اس غرض سے لڑائی میں حصہ لیتا ہے کہ اس کی شجاعت اور بہادری کو خراج تحسین ادا کیا جائے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی پرانی عداوت کی بنا پر لڑائی میں حصہ لیتے ہیں، کچھ قومی حمیت اور عصبیت کے جوش میں لڑتے ہیں تو کیا ان میں سے کسی کی جنگ فی سبیل اللہ ہے؟۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں ان میں سے کسی کی جنگ بھی راہ خدا میں نہیں ہے۔ فی سبیل اللہ تو صرف اس شخص کی جنگ ہے جس کے پیش نظر خدا کا بول بالا کرنے کے سوا کوئی اور مقصد ہی نہ ہو" الغرض یہ نکتہ مسلمانوں اور نا مسلمانوں سب کو یاد رکھنا چاہیے کہ "اسلامی جہاد" کی اصل غرض و غایت "مسلمان قوم" کی بلندی اور حکمرانی بھی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مقصد وحید بس خدا کا بول بالا کرنا اور لوگوں کو خدائی منشا کے مطابق نظام زندگی قبول کرانا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی مسلمان قوم حکمران ہو لیکن وہاں کا نظام حکومت خدائی قانون کے خلاف ہو، لوگوں پر ظلم اور جبر ہوتا ہو، فواحش اور منکرات کا رواج ہو تو اس حکومت کے خلاف بھی حقیقی مسلمان جہاد کرے گا اور اصولی طور پر اس جہاد میں اور اس جہاد میں جو کسی غیر مسلم قوم کی ظالم حکومت کے خلاف ہو کوئی فرق نہ ہوگا۔

کسی کو غلط فہمی نہ ہو میں جو بار بار یہ کہہ رہا ہوں کہ اسلامی جہاد کا منشار اور اس کی غرض و غایت خدا کا بول بالا کرنا، اور دنیا کے نظام کو قانون الٰہی اور منشار خداوندی کے مطابق کرنا ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں کو زبردستی اور تلوار کے زور سے مسلمان بنانا مطلوب ہوتا ہے، اس کے متعلق تو قرآن نے صاف کہہ دیا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (یعنی دین کے بارہ میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے تو جس کا جی چاہے ہدایت اختیار کرے اور جو چاہے گمراہی کے جہنم میں جائے۔)

دوسری جگہ فرمایا گیا:۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ہ یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کی راہ اختیار کرے ہم نے کفر کرنے والوں کے واسطے آتش دوزخ

تیار کر رکھی ہے)

غرض اسلام قبول کرنے نہ کرنے کا مسئلہ تو بالکل اختیاری ہی ہے ـــــــــ اور جہاد کے مقصد کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اسلام سیاسی اقتدار غلط ہاتھوں میں نہیں رہنے دینا چاہتا اور وہ اس کو گوارا نہیں کرتا کہ جو لوگ قانونِ خدا کے باغی یا اس سے ناآشنا ہوں دنیا کے نظم و نسق پر اُن کا قبضہ رہے کیونکہ ایسی صورت میں انسانوں پر لازماً جبر و ظلم ہوتا ہے اور دنیا میں شرارتیں اور بدیاں فروغ پاتی ہیں۔ خدا کے کمزور بندے پامال ہوتے ہیں اور طاقتور فرعون اور نمرود بن کر خلقِ خدا پر خدائی کرنے لگتے ہیں، فواحش کی گرم بازاری ہوتی ہے اور برائیاں نیکیوں کی جگہ لے لیتی ہیں، اور یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے بلکہ آنکھوں دیکھی حقیقت ہے جس کا ہم ہر وقت مشاہدہ کر رہے ہیں کہ صرف وعظ اور نصیحت سے لوگ بدمعاشیوں اور شرارتوں سے باز نہیں آتے، اگر ایسا ہو جایا کرتا تو حکومتوں کو پولیس اور محکمہ عدل و انصاف کی وجہ سے کروڑوں روپیہ کے مصارف کی زیر باری نہ ہوا کرتی۔

میں آپ کے سامنے اس کی ایک زندہ مثال بھی پیش کرتا ہوں۔ آپ میں سے ہر ایک کو علم ہوگا کہ گاندھی جی ہندو قوم کے مقبول اور محبوب ترین لیڈر ہیں، اور غالباً اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کی کسی قوم کے کسی لیڈر کو اپنی قوم کی اتنی عقیدت حاصل نہیں ہے جتنی گاندھی جی کو حاصل ہے، ہندوؤں کی اکثریت ان کو اپنا دیوتا اور بھگوان روپ تک مانتی ہے، اور جو معدودے چند اُن کی سیاسی پالیسی سے اختلاف بھی رکھتے ہیں وہ بھی اُن کے اخلاص اور اُن کی بے لوث اور بے غرض خدمتِ قوم کے قائل ہیں ـــــــ ایک طرف گاندھی جی کی اس حیثیت اور عام محبوبیت کو رکھیئے اور دوسری طرف اس پر غور کیجئے کہ وہ بیس پچیس سال سے مسلسل اپنی قوم کے سامنے دو چیزیں پیش کر رہے ہیں ایک کھدر کا پہننا اور دوسرے کنوؤں اور مندروں جیسے عام مقامات میں اچھوتوں کو داخلہ کی اجازت دے دینا ـــــــ ان دونوں کاموں میں کوئی بڑی دقت اور مشکل بھی نہیں ہے اور ان کا فائدہ اتنا کھلا ہوا اور روشن ہے کہ ہندوؤں کا بچہ بچہ سمجھ سکتا ہے اور سمجھتا ہے۔ اس کے باوجود آپ دیکھ رہے ہیں کہ گاندھی جی کی بیس پچیس سال کی چیخ پکار آج تک دس فی صدی بلکہ پانچ فی صدی ہندوؤں سے بھی ان دو باتوں پر عمل نہ کرا سکی، اسی کے ساتھ تیسری چیز

آپ "نشہ بازی" اور لے لیجئے اس کے خلاف بھی گاندھی جی ہی نہیں بلکہ قریباً سب ہی قومی لیڈر مسلسل پروپیگنڈا کر رہے ہیں، مذہب بھی اس سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ لیکن کیا پانچ فیصدی شراب خواروں اور نشہ بازوں نے بھی اپنے لیڈروں اور مذہبی واعظوں اور اپدیشکوں کے کہنے سے اس کو چھوڑا؟ ——— اگر آپ حقیقت حال سے واقف ہیں تو اقرار کریں گے کہ ان دردمندانہ نصیحتوں اور مخلصانہ کوششوں کا بہت کم اثر لیا گیا ——— لیکن اگر آج ان لیڈروں کے ہاتھ میں بالفرض سارے ہندوستان کی حکومت آجائے اور نظم و نسق کے متعلق ان کو کامل اختیارات حاصل ہوں تو کیا اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ جو کام پچیس سال میں نہیں ہو سکا وہ چھ مہینے سے کم میں ہو جائے گا۔ مثلاً اگر حکومت چاہے کہ اس کی قلمرو میں غیر ممالک کا کپڑا بالکل استعمال نہ ہو تو کپڑے کی درآمد پر سخت پابندی عائد کر کے وہ اس کے داخلہ ہی کو روک سکتی ہے۔ علی ہذا اگر گاندھی جی کے ہاتھ میں حکومت کے پورے اختیارات ہوں اور وہ چاہیں کہ مندروں کے دروازے اچھوتوں کے لئے بھی کھل جائیں تو چند روز میں ایک ایک مندر کا دروازہ ان کے لئے کھل جائے گا۔ اسی طرح اگر حکومت اُن ہاتھوں میں آجائے جو نشہ بازی کی لعنت کو ملک سے ایک دم دور کر دینا چاہتے ہیں تو وہ اس سلسلہ میں سخت قوانین بنا کر تھوڑے سے دنوں میں اس لعنت کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ بہرحال چونکہ انسان کی کچھ سرشت ہی ایسی واقع ہوتی ہے کہ تنہا وعظ و نصیحت سے وہ نہیں مانتا اور حکومت کے دباؤ کے بغیر وہ شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے باز نہیں آتا اس لئے "اسلام" جو ایک عالمگیر اصلاحی تحریک کا نام ہے حکومتی نظام پر بھی قبضہ کرنا ضروری سمجھتا ہے ——— اور اس کے لئے جو جدوجہد بھی کی جائے بس اس کا نام اسلام کی اصطلاحی زبان میں "جہاد" ہے۔

یہاں تک میں نے "جہاد" کے متعلق جو کچھ عرض کیا وہ اس کی ایک گونہ اصولی تشریح تھی اب میں چند جزوی باتیں بھی آپ کے سامنے رکھتا ہوں انشاء اللہ اُن سے آپ "ہمارے جہاد" کی حقیقت کو اور بھی اچھی طرح سمجھ سکیں گے ذرا غور سے سنیئے:۔

اسلام چاہتا ہے کہ زیردستوں پر زبردستوں کے ظلم و جبر کے تمام طریقوں کو ختم کر دے کوئی کمزور اپنی بے کسی اور بے بسی کی وجہ سے دُکھی نہ رہے، کوئی اُسے ڈرا دھمکا نہ سکے کوئی

کوئی اُس سے بیگار نہ لے سکے، غرض اُس کی کمزوری سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔

اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ غریبوں کو لوٹنے کے جتنے بھی ایسے طریقے ہیں جن کو دوسری حکومتوں کے دستوروں نے جائز قرار دیا ہے ان سب کا خاتمہ کر دیا جائے۔ مثلاً سود اور اسکی تمام صورتوں کو قطعاً بند کر دیا جائے زمین کے متعلق ایسے قوانین رائج کیے جائیں جن کی وجہ سے غریب کاشتکار اپنی محنت کا واجبی پھل کھا سکیں۔ مزدوروں پر کام کا حد سے زیادہ بوجھ ڈالدینا اور ان کو پوری اجرت نہ دینا یا پریشان کر کے دینا یا معمولی حیلے بہانوں سے اُن کی اُجرتیں کاٹ لینا وغیرہ وغیرہ ان جیسے تمام مظالم اور مفاسد کی جڑ کاٹ دی جائے

اسی طرح اسلام چاہتا ہے کہ فواحش اور بے حیائیوں کا بازار قطعاً بند کر دیا جائے۔ حرام کاری کی کوئی دوکان اور بد معاشی کا کوئی اڈا باقی نہ رہے۔ جوا بسٹہ اپنی تمام گوناگوں قسموں کے ساتھ ختم کر دیا جائے — غریبوں کا خون چوسنے والے مہاجن اور ساہوکار باقی نہ رہیں، رشوت خور حکام نہ رہیں جھوٹے مقدمے لڑانے والے وکیل نہ رہیں، امن اور انصاف کی حکومت ہو، انصاف سستا ہو، اُن لعنتی اور ناجائز "قانونوں" کا خاتمہ کر دیا جائے جو مختلف حیلوں سے مدعی اور مدعا علیہ دونوں پر مصارف کا اتنا بار ڈالدیتے ہیں جن کو وہ برداشت ہی نہیں کر سکتے اور اس بے پناہ بار کی وجہ سے جیتنے والا فریق بھی نتیجہ کے اعتبار سے اپنی ہار ہی محسوس کرتا ہے۔ الغرض اسلام چاہتا ہے کہ دُنیا کو ان تمام لعنتوں سے پاک کر دے۔ اور انسانیت جو ان مظالم کے بوجھ سے دبی ہوئی سسک رہی ہے اسکو نجات دے۔ اب آپ خود ہی غور فرمائیں کہ کیا یہ اصلاحیں بغیر حکومت پر قبضہ کیئے نافذ ہو سکتی ہیں؟ اور کیا شر و فساد کی لیہ دُنیا بغیر حکومت کے تازیانہ کے ان تمام اصلاحات کو برضا و رغبت قبول کر سکتی ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے — تو اب دو ہی راہیں ہیں یا تو دنیا کو اپنے حال پر چلنے دیا جائے، زبردست زیردستوں پر ظلم کرتے رہیں، طاقتور کمزوروں کو نگلتے رہیں، مہاجن اور ساہوکار غریبوں کا خون چوستے رہیں، زنا خانے، شراب خانے اور قمار خانے آباد و پُر رونق رہیں، عدالت کی کرسیوں پر رشوت خور حاکم قابض رہیں اور وہ رشوتیں لے لے کر سچائی کے خلاف فیصلے کرتے رہیں، جھوٹے مقدمے کامیابی کے ساتھ لڑانے والے وکیل باقی رہیں اور

زبان کے زور سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کے نمونے روزپیش کرتے رہیں۔ سچائی ذبح ہوتی رہے اور انسانیت تڑپتی رہے ——— تو ایک راہ تو یہ ہے کہ یہ جو کچھ جس طرح ہوتا ہے یونہی ہوتا رہے ——— اور دوسری راہ یہ ہے کہ ایسے باطل نظام اور ظلم و فساد کے ایسے دستور کو توڑ پھوڑ دیا جائے اور وہ طریق حکومت قایم کیا جائے جس کے بعد ملک میں ایک چور نہ رہے، ایک ڈاکو اور قزاق نہ رہے، مہاجنی اور ساہوکار ختم ہو جائے۔ غریبوں کا خون چوسنے والی موٹی موٹی جونکیں اپنی موت مرجائیں۔ ایک رشوت خور حاکم نہ رہے بلکہ کسی رشوت خور کو پولیس کا کانسٹبل اور چپراسی بھی نہ رکھا جائے، وکیلوں کے جھوٹ اور فریب کا خاتمہ کر دیا جائے، انصاف سستا بلکہ مفت ہو جائے۔ اور تمام قانونی مظالم اور مفاسد کی جڑ کٹ جائے ——— ظاہر ہے یہ سب کچھ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جبتک کہ حکومت کی باگ ڈور اللہ کے صالح اور خدا ترس بندوں کے ہاتھ میں نہیں آتی

تو اسلام کہتا ہے کہ اس مقصد عظیم کیلئے ہر ممکن جد وجہد کی جائے اور جن لوگوں نے خدا کے دین کو قبول کیا ہے اور خدا کے رسول سے عہد اطاعت کیا ہے وہ اپنا سفر صرف اپنے ذاتی عقیدوں کی درستی اور شخصی اعمال کی اصلاح پر ختم نہ کر دیں بلکہ اس کے بعد وہ انسانیت کی فلاح اور دُنیا میں صحیح نظام حکومت قایم کرنے کیلئے کوشاں اور سرگرداں رہیں بس اسی انقلابی کوشش کا نام "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔ اب ہر منصف مزاج یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ کوئی اچھی چیز ہے یا بُری۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس انقلابی تحریک کی قدم قدم پر مزاحمتیں ہوں گی، جو لوگ غلط نظام ہائے حکومت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے عادی بن چکے ہیں وہ مزاحم ہوں گے چور اور بدمعاش ان کوششوں میں حائل ہوں گے۔ فواحش اور معصیات کے دلدادہ راستہ روکیں گے۔ مہاجن اور ساہوکار مزاحم ہوں گے۔ غرض اس اصلاحی تحریک سے جن جن کے اغراض اور مفادات پر اثر پڑے گا وہ سب مزاحم ہوں گے اور ان مزاحمتوں کی وجہ سے جنگ کی صورت پیدا ہوگی اور نوبت خونریزی کی بھی آئے گی لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا ایسے چند انسانوں کے خون سے بچنے کیلئے اتنی بڑی عالمگیر اصلاح کی تحریک کو

معطل کر دیا جائے یا اس تھوڑے سے خون کی پروا کیے بغیر آگے بڑھا جائے اور اس قربانی کو گوارہ کر کے ہمیشہ کیلئے فسادات اور خونریزیوں کا خاتمہ کر دیا جائے ـــــــ اسلام اسی دوسرے نظریہ کا قائل ہے اور اس کے جہاد کا بس یہی مقصد ہے۔ بیشک ہمارے جہاد میں بھی خون کے کچھ قطرے گرے ہیں لیکن اُن چند قطروں نے خون کی بہنے والی ندیوں کیلئے "بند" کا کام دیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ انھیں چند قطروں نے ظلم و فساد کی بھڑکنے والی آگوں کو بجھا دیا ہے۔ غالباً مولانا ظفر علی خاں کا شعر ہے ؎

آگ بیداد و تشدد کی بجھائی ہم نے خون کی بارش سے او ظلم و ستم کی دُنیا

جہاد کے اسی مقصد کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:۔

قَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ط

اور تم دشمنان حق و صداقت سے جنگ جاری رکھو اس وقت تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اطاعت صرف اللہ کے قانون کی ہو۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ میری اتنی تشریح اور توضیح سے اسلامی جہاد کا مقصد اور اس کی حقیقت آپ حضرات نے پوری طرح سمجھ لی ہوگی اور یہ بھی اب آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ اسلامی جہاد کو صرف "دفاعی جنگ" میں محدود کرنا حقیقت سے کس قدر دور ہے۔ در اصل یہ دفاعی اور ہجومی جنگ کا سوال قومی جنگوں میں پیدا ہو سکتا ہے اسلام کا نظریہ اس سے ورا الورا ہے اُس کے پاس دُنیا کے نظام کی اصلاح کا ایک پیام اور دستور ہے اور وہ اُس کو ساری دُنیا سے منوانا چاہتا ہے جو لوگ اُس کو بطیب خاطر منظور کر لیں۔ یعنی اس صالح نظام میں داخل ہونا قبول کر لیں پھر اسلام ان سے کچھ نہیں چاہتا نہ اُن کے مالوں میں حصہ بانٹتا ہے، نہ اُن کی زمین چھینتا ہے بلکہ اپنی اصلاح قبول کرا کے وہ اپنا انقلابی کام ختم کر دیتا ہے بلکہ ان کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری بھی مسلمانوں ہی کے سر ڈال دیتا ہے جن کی حیثیت اسلام کی سرکاری فوج کی ہے اور اس خدمت کے عوض ان کو صرف جذیہ کی قلیل مقدار وصول کرنے کا حق دیتا ہے۔ لیکن جو لوگ اُس کی اصلاح کی راہ میں مزاحم ہوں تو پھر اسلام اپنی طاقت سے اُس مزاحمت کو دفع کر کے اپنی اصلاح کو جبراً بھی قبول کراتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو پیامِ ہدایت اور قانونِ حق لیکر بھیجا تاکہ اس قانون کو تمام دوسرے قانونوں پر غالب کر دیا جائے اگرچہ مشرک لوگ اس کو بخوشی گوارہ نہ کریں۔

الغرض جہاد کا منشا قانونِ الٰہی یا بالفاظِ دیگر کلمۃ اللہ کی بلندی ہے اور بس!

حضرات! یہ ہے اس جہاد کی حقیقت جو اسلامی تحریک کے پروگرام کی آخری دفعہ ہے اور اسی لیئے حدیث میں اس کو اسلام کی چوٹی بتلایا گیا ہے ـــــ (وذروۃ سنامہ الجہاد)

جہاد کی اس غرض پر مزید روشنی اسلام کے قانونِ جہاد سے بھی پڑتی ہے۔ اسلام کا مشہور مسئلہ ہے کہ جس قوم کی طرف اسلامی لشکر پیش قدمی کرے پہلے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اگر وہ اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اس سے جزیہ کا مطالبہ کیا جائے یعنی اس کو دعوت دی جائے کہ وہ حکومتِ الٰہیہ کی ماتحتی منظور کرے۔ یا آج کل کی اصطلاح میں یوں سمجھیئے کہ اس سے کہا جائے کہ حکومتِ الٰہیہ کے سیاسی نظام میں وہ اپنے کو منسلک کر دے پھر اگر وہ اس سے بھی انکار کرے تو آخرکار جنگ کی جائے۔

ـــــ اس ترتیب سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی جنگ کا مرکزی نقطہ اسلام قبول کرنا نہیں ہے بلکہ قانونِ الٰہی کی ماتحتی اور اسلام کے سیاسی نظام سے وابستگی کا مسئلہ اصل مدارِ جنگ ہے ـــــ

پھر جب جنگ شروع ہو جائے تو اس کے متعلق جو ہدایات اسلام دیتا ہے وہ بھی "اسلامی جہاد" کو "قوموں کی باہمی جنگوں" سے ممتاز کر دینے والی چیز ہے ـــــ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کیلیئے کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو پہلے اُن کو خوفِ خدا اور تقویٰ کی پابندی کی نصیحت فرماتے اس کے بعد آپ کا ارشاد ہوتا۔

اغزوا بسم اللہ وفی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ، اغزوا ولا تغدروا ولا تغلوا ....

بڑھو اللہ کا نام لیکر، بڑھو خدا کی راہ میں جنگ کرو ان سے جو خدا کے منکر اور قانونِ خدا کے باغی ہیں جنگ کرو، لیکن خبردار! کوئی عہد شکنی اور دھوکہ فریب نہو، اور خیانت نہ ہو۔

ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا ۝

اور دیکھو کسی کا مثلہ نہ کیا جائے (یعنی ان کے

ناک کان وغیرہ اعضا نہ کاٹے جائیں) اور کسی بچہ کو خبردار قتل نہ کرو۔

نیز آپ سخت تاکید فرماتے کہ کسی بوڑھے کو جنگ میں قتل نہ کیا جائے۔ عورتوں پر ہاتھ نہ اُٹھایا جائے۔ کسی قوم کے راہبوں اور درویشوں کو نہ مارا جائے۔

پھر آپ کے خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب شام میں جہاد کیلئے لشکر روانہ فرمایا تو اس کو دس ہدایتیں کی تھیں جو حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں آج بھی موجود ہیں وہ یہ تھیں :۔

(۱) عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں۔

(۲) کسی کا مُثلہ نہ کیا جائے۔

(۳) راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور ان کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں۔

(۴) کوئی پھلدار درخت نہ کاٹا جائے اور کھیتوں میں آگ نہ لگائی جائے۔

(۵) آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

(۶) جانور جو اپنی غذا نہ ہوں ان کو ہلاک نہ کیا جائے۔

(۷) بدعہدی سے ہر حال میں پرہیز کیا جائے۔

(۸) جو لوگ اطاعت قبول کرلیں ان کی جان و مال کا ویسا ہی احترام کیا جائے جیسا مسلمانوں کے انفس و اموال کا کیا جاتا ہے۔

(۹) مال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے

(۱۰) جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

اِن ہدایات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ "اسلامی جہاد" اور "قوموں کی باہمی جنگوں" میں کیا جوہری فرق ہے ——— پھر یہ صرف زبانی ہدایتیں ہی نہیں تھیں بلکہ عمل بھی بالکل انہیں حدود میں تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک غزوہ میں اسلامی فوج کے بعض سپاہیوں نے غیر قانونی طور پر جنگل سے کچھ بکریاں پکڑ لیں اور ذبح کر کے ان کا گوشت بھی پکانا شروع کر دیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے بھری دیگچیاں اُلٹوا دیں اور فرمایا ان النھبۃ لیست باحل من المیتۃ (یعنی اس طرح لوٹ مار کر کے جو حاصل کیا جائے وہ مردار جانور کی طرح ہی حرام ہے)

حضرات! ان تمام چیزوں نے اسلامی جہاد کی حقیقت آپ پر واضح ہو گئی ہوگی اب میں صرف

یہ اور بتلانا چاہتا ہوں کہ اسلام میں اس جہاد کا کیا مقام ہے اور اس کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:-

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (صف ۱۶)

اللہ تعالیٰ ان مجاہدوں کو پیار کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح ڈٹ کر جہاد کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا گیا ہے:-

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اموال اور انکی جانیں جنت کے عوض میں خرید لی ہیں۔ وہ راہ خدا میں جہاد کریں پس ماریں اور مریں، یہ خدا کا حتمی وعدہ ہے جو مجاہدین سے کیا گیا ہے توریت میں بھی انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کا پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ پس تم خرید و فروخت کے اس معاملہ پر خوش ہو جاؤ جو تمہارا خدا سے ہوا ہے اور یہ بہت بڑی فلاح اور کامیابی ہے۔

حضرات! اگر ان دو آیتوں کے علاوہ جہاد کی فضیلت میں کچھ بھی وارد نہ ہوا ہوتا تو یہی دو آیتیں کافی تھیں خدا کی محبت اور جنت جس قیمت اور جس قربانی سے بھی حاصل ہو سکیں بہت سستی ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاد کے فضائل اس سے بہت زیادہ ہیں حدیث کی کتابوں میں آپ کو ایسی سیکڑوں حدیثیں ملیں گی جن میں جہاد اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے نہایت بلند فضائل بیان کیے گئے ہیں میں صرف چند حدیثیں اس وقت آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے:-

غدوة او روحة فی سبیل الله خیر من الدنیا وما فیھا (یعنی اللہ کے راستہ میں جہاد کیلئے ایک دفعہ صبح کو یا شام کو نکلنا دنیا اور دنیا کی ساری کائنات سے زیادہ بہتر اور قیمتی ہے)

ایک دوسری حدیث میں ہے ان مقام احدکم فی سبیل الله ساعة افضل من صلوته

فی بیتہ سبعین عاما (یعنی تھوڑی سی دیر جہاد میں کھڑا ہونا اپنے گھر میں ستر سال نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے من قاتل فی سبیل اللّٰہ فواق ناقۃ وجبت لہ الجنۃ (یعنی جس نے اتنی دیر اللہ کے راستہ میں جہاد کیا جتنی دیر میں کہ اونٹنی پسائی جاتی ہے تو جنت اس کے لئے واجب ہو گئی) ایک اور حدیث میں ہے کہ لا یجتمع علی عبد غبار فی سبیل اللّٰہ ودخان جھنم (اللہ کے کسی بندے پر دو چیزیں جمع نہ ہونگی ایک جہاد فی سبیل اللہ کا غبار اور دوسرے جہنم کا دھواں یعنی جس پر جہاد کے سلسلہ میں کبھی ذرا سا بھی غبار پڑ گیا وہ بھی جہنم کی آگ سے محفوظ ہو گیا) ایک اور حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الجنۃ تحت ظلال السیوف

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں الجنۃ تحت بارقۃ السیوف (یعنی جنت تلوار کی چھاؤں میں یا تلواروں کی باڑ کے نیچے ہی)

ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض شہدا کے متعلق فرمایا کہ شہادت کے بعد جب خدائی دربار میں ان کی پیشی ہوئی تو ان سے باصرار پوچھا گیا کہ تم کیا چاہتے ہو یعنی اپنے منہ سے کوئی مراد مانگو تو انھوں نے بس یہ درخواست کی کہ ہم کو پھر سے زندہ کر کے دنیا میں بھیجدیا جائے تاکہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور پھر شہید کیے جائیں، گویا ان کے لئے اس سے بڑھکر کسی اور لذت کا تصور ہی نہ تھا، خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں تمنا ظاہر فرمائی۔ لوددت انی اقتل فی سبیل اللّٰہ ثم احیٰ ثم اقتل ثم احی ثم اقتل (یعنی میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اللہ کے راستہ میں شہید کیا جائے اور پھر میں زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید کیا جاؤں)

اب میں ایک وعیدی حدیث پر اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ فقد مات علی شعبۃ من النفاق (یعنی جو شخص اس حال میں مر گیا کہ نہ تو اس نے جہاد میں کبھی عملی حصہ لیا اور نہ کبھی اسکے دل میں جہاد کی آرزو اور اس کا ولولہ پیدا ہوا تو وہ ایک قسم کی منافقت کی حالت میں مرا)

حضرات! یہ ہے اسلام میں جہاد کا مقام اور یہ ہیں اس کے فضائل و مراتب وفی ذالک

فلیتنافس المتنافسون ہ

اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں اور راہ خدا میں سر کٹانے والوں کی ایک ممتاز فضیلت اور یاد آئی بات ناتمام رہ جائے گی اگر اس کو ذکر نہ کروں اور وہ فضیلت قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہے ارشاد ہے:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ہ	جو لوگ راہ خدا میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو "مردہ" مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی حیات محسوس نہیں ہوتی۔

گویا جو شخص راہ خدا میں جان دیتا ہے اس کو ابدی حیات کا پروانہ مل جاتا ہے کہنے والے نے کہا

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

محترم حضرات! اسلامی جہاد کی حقیقت و اہمیت اور اس کے فضائل کے متعلق آج جو کچھ میں نے کہنے کا ارادہ کیا تھا بحمد اللہ میں وہ سب کہہ چکا آخر میں صرف اتنا اور عرض کرنا ہے کہ یہ جہاد جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں اسلامی انقلابی تحریک کا آخری قدم ہے اس وقت ہم جس حال میں ہیں یہ آخری قدم فی الفور نہیں اٹھایا جا سکتا، پہلے ہمیں تحریک کی پہلی دفعات پر عمل کر کے اپنے آپ کو اس آخری قدم کے قابل بنانا ہے ابھی ہم کو جماعت کی صحیح تنظیم اور حزب اللہ کی تشکیل اور اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ کے مطابق دوسری ابتدائی تیاریاں کرنی ہیں، اور یہ سب کچھ بھی جہاد ہی کے مبادی بلکہ اس کے خاص شعبے ہیں اس کے بعد جب ہماری تیاریاں مکمل ہو جائیں اور کوئی سازگار فضا پیدا ہو تو اگلا قدم اٹھا دینا ہمارا فرض ہوگا۔

ایمان والے بزرگو اور دوستو! جہاد کی تعلیم ہمارے یہاں مُردہ نہیں ہوئی ہے اور نہ اس کا حکم زائد المیعاد ہوا ہے، دوسرے اسلامی احکام کی طرح جہاد کا حکم بھی قیامت تک باقی رہنے والا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الجهاد ماض الى يوم القيمة

حضرات! اب میں اپنی گزارشات کے اس سلسلہ کو اس وقت یہیں ختم کرتا ہوں اس کے بعد کل اور پرسوں کی باقی دو تقریروں میں انشاء اللہ العزیز یہ بتلاؤں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

عہد سعادت مہد میں جب ٹھیک اسی ترتیب کے ساتھ اسلامی تحریک کی ان دفعات پر عمل کیا گیا تو اس کے کیا نتائج پیدا ہوئے، حکومت الٰہیہ کس طرح قایم ہوئی، اس کا نظم و نسق کیسا تھا اور کیا دنیا کی تاریخ میں اس سے بہتر یا اس جیسی حکومت دنیا کے کسی حصہ میں کبھی ہوئی ہے؟

حق تعالےٰ مجھ کو صحیح صحیح کہنے کی اور ہم سب کو صحیح طریقہ پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہماری مدد فرمائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

ساتواں خطبہ

اسلامی تحریک کے نتائج اور حکومتِ الٰہیہ کا نمونہ

(بعد خطبۂ مسنونہ)

حضرات! اسلامی تحریک کے جس پروگرام کے پیش کرنے کا میں نے ارادہ اور وعدہ کیا تھا کل تک میں اس کی اہم دفعات سے فارغ ہو چکا اور سب سے آخری اہم ترین دفعہ جہاد کو بھی میں آپ کے سامنے پیش کر چکا —— اب آج مجھے یہ بتلانا ہے کہ اب سے قریباً پونے چودہ سو برس پہلے جو اسلامی تحریک ٹھیک اسی پروگرام پر اُٹھائی اور چلائی گئی تھی تو اس سے کیسے نتائج پیدا ہوئے تھے کس قسم کا نظام حکومت بنا تھا اور عام دُنیائے انسانیت پر اس کا کیا اثر پڑا تھا۔

اس تحریک کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذنِ الٰہی شروع فرمایا تھا، آپ خود ہی اس کے علمبردار اور قائد تھے۔ نبوت کے بعد قریباً چودہ پندرہ برس تک اس تحریک کی ابتدائی دفعات ہی پر آپ کا اور آپ کے رفقاء کا عمل رہا۔ پھر ہجرت سے کچھ عرصہ بعد آپ کو آخری قدم اُٹھانے یعنی جہاد کرنے کا اِذن ملا اس سے پہلے آپ کے بعض جوشیلے اور جان نثار رفیقوں کے دلوں میں باطل کی طاقتوں سے ٹکرانے اور قربانی دینے کا ولولہ پیدا بھی ہوا تو ان کو یہی ہدایت ملی کہ

کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ الآیۃ (یعنی ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے ابھی اور کچھ دنوں پروگرام کی ابتدائی دفعات، اقامتِ صلوٰۃ وغیرہ پر عمل کر کے اپنی تربیت کو مکمل اور اپنی طاقتوں کو منظم کرتے رہو) پھر جب آپ کو جہاد کا اذن مل گیا تو آپ نے یہ آخری قدم اُٹھایا اور تھوڑے دنوں کے بعد اس جدوجہد کے نتیجہ میں عرب کے چھوٹے سے خطہ پر اسلام کا سیاسی اقتدار قائم ہو گیا —— مدینہ طیبہ اس اقتدار کا مرکز تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس حکومت کے چلانیوالے تھے —— آپ نے یہ حکومت کس طرح چلائی؟ حدیث اور سیر کی کتابوں میں آپ کے طریقۂ حکو[مت]

کو تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے مختصراً میں بھی یہاں کچھ عرض کرتا ہوں :-

"سلطان کونین" کی معیشت حکمرانی کے اس دور میں بھی آپ کی معیشت ویسی ہی غریبانہ اور فقیرانہ رہی جیسی کہ اس سے پہلے تھی، اپنے لیے آپ نے کوئی شاندار، بلکہ اوسط درجے کا بھی مکان نہیں بنوایا، زیادہ قیمتی اور بہت بڑھیا کپڑا کبھی نہیں پہنا۔ گھر کے گزارے کا حال یہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں ما شبع آل محمد من خبز البر ثلاثا حتی مضی بسبیلہ (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کے گھر والوں کو کبھی تین دن بھی گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کے کھانے کا اتفاق نہیں ہوا) نیز حضرت صدیقہؓ ہی کا بیان ہے کہ کبھی کبھی ہم یکے بعد دیگرے تین چاند دیکھ لیتے تھے یعنی دو مہینے کامل گزر جاتے تھے اور اس عرصہ میں بیت نبوت میں چولھا گرم ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی یعنی پکنے پکانے کیلئے کوئی چیز ہی میسر نہ ہوتی تھی، راوی کہتا ہے میں نے حیرت سے پوچھا کہ آخر پھر گزارہ کس چیز پر ہوتا تھا؟ حضرت صدیقہؓ نے جواب دیا "الاسودان التمر والماء" (یعنی بس چھوارے اور پانی پر ہمارے دن کٹتے تھے) یہ بھی واضح رہے کہ یہ حالت اس زمانہ کی ہے جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں حکومتی اقتدار آچکا تھا کیونکہ حضرت صدیقہؓ کو آپ کی رفاقت اور خدمت کا موقع اسی زمانہ میں ملا ہی ———

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے گھر میں کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں ہے اور آپ ایک بوریئے پر استراحت فرما رہے ہیں اور کھجور کی چھال کا تکیہ سر مبارک کے نیچے ہے اور جسم اقدس پر بوریئے کے نشانات پڑ گئے ہیں۔ حضور کی یہ حالت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آنحضرت نے دریافت فرمایا عمر! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یہ قیصر و کسریٰ خدا کے باغی ہیں اور عیش و راحت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اور آپ خدا کے رسول ہیں اور اس قدر تکلیف میں ہیں، ارشاد ہوا اے ابن الخطاب! تم کو یہ وسوسہ ہے؟ اولئک قوم عجلت لهم طیباتهم فی الحیاۃ الدنیا ومالهم فی الآخرۃ من خلاق،، (یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے مرغوبات دنیا ہی میں دیئے گئے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے) واضح رہے کہ یہ واقعہ سنہ ۹ ہجری کا ہے جبکہ قریباً پورا عرب آپ کے زیر نگیں آچکا تھا اور غنیمت وغیرہ مختلف مدات سے کافی مال و اسباب روزمرہ

آپ کے یہاں آتا اور آپ کے ہی ہاتھوں سے بٹتا تھا پھر بھی آپ کی معیشت وہ تھی جو ان چند روایات سے معلوم ہوئی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

بسترا خاک کا دو پارچہ کمبل کی کلاہ تاج خسرو ہی یہی تخت سلیماں ہی یہی

نیز مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے یہاں کہیں سے کچھ باندیاں اور غلام آئے اور عادتِ مبارکہ تھی کہ جب ایسی صورت ہوتی تو اس قسم کی چیزوں کو آپ دوسروں ہی میں تقسیم فرما دیتے تھے) ــــ اس زمانہ میں آپ کی چہیتی صاجزادی حضرت فاطمہ زہرا رضؓ کے پاس کوئی خادم یا خادمہ نہیں تھی وہ خود ہی گھر کے لیے آٹا پیسی تھیں، جس سے اُن کی ہتیلیوں میں گٹے پڑ گئے تھے، خود ہی گھر میں جھاڑو لگاتی تھیں جس سے اُن کے کپڑے گرد و غبار میں اٹ جاتے تھے، اور خود ہی مشک میں پانی بھر کے لاتی تھیں جس سے ان کے کاندھوں پر نیل پڑ گئے تھے۔ جب اُن کو معلوم ہوا کہ ابا جان کے یہاں آج کچھ باندیاں اور غلام آئے ہیں اور معلوم تھا کہ وہ اہل حاجت میں تقسیم ہی کیے جائیں گے تو وہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اتفاق سے آپ اس وقت گھر میں تشریف نہ رکھتے تھے اس لیے آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے کہہ آئیں کہ میری یہ حالت ہے۔ اور مجھ پر کام کا اتنا بار ہے، ابا جان تشریف لائیں تو میری طرف سے عرض کر دیجئے گا کہ اگر ان باندیوں یا غلاموں میں سے مجھی ایک مل جائے تو میری تکلیف کچھ کم ہو جائے، چنانچہ حضرت صدیقہ رضؓ نے ان کی یہ درخواست رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ نے سُنا اور سیدھے حضرت فاطمہ رضؓ کے گھر تشریف لائے اور ان سے فرمایا بیٹی! مجھے تمہارا پیغام پہونچ گیا میں تمھیں وہ بات بتلاتا ہوں جو لونڈی اور غلام سے تمہارے لیئے زیادہ کارآمد ثابت ہوگی اور وہ یہ کہ "ہر نماز کے بعد تم تینتیس دفعہ سبحان اللہ اور اتنی ہی دفعہ الحمد للہ اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو"

کیا دُنیا کی تاریخ کسی حکمراں کا ایسا نمونہ پیش کر سکتی ہے کہ دوسروں کیلئے مالوں کے ڈھیر ہیں غلام اور باندیاں ہیں، مگر اپنے گھر میں فقر ہے، فاقہ ہے، اور بیٹی کو غلام اور باندی کی درخواست کے جواب میں خدا کی تسبیح و تحمید کی تلقین ہے ــــ اور ایک گزارے ہی پر موقوف نہیں دیکھنے والوں نے وہاں حکمرانی کی کوئی شان نہیں دیکھی اور بارہا ایسا ہوا کہ آنے والے مسجد نبوی میں پہونچے اور ان کو پوچھنا پڑا کہ اس مجمع میں محمد رسول اللہ کون ہیں؟ ــ

آپ کی سیرت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ مال کہیں سے آیا آپ نے وہ حسب عادت فوراً ہی تقسیم فرما دیا اس کے بعد ایک بدو پہونچا اور گلوئے مبارک میں اپنی چادر کا بل ڈال کر کہنے لگا کہ جو مال آیا تھا اس میں سے مجھے بھی دلواؤ! لیکن آپ بجائے اس کے کہ اس ناروا حرکت کی اسکو کچھ سزا دلواتے یا زبان ہی سے ڈانٹتے بڑی نرمی کے ساتھ بس معذرت فرماتے ہیں کہ بھائی ؟ وہ تو میں سب تقسیم کر چکا اور اب اس میں سے میرے پاس کچھ بھی باقی نہیں ہے۔

حضرات! یہ تھا حکمرانی کے دور میں بھی آپ کا طریقہ کار اور طرز عمل لیکن خیر یہاں تو نبوت تھی اس لیئے یہاں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے زیادہ تعجب اس وقت ہوتا ہے جبکہ ہم آپ کے جانشین حکمرانوں کا طریقہ حکمرانی دیکھتے ہیں تاریخ کے صفحات میں اس کا حال دیکھ کر بخدا انسانی عقل دنگ ہو جاتی ہے

آنحضرت کے بعد آپ کے سب سے پہلے جانشین حکمراں حضرت صدیق اکبرؓ ہیں آپ کا حال یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ نے خلافت کیلیئے آپ کا انتخاب کیا تو پہلا خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا "ان احسنت فاعینونی وان اسأت فقوموني" (یعنی اگر میں ٹھیک کام کروں تو آپ لوگ مجھے مدد دیں اور اگر میں غلط راستے پر چلنے لگوں تو آپ مجھے سیدھا کر دیں)

خلافت سے پہلے آپ اپنے گزارے کے لیئے کپڑے کی تجارت کرتے تھے جب آپ خلیفہ منتخب ہو گئے تو اس وقت بھی آپ نے اپنی گزر اوقات کیلیئے تجارت کے اس سلسلہ کو جاری رکھنا چاہا اور چند روز تک ویسا ہی کیا لیکن کام بہت بڑھتا ہوا دیکھ کر بعض جلیل القدر صحابہ نے اس پر اصرار کیا کہ آپ اپنا گزارہ بیت المال سے لیں اور اپنے تمام اوقات امور خلافت کی انجام دہی میں ہی صرف کریں، اس اصرار سے مجبور ہو کر آپ نے اس تجویز کو منظور فرما لیا اور اہل حل و عقد کے مشورہ سے آپ کا وظیفہ ڈھائی ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گیا۔ آج کل کے نرخ سے ڈھائی ہزار درہم چاندی کی قیمت قریباً تین سو روپیہ ہوتی ہے گویا اسلام کے اس جلیل القدر خلیفہ کی تنخواہ قریباً پچیس روپیہ ماہوار مقرر ہوئی اس کے علاوہ الاؤنس وغیرہ کچھ نہیں تھا، سارے مصارف بس اسی میں پورے ہوتے تھے ——— ایک روز آپ کی اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ بچوں کا جی کچھ میٹھا کھانے کو چاہتا ہے لہذا اس مرتبہ بیت المال سے کچھ زیادہ برآمد کرا لیجیئے، تو آپ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا تم اگر کر سکو تو اسی وظیفہ میں سے کچھ روزانہ

بچالیا کرو اور اسی سے بچوں کی اس خواہش کو پورا کر دو ——— چند روز کے بعد آپ کھانا کھانے کیلئے بیٹھے تو سامنے کچھ میٹھی چیز بھی آئی آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ عرض کیا گیا کہ روزمرہ کے خرچ میں سے کچھ بچت کی گئی اور اسی سے یہ چیز تیار کی گئی ہے۔ آپ نے حساب پوچھا کہ تم نے کس اندازہ سے بچایا انھوں نے بتلایا کہ روزانہ اتنا ہم نے بچایا آپ نے اسی وقت بیت المال کے محاسب کو لکھ بھیجا کہ میرے وظیفہ میں سے اتنا اور کم کر لیا جائے کیونکہ ابو بکر کے گھر والوں کی زندگی بغیر میٹھا کھائے ہوئے بھی بسر ہو سکتی ہے۔

حضرات! کیا دنیا کی تاریخ میں ایسا کوئی حکمراں اور اس طرح کی حکمرانی کسی نے دیکھی ہے؟ پھر یہ سن کر آپ کو اور زیادہ تعجب ہوگا کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے گھر والوں سے آپ نے فرمایا کہ میرے فلاں فلاں رفیقوں نے اصرار کر کے مجھے بیت المال سے وظیفہ دلوایا یہاں تک کہ قریباً چھ ہزار درہم اس دوران میں میری طرف بیت المال کے خرچ ہو چکے ہیں، میرے مرنے کے بعد میرا فلاں باغ بیچکر آپ لوگ بیت المال میں اتنی رقم داخل کر دیں ——— نیز وصیت فرمائی کہ بیت المال سے مجھے ایک اونٹنی ایک برتن ایک چادر اور ایک لونڈی بھی دیگئی تھی یہ چیزیں بھی بیت المال کو واپس کر دی جائیں۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ سب چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس واپس بھیجیں تو انھوں نے کہا ابوبکر پر خدا کی رحمت انھوں نے اپنے جانشین کیلئے بڑا مشکل نمونہ چھوڑا ہے ———

آپ نے اپنی جانشینی کیلئے اپنے کسی صاحبزادے یا اپنے کسی عزیز قریب کو منتخب نہیں کیا بلکہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو آپ نے نامزد فرمایا، خود خلافت نامہ لکھوایا اور اپنے غلام کو دیا کہ جاؤ اس کو مسلمانوں کے مجمع میں سُنادو اور خود بھی بالا خانہ سے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا، لوگو! میں نے اپنے کسی عزیز، قریب کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ اس کام کیلئے عمر بن الخطابؓ کو میں نے تم میں سے منتخب کیا ہے کیا تم سب کو یہ انتخاب منظور ہے، سب نے بالاتفاق کہا "سمعنا واطعنا" (حضرت ہم نے آپ کا فرمان سُنا اور بطیب خاطر ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں) ——— اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ عمر سے بہتر کسی شخص پر آفتاب نے طلوع نہیں کیا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر خدا مجھ سے پوچھے گا تو عرض کر دونگا کہ اس وقت تیری

مخلوق میں جو شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ اہل اور متقی تھا میں اس کو خلافت سپرد کر کے آیا ہوں
پھر آپ نے حضرت عمرؓ کیلئے اللہ پاک سے بہت دعائیں مانگیں اور آپ کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں
اپنے کفن کے متعلق آپ نے وصیت فرمائی ــــ کہ جو کپڑے میرے جسم پر ہیں انہی کو دھو کر میرا کفن
بنا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اسلام کا سب سے پہلا جلیل القدر خلیفہ اپنے پرانے ہی کپڑوں میں کفنا کر
دفن کیا گیا رضی اللہ تعالےٰ عنہ وارضاہ۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے قریباً دس برس آپ کو
بحیثیت خلیفہ کے کام کرنے کا موقعہ ملا اس پورے عرصہ میں آپ جو کام کر گئے اور دنیا کے سامنے
حکومت کا جو نمونہ پیش کر گئے وہ آجتک غور و فکر والی دنیا کو حیرت میں ڈالے ہوئے ہے۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد منور اور صدیقی دور میں آپ کی پالیسی نہایت سخت
مشہور تھی اور فی الحقیقت آپ کے مزاج میں سختی تھی لیکن خلافت کی باگ جس دن ہاتھ میں آئی اسی
دن سے گویا آپ کی فطرت بدل گئی۔ قدیم تجربہ کی بنا پر بعض لوگوں میں کچھ خوف و ہراس تھا آپ نے
اس کا اندازہ فرما کر ایک دن خطبہ میں فرمایا "لوگو! میری سختی اس وقت تک تھی جب تک رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کی نرمیاں موجود تھیں، میرا تشدد ان کے ساتھ مل کر اعتدال پیدا
کر دیتا تھا ــــ مگر چونکہ اب وہ نرمیاں ہی نہیں رہی ہیں اس لیے اب میں بھی اپنے رویہ میں سختی نہ کرونگا
ہاں ظالموں اور بدکاروں کیلئے میری شدت بدستور رہے گی۔"
خلیفہ ہوتے ہی آپ نے اعلان عام فرما دیا احب الناس الیّ من رفع الیّ عیوبی (یعنی
مجھے وہ شخص سب سے زیادہ پسند ہوگا جو میرے عیبوں پر مجھے مطلع کرتا رہے)
آپ بھی خلافت سے پہلے اپنے گزارہ کیلئے تجارت کا سلسلہ رکھتے تھے لیکن خلافت کے کاموں
کے ساتھ وہ جاری نہیں رہ سکتا تھا اس لئے آپ کے گزارہ کا انتظام بھی بیت المال سے ہونا قرار پایا اور
آپ نے اپنے لیئے جو گزارہ یا وظیفہ تجویز فرمایا اس کا ذکر طبقات ابن سعد میں اس طرح کیا گیا ہے۔ آپ نے
فرمایا:۔
"مجھے بیت المال سے بس اس قدر ملنا چاہیئے جو میرے اور میرے اہل و عیال کے کھانے کیلئے متوسط

درجہ میں کافی ہو" اور خود ہی آپ نے اس کے لیئے صرف دو درہم روزانہ تجویز فرمائے (جسکی قیمت آج کے نرخ سے چار آنہ سے زیادہ نہیں ہوتی)۔

کپڑوں کے متعلق آپ نے تجویز کیا کہ بس دو جوڑے کپڑے میرے لیئے ہونے چاہئیں ایک گرمیوں کے لیئے اور ایک جاڑوں کیلیئے۔ اور جب حج اور عمرہ کیلیئے جاؤں تو سواری ملنا چاہیئے چنانچہ یہی آپ کا دستور رہا۔

کھانے کا یہ حال تھا کہ آپ روزمرہ جس قسم کا کھانا کھاتے تھے معمولی درجہ کے لوگوں کے لیئے اس کا کبھی کبھی کھانا بھی دشوار تھا۔ ایک مرتبہ عراق سے کچھ مہمان آپ کے یہاں آئے تو ان لوگوں سے آپ کے یہاں کا کھانا نہیں کھایا جا سکا۔

لباس کا یہ حال تھا کہ بس وہی دو جوڑے جو بیت المال سے لیتے تھے انھیں میں سال پورا کرتے تھے وہ عموماً موٹے اور کھُرے کپڑے کے ہوتے تھے جب وہ پھٹ جاتے تو ان میں پیوند اور پھر پیوند پر پیوند لگا کر کام چلاتے۔ حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کے لباس میں سترہ پیوند شمار کیئے۔

ایک روز خلاف معمول آپ کو باہر تشریف لانے میں بہت زیادہ دیر ہوگئی تو آپ نے لوگوں سے بطور معذرت بیان کیا کہ میرے کپڑے زیادہ میلے ہوگئے تھے آج میں نے ان کو دھویا ہے اور جب خشک ہوگئے ہیں تو آسکا ہوں گویا آپ کے پاس اس ایک جوڑے کے سوا اور کوئی جوڑا ہی نہیں تھا۔

حضرات! یہ تھا زمانۂ خلافت میں آپ کی زندگی کا عام دستور حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے بڑے حصے فتح ہو کر آپ کے زیر نگیں آ چکے تھے۔ خارجہ معاملات طے کرنے کیلیئے دوسرے ملکوں سے سفیر اور نمائندے آتے اور جب وہ آپ کو اس حال میں دیکھتے تو انھیں یقین کرنا دشوار ہوتا کہ یہی ہے وہ خلیفۂ اسلام جس کے نام سے قیصر و کسریٰ کے درباروں میں زلزلہ آتا ہے۔

ایک مرتبہ بعض صحابہ مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور آپس میں انھوں نے کہا کہ زہد اور سادگی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے مگر امیر المؤمنین کا طرز عمل اس سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔ عرب و عجم کے وفود یہاں آتے ہیں اور ان کو اس حالت میں دیکھتے ہیں کہ بارہ بارہ پیوند ان کے لباس میں لگے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے

کہنا چاہیئے کہ وہ اس طرز میں کچھ تبدیلی کریں بہت زیادہ بڑھیا اور بیش قیمت نہ سہی اوسط درجہ کا اچھا کپڑا تو پہنا کریں، اسی طرح کھانے کا بھی کچھ معقول انتظام کیا جائے دونوں وقت دسترخوان بچھا کرے اور مہاجرین و انصار جو اُن سے ملنے آتے ہیں وہ سب اُن کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا کریں، اس طرح جو لوگ باہر سے آئیں گے وہ بُرا اثر لیکر نہیں جائیں گے۔ آپس میں یہ گفتگو کرنے کے بعد ان حضرات نے یہ طے کیا کہ حضرت علی مرتضےٰ رضؓ کے ذریعہ سے یہ بات حضرت فاروق اعظم رضؓ تک پہونچائی جائے۔ چنانچہ یہ سب لوگ اسی کام سے حضرت علی رضؓ کے پاس پہونچے۔ اُنھوں نے صاف کہدیا کہ میں ایسی بات اُن سے نہیں کہہ سکتا۔ البتہ امہات المومنین اُن سے یہ کہہ سکتی ہیں، احنف بن قیس کا بیان ہے کہ پھر وہ لوگ حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ کی خدمت میں پہونچے حضرت عائشہ رضؓ نے وعدہ کرلیا کہ اچھا میں اُن سے کہونگی، مگر حضرت حفصہ رضؓ نے کہا کہ وہ ہمکو مانگیے نہیں، تاہم ان لوگوں کے اصرار سے وہ بھی حضرت عائشہ کے ساتھ چلی گئیں اور حضرت عائشہ رضؓ نے بڑی اچھی تمہید کے ساتھ ان لوگوں کی رائے کو حضرت فاروق اعظم رضؓ کے سامنے پیش کیا۔ آپ سنکر آبدیدہ ہو گئے پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے طرزِ زندگی اور تنگی معیشت کا ذکر کیا جس کو یاد کرکے اُم المومنین بھی رونے لگیں، پھر آپ نے فرمایا سُنئے! میرے دو صاحب تھے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صدیق اکبر رضؓ میں نے اُن کو جس حالت میں دیکھا ہے اور جس حالت میں اُن سے میرا ساتھ چھوٹا ہے اگر میں اُس کو بدل دوں تو مجھے خطرہ ہے کہ شاید پھر ان کی رفاقت نصیب نہ ہو سکے غرض آپ نے انکی اس درخواست کو منظور نہیں فرمایا، اور آخر تک آپ کا طرزِ عمل وہی رہا۔

انتہا یہ ہے کہ سفر یا حضر کیلیئے کبھی آپ کے پاس ایک خیمہ بھی نہیں ہوا۔ جب کسی سفر کا اتفاق ہوتا تو ایک چمڑا یا بہت موٹے کپڑے کی کوئی چادر ساتھ ہوتی۔ جہاں کہیں قیام فرماتے دھوپ یا بارش سے بچنے کیلیئے بس اسی کو کسی درخت پر تان دیتے اور اسی کے سایہ میں آرام فرماتے حتیٰ کہ بیت المقدس کا مشہور تاریخی سفر بھی آپ نے اسی شان کے ساتھ کیا۔

آپ کی بے لوث زندگی اور متقیانہ سیرت کا اندازہ کرنے کیلیئے میں صرف ایک واقعہ اور نقل کرتا ہوں، ــــــــ ایک دفعہ رات کا وقت تھا اور آپ چراغ روشن کیئے ہوئے ایک حجرے میں بیٹھے کچھ کاغذات دیکھ رہے تھے حجرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی کام سے تشریف لائے اور سلام کرکے اندر آنے کی اجازت چاہی آپ نے اُٹھکر دروازہ کھولا اور حضرت

علی مرتضیٰ کو اندر بُلا لیا، بیٹھنے کے بعد دریافت فرمایا، اس وقت کیسے تکلیف فرمائی؟ ——— حضرت علی نے کہا ایک ضروری بات کرنی ہے۔" ——— آپ نے فرمایا کوئی نجی بات ہے یا امور خلافت سے متعلق کسی معاملہ پر گفتگو کرنی ہے؟ حضرت علی نے کہا ایک نجی بات ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں تو کہیئے! اور یہ کہکر چراغ گل فرما دیا ——— حضرت علی نے تعجب سے دریافت کیا کہ آپ نے چراغ کیوں گل کر دیا؟ فرمایا کہ اس میں تیل بیت المال کا جل رہا ہے اور اس سے صرف بیت المال ہی کا کام کیا جا سکتا ہے چونکہ اب ہم آپ کسی نجی معاملہ پر بات چیت کریں گے اس لیئے اپنے آرام اور روشنی کے لیئے اس چراغ کو جلانا خیانت ہوگا ——— اور میں قیامت کے دن خدا کو اس خیانت کا کوئی جواب نہ دیکونگا اللہ اکبر۔

حضرات! کیا دُنیا کی تاریخ میں اس بے لوثی، پاکبازی، اور خدا ترسی کا کوئی اور نمونہ بھی مل سکتا ہے؟ ع۔ جاؤ سے ڈھونڈھ چراغ رُخِ زیبا لیکر"، ——— میں اُمید کرتا ہوں کہ ان چند واقعات سے آپ حضرت فاروق کے ذاتی طرزِ زندگی کا اچھی طرح اندازہ فرما سکیں گے، اس کے علاوہ امور خلافت کی انجام دہی میں بھی آپ اسی طرح بے مثال اور بے نظیر تھے۔ رعایا کے حال سے باخبر رہنے کے لیئے خود راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مدینہ کی گلیوں اور آس پاس کی بستیوں میں گشت فرماتے، اور جس کی حاجت معلوم ہوتی اس کو پورا فرماتے۔

جن عورتوں کے شوہر باہر ہوتے خود اُن کے مکانوں پر جا کر دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کرتے اور فرماتے کہ تم کو بازار سے کچھ منگوانا ہو تو میں لا دوں چنانچہ عورتیں اپنے بچوں یا باندیوں کو آپ کے ساتھ کر دیتیں اور اس طرح بہت سے بچوں اور باندیوں کے مجمع کے ساتھ بازار جاتے اور سب کو علٰحدہ علٰحدہ سودا خرید کر دیتے جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہوتا اس کے سودے کی قیمت اپنے پاس سے ادا فرماتے ——— جب فوجی سپاہیوں کے خطوط آتے تو آپ خود جا کر اُن کے گھروں پر پہونچاتے اور اُن کے گھر والیوں سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ تمہارے شوہر اللہ کی راہ میں کام کر رہے ہیں اور تم رسول خدا کے شہر میں ہو تمہیں ہر طرح مطمئن رہنا چاہیئے، نیز یہ بھی فرماتے کہ اگر تمہارے یہاں خط پڑھنے والا کوئی نہ ہو تو دروازہ کے پاس آجاؤ میں خود پڑھکر سُنا دوں، آخر میں فرماتے کہ فلاں دن ہماری ڈاک جائے گی اگر خط بھیجنا ہو تو لکھوا رکھنا ہماری ڈاک کے ساتھ چلا جائے گا۔ پھر جب وہ دن آتا تو خود کاغذ قلم دوات لیکر ہر ایک کے گھر پر جاتے اگر خط لکھا ہوا تیار ہوتا تو لے لیتے اور اگر نہ لکھا گیا ہوتا تو خود

پوچھ کر لکھدیتے اور اپنی ڈاک کے ساتھ ان تمام خطوط کو بھجوا دیتے۔

اگرچہ یہ سلسلہ طویل ہو رہا ہے مگر مجھے یہ بتلانا ہے کہ اسلام دوسرے غلط نظاموں کو توڑنے کے بعد جس قسم کی حکومت قایم کرنا چاہتا ہے اور دُنیا کے فرعونوں، نمرودوں کو مٹانے کے بعد جن ہاتھوں میں زمام حکومت دینا چاہتا ہے اُن کا طرز عمل اور طریق حکومت کیا ہوگا؟ اس لیئے میں ان واقعات کو بیان میں اگر آپ کا کچھ زیادہ وقت بے لوں تو اُمید کرتا ہوں کہ آپ پر زیادہ گراں نہ گزرے گا۔ اور میری اس طول بیانی کو آپ معاف فرمائیں گے۔

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ راتوں کو خود بہ نفس نفیس گشت فرماتے تھے تاریخ میں اس سلسلہ کے عجیب عجیب واقعات منقول ہیں جی چاہتا ہے اُن میں سے بھی دو چار نقل کروں،

ایک دفعہ کا واقعہ ہے آپ حسب عادت گشت فرما رہے تھے ایک خیمہ پر آپ کا گزر ہوا۔ یہ خیمہ ایک اعرابی کا تھا آپ اُس سے خیمہ کے دروازہ پر کچھ باتیں کرنے لگے اور اس کا حال پوچھنے لگے کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کس لیئے آنا ہوا ہے؟ یکایک خیمہ کے اندر سے رونے اور کراہنے کی آواز آئی آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ اُس نے بتلایا کہ میری بیوی کے درد زہ ہو رہا ہے ساتھ ہی آپ کو معلوم ہوا کہ اس کی خدمت اور تسلی کیلیئے کوئی اور عورت موجود نہیں ہے آپ فوراً گھر تشریف لائے اپنی اہلیہ محترمہ سے کہا ذرا چادر اوڑھ کر میرے ساتھ چلو۔ خیمہ پر پہونچکر اس اعرابی سے کہا کہ تم اس عورت کو اجازت دیدو کہ وہ تمہارے گھر میں چلی جائے تاکہ تمہاری بیوی کی خدمت کرسکے اُس نے اجازت دی اور وہ اندر تشریف لے گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ نے اندر سے پکار کر کہا امیر المومنین! اپنے دوست کو خوشخبری سنا دیجیے کہ اللہ نے اُن کو لڑکا دیا ہے ——— اعرابی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ جس شخص سے میں بات کر رہا ہوں وہ کوئی غیر معمولی ہستی ہے اس آواز کو سُنتے ہی کانپ گیا اور عاجزی کے ساتھ معذرت کرنے لگا آپنے فرمایا کہ یہ بات معذرت کے لائق نہیں ہم سب بھائی بھائی ہیں، اس کے بعد آپ مع اپنی اہلیہ محترمہ کے وہاں سے تشریف لے آئے۔

مشہور واقعہ ہے کہ شام کے تاریخی سفر سے آپ واپس ہوئے تو مدینہ کے قریب ہی ایک غریب بڑھیا ملی جو آپ کو پہچانتی نہ تھی آپ نے اُس سے سادگی سے پوچھا کہ عمر جو آجکل امیر المومنین ہے وہ کیسا آدمی ہے؟ اُس نے بے دھڑک کہا وہ بُرا آدمی ہے، جب سے خلیفہ ہوا ہے ایک پیسہ کبھی

میری مدد نہیں کی آپ نے کہا بڑی بی! کیا تم نے عمرؓ کے پاس اپنی کوئی اطلاع بھیجی؟ بڑھیا نے ترشی کے ساتھ کہا وہ مسلمانوں کا حاکم ہے اُسے خود سب کے حالات کا علم حاصل کرنا چاہیئے ہمارا کام نہیں ہی کہ اُس کے دروازہ پر جائیں اور اُسے اپنا دکھ سُنائیں۔ آپ یہ سُن کر آبدیدہ ہوگئے اور اس سے کہا کہ اچھا تمہارے اوپر عمرؓ نے جو ظلم کیا ہے کیا تم کچھ معاوضہ لیکر اس کو معاف کر سکتی ہو؟ اس نے کہا تم میرے ساتھ مسخرہ پن مت کرو! آپ نے پھر عاجزی کے ساتھ اس سے کہا کہ میں تمسخر نہیں کر رہا ہوں بلکہ فی الحقیقت میں یہ چاہتا ہوں کہ تم کچھ معاوضہ لیکر اُس کو معاف کردو تاکہ وہ بیچارہ آخرت کی بازپرس سے بچ جائے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک طرف سے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ آگئے اور انھوں نے کہا السلام علیک یا امیر المومنین! اب بڑھیا یہ لفظ سُن کر سٹ پٹا گئی آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے تم نے عمرؓ پر احسان کیا کہ اُسے اُس کے ظلم کی اطلاع دیدی اس کے بعد آپ نے اس کو کچھ دے کر راضی فرمایا اور حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ کو گواہ بناکر اس بڑھیا سے معافی چاہی اور اس نے اقرار کیا کہ میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے عمرؓ پر ظلم کا دعویٰ نہیں کرونگی۔

ایک رات کا واقعہ ہے آپ گشت فرماتے ہوئے ایک گھر کی طرف سے نکلے اور دیکھا کہ ایک عورت ہے اور اُس کے پاس چند بچے بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں اور چولھے پر دیگچی چڑھی ہوئی ہے آپ نے عورت سے پوچھا کہ یہ بچے کیوں اس قدر رو رہے ہیں اُس نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے آپ نے پوچھا یہ دیگچی میں کیا چیز پک رہی ہے اُس نے بتلایا کہ میں نے صرف ان کے بہلانے کیلئے اس میں پانی رکھدیا ہے تاکہ انھیں کچھ تسلی ہوجائے اور یہ کسی طرح سو جائیں۔ یہ سُنکر آپ کے آنسو نکل آئے فوراً بیت المال میں پہونچے اور کچھ سامان خورد و نوش کی ایک گٹھری باندھی اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ یہ سب بوجھ پر لاد دے اس نے کہا امیر المومنین! میں لیے چلتا ہوں فرمایا نہیں جب خدا کے یہاں تو میرا بار ہلکا نہیں کر سکیگا تو اپنا بوجھ میں یہاں تجھ پر کیوں ڈالوں غرض اس سب سامان کو آپ خود ہی اپنے سر پر رکھ کر لے گئے اور اُس وقت تک وہاں سے واپس نہ آئے جب تک کہ وہ سامان پکا کر بچوں کے سامنے نہ رکھدیا گیا، اور بچوں کو اپنے سامنے کھاتا ہوا نہ دیکھ لیا۔

ایک دفعہ اسی گشت کے سلسلہ میں آپ کا گزر ایک گھر کی طرف سے ہوا تو سُنا کہ کوئی عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی ہو کہ بیٹی دودھ میں پانی ملادے، لڑکی نے جواب دیا اماں جان! کیا آپ نے نہیں سُنا

امیر المومنین کی طرف سے اعلان ہوا ہو کہ دودھ میں پانی ملا کر نہ بیچا جائے، بوڑھی ماں نے کہا بیٹی! نہ یہاں اس وقت امیر المومنین ہیں، نہ ان کا منادی ہے پھر پانی ملانے میں کس کا ڈر ہو، سعادت مند بیٹی نے کہا یہ بات تو بہت بُری ہے کہ ظاہر میں ہم امیر المومنین کی اطاعت کریں اور باطن میں ان کے احکام کی خلاف ورزی، فاروق اعظمؓ یہ پوری گفتگو دیوار کے نیچے کھڑے سُن رہے تھے آپ کو لڑکی کی بات بہت پسند آئی اور اپنے غلام اسلم سے کہا جو اس گشت میں ساتھ تھے کہ اس مکان پر کوئی نشان بنا دو صبح کو آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عاصم کیلئے اس لڑکی کی شادی کا پیغام دیا چنانچہ حضرت عاصم کا نکاح اسی سعادتمند لڑکی سے ہوا اور انھیں کی نسل سے حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے عہد خلافت میں خلافت عمریؓ کا نمونہ دُنیا کے سامنے پھر پیش کر دیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے گشت کے واقعات بکثرت اور بڑے عجیب و غریب ہیں جس قدر میں نے ذکر کیئے ہیں ان سے بھی آپ کے عجیب و غریب طرز حکومت کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ پھر آپ کی یہ رعیت پروری صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھی بلکہ آپ کے زیر حکومت جو غیر مسلم ذمی رہتے تھے اُنکے ساتھ بھی آپ کا رویہ نہایت عدل اور شفقت کا تھا۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا دریافت کیا کہ تجھے بھیک مانگنے پر کس چیز نے مجبور کیا؟ اس نے کہا مجھے جزیہ ادا کرنا ہے، آپ نے عام حکم جاری فرما دیا کہ ایسے کسی شخص پر جزیہ نہ باندھا جائے۔

آخری وقت میں اپنے جانشین کیلئے آپ نے وصیت فرمائی کہ ذمیوں کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے اور اُن کے حقوق کا پورا پورا لحاظ کیا جائے۔

جب کسی کو کسی ضلع یا صوبہ کا آپ حاکم بنانا چاہتے تو پہلے اس کی عدالت اور امانت کو خوب جانچتے اس کے بعد اُس کا تقرر ہوتا پھر بھی برابر اس کے کام کی نگرانی فرماتے رہتے، رعایا کو آپ کا عام حکم تھا کہ اگر میرے حکام سے کسی کو کوئی شکایت ہو تو وہ بے خوف و خطر مجھ سے کی جائے اور ذرا ذرا سی باتوں پر حکام سے سخت باز پرس فرماتے۔

حضرت خالد بن الولید کا مشہور واقعہ آپ نے سنا ہوگا کہ انھوں نے صوبہ قنسرین کی گورنری کی زمانہ میں ایک شاعر کو ایک ہزار روپیہ بطور انعام کے دیدیئے آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو

گورنری سے معزول کر دیا اور ان سے باز پرس کی بتلاؤ تم نے یہ کہاں سے دیا؟ اگر بیت المال سے دیا تو خیانت کی اور اگر اپنے پاس سے دیا تو اسراف اور فضول خرچی ہوئی۔ حضرت خالد بن الولید کو جوابدہی کرنی پڑی اور انھوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنے پاس سے دیا ہے، اور اپنے گناہ اسراف کی اپنے خدا سے توبہ کرتا ہوں۔

آپ جب کسی کو حاکم بناتے تو اس کو ایک ہدایت نامہ لکھتے جس میں ایک دفعہ یہ بھی ہوتی کہ اپنے مکان کا دروازہ بند نہ کرنا اور کوئی دربان نہ رکھنا تاکہ جو حاجتمند جس وقت آنا چاہے تمہارے پاس بلا روک ٹوک آسکے، اور بیماروں کی عیادت کرنا، عام جنازوں میں شریک ہونا۔

پھر جس حاکم کے متعلق آپ کو یہ شکایت پہونچی کہ وہ دربان رکھتا ہے اور غریب لوگ عام طور سے اس کے پاس نہیں جا سکتے یا وہ بیماروں کی عیادت نہیں کرتا تو تحقیقات کے بعد آپ فوراً اس کو معزول فرما دیتے۔

حضرات! یہ تھا آپ کا طرز حکومت اور آپ کا عدل و انصاف اس کے باوجود خدا سے اس قدر ڈرتے تھے کہ اپنی شہادت سے کچھ ہی روز پہلے حج سے واپس ہوتے ہوئے آپ نے راستہ ہی میں خدا سے دعا کی کہ اے اللہ! اب میں ضعیف ہو گیا اور حکومت کے حدود بہت وسیع ہو گئے، قبل اس کے کہ فرائض خلافت میں مجھ سے کچھ قصور ہو مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔

جب آپ کو خنجر سے زخمی کیا گیا اور آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا اور آپ پر خدا کے خوف کے کچھ آثار دیکھے گئے تو حضرت صہیب رومی رضؓ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ کو خوش ہونا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے آپ سے راضی گئے اور ان کے بعد آپ نے اپنے فرائض کو بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا، آپ نے فرمایا اگر خدا قیامت میں مجھے برابر سرابر پر چھوڑ دے تو بھی میں سمجھوں گا کہ کامیاب ہو گیا۔

اس زخمی ہونے کے بعد جب لوگوں کو آپ کے بچنے کی امید نہیں رہی تو آپ سے عرض کیا گیا کہ اپنی جانشینی کیلئے آپ خود ہی کسی کو نامزد فرما دیجیے، آپ اس عظیم ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت میں چھ آدمی ہیں جن کو میں اس کام کیلئے اہل اور دوسروں سے افضل سمجھتا ہوں اس لیئے میں ان چھ کو اختیار دیتا ہوں یہ اپنے میں سے کسی ایک کو

منتخب کرلیں وہ چھ حضرات یہ تھے۔ حضرت عثمان حضرت علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن ابن عوف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔

ان چھ میں سے کوئی بھی حضرت عمرؓ کا خاص عزیز قریب نہیں ہے۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ ابن عمر موجود تھے اور علم تقویٰ اور دیانت وغیرہ اوصاف میں وہ بھی امتیازی شان رکھتے تھے لیکن آپ نے ان کو چھ مستحقین خلافت میں نہیں گنا بلکہ بصراحت فرمادیا کہ آپ لوگ عبداللہ ابن عمرؓ کو دل دہی اور دلداری کیلئے چاہے شریک مشورہ کرلیں لیکن خلافت کیلئے اُن کا انتخاب ہرگز نہ کیا جائے ——— چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق اُن چھ حضرات کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور آخرکار بلاکسی نزاع اور اختلاف کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس انتخاب کا واقعہ بھی دنیا کے لیے عبرت آموز ہے اس لیے مختصراً میں اُس کو بھی ذکر کرتا ہوں۔

جب پہلی بار یہ مجلس شوریٰ منعقد ہوئی تو اس کے ایک رکن حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے کام کو مختصر کرنے کے لیے یہ تجویز پیش کی کہ انتخاب کے اختیارات چھ میں سے تین کو دیدیے جائیں اس کو پسند کیا گیا حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنی رائے کا اختیار علی رضؓ کو دیا حضرت طلحہؓ نے کہا میں نے اپنا اختیار عثمان رضؓ کو دیا اور حضرت سعدؓ نے اپنی رائے کا اختیار حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضؓ کی سپرد کردیا اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ اب عثمان اور علی میں سے جو خلافت سے بچنا چاہتا ہو انتخاب کا اختیار اُسی کو دیدیا جائے۔ یہ سُنکر یہ دونوں حضرات خاموش رہے تو حضرت عبدالرحمٰن نے کہا میں اپنے لیے خلافت نہیں چاہتا اس لیے پھر آپ مجھے انتخاب کا اختیار دیدیجئے میں آپ دونوں میں سے جس کو بہتر سمجھونگا اللہ سے ڈرتے ہوئے اُس کا انتخاب کردونگا چنانچہ بطیب خاطر حضرت عبدالرحمٰن کو یہ اختیار دونوں حضرات کی طرف سے دیدیا گیا اور تین دن کی مہلت انتخاب کیلئے دیگئی انھوں نے خود بھی غور کیا اور دوسرے تمام اکابر صحابہ اور اہل الرائے حضرات سے بھی مشورے کیئے اور یہ دیکھ کر کہ عام رائے حضرت عثمان ہی کو ترجیح دیتی ہے اُس کیلئے انھوں نے حضرت عثمان رضؓ کے انتخاب کا اعلان کردیا اور اس طرح چپ چاپ اور خاموشی کے ساتھ اتنی بڑی سلطنت اور حکومت کیلئے خلیفہ منتخب ہوگیا جو اپنے دامن کے اندر قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو لیے ہوئے تھی۔

حضرات۔ یہ ہی اسلام کا سیاسی نظام اور یہ ہے وہ دستور حکومت جس کو ہم دُنیا میں برسر اقتدار

دیکھنا چاہتے ہیں کیا کسی ملک کے ڈکٹیٹر یا صدر جمہوریہ کا انتخاب آپ نے اس نوعیت سے ہوتا دیکھا ہے؟ حکومت تو بڑی چیز ہے صوبوں کی اسمبلیوں، ضلعوں کے ڈسٹرکٹ بورڈوں، اور حتیٰ کہ قصبوں کی میونسپلیٹیوں کی ممبریوں کے لیئے آج جو طوفان بدتمیزی بپا ہوتا ہے اور جو جو شیطانی جتن کیئے جاتے ہیں وہ ہمکو اور آپ کو سب کو معلوم ہیں، اسلام بس یہ چاہتا ہے کہ اس ساری شیطنت اور شیطانی نظام کا خاتمہ کر دیا جائے اور دُنیا کا نظام حکومت وہ ہو جس کا نمونہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بعد حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے دُنیا کے سامنے پیش کیا اور یہ صرف ہم عقیدتمندوں کا ہی فیصلہ نہیں ہے بلکہ گاندھی جی جیسی بڑی شخصیت کو بھی اعتراف ہے کہ حکمرانی کی پوری تاریخ میں قابل تقلید نمونہ صرف حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔

اب سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے جب انڈین نیشنل کانگریس نے وزارتیں قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور آٹھ صوبوں کا نظم ونسق کانگریس مینوں کے ہاتھ میں آگیا تو گاندھی جی کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے وزراء کے سامنے بہترین حکومت کا کوئی نمونہ پیش کریں تو انھوں نے صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہی کو بطور نمونہ پیش کیا! اور اقرار کیا کہ دُنیا کی تاریخ میں مجھے کوئی اور نمونہ ایسا نہیں ملتا۔

۱۷ر جولائی ۱۹۳۷ء کے اخبار ہریجن میں ان کا یہ مضمون شایع ہوا تھا میرے پاس اس کا ترجمہ نوٹ ہے۔ وہ حضرات صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے متعلق لکھتے ہیں:-

> "دُنیا بھر کی دولت ان کے پاؤں پر تصدق ہونے کو تیار تھی لیکن انھوں نے قناعت، پرہیزگاری اور سادہ زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی، ان کی پرہیزگارانہ زندگی کی مثال تاریخ کے اوراق میں چراغ لیکر ڈھونڈھنے سے بھی نہیں مل سکتی، وہ موٹے کپڑے پہنتے اور سادہ خوراک کھاتے تھے"

ہریجن، ۱۷ر جولائی ۱۹۳۷ء

الغرض اسلام بس یہی چاہتا ہے کہ دُنیا میں حکومت اسی منہاج اور منوال پر ہو اور اللہ کی مخلوق پر ایسے ہی لوگ خلیفۃ اللہ (خدا کے نائب) ہو کر حکمراں ہوں، تاکہ دُنیا سے ظلم وجور، بدامنی اور بد چلنی کا خاتمہ ہو اور دُنیا کا ماحول صالح اور نیک بن جائے ——— بس یہی ہے اسلام کا منشا اور "اسلامی انقلابی تحریک" کی غرض وغایت۔

حضرات! آج میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا اور بات اب بھی ناتمام رہی اب اس کا بقیہ انشاء اللہ کل عرض کرونگا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرات اکابر علماء دیوبند کی تصنیفات

ان کتابوں کا تعارف ناظرین سے بار ہا کرایا جا چکا ہے

تصانیف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیوبند

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
تقریر دلپذیر طبع جدید	[illegible]	[illegible]
حجۃ الاسلام	۸ر	۶ر
انتصار الاسلام	۶ر	۵ر
آب حیات	[illegible]	۱۲ر
قبلہ نما	۸ر	۷ر
مباحثہ شاہجہانپور	۷ر	۶ر
گفتگوئے مذہبی	۳ر	[illegible]
الدلیل المحکم	۲ر	۱ر
توثیق الکلام	۱ر	[illegible]
الحق الصریح	۱ر	[illegible]
تحذیر الناس	۳ر	[illegible]
تحفہ لحمیہ	۱ر	[illegible]
تصفیۃ العقائد	۳ر	۲ر
جمال قاسمی	۱ر	[illegible]
فیوض قاسمی	۳ر	۳ر
لطائف قاسمی	۲ر	[illegible]
قصائد قاسمی	۳ر	۲ر
سوانح قاسمی	۳ر	۲ر
اسرار الطہارۃ	۳ر	۲ر

تصانیف حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
فتاویٰ رشیدیہ کامل	[illegible]	[illegible]
کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟	۲ر	[illegible]
سبیل الرشاد	۳ر	[illegible]
ردالطغیان فی اوقاف القرآن	۱ر	[illegible]
اوثق العریٰ	۱ر	[illegible]
قطوف دانیہ	۱ر	[illegible]
فتویٰ احتیاط الظہر	۱ر	[illegible]
الرای النجیح فی رکعات التراویح	۱ر	[illegible]
ہدایۃ المعتدی	۳ر	۲ر

تصانیف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
ضیاء القلوب فارسی	۵ر	۴ر
ترجمہ اردو	۶ر	۵ر
غذائے روح	۵ر	۴ر
مثنوی تحفۃ العشاق	۲ر	[illegible]
جہاد اکبر	۱ر	۱ر
گلزار معرفت	۲ر	[illegible]
ارشاد مرشد و فیصلہ ہفت مسئلہ	۲ر	۱ر
کلیات امدادیہ	۱۲ر	۱۰ر

تصانیف حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب مدظلہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
ظہور المسلمین ۳ر۔ نظم الاولین	۱ر	[illegible]
دست غیب ۱ر خواب خیر	۲ر	۱ر
چہل حدیث ۳ر رحمت رضوان	[illegible]	۱ر
الجواب المتین باحادیث سید المرسلین	۵ر	۴ر
حیات خضر ۳ر مولوی معنوی	۵ر	۴ر
المعانی (رنگ بی بیاں)	۵ر	۴ر
میراث المسلمین	۳ر	۲ر
مفید الوارثین	[illegible]	[illegible]

تصانیف حکیم الامت حضرت تھانوی مدظلہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
تفسیر بیان القرآن مکمل جدید	[illegible]	[illegible]
مسائل السلوک کامل	[illegible]	[illegible]
حیات المسلمین مکمل مدلل	۱۲ر	۹ر
التکبیر فی اثبات التقدیر	۱۲ر	۹ر
تکمیل تعلیم الدین	۹ر	۶ر
شوق وطن	۴ر	۳ر
آداب معاشرت	۲ر	۲ر
صفائی معاملات	۲ر	۲ر
حق السماع	۲ر	[illegible]
جزاء الاعمال	۲ر	۲ر
زاد السعید	۲ر	۲ر
الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد	۳ر	۲ر
القول البدیع	۲ر	۲ر
القول الصواب	۲ر	۲ر
سبق الغایات	۹ر	۶ر
خطبات الاحکام	[illegible]	۱۳ر
احکام التجلی	۳ر	۲ر
اصلاح الرسوم	۶ر	۵ر
قصد السبیل	۲ر	۱ر
فروع الایمان	۴ر	۳ر
حقوق الاسلام	۱ر	[illegible]
آئینہ ترتیب	۶ر	۵ر
جمال القرآن محشی	۳ر	[illegible]
آداب التبلیغ	۳ر	[illegible]
تبلیغ دین طبع جدید عمدہ	۱۴ر	۱۱ر
الانتباہات المفیدہ	۹ر	۶ر
حقوق العلم	۵ر	۴ر
اشرف الجواب	[illegible]	[illegible]

تصانیف شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
الاعتدال فی مراتب الرجال یا سیاسیات عضو میں خود اکابر علماء دیوبند میں جو اختلاف ہوگیا ہے اس کی وجہ سے جو غلط فہمیاں لوگوں میں پیدا ہو سکتی ہیں ان کے انسداد کیلئے یہ کتاب لکھی گئی ہے نہایت معتدلانہ کتاب ہے ہر شخص کو دیکھنے کے لائق ہے قیمت	[illegible]	۱۲ر
حکایات صحابہ	۱۲ر	۹ر
رسالہ تبلیغ	۲ر	۲ر
چہل حدیث در فضائل قرآن	۶ر	۵ر
فضائل نماز	۶ر	۵ر
فضائل رمضان	۶ر	۵ر
فضائل ذکر	[illegible]	۱۲ر

تصانیف مولانا محمد شفیع صاحب

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
سیرت خاتم الانبیاء	۱۰ر	۸ر
آداب المساجد	۳ر	[illegible]
آداب النبی	۴ر	۳ر
آداب الاخبار	۱ر	[illegible]
آداب السفر	۱ر	۱ر
آداب الشیخ والمرید	[illegible]	۱ر
مساوات اسلامی کی حقیقت	۴ر	۳ر
بعض التفضیل لمسئلۃ التفضیل	۳ر	[illegible]
التصویر لاحکام التصویر	۱۲ر	۱۰ر

مختلف بزرگوں کی متفرق تصانیف

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
اشاعت اسلام حصہ اول	[illegible]	[illegible]
ایضاح الادلہ کامل	[illegible]	[illegible]
اسیر مالٹا	۱۰ر	۸ر
براہین قاطعہ	[illegible]	[illegible]
افادات حسینیہ	۳ر	[illegible]
سلاسل طیبہ	۳ر	[illegible]
التشبہ فی الاسلام حصہ دوم	۱۲ر	۹ر

اشرف السوانح ہر سہ جلد کامل

یعنی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی سوانح عمری حضرت کی ولادت باسعادت ۱۲۸۰ھ سے ۱۳۵۰ھ تک کامل ۷۰ سال کے حالات و فیوض و برکات و تکمیل ارشاد کا مرقع جس کا مطالعہ بھی ایک مرشد کامل کا کام دینے والا ہے ہر ایک مسلمان کیلئے قابل دید ہے قیمت جلد اول ۱۲ر رعایتی عہ ۔ جلد دوم ۱۲ر رعایتی ۸ر جلد سوم ۱۲ر رعایتی ۸ر تینوں جلدوں کی رعایتی قیمت صرف سوا روپیہ ۱؍ صہ

حضرت تھانوی مدظلہ کے علاوہ دیگر حضرات کا بھی وہ کتابیں جو عدم گنجائش کی وجہ سے یہاں درج نہیں کی جاسکیں طلب فرما سکتے ہیں ان کو جمع کرنے کا ہمارے یہاں پورا اہتمام ہے۔

المعلن ناظم مکتبہ الفرقان بریلی یوپی

ملنے کا پتہ مکتبہ الفرقان بریلی۔ یوپی

ردِ شرک و بدعت کی کتابیں

تقویت الایمان کامل از حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ قیمت مجلد ۱۲ پیسہ جلد آنہ رعایتی ۸

ایضاح الحق الصریح بدعات مروجہ متعلقہ تجہیز و تکفین و رسوم مروجہ بعد الموت کی تردید میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عدیم النظیر فاضلانہ کتاب جو عرصہ دراز سے نایاب تھی۔ اصل زبان فارسی ہے اب اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی گئی ہے قیمت ۱۲ رعایتی ۱۰

مسائل اربعین محدثی (فارسی) بدعات اور رسوم مروجہ کی تردید و تقبیح میں حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کا یہ ایک قابل قدر رسالہ ہے جس میں ۴۰ مباحث ہیں ہر مسئلہ کا ثبوت قرآن و حدیث اور کتب معتبرہ فقہ سے دیا گیا ہے قیمت ۴ ۔۳

رفاہ المسلمین ترجمہ اردو مسائل اربعین قیمت ۸ رعایتی قیمت ساڑھے چھ آنے ۶

تنشیط الاذان اذان خطبہ کے اندرون مسجد مشروع ہونے کے ثبوت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا لاجواب رسالہ بہت کمیاب ہے قیمت ۲ رعایتی ۱

دلیل الخیرات تجہیز و تکفین و ایصال ثواب کی بدعات کا رد۔ از حضرت مفتی کفایت اللہ قیمت ۱۰ رعایتی ۹

التصدیقات بریلوی خرافات کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا قابل دید رسالہ ہے۔ علماء دیوبند کے عقائد حقہ کا مدلل بیان اور علماء حرمین شریفین و علماء مصر و شام کی تائیدات قیمت ۶ رعایتی پانچ آنے ۵

الشہاب الثاقب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے رد میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث کا بہترین اور لاجواب رسالہ ہے قیمت ۸ رعایتی ۶

مائۃ مسائل شہزادگان تیموریہ نے اپنے زمانہ کے علماء میں اختلاف دیکھ کر حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں ۱۰۰ سوال پیش کیے اور اصرار کیا کہ انکا مفصل جواب کتب معتبرہ سے لکھا جائے چنانچہ انہی کے جواب میں شاہ صاحب موصوف نے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی تھی اسمیں اختلافی مسائل بالخصوص مروجہ رسوم و بدعات پر نہایت سیر حاصل و فیصلہ کن مباحث ہیں مضامین کی صحت اور بلندپایگی کیلئے حضرت مصنف کا نام نامی ہی کافی ضمانت ہے قیمت ۶ رعایتی ۵

امداد السائل یہ مائۃ مسائل کا اردو ترجمہ ہے جس میں حسب موقع مباحث کی توضیح و تشریح بھی کردی گئی ہے قیمت بارہ آنے (۱۲)

براہین قاطعہ میلاد، عرس، فاتحہ مروجہ تیجہ، دسواں وغیرہ بدعات مروجہ کی تردید میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مبسوط کتاب ہے جس میں اہل بدعت کے تمام شبہات کے تفصیلی جوابات بھی دیئے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ۱۸ رعایتی ۱

طریقہ مولد: میلاد کا صحیح طریقہ اسمیں بتلایا گیا ہے قیمت ۱

النفائس المرغوبہ دعا ثانیہ کے بدعت و منکر ہونیکا ثبوت از حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قیمت ۸ رعایتی ۶

فتاوی میلاد شریف اس میں مروجہ میلاد کے متعلق اکابر علماء ہندوستان کے مدلل و مستند فتاوی درج ہیں قیمت ۲ رعایتی ۱

حفظ الایمان معہ بسط البنان و تغییر العنوان حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہٗ کی مشہور ترین کتاب ہے قیمت ۱۰ رعایتی ۸

تحریری مناظرہ: شرک و بدعت کی رد میں مختصر اور بہت مفید رسالہ ہے قیمت رعایتی ۱

مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب کی مناظرانہ رسائل

تزکیۃ الخواطر خانصاحب بریلوی کے جعلی تکفیری فتویٰ حسام الحرمین اور اُن کی مایۂ ناز کتاب تمہید ایمان پر لاجواب تنقید کرکے اُن کی ابلہ فریبیوں کا پردہ چاک کردیا گیا ہے قیمت ۴ ۔۳

الطامۃ الکبریٰ فی الحقیقت بریلوی پارٹی کیلئے یہ رسالہ قیامت کبریٰ ہے قیمت ۱

اَحدی لتسعۃ و التسعین مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی کا ترکی بہ ترکی جواب اسمیں دیا گیا ہے اور اُن کے کفر کے فتووں کو انہی کی منطق سے انہی پر لوٹا دیا گیا ہے قیمت ۲ رعایتی ۱

التسہیل علی التحلیل قیمت رعایتی ۱

بئس المہاد لمن اخلف المیعاد رعایتی ۱

بریلوی کا نادان دوست قیمت ۔ رعایتی ۔

اسکات المعتدی ابن شیر خدا کی مناظرانہ قابلیت کا شاہکار اسمیں قریباً ڈیڑھ سو مناظرانہ سوالات کیے گئے ہیں ضرور ملاحظہ فرمائیے قیمت ۴ رعایتی ۳

استصاف البری خانصاحب بریلوی کو مناظرہ کا پیغام اور مباحث کی تنقیح قیمت ۱ رعایتی ۱

توضیح البیان فی حفظ الایمان حفظ الایمان کی عبارت کی توضیح تین قابل دید فاضلانہ کتب ہیں جسمیں خود خانصاحب بریلوی کو ان کا ملزم ثابت کرکے دکھا دیا گیا ہے آج تک لاجواب ہے قیمت ۲ رعایتی ۱

الکوکب الیمانی علی اولاد الزوانی قیمت ۲ رعایتی ۱

نئے مجدد کا نیا ایمان قیمت ۱ رعایتی ۱

ملنے کا پتہ جب مکتبہ الفرقان بریلی یوپی

مسئلہ علم غیب پر معرکہ خیز اور فیصلہ کن مناظرہ

یہ سلانوالی (پنجاب) کے اس معرکۃ الآرا مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو حضرت مدیر الفرقان اور بریلوی پارٹی کے نقیب اعظم مولوی حشمت علی صاحب کے مابین مسئلہ غیب پر ذی الحجہ ۵۳ھ میں ہوا تھا اس موضوع پر اتنا مکمل مناظرہ اس سے پہلے کہیں ہوا اور نہ غالباً آئندہ ہو۔ اس مناظرہ نے فی الحقیقت اس بحث کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا اہل بدعت کے تمام دلائل کے جوابات اور اہل سنت کے بے شمار لاجواب دلائل آپ اس میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں یہ پورا مناظرہ مجلس مناظرہ ہی میں ایک خوشنویس اور مختصر نویس کی خاص کوشش سے قلمبند کر لیا گیا تھا،

آپ کو اس کے مطالعہ میں مناظرہ ہی کا لطف آئے گا قیمت قسم اول ۸ر رعایتی ۶ر قسم دوم ۶ر رعایتی ۵ر

فتح بریلی کا دلکش نظارہ

یہ مرکز بدعت بریلی کے اس معرکہ خیز مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو محرم ۱۳۵۳ھ میں رضا خانیوں کے مدرسہ جامعہ رضویہ میں ہوا تھا، بانی مناظرہ نے جو بریلی ہی کے باشندے تھے اہل سنت کو حق میں زبردست فیصلہ دیا ہے وہ بھی آخر میں درج ہے ضخامت معہ ضمیمہ ۳۰۰ صفحات قیمت قسم اول آٹھ آنے ۸ر رعایتی ۶ر قسم دوم ۶ر رعایتی ۵ر

تحریری مناظرہ

اس میں آپ کو اہل بدعت کے اکثر مشہور اختلافی مسئلوں پر مفصل بحث ملے گی قیمت رعایتی ۱ر

کوائف بمبئی

ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں مولوی حشمت علی وغیرہ رضا خانی مولویوں کی نفاق انگیز شورش اور مسلمانان بمبئی کی بہ اصرار استدعا پر مناظرہ کے لئے حضرت مدیر الفرقان کا سفر بمبئی اور اس کے کوائف و حالات قیمت ۲ر رعایتی ۱۰ر

مکتبہ الفرقان کی بعض خاص اصلاحی کتابیں

نماز اور خطبہ کی زبان

نماز اور خطبہ کے عربی زبان ہی میں ہونے کی عقلی و نقلی وجوہات اور اس کی سیاسی حکمتیں اس رسالہ میں بیان کی گئی ہیں نئی روشنی کے حضرات بھی اس سے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں قیمت ۲ر رعایتی ۱ر

داڑھی اور فطرت

یہ مقالہ درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چند افادات کی تشریح ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کیلئے داڑھی منشاء فطرت ہے قیمت صرف ۳ر رعایتی ۲ر

تمدن اسلام کا پیغام بیسویں صدی کی دنیا کے نام

یہ مولانا عبدالماجد دریابادی بی۔ اے اڈیٹر صدق کا مقالہ ہے جو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلام کے روبرو پڑھا گیا تھا قیمت ۱۰ر رعایتی ایک آنہ ۱ر

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق

یہ رسالہ ایک بالغ النظر گریجویٹ کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے۔ اختصار کے باوجود اشتراکیت کی حقیقت اور اس کے نتائج سے واقف ہونے کے لئے بالکل کافی ہے۔ قیمت کثرت اشاعت کے لئے صرف ایک آنہ (۱ر) رکھی گئی ہے۔

اسلام کا نظریہ سیاسی

اسلام کو سیاسی نظام پر متکلم اسلام مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا وہ بصیرت افروز مقالہ ہے جس میں اسلامی سیاست کے بنیادی اصول کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

ہدایت ربانی برائے فرقہ رضا خانی

یعنی "روئداد مناظرہ گیا"، یہ اس عظیم الشان تحریری و تقریری مناظرہ کی روئداد ہے جو مسائل تکفیر کی تکفیری بحث پر ماہ صفر ۱۳۵۳ھ ہجری میں مدیر الفرقان اور رضا خانیوں کے نقیب اعظم مولوی حشمت علی صاحب کے مابین صوبہ بہار کے مشہور شہر گیا میں تین دن متواتر ہوا تھا عجیب و غریب تحقیقات پر حاوی ہے ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت آٹھ آنے رعایتی ۶ر

جہنم کی بشارت

قبلہ گاہ بریلی کی طرف سے ایک رسالہ بنام "موت کا پیغام"، شایع ہوا تھا یہ اس کا مسکت اور دندان شکن جواب ہے بحث بھی نہایت تفصیل اور تحقیق سے آگئی ہے کہ جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنے فتوے اور اپنے اصول سے خود کافر ٹھہرتے ہیں بالکل لاجواب ہے۔ قیمت تین آنے رعایتی قیمت ۲ر

رضا خانیت پر کاری ضرب

یعنی رسالہ "مقامع الحدید" اس رسالہ میں تحریک رضا خانیت کی تاریخ اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رضا خانیوں کے ان تمیس اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے۔ جو اکابر علماء دیوبند پر کیے جاتے ہیں نیز رضا خانی مذہب کا نہایت دلچسپ فوٹو رضا خانی لٹریچر سے پیش کیا گیا ہے۔ یقین ہے کہ آپ نے اس موضوع پر ایسی پر لطف کتاب ملاحظہ نہ فرمائی ہوگی۔ ضخامت سو صفحات کاغذ اعلیٰ۔ قیمت چھ آنے ۶ر رعایتی پانچ آنے ۵ر

وہابی کی پہچان

بڑی دلچسپ اور پر لطف کتاب ہے عرصے سے نایاب ہوگئی تھی ابھی ابھی چھپوائی گئی ہے ضرور پڑھیئے اور خوب ہنسیئے اور سبق حاصل کیجئے۔ قیمت ۱ر رعایتی ۳ر

الکوکب الیمانی

اس کا روشن ثبوت کہ خان صاحب بریلوی کے فتوے سے ان کے کسی معتقد کا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ قیمت دو آنے (۲ر) رعایتی ڈیڑھ آنہ ۱ر

نئے مجدد کا نیا ایمان

دلچسپ اور قابل دید ہے قیمت ۱ر رعایتی ایک آنہ ۱ر

چند اہم سیاسی کتابیں

سیاسیات عامّہ

بین الاقوامی سیاسی معلومات اس کتاب میں بین الاقوامی سیاسیات میں استعمال ہونے والے تمام الفاظ اور اصطلاحات و توضیح کے درمیان، سیاسی معاہدات بین الاقوامی شخصیتوں اور تمام ممالک کی اقوام کے تاریخی سیاسی اور جغرافیائی حالات کو نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے بین الاقوامی سیاسیات کو سمجھ لینا نہایت آسان ہو جاتا ہے قیمت مجلد صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ عہ

سوشلزم کی بنیادی حقیقت اشتراکیت کی بنیادی حقیقت اور اس کی اہم قسموں سے متعلق جرمنی کے مشہور پروفیسر کارل ڈیل کی آٹھ تقریروں کا ترجمہ تلخیص جرمن زبان سے پہلی بار براہ راست اردو زبان میں منتقل کیا گیا ہے قیمت مجلد تین روپیہ غیر مجلد ڈھائی روپیہ (للعہ)

شہنشاہیت اس کتاب میں فرانس، جرمن، اٹلی، برطانیہ، روس، جاپان اور امریکہ کی شہنشاہیت پرست حکومتوں کی سیاسیات پر تاریخ و واقعات کے پیش نظر بہترین تنقید کی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام کس طرح اور کن فریب کاریوں سے آج دنیا کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہے اور ہندوستان پر اس کے اثرات کیا ہیں نیز یہ کتاب موجودہ جنگ یورپ کے صحیح اسباب و علل پر روشنی ڈالتی ہے قیمت مجلد صرف عہ

حکومت خود اختیاری مصنفہ سید طفیل احمد صاحب علیگ مصنف مسلمانوں کا روشن مستقبل

اسمیں ہندوستان کے تمام سیاسی مسائل پر بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انگریزی تسلط سے گزشتہ دو سو سال میں ہندوستان کو کس قدر نقصان پہونچا ہے اور یہاں سے کتنی کثیر دولت یورپ کو گئی اور جاری ہے، سیاسیات ہند کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بیحد ضروری ہے آخری اڈیشن مع اضافات جدیدہ ۲۵۰ صفحات قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

صنعت و تجارت کی بربادی

(مرتبہ سید طفیل احمد بی اے۔ علیگ)

یہ در حقیقت حکومت خود اختیاری ہی کا ایک خاص اور اہم باب ہے جو ایک مستقل مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ علیحدہ شائع کیا گیا ہے۔ قیمت ۱ر

مسلمانوں کی سیاسیات

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش (از تحریر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

مولانا ممدوح نے پچھلے تین سال میں مسلمانان ہند کے سیاسی مسائل پر جو مسلسل بصیرت افروز مضامین لکھے ہیں جنھوں نے برسوں کی بلکہ صدیوں کی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کرکے "اسلامی سیاست" کا صحیح تصور مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا ہے وہ تمام مضامین تین حصوں میں مرتب ہوکر شائع ہو چکے ہیں ہمارے نزدیک ہر مسلمان کیلئے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔ حصہ اول ۸ر حصہ دوم ۱۲ر حصہ سوم عہ

اسلام کا نظریہ سیاسی

ایضاً از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی قیمت رعایتی دو آنہ ۲ر

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟

یہ مولانا مودودی کا وہ معرکۃ الآرا مقالہ ہے جو موصوف نے ۱۲ ستمبر کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلامی کی ایک خاص مجلس میں پڑھا تھا قیمت تین آنے (۳ر)

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق یہ رسالہ ایک تحریک ہے (؟) کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے اختصار کے باوجود اشتراکیت اور اسکے نتائج سے واقفیت کیلئے کافی ہے قیمت ایک آنہ ۱ر

مسلمانوں کا روشن مستقبل

(مصنفہ مولوی سید طفیل احمد صاحب بی۔ اے علیگ)

یہ کتاب اپنی غیر معمولی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے تعارف سے بے نیاز ہے اس کا مطالعہ ہر اس شخص کیلئے ضروری ہے جو ہندوستان کی سیاسی صورت حال کو بصیرت کے ساتھ سمجھنا چاہے یہ آخری ایڈیشن ہے جسمیں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے ساڑھے چھ سو صفحات قیمت مجلد ڈھائی روپے (للعہ)

مسلمانوں کے افلاس کا علاج

(از سید محمد احمد صاحب کاظمی اڈیٹر ہمدرد)

اس میں مسلمانوں کے افلاس کے اسباب اور ان کے ازالہ کی تدابیر پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت ۴ آنے ۴ر

ملنے کا پتہ:- الفرقان بریلی

سیرت نبویہ کے متعلق ساڑھے تین سو جدید نظریات

پیغمبر اسلام کو برہانِ کامل کی صورت میں پیش کرنے والی پہلی کتاب

النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف رئیس التحریر حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ العالی

اس جلیل القدر اور عدیم النظیر کتاب میں سیرت نبوی کے متعلق قریباً چار ساڑھے چار سو عنوانات کے ماتحت بحث کی گئی ہے جن میں تین سو سے زائد عنوانات کا تعلق ان جدید نظریات سے ہے جن کی طرف سیرت کے باب میں اس سے پہلے غالباً کسی مؤلف سیرت نے توجہ نہیں کی، اس کتاب کو دیکھ کر ہر صاحب عقل و بصیرت انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس زندگی ہی ان کی صداقت کی روشن ترین دلیل ہے جس کے بعد کسی دلیل و برہان کی قطعاً حاجت نہیں۔ کاغذ بہترین، کتابت طباعت عمدہ جلد خوش نما، قیمت ایک روپیہ عہ

ملنے کا پتہ۔ **مکتبہ الفرقان بریلی**، یوپی

حق پر کون ہے؟

صحیح راہ کیا اور کدھر ہے؟

مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی عصری نزاعات میں اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ حق پر کون ہے اور صحیح راہ کیا اور کدھر ہے؟ تو ماہنامہ الفرقان بریلی ملاحظہ فرمایا کیجیے۔ جس میں ہر قسم کے مذہبی و سیاسی مسائل پر کتاب و سنت اور قوانین عقل و فطرت کی روشنی میں فرقہ بندی اور پارٹی بازی سے الگ ہو کر بحث کی جاتی ہے۔

الفرقان کی دعوت کا خلاصہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد رب، سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری پیغمبر اور واحد ہادی و امام، کتاب و سنت کو واحد لائحہ عمل مانو اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے میدان جد و جہد میں آگے بڑھو اور پھر نصر من اللہ و فتح قریب کا تماشا دیکھو

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ **ناظم الفرقان بریلی**، سالانہ چندہ صرف تین روپے

Regd. No. A. 353

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ

مُرتّبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی
میں ہر قسم کی علمی مذہبی کتابیں کفایت سے ملتی ہیں

چندہ سالانہ
بلغ تین روپے
(۳ سے)
پیشگی

چندہ سالانہ
ممالک غیر سے
۵ شلنگ
پیشگی

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ الفرقان بریلی

جلد ۹	بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ	نمبر ۷

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہِ اولیں	مدیر	۲
۲	موعظۂ و ذکری	"	۳-۸
۳	ہندوستان اور صوفیہ صافیہ	جناب مولٰنا محمد نور الحق صاحب علوی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور	۹-۱۶
۴	خطبات بمبئی کا آٹھواں خطبہ بعنوان "دورِ فتن اور اسلامی تحریک کا زوال"	مدیر	۱۷-۳۴
۵	دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور ہمارا فرض اس وقت کیا ہے	جناب مولٰنا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر ترجمان القرآن لاہور	۳۵-۴۵
۶	مطبوعاتِ جدیدہ	مدیر	۴۶-۵۲

ضروری قواعد مکتبہ الفرقان بریلی

۱۔ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ کی فرمائش کے ساتھ یا مجلد منگانے کی صورت میں کم از کم دو روپیہ پیشگی آنا ضروری ہیں۔

۲۔ اگر فرمائش کی کوئی کتاب بروقت موجود نہ ہوگی تو حتی الوسع باہر سے منگوا کر آپ کی فرمائش پوری روانہ کی جائیگی بصورت مجبوری ہم معذور ہوں گے۔

۳۔ پارسل میں اگر کوئی کتاب ناقص پہونچ جائے تو مطلوبہ کتاب کے بجائے غلطی سے کوئی دوسری کتاب چلی جائے تو پندرہ دن کے اندر اطلاع آنے پر اس کی تلافی کر دی جائیگی۔

۴۔ محصول ڈاک و صرف پیکنگ بہر حال بذمہ خریدار ہوگا الا بصورت استثناء

۵۔ فرمائش کے ساتھ اپنا پورا پتہ صاف اور خوشخط لکھیے۔ کتابیں ریلوے سے منگانی ہوں تو اپنے اس قریبی اسٹیشن کا نام صاف اور خوشخط لکھیے جہاں سے پارسل وصول کرنے میں آپکو سہولت ہو۔

۶۔ کتابیں مجلد مطلوب ہوں تو اس کی تشریح کر دیجے کہ جلد چڑی یا کپڑے کی ہو مطلوبہ کتاب کے ایک سے زیادہ حصے ہوں تو یہ بھی لکھیے کہ سارے حصے ایک ہی میں مجلد کرائے جائیں یا ایک سے زیادہ میں۔

۷۔ اگر آپ رسالہ کے خریدار ہیں تو ہر خط میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کیجیے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت بیجا ہوگی۔

۸۔ جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔ ورنہ جواب کا انتظار نہ فرمایئے۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:- ناظم دفتر الفرقان بریلی۔ یو۔پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

گزشتہ اشاعت میں بمبئی کی سات تقریریں شایع ہو چکی ہیں کاغذ میسر نہ آسکنے کی وجہ سے آٹھویں تقریر اُس وقت اشاعت سے رہ گئی تھی وہ اب اس اشاعت میں حاضرِ خدمت ہو رہی ہے۔

پچھلے نمبر میں یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ ان تقریروں کے ساتھ ایک تکملہ کا بھی اضافہ کیا گیا ہے جسمیں ہم نے اپنا پروگرام دفعہ وار لکھدیا ہے، اور آٹھویں تقریر کے ساتھ ہی اسکی اشاعت کا بھی وعدہ کیا گیا تھا، غالباً آپکو اسکا انتظار بھی ہوگا لیکن افسوس ہے کہ آپ اس نمبر میں اسکو نہ پائینگے ـــــ وقت کی بعض خاص مصلحتوں یا مجبوریوں کی وجہ سے فی الحال اسکو روک لینا پڑا ـــــ اسلیے ان تقریروں ہی میں جو کچھ صراحتہً یا اشارۃً کہا گیا ہے آپ ابھی اسی کو ہمارا لائحہ عمل سمجھیں، درحقیقت کام کرنے کا ارادہ اور اسکی سمجھ رکھنے والوں کیلیے ان تقریروں ہی میں سب کچھ موجود ہے۔

کاغذ کے انتظام کیلیے اپنے خاص احباب سے جو گزارش کیگئی تھی الحمدللہ وہ بالکل خالی تو نہ گئی لیکن بہت ہی کم حضرات نے ابتک اُس طرف توجہ فرمائی ہے۔ جو حضرات ابھی تک توجہ نہیں فرما سکے ہیں ہم اُنکی مخلصانہ توجہات کے منتظر ہیں اسلیے ابھی کاغذ کمیٹی کو آرڈر بھی نہیں دیا جا سکا ہے، فی الحقیقت اب "الفرقان" کے نظامِ اشاعت کا سارا مدار کاغذ کے انتظام پر ہے اور وہ بظاہر اسباب اپنے خاص دوستوں کے مخلصانہ تعاون ہی پر موقوف ہے جسکی سہل صورت گزشتہ اشاعت میں عرض کیجا چکی ہے۔

بعض موقر جرائد و اخبارات "الفرقان" کے مضامین اپنے صفحات میں نقل فرماتے ہیں ہم انکے اس "تعاون علی الخیر" کے دل سے شکر گزار ہیں۔ اس سے بڑھکر ہماری کامیابی اور بامرادی کیا ہوگی کہ جو پیغام ہم مسلمانوں کو دینا چاہتے ہیں اسکو ان مسلمانوں تک بھی پہنچا دیا جائے جن تک ہماری کمزور آواز نہیں پہنچ سکتی، لیکن اگر ہمارے یہ محسن مضمون کے ساتھ "الفرقان" کا حوالہ بھی دیدیا کریں تو ہم اور زیادہ شکر گزار ہوں گے، اور اسکا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اگر کسی صاحب کو ان مضامین کے کسی حصہ کے متعلق صاحبِ مضمون سے مراجعت کی ضرورت ہوگی تو وہ براہِ راست مراجعت کر سکیں گے۔

موعظۃ و ذکری

آداب معاشرت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

[اس سلسلہ کی اس سے پہلی قسطوں میں کھانے پینے، لیٹنے سونے، چلنے پھرنے، کپڑا وغیرہ پہننے طہارت وصفائی سے رہنے، اور آپس میں ملنے جلنے کے آداب واحکام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زریں تعلیمات پیش کی جاچکی ہیں۔ آج اس سے آگے ملاحظہ فرمایئے۔]

آداب مجلس!

آداب مجلس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جو ہدایات فرمائیں انہیں سے چند یہ ہیں

(الف) مجلس میں اگر راز کی کوئی بات معلوم ہو تو اس کو راز ہی میں رکھا جائے ——— البتہ اگر کسی کی جان، یا کسی پاکدامن کی آبرو یا کسی کے مال پر حملہ کیلیے کوئی خفیہ سازش کسی جگہ ہو رہی ہو، تو جس سے اس کا تعلق ہو اس کو مطلع کر دینا چاہیے تاکہ وہ اس ناحق سازش کے شر اور ضرر سے اپنی حفاظت کر سکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المجالس بالامانۃ الا ثلثۃ مجالس سفک دم حرام، او فرج حرام، او اقتطاع مال بغیر حق۔ (ابو داود)

مجالس کے معاملات میں آدمی کو امانت سے کام لینا چاہیے (یعنی وہاں جو بات راز کی سنی اس کو راز ہی میں رکھے) البتہ تین صورتیں ہیں جہاں رازداری جرم ہے ایک یہ کہ کسی کے ناحق خون کی یا کسی کے ساتھ بدفعلی یا کسی کا مال چھیننے کی سازش ہو رہی ہو ان تمام صورتوں میں اس سازش کا ظاہر کر دینا ضروری ہے۔

(ب) اگر کوئی شخص پہلے سے ایک جگہ مجلس میں بیٹھا ہے تو بعد میں کسی آنے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کو اس جگہ سے اٹھا کر خود وہاں بیٹھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا یقیمن احدکم رجلا من مجلسہ

کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں

ثم یجلس فیہ، ولکن توسعوا وتفسحوا یفسح اللہ لکم۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد۔ ترمذی)

بیٹھنے کی کوشش نہ کرے بلکہ گنجائش اور فراخی سے کام لیا جائے اللہ تعالےٰ اس کے بدلہ میں تمہارے واسطے فراخی دیگا۔

(ج) مجلس میں زیادہ گھچ پچ نہیں بیٹھنا چاہیے اس سے سب کو تکلیف ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ خیر المجالس اوسعھا۔ بہتر مجلس وہ ہی جس میں زیادہ وسعت ہو۔

(د) اگر کسی کا مجلس میں سے کوئی کسی ضرورت سے اٹھ کر جائے تو اس کی جگہ پر قبضہ نہ کیا جائے، واپس آنے پر وہی اپنی سابق جگہ کا حق دار ہوگا۔ ارشاد فرمایا:۔

اذا قام احدکم من مجلسہ ثم رجع الیہ فھو احق بہ (مسلم، ابوداؤد)

جب تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے اُٹھکر جائے تو واپس آنے پر وہی اپنی اُس جگہ کا حقدار ہوگا۔

(ہ) اگر کسی مجلس میں دو آدمی (یا اس سے زیادہ) مل کر بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان بیٹھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ممکن ہے وہ کوئی خاص بات کرنے کیلیے یا کسی خاص مصلحت سے مل جل کر بیٹھے ہوں، اور دوسرے شخص کے پہونچنے سے انکی بات میں خلل پڑے۔ اسلیے ایسا نہ کیا جائے الّا یہ کہ اُن سے پہلے اجازت حاصل کر لی جائے فرمایا

لا تجلس بین رجلین الا باذنھما (ابوداؤد، ترمذی) دو آدمیوں کے بیچ میں بغیر ان کی اجازت کے نہ بیٹھو۔

(و) اگر تین آدمی ایک مجلس میں بیٹھے ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو کو آپس میں سرگوشی اور کانا پھوسی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے اس کو ملال ہونے کا خطرہ ہے نیز طرح طرح کے شبہات اس کے دل میں پیدا ہونے کا امکان ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یتناجیٰ اثنان دون صاحبھما فان ذالک یحزنہ (ابوداؤد)

دو آدمی اپنے تیسرے ساتھی کو چھوڑ کر سرگوشیاں نہ کریں کیونکہ اس سے اس کو رنج و ملال ہوگا۔

(ز) اگر کسی جگہ بہت سے آدمی جمع ہوں جیسا کہ مساجد یا دوسری دینی مجالس میں ہوتا ہے تو ان سب کو الگ الگ اپنے اپنے حلقے اور ٹولے بنا کر نہیں بیٹھنا چاہیے کیونکہ یہ طریقہ فرقہ بندی اور باہمی تنافر کا پتہ دیتا ہے، بلکہ سب کو ایک جماعت بن کر بیٹھنا چاہیے۔

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں الگ الگ حلقے بنائے بیٹھے ہیں تو ارشاد فرمایا:۔

مالی اراکم عزین (ابوداؤد) یہ کیا بات ہے کہ تم لوگ الگ الگ ٹولیاں بنائے بیٹھے ہو؟

(ح) اپنی محبت اور صحبت اور ہم نشینی کیلیے ہمیشہ نیک چلن اور خدا ترس لوگوں کا انتخاب کرنا اور صلحاء و اتقیاء ہی کے پاس بیٹھنا چاہیے۔ کیونکہ انسان کے اعمال اور اس کے افکار پر صحبت کا اثر لازماً پڑتا ہے۔ حدیث میں ہے۔

الرجل علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل (ابوداؤد)

آدمی فطرۃً اپنے دوستوں ہی کے طریقے کو اختیار کر لیتا ہے لہٰذا تمکو چاہیے کہ خوب دیکھ بھال کے کسی سے دوستی کرو۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

لا تصاحب الا مومنا الخ (ابوداؤد)

تمہاری صحبت صرف اُنکے ساتھ رہنی چاہیے جنمیں ایمان ہو

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

خیر جلیسکم من یذکرکم اللہ رؤیتہ و ینفعکم منطقہ و یذکرکم الآخرۃ عملہ (کنز العمال)

تمہارے لیے بہتر ہمنشین وہ ہے جسکو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جسکی گفتگو سے تمکو نفع پہنچے اور جسکے طرز عمل سے تمہارے اندر آخرت کی یاد پیدا ہو۔

(ط) مسلمانوں کی کوئی مجلس اللہ کی یاد سے خالی نہ رہنی چاہیے۔ حدیث پاک میں ہے:۔

ما من قوم یقومون من مجلس لا یذکرون اللہ فیہ الا قاموا عن مثل جیفۃ حمار و کان علیھم حسرۃ (ابوداؤد)

جو لوگ کسی مجلس سے اٹھے اور اس میں انہوں نے اللہ کا بالکل ذکر نہیں کیا تو یوں سمجھو کہ گویا وہ گدھے کے مردار لاشہ کے پاس سے اُٹھے اور قیامت میں یہ مجلس انکے لیے بڑی حسرت کا باعث ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ آدمی جب کسی مجلس سے اُٹھے تو بطور کفارہ مجلس یہ کلمات کہہ لیا کرے، تاکہ مجلس میں اگر کچھ نامناسب باتیں ہوئی ہوں تو ان کلمات مبارکہ سے انکی کچھ تلافی ہو جائے ــــ وہ کلمات یہ ہیں:۔

سبحانک اللھم و بحمدک لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک (ابوداؤد)

خداوندا! میں تیری تسبیح اور تیری حمد کرتا ہوں تیرے سوا کوئی لائق پرستش نہیں میں تجھ سے معافی اور بخشش کی التجا کرتا ہوں۔ اور توبہ کرتا ہوں۔

بات چیت کرنے کے آداب!

(الف) اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایک عام اور اصولی تعلیم یہ ہے کہ بات ہمیشہ اچھی اور سچی کہی جائے آپکے لائے ہوئے صحیفۂ ہدایت قرآن پاک کا حکم ہے یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً (احزاب ۹۶) یعنی ای ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہمیشہ سچی اور سیدھی بات کہو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:-

وقولوا للناس حسناً (بقرہ) اور لوگوں سے اچھی ہی بات کہو۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے:-

من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً او لیسکت (مسلم) ہر ایمان والے کو چاہیے کہ ہمیشہ اچھی ہی بات کرے ورنہ چپ رہے۔

آپکی اس تعلیم ہی کا اثر تھا کہ آپکے خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مہر میں کندہ تھا:
قل الخیر والا فاسکت" یعنی اچھی بات ہی کہو ورنہ زبان بند رکھو۔

(ب) دوسری اصولی تعلیم آپکی یہ ہے کہ گفتگو میں ہمیشہ نرمی سے کام لیا جائے اور سخت کلامی اور بدگفتاری سے پرہیز کیا جائے ارشاد فرمایا: علیکم بالرفق وایاکم والعنف والفحش (کنز العمال) نرمی کو اپنے اوپر لازم کرلو اور سخت کلامی اور بدگفتاری سے دور رہو۔

دوسری حدیث میں ہے:-

ان اللہ یحب الرفق ویبغض الفاحش البذی (کنز) اللہ نرمی کو پسند کرتا ہے اور ہر بدزبان فحش گو سے بغض رکھتا ہے

(ج) اسی سلسلہ کی ایک تعلیم آپکی یہ ہے کہ خواہ مخواہ طعن و تعریض (چوٹ) نہ کی جائے اور علی ہذا کسی کا چڑھ کا نام نہ لیا جائے غرض حتی الوسع برے لفظوں سے کسی کو یاد نہ کیا جائے۔ قرآن پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔

ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب (حجرات) اور آپس میں کسی پر چوٹ نہ کرو اور نہ کسی کا چڑھ کا نام لو۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: لیس المومن بطعان ولا لعان ولا فاحش ولا بذی (ترمذی) مسلمان کو نہ طعنہ باز اور لعنت باز ہونا چاہیے اور نہ فحش گو بدزبان۔

(د) اسی طرح خواہ مخواہ چیخ چیخ کر بولنے کو بھی سخت ناپسند فرمایا گیا ہے۔ قرآن پاک ہی میں ارشاد ہے:-

واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر (لقمان ۲۶) اور اپنی آواز پست رکھ، سب آوازوں میں بھی بگڑی ہوئی آواز گدھوں کی ہے
ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کی ایک علامت یہ بھی تبلائی کہ "صُخُبٌ بالنّہار"

وہ دن میں چیخ چیخ کر بولنے اور شور مچانے کے عادی ہوتے ہیں (مسند احمد)

(۵) اسی طرح آپ نے کلام میں اُس تصنع اور تفنن سے بھی منع فرمایا جو محض لوگوں کا دل لبھانے اور ان کو اپنے دام فریب میں پھانسنے کیلئے کیا جاتے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا!

من تعلم صرف الکلام لیسبی بہ قلوب الرجال لم یقبل اللہ منہ یوم القیٰمۃ صرفاً ولا عدلا۔ (ابوداؤد)

جس نے اسالیب کلام میں ادل بدل (یعنی تفنن) صرف اسلیے سیکھا کہ لوگوں کے دلوں کو اسکے ذریعہ مسخر کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکی طرف کوئی فدیہ و معاوضہ قبول نہ فرمائیگا

(۶) بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہو کہ خواہ مخواہ اپنی بات کو طول دیتے ہیں اور جو بات اختصار اور سادگی کے ساتھ دس پانچ منٹ میں کہی جاسکتی ہو اس کو گھنٹہ بھر میں کہتے ہیں، اس سے وقت بھی ضایع ہوتا ہی اور بسا اوقات سننے والا اکتا جاتا ہی اور پھر وہ اس سے کچھ اچھا اثر نہیں لیتا، بلکہ اس کا منتظر رہتا ہی کہ کب اس بھلے آدمی سے پیچھا چھوٹے اور ہم اپنی راہ لوں، غرض ایسی صورت میں کہنے اور سننے والوں کا وقت بھی بہت ضایع ہوتا ہی اور پھر بات بے نتیجہ اور بے مزہ بھی ہو جاتی ہی۔ اس لیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گفتگو میں اختصار سے کام لینے کی بھی ہدایت فرمائی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی سے مروی ہے فرماتے ہیں:۔

سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لقد رایت او امرت ان اتجوز فی القول فان الجواز ھو خیر (ابوداؤد)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ میں مناسب سمجھتا ہوں یا آپنے فرمایا کہ مجھ اللہ پاک کا حکم ہی کہ بات چیت میں اختصار سے کام لوں کیونکہ اسمیں بہتری اور برکت ہوتی ہی۔

(۷) غصہ کی حالت میں آدمی کی زبان اکثر بے قابو ہو جاتی ہی اور اس وقت وہ نہ کہنے والی باتیں بھی کہہ گزرتا ہی اسلیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتاکید ہدایت فرمائی کہ غصہ کی حالت میں زبان کھولی ہی نہ جائے فرمایا

اذا غضب احدکم فلیسکت واذا غضب احدکم فلیسکت واذا غضب احدکم فلیسکت (مسند احمد کبیر طبرانی)

جب تم میں سے کسی کو غصہ ہو تو وہ خاموش رہے جب تم پر غصہ کا غلبہ ہو تو خاموش ہو جب تم غصہ کی حالت میں ہو تو بالکل نہ بولو۔

اللہ اکبر! کس قدر حکیمانہ تعلیم ہی۔

(۸) اسی سلسلہ میں ایک عمومی اور اصولی ہدایت آپنے یہ فرمائی کہ فضول باتوں سے پرہیز کیا جاے اور زبان کو بے مقصد استعمال ہی نہ کیا جائے ارشاد فرمایا:۔

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (ترمذی) — آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ فضول اور بے مقصد باتوں میں نہ پڑے۔

قرآن پاک میں کتنے اچھے پیرایہ میں انسان کو بول چال میں زبان پر کنٹرول و احتساب کی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق ۲۶) — آدمی جو بول بھی بولتا ہے ایک نگراں فرشتہ (بطور سرکاری گواہ کے) اس کے پاس حاضر رہتا ہے

گویا انسان کی ساری گفتگو اور بول چال کا مکمل ریکارڈ ساتھ ساتھ تیار ہو رہا ہے جو کچھ اچھی یا بری بات اس دنیا میں اسکے منہ سے نکلے گی وہ خود اس قدرتی ریکارڈ سے اس کو آخرت میں سن لیگا اور اپنے صحیفۂ اعمال میں دیکھ لیگا اور پھر جزا و سزا اس پر بھی ہوگی۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی شرمگاہ اور اپنی زبان کا ضامن ہو جائے کہ وہ ان کو غلط طور سے استعمال نہیں کریگا تو میں اسکے لیے جنت کی ضمانت کر سکتا ہوں۔

اس پر ایک صحابی نے عرض کیا "انا لمواخذون بما نتکلم؟" حضرت! ہم زبان سے جو بات چیت کرتے ہیں کیا اس پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

وھل یکب الناس علی مناخرھم فی النار الا حصائد السنتھم — آدمیوں کو اوندھے منہ جہنم میں انکی بری باتیں ہی تو ڈلوائینگی۔

درحقیقت اگر کوئی انسان آپ کی صرف اس تعلیم کو پیش نظر رکھکر زندگی گزارے اور زبان کو کہیں غلط طور پر استعمال نہ کرے تو وہ خود ہزاروں گناہوں سے بچے گا اور اس کا وجود اسکی دوسری ابنائے جنس اور متعلقین کیلیے سراپا رحمت ہوگا۔

آداب کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے ابھی بہت سے مستقل باب رہ گئے ہیں جنکی طرف ہم نے اشارہ بھی نہیں کیا ہے تاہم اس سلسلہ کی آپ کی جو چند ہدایات یہاں ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں اُن سے بھی ایک صاحب نظر اندازہ کر سکتا ہے کہ عقائد و عبادات، حقوق و فرائض اور اخلاقی تعلیمات کی طرح "آداب" کے باب میں جو ہدایات نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو دیں وہ بھی ایک معجزانہ شان رکھتی ہیں اور ایک اُمی انسان صرف وحی و الہام کی رہنمائی ہی میں یہ ہدایات دے سکتا ہے۔

اب آئندہ اشاعت سے ان شاء اللہ ہم "معاملات" کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا سلسلہ شروع کرینگے واللہ الموفق

ہندوستان اور صوفیہ صافیہ (گزشتہ سے پیوستہ) — از جناب مولنا محمد نور الحق صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

ہند اکبری دور کے بعد

اکبری انقلاب کے اثر سے مسلمانان ہند تین حصوں میں منقسم ہو گئے۔

(الف) پہلا وہ حصہ ہے جو پرانی ذہنیت میں اس قدر متجدید مان گیا جس کی نظیر اسلامی تاریخ میں ملتی ہے۔ اس گروہ کے نمائندے۔ خواجہ باقی باللہ کے شاگرد رشید حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ) ہیں۔ اُن کی اولاد واتباع نے اُن کے طریقے کو ایسا مکمل کر دیا ہے کہ تمام مشرقی قوموں میں وہی اسلام کے صحیح ترجمان سمجھے جاتے ہیں سلطان اورنگ زیب محی الدین عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸ھ۔ خزینہ ص ۱۶۱) اسی فرقہ کے ایک حکمراں تھے؛

(ب) دوسرا فرقہ، حضرت شیخ اکبرؒ کے مشہور طریقہ (وحدت وجود) ہر اس ذہنیت کا طرفدار ہو جو تمام مذاہب میں مشترک معلوم ہوتی ہے شعرا اور صوفیہ کے کثیر التعداد افراد اس گروہ میں شامل ہیں۔

(ج) تیسرا طائفہ ان اعتدال پسند علما کا ہے جو حکمت نظری اور عملی ہر دو کے ماہر ہیں اس گروہ میں سلطنت کے وزرا اور شعرار و صوفیہ کا خاص طبقہ شامل ہے۔ سلاطین میں شہنشاہ نورالدین جہانگیر (متوفی ۱۰۳۶ھ) فی الجملہ اس فرقہ کا طرفدار تھا لیکن جماعت کا حقیقی ممثل سلطان شہاب الدین شاہجہان صاحب القران الثانی ہیں۔ جو ۱۰۷۶ھ میں فوت ہوئے [1]۔

---

[1] بروز جلوس شاہجہاں چہار کروڑ ہشتاد لکھ روپیہ نقد، و چار لک بیگہ زمین، و چار صد موضع، بشکرانہ حصول بادشاہی، فی سبیل اللہ، بہ درویشاں و علما و صلحا و غربا و مساکین تقسیم نمود، و دراں وقت فوج شاہی ہم از سہ لکھ زیادہ بود بدیں تفصیل دو لکھ سوار، ہشت ہزار منصب دار، باقی پیادہ فوج بودہ خزینہ ص ۳۶۱

صاحب القران الثانی | سلطان شاہجہاں نے دہلی بسائی۔ یعنی شاہجہان آباد آباد کیا۔ اور ۱۰۴۴ھ میں تخت طاؤس پر جلوہ فرمایا۔ جو ہندی مسلمانوں کے ارتقائی تمدن کا اعلیٰ مظہر ہے۔ سلطان مرحوم نے یوم جمعہ ۱۰ شوال ۱۰۶۰ھ میں جامع مسجد دہلی یعنی مسجد جہاں نما کی بنیاد رکھی جس کو ہم ہندوستانی مسلمانوں کی نئی قومیت کا افتتاح سمجھتے ہیں۔ وللہ درّ من قال ؎

اے خدا مسجد جامع کا ہے نام بلند — کہنے والے بھی کہیں آئی اذان دہلی

فرقہ ولی اللہیہ کا موسس اول اور مسجد جہاں نما | جب شاہ جہاں مرحوم نے جامع مسجد دہلی کی بنیاد رکھی تو شاہ عبد الرحیم صاحب (والد شاہ

اشاعت اسلام کی رفتار ہند میں صدیوں تک کیوں نرم رہی؟

ناظرین کرام ذی گزشتہ تصریحات سے سمجھ لیا ہوگا کہ اعلیٰ حکمت مختلف المذاہب اقوام میں کس طرح فکری اتحاد، ذہنی یگانگت پیدا کرنے کی ضامن ہے۔

ہندوستان میں اشاعت اسلام کی رفتار صدیوں تک نہایت ہی غیر تسلی بخش رہی جس کی وجہ فقط یہ ہے کہ جوگیہ ہند کو اپنے فلسفہ پر بڑا ہی ناز تھا۔ علماء اسلام سے جب کبھی مقابلہ ہوتا تو وہ اتنا کہہ کر ٹال دیتے کہ قال کے مرد میدان کو ماہرین حال سے کیا واسطہ ساتویں صدی کے پس و پیش صوفیہ عالم نے اس راز کو سمجھا۔ اور دوسرے ممالک سے دھڑا دھڑ آنے شروع ہوئے۔ پھر شب و روز کی جاں فشانی سے جوگیہ مذکور کے اس نازبے جا کے طلسم ہوشربا کو توڑا۔ ماہر تاریخ جانتا ہے کہ اکابر صوفیہ اور مشاہیر اہل دل تمام کے تمام چشتی ہوں یا نقشبندی، سہروردی ہوں یا قادری بیرون ہند سے تشریف لائے۔ اور یہیں کے ہو رہے۔

تاریخ ہند پڑھنے سے یہ خاص طور پر محسوس ہوتا ہے کہ قرن سابع کے گرد و پیش بیرون ہند کے صوفیہ صافیہ میں ایک خاص حرکت اور جوش پایا جاتا ہے جو اُن کو باوجود ع

سیکڑوں منزل نشان نقش پا ملتا نہیں

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ولی اللہ موسس فرقہ ولی اللہیہ چھ برس کے تھے۔ آپ اس واقعہ میں حاضر تھے اور اس واقعہ کی تفصیلات شاہ ولی اللہ کو سنایا کرتے تھے۔

صاحب قرآن اور زبان اُردو

اسی واقعہ کے قریب قریب زبان اُردو کو نشو و نما حاصل ہونا شروع ہوا۔ شاہ جہاں کے عہد میں زبان اُردو کو شاہی دربار میں پہونچنے اور ترقی کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ محتسب آپ کے سامنے اُردو بازار پیش کرتا جس میں اجناس کے نرخ اُردو زبان میں مذکور ہوتے تھے۔

سید احمد دہلوی فرہنگ آصفیہ ص۲ میں لکھتے ہیں "شاہجہاں نے اُردو کو ہونہار یعنی ترقی پذیر دیکھکر اس کے روزمرہ الفاظ لکھنے کے لیے دلالوں کا عہدہ قرار دیا۔ ان لوگوں نے دن بھر کی لین دین کی رپورٹیں انہی کے الفاظ کے ساتھ شاہی حضور میں پیش کرنی شروع کیں۔" اُردو بازار سے یہ بچہ پروان چڑھنا شروع ہوا۔ ھ

الغرض ہماری ہندوستانی زبان، ہندوستانی تہذیب ہندوستانی فلسفہ کو شاہجہان آباد (نئی دہلی) اور اس کی جامع مسجد جہاں سے امتیازی تعلق ہے،

الحاصل جامع مسجد دہلی سے ایک ایسے مبارک وجود کا تعلق ہے جو مادرزاد ولی تھا۔ کیونکہ شاہ عبدالرحیم دہلوی کو اُن کے پیدا ہونے سے دو سال پہلے اجازت حاصل ہو چکی تھی۔ امام ولی اللہ دہلوی قول جمیل ص۱۲۳ میں لکھتے ہیں "تادب شیخنا عبد الرحیم علی روحانیۃ جلۃ سرفیع الدین محمد واجازہ لہ قبل ان یولد بسنتین۔ بطریق خرق العادۃ" اس کے علاوہ شاہ عبدالرحیم فلسفہ ولی اللہیہ کے موسس اول، اور اسلام کی بارھویں صدی کے ایک مجدد بھی تھے۔

جو جماعتیں دور اکبر کے بعد پیدا ہوئیں اُن میں سے تیسری جماعت کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم نے فرقہ ولی اللہیہ کی طرف اشارہ

ہندوستان پہونچنے کیلیے بے قرار رکھتا ہے۔ مَنْ جَرَّبَ مِثْلَ تَجْرِبَتِیْ یَعْلَمُ صِدَاقَ مَقَالِیْ۔

سرزمین ہند اور احترام صوفیہ صافیہ

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں صوفیہ کی عزت دوسرے ممالک کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ نیز مورخین ہند اور دوسرے مصنفین نے نے علماء ہند کے مقابلہ میں صوفیہ کی بہت زیادہ عزت افزائی کی ہے۔

مولٰنا آزاد بلگرامی "سبحۃ المرجان" صفحہ ۲ میں لکھتے ہیں:-

لما انتشر الاسلام فی هذه البلاد ظهر بها جمع من العلماء لکن ما عمد احد الی ضبط تراجمهم، وسببه ان اهل الهند لهم اهتمام عظیم بحفظ الاحوال و الاقوال من مشائخ الطریقة، ولا اعتناء لهم اصلاً بجمعها من العلماء الکاشفین عن الحقیقة وما رأینا من السلف والخلف کتاباً مستقلاً فی هذا الباب انتهی۔

(ترجمہ) اشاعت اسلام کے بعد ہندوستان میں بھی علماء کرام کی ایک جماعت پیدا ہوئی لیکن کسی نے ان کے تراجم قلمبند کرنے کی طرف توجہ نہ کی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مصنفین ہند کو مشائخ طریقت کے احوال واقوال ضبط کرنے کا شغف ہے۔ علماء ظاہر کی طرف جو حقیقتِ شریعت کے اصلی ترجمان ہیں۔ اُن کی مطلقاً توجہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین اور متاخرین میں سے کسی کی کوئی مستقل تصنیف اس باب میں ہماری نظر سے نہیں گزری۔

مذکورہ بالا اہتمام اور شغف کیوں ہے؟

حضرت مولانا المہاجر عم فیضہم کتاب التمہید صفحہ ۲ میں فرماتے ہیں:-

قلت السبب فی ما ذکر من الاهتمام ان مشائخ الطریقة اشترکوا مع السلاطین و الغزاة فی الجهاد بل کانوا مقدم متجیوشهم

(ترجمہ) میں کہتا ہوں۔ مذکورہ بالا اہتمام اور شغف کی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ صافیہ سلاطین اسلام اور غازیوں کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کرتے تھے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) نیز اُس ماحول کو بالاختصار بیان کیا جس میں یہ فرقہ پیدا ہوا۔ یہ اس فرقہ کا اصولی اور کلی تذکرہ ہے کہ وہ کب اور کن حالات میں پیدا ہوا۔ اس فرقہ سے تفصیلی بحث عنقریب آئے گی۔ وباللہ التوفیق ۱۲

محمد نور الحق الہی غفرلہ

وکان نفعھم فی الاسلام واشاعتہ اعظم لان الھند کانوا اصحاب فلسفۃ ودیانتہم لا یرغبون الا الی دین فیہ شوب فلسفۃ عقلیۃ او اشراقیۃ فمشائخ الطریقۃ اثبتوا فضلھم علی براھمۃ الھنود فی ذلک الفن الفیا وببرکۃ دعوتھم وصحبتھم دخل افواج من البودیین والبراھمۃ فی الاسلام۔

بلکہ صوفیہ افواج اسلام کے پیشوا ہوتے تھے۔ اس وجہ سے ہند میں اشاعت اسلام کو بہت فائدہ پہونچا۔ بات یہ ہے کہ اہل ہند کے پاس اعلیٰ حکمت تھی اور اس حکمت کے مطابق ایک مذہب تھا۔ سو وہ ایسے مذہب کی طرف مائل ہی نہ ہوتے تھے جس میں حکمت اعلیٰ کی آمیزش نہو خواہ وہ حکمت عقلی ہو (یعنی مشائیہ کے درجے کی ہو) یا اشراقی۔ صوفیہ نے یہاں آکر برہمنوں پر اس سلسلہ میں بھی اپنا تفوق ثابت کیا (اور واضح کردیا کہ اُن کے مذہب سے کہیں زیادہ اسلام کے مسائل حکمت اعلیٰ کے اصولوں سے عین مطابق ہیں) چنانچہ صوفیہ کی تبلیغ اور ان کے اثر صحبت کی برکت سے بودھوں اور برہمنوں کے گروہ در گروہ مشرف بالاسلام ہوتے گئے۔

تقسیم عمل فالسلاطین کانوا ینتزعون الحکومۃ من ایدی الملوک۔ وارباب الطریقۃ کانوا یلقون عامتہم الی الاسلام۔

تقسیم پس سلاطین اسلام اُن کے راجوں مہاراجوں کے ہاتھوں سے حکومتیں چھینتے تھے! اور مشائخ طریقت عوام اہل ہند کو (اپنی زبانی تبلیغ اور با برکت صحبت کے اثر سے) مانوس اسلام بناتے تھے۔

حکمۃ عدم احترام العلماء ائمۃ ارباب الطریقۃ لشدۃ اعتنائھم باللّٰہ، کانوا یساھمون الملوک۔ فمن کان من العلماء راغبا فی خدمۃ الدین بالدعوۃ والتدریس والامر بالمعروف انتظم مع احد من ائمۃ الطریقۃ۔ فلم یبق فی معیۃ الملوک الا الذین یسایرونھم فی ما یریدون فالعامۃ لا یحترمون ذلک الصنف من العلماء۔

علماء کے عدم احترام کی وجہ مشائخ صوفیہ کو چونکہ خدا تعالےٰ کے ساتھ شدید وابستگی ہوتی ہے جس کی وجہ سے دُنیا کی کوئی ہستی اُن کی آنکھوں میں نہیں سماتی۔ اسلیے وہ اپنے آپ کو بادشاہوں کا سہیم اور ان کے مساوی جانتے تھے گویا اب دو طرح کی سلطنتیں تھیں علماء میں سے جو شخص اس امر کا خواہاں ہوتا کہ وہ دعوت و تبلیغ، اور درس و تدریس کے ذریعہ خدمت دین کرے تو وہ صوفیہ میں سے کسی کا دامن تھام کر پہلی سلطنت میں داخل ہوجاتا۔ بنابریں سلاطین کے ساتھ وہی علماء باقی رہ جاتے جو اُن کے ہر نیک و بد میں اُن سے ہاں میں ہاں

لائے جاتے۔ اس لیے عوام سے اُن کے احترام و توقیر کی توقع بالکل بیجا ہے۔

حضرت مولانا مہاجر کتاب التمہید ص۲ میں لکھتے ہیں۔

لما استخلف المامون علی راس مائتین بزغ فجر الکلام و عربت کلمۃ الاوائل و منطق الیونان و عمل رصد الکواکب، و تغلب العجم علی ادارات الحکومۃ فی الشرق، و من ثم تبدلت ذھنیۃ العرب الی ذھنیۃ العجم۔ فاخذوا العلوم الفلاسفۃ من الیونان والایران والھند، و شرعوا فی تطبیق مقاصد القرآن العظیم و نظریات الفلاسفۃ، فنشاء فیھم المتکلمون والصوفیۃ مثل المشائین والاشراقیین قلت غلبۃ العجم علی القوۃ العسکریۃ للخلافۃ ما ابقت للحکومۃ من العربیۃ الا اللغۃ فلو لم یتدارک المامون بتولیدہ لنشاط فی ذھنیۃ العرب بترجمۃ کتب ارسطو والاسکندر المتغلبین علی الایرانیین مثل المسلمین لذھبت اللغۃ ایضا و لجاء دور السلطان[1] محمود الغزنوی والفردوسی متقدما بنحو مائتی سنۃ۔

(ترجمہ) جب ۲۵ محرم الحرام ۱۹۸ھ میں مامون اعظم خلیفہ ہوا۔ تو علم کلام کی صبح بھی نمودار ہوئی نیز گزشتہ حکما کی حکمت، یونانیوں کی منطق کے عربی میں ترجمے ہونے لگے کواکب کی حرکات معلوم کرنے کیلیے رسدگاہیں تعمیر ہوئیں۔ اسی کے عہد میں حکومت کے تمام شعبوں پر عجمیت غالب آگئی یہیں سے عربی ذہنیت و مذاق کیسر بدل کر عجمی ذہنیت نے اس کی جگہ لے لی۔ چنانچہ عرب فلاسفہ یونان و ایران و ہندوستان کے علوم حاصل کرنے لگ گئے۔ بعد ازاں عربوں نے نظریات فلاسفہ اور مقاصد قرآن حکیم میں تطبیق دینی شروع کی۔ اس سے اسلام میں بھی گزشتہ مشائیوں کے بجائے متکلمین اور قدیم اشراقیوں کے بجائے صوفیہ پیدا ہوئے۔ خلافت عباسیہ کی فوجی طاقت پر جب عجم چھا گئے تو حکومت مذکورہ کے پاس عربیت میں سے بجز زبان کے اور کچھ نہ رہا یعنی حکومت عباسیہ تو عجمی تھی مگر اس کی دفتری اور سرکاری زبان عربی تھی اور بس۔ یہ عربی زبان بھی اسی وقت فنا ہو جاتی اگر مامون اعظم اپنی دانشمندی سے عربوں میں ارسطو اور سکندر یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمہ کرنیکا ولولہ پیدا نہ کر دیتا۔ مامون نے نہایت

---

[1] عربی اور فارسی سے مسلمانان ہند کے تعلقات) سلطان محمود غزنوی کے عہد میں زبان عربی کی عزت فقط مذہبی طور پر رہ گئی۔ ارباب سیاست نے اس کو دفتر اور دربار شاہی سے نکال دیا تھا۔ اور سرکاری دفتری زبان فارسی قرار دی گئی۔ کہتے ہیں کہ سلطان کا وزیر اعظم عربی سے ناآشنا تھا اس لیے یہ صورت وقوع پذیر ہوئی۔ اسباب میں تناقض نہیں ہوتا۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ سلطان ایک آزاد مستقل عجمی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ بنا بریں اس نے سرکاری زبان فارسی کو قرار دیا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ فارسی یعنی عجمی زبان نے عربی زبان پر غلبہ حاصل کیا۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد فارسی زبان مشرقی امم اسلامیہ (اتراک۔ تتار، ایران ہندوستان) کی تقریباً مادری زبان بن گئی۔ اور ان ممالک کے علما پر فلسفہ و تصوف چھا گیا۔ ساتویں صدی سے جن اشراقی فلاسفر ین

ہوشیاری سے فلسفہ کو جب عربی میں منتقل کرانا شروع کیا تو زبان اُس وقت بچ گئی۔ ورنہ وہ صدسال پیشتر ہی سلطان محمود غزنوی اور فردوسی کا عہد سامنے آکھڑا ہوتا۔

فتنہ خلق قرآن | ثم ذهنية العجم ماصارت معطلة بهذه الحيلة من المامون، بل تخرج من فلسفة ارسطو مسئلة خلق القرآن.

خلق قرآن اور اسکا مقصد | مامون نے ہرچند چاہا کہ عربی ذہنیت عجمیت پر غالب رہے مگر وہ اسمیں کامیاب نہ ہوا۔ کیونکہ عربوں نے جب فلاسفہ کی کتابوں کے تراجم کیے تو اُن کتب کے مضامین اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ ادھر یہ فلسفہ عربی میں ترجمہ ہوا۔ ادھر مسئلہ خلق قرآن توجہات کا مرکز بن گیا۔

فتنہ مذکور کا مقصد | وكان الغرض منها انكار تقدس لغة العرب فاضطر المامون الى موافقتهم واكتفى بقبولهم لعظمة العربية سياسة

اس فتنہ سے اصلی مقصد عربی زبان کی تفوق واعتلا کا انکار تھا۔ اور ماحول ہی کچھ اس قسم کا تھا کہ مامون نے بھی اس نظریہ کو مجبوراً قبول کرلیا اور اسی کو غنیمت سمجھا کہ سیاسی طور پر عربی زبان کی برتری تسلیم کی جائے۔

ضرورت فلسفہ وصوفیہ | ولكن هذا النزاع في شعار من شعائر الدين هو الذي احدث في قلوب المتصوفين الشغف بتحصيل فلسفة افلاطون وتكميل فلسفة الهند، لاثبات عالم المثال والتجلي ليتمكنوا

فلسفہ اور صوفیہ کی ضرورت | چونکہ یہ نزاع شعائر دین سے متعلق تھا یعنی قرآن کی عظمت کا۔ اسکے اعجاز کا، بالفاظ دیگر کلام الٰہی ہونیکا انکار تھا۔ اسی سے صوفیہ کے قلوب میں فلسفہ افلاطون کو حاصل کرنے اور فلسفہ ہند کو از سر نو مکمل کرنیکا شوق پیدا ہوا۔ تاکہ عالم مثال اور تجلی الٰہی کے مباحث کو ثابت کیا جا سکے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) صوفیہ علیہ) نے ہندوستان کو اپنی روحانیت سے فتح کیا، اُن صوفیہ کا ورثہ اور اُن کے خود کاشتہ پودے، سلاطین ہند کا ترکہ جو ہم تک پہونچا ہے۔ وہ تمام تر فارسی زبان میں ہے، وہ خود بھی فارسی بولتے تھے۔ عربی اصل مذہب ہے اور فارسی اس سے دوم نمبر پر ضروری ہے۔ عربی زبان میں ہمارا مذہب اترا اور فارسی میں اس مذہب کی حکمت اعلیٰ، یعنی تصوف مدون ہوا۔ عربی میں قانون نازل ہوا۔ اور ہند میں اس قانون کو نافذ کرنے والی طاقتیں۔ یعنی سلاطین ہند فارسی بولتے تھے۔ مولانا کہا کرتے ہیں نے سُنا کہ ہم فارسی زبان کو اس لیے نہیں چھوڑ سکتے۔ کہ اس زبان میں ہمارے عزیز ترین فلسفہ کا مشرب موجود ہے اور سیاست ہندیہ کا ذخیرہ۔ و باللہ التوفیق ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ العلوی

من تقدیس نظریات الشرع فما ارتفع افیها الا قریبًا من زمان محی الدین ابن العربی (المتوفی ۶۳۸ھ) انتہی

اس اثبات کے بعد وحی الٰہی، نزول کلام اللہ، شرف کلام کی حقیقت سمجھ میں آسکے گی۔ غرض ان اسلامی اشراقیہ نے مسائل شرعیہ کو دشمنان اسلام کے حملوں سے بچانے کیلئے ہر دو فلسفہ کی تحصیل کیلئے کمر باندھی لیکن انھیں اس فن میں رسوخ کہیں شیخ اکبر (متوفی ۶۳۸ھ) کے عہد میں جاکر حاصل ہوا۔

اعتزال تو چوتھی صدی ہجری کے آخر تک خاک نامرادی میں دفن ہو چکا تھا اسلیے صوفیہ نے اس حربہ سے ہند کو مسخر کرنے کی ٹھان لی۔

وجہ تاخر سلطنت مستقلہ واشاعت اسلام در ہند حضرت مولانا مہاجر کتاب التمہید اول حصہ دوم ص ۱۶۵ میں فرماتے ہیں:۔

هل تفطنت بالحكمة فی تأخر استحكام السلطنة بالهند فان المسلمين فتحوا الهند فی المائة الاولى لكن سلطنتهم ما استقرت الا فی المائة السابعة وتحقيقه عندی ان الاذعان لفلسفة وحدة الوجود كان غالبًا على ذهنية اهل الهند، عامتهم وخاصتهم وكان جميع ادارات المذهب والقومية والوطنية مع اختلاف الاصناف، مبنية على تلك الفلسفة منذ ازمان بعيدة، فذالك الاذعان كان مستوى الهندية۔ فالمسلمون فی الزمان الاول ان تغلبوا على الحكومات الهندية بقوتهم العسكرية ونظامهم الانقلابی۔ لكن ما قدروا على تغيير ذهنية العوام حتى يتقاربوا لفهم حقيقة الاسلام، و ليس هذا الحكم جاريًا على بلاد يدين اهلها دين اليهود والنصارى، ويقدرون لفهم العربية فانهم يسهل عليهم فهم دين الاسلام لانه ارتقاء لمبانی التوراة اما بلاد العجم والايران والتركستان فان المسئلة عندی لا تختلف عن مسئلة الهند الا قليلًا فانه لو لم يتوجه

(ترجمہ) غالبًا آپ اس نکتہ کو سمجھ گئے ہونگے کہ ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت کیوں دیر میں قایم ہوئی۔ حالانکہ مسلمانوں نے ہندوستان کو پہلی صدی ہجری میں فتح کر لیا تھا۔ مگر حکومت مستقلہ یہاں کہیں ساتویں صدی ہجری میں جاکر قایم ہوئی۔ میری تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان کے عوام اور خواص فلسفۂ وحدت وجود کے سختی سے معتقد تھے صدہا سال سے یہاں کے عمومی ادارے مذہبی ہوں یا قومی اور وطنی سب کے سب باوجود اختلاف اصناف کے اسی فلسفہ پر مبنی تھے بس یہی عقیدہ تمام ہندوستان میں مشترک تھا تمام ہندی اسمیں برابر کے شریک تھے۔ قرن اول میں گو مسلمان اپنی فوجی طاقت اور انقلابی دستور العمل سے یہاں کی حکومتوں پر غالب آگئے تھے لیکن اس غلبہ سے عوام ہند کی ذہنیتوں میں کوئی ایسا انقلاب پیدا نہ ہو سکا جس سے وہ حقیقت اسلام کو سمجھنے کے قریب آجاتے ہندوستان سے وہ ممالک بالکل مختلف ہیں جو مذہبًا یہودیت یا عیسائیت کے پیرو ہیں اور ساتھ ہی عربی زبان بھی سمجھ سکتے ہیں وہ اسلام کو بسہولت سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ اسلام درحقیقت احکام توراۃ کا ارتقا ہے اور بس۔

رہے عجمی ممالک یعنی ایران اور ترکستان تو میرا خیال ہے کہ ان ممالک میں اور ہندوستان میں بہت کم تفاوت ہے۔ دونوں کے باشندوں کی ذہنیتیں باہم ساتھ

لے بعض دوسرے وجوہ بھی استاد ذکاء اللہ نے "تاریخ ہند" میں بیان کیے ہیں چونکہ وہ ہمارے موضوع سے خارج ہونیکے علاوہ محدود تر بھی تھی اسلیے ان کا تذکرہ نظر انداز کیا گیا

مثل الامام ابی حنیفة الفارسی ولم یرتب الفقه
الاکبر الجامع للعقائد والاخلاق والاعمال تهذیب
الفقه الاسلامی جعله موافقا لذهنیة الفرس
حتی انه جوز القراءة بالفارسیة فی الصلوٰة مع
القدرة علی العربیة، ثم لم یقم الجم الغفیر من
علماء العجم بنشر رائ الامام ابی حنیفة بالقری
والامصار، ثم لم یتبعهم الصوفیة بنشر فلسفتهم
فان الفلسفة فی الایران والترکستان ما کانت
الا فلسفة هندیة. لما رای المسلمون فی تلک البلاد
القیام باستحکام السلطنة ما یجبون۔

کیونکہ ایران اور ترکستان میں جو فلسفہ رائج تھا وہ ہندی فلسفہ
ہی تھا۔ سو ان ممالک میں بھی کوئی خاطر خواہ مستحکم اسلامی حکومت
قایم نہ ہوسکتی اگر مذکورہ ذیل اسباب مہیا نہ ہوجاتے۔
(الف) حضرت امام ابو حنیفہ فارسی اسی خاک سے اُٹھے آپنے
کتاب فقہ اکبر لکھی جس میں عقائد واخلاق واعمال کو فراہم کرکے
اس طرح مدون کیا کہ وہ ان ممالک کے باشندوں کی ذہنیت کے عین
مطابق تھی۔ مثلاً آپنے قرارۃ بالفارسی کو جائز رکھا۔ اگرچہ عربی
میں قرارت کی استطاعت موجود ہو۔
(ب) امام کے بعد اُن کے تلامذہ امداد اور پیرووں کی
ایک زبردست جماعت اُٹھی جس نے امام کی مدون فقہ
کو شہروں اور بستیوں میں پھیلادیا۔ (ج) اس کے ساتھ ہی اس سرزمین سے صوفیہ صافیہ اُٹھے جنھوں نے ایران، ترکستان
ہندوستان کے مشترکہ فلسفہ کی خوب اشاعت کی۔ اگر مذکورہ بالا امور نہ ہوتے تو یہاں بھی کوئی مستحکم اسلامی حکومت قایم ہونا ممکن نہ تھی

نیز حضرت مولانا کتاب التمہید ص۲۲ میں فرماتے ہیں:۔

وانما تاخر فتح الهند علی المسلمین لان
عامة اهل الهند کانوا یتبعون صنفا من الفلاسفة
فارسخ فیهم افکارهم حتی اختلط روح تلک
الفلسفة بدمائهم ولحومهم، فلما نشأ فی المسلمین
الصوفیة الاشراقیة، وقدروا علی تغییر ذهنیة
الهندیین، ببعث جماعات منهم سراً وجهراً
الی بلاد الهند ومقاومتهم لجوگیة الهند، هان
علی غزاتهم فتح البلاد۔

(ترجمہ) ہندوستان میں آزاد حکومت قایم ہونے میں
دیر اسلیے ہوئی کہ باشندگان ہند فلاسفہ کی ایک خاص صنف
کے متبع تھے (یعنی قائلین وحدت وجود) سو ان باشندگان
میں فلاسفہ مذکورہ کے نظریئے راسخ ہوچکے تھے یہاں تک کہ
اس فلسفہ کی روح اُن کے رگ و پے میں ساری ہوگئی تھی
لیکن جب مسلمانوں میں اشراقی فلاسفہ (صوفیہ علیہ) پیدا ہوئے اور
انھوں نے خفیہ اور ظاہری طور پر تبلیغی جماعتیں ہندوستان کیطرف
روانہ کرنا شروع کیں جنھوں نے ہندوستان کے جوگیوں سے
مقابلہ کرکے ان کو میدان میں شکست دی تو پھر کہیں جاکر مسلم غازیوں کیلیے تسخیر ہند اور قیام حکومت میں سہولت پیدا ہوئی۔
یہی ہمارا موضوع سخن تھا کہ صوفیہ نے ہند پر کیا احسان کیا۔

(باقی)

آٹھواں خطبہ

دورِ فتن اور اسلامی تحریک کا زوال

(بعد خطبۂ مسنونہ)

حضرات! میں کل امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت عثمان رضی کے انتخاب برائے خلافت کا ذکر کر چکا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آج اس دور کی تاریخ کو مکمل کر دوں۔ درحقیقت یہ پوری تاریخ ہمارے لیئے عبرت کا سب سے بڑا سبق ہے۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ صرف عروج ہی عروج کا زمانہ تھا اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی پانچ چھ سال تک اسلامی تحریک کی قریباً وہی رفتار رہی لیکن تحریک کے اس عروج اور اسلامی حکومت کی وسعت نے ایک نئی صورت پیدا کر دی اور وہ یہ کہ اب لوگ صرف عروج و ترقی اور کامیابی کو دیکھ کر جوق جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور بغیر اس کے کہ اسلامی تحریک کے پورے مزاج کو انھوں نے سمجھا ہو اور اسلامی اصولوں پر اُن کی تربیت ہوئی ہو وہ اس پارٹی کے ارکان بن گئے، اور بس سارا فساد اسی ناتربیت یافتہ عنصر کی وجہ سے پیدا ہوا جو دورِ فاروقی اور عثمانی میں اسلام کو ایک چلتی ہوئی اور طاقت و حکومت والی تحریک دیکھ کر اس میں شامل ہو گیا تھا ——— واقعات کی پوری تفصیل کیلیئے تو وقت نہیں، بس اجمالاً یوں سمجھیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی چھ سات سال گزرنے کے بعد اسی عنصر کی بدولت اسلامی حکومت کے مختلف علاقوں میں فتنے برپا ہونے شروع ہوئے اور عبد اللہ ابن سبا جیسے اسلام کے دشمن منافقوں نے ان فتنوں کی قیادت کی، اور چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طریق کار حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے طرز عمل سے کچھ بدلا ہوا بھی تھا مثلاً یہ کہ نیک نیتی اور مصلحت ہی سے انھوں نے اپنے اہل خاندان اور قرابت داروں کو بھی حکومتی ادارات میں عمل دخل کا زیادہ موقع دیا اور دوسروں پر ان کو ترجیح دی اس لیئے ان فتنوں کو فروغ کا موقع بھی مل گیا۔ فتنہ پردازوں نے حضرت عثمان کے خلاف

سخت شورش برپا کی جس کی انتہا بالآخر اُن کی مظلومانہ شہادت پر ہوئی ہیں درمیانی واقعات کو چھوڑ کر اس وقت آپ کی شہادت ہی کا مختصر واقعہ آپ حضرات کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ درحقیقت یہ واقعہ جس کو کربلائی واقعات کے شیعی پروپگنڈا نے بالکل ہی بھلا دیا ہے اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی داستان عبرت ہے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے میں اس فتنہ وفساد کے اسباب بیان نہیں کر سکتا بس آخری واقعات بیان کرتا ہوں ــــــ

صورت یہ ہوئی کہ فتنہ پردازوں اور "اسلامی تحریک" کے منافق صفت دُشمنوں کی مفسدانہ کوششوں اور شیطانی دسیسہ کاریوں نے حضرت عثمان رض کے خلاف ایک زبردست تحریک کھڑی کی اور چند روز میں اس نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ مصر کے باغیوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے حضرت عثمان کے خلاف مدینہ طیبہ پر چڑھائی کر دی اور آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اتنا سخت محاصرہ کہ پانی تک جانا بند کر دیا ـــــــ حضرت علی مرتضےٰ اور بعض دوسرے صحابہ نے پانی پہونچانے کی کوشش بھی کی تو بہ مشکل تمام بہت تھوڑا سا پانی پہونچ سکا، نیز آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو حضرت عثمان کے دروازہ پر پہرہ دار کی حیثیت سے تعینات کر دیا۔ اس پہرہ داری میں ان کے ساتھ محمد ابن طلحہ وغیرہ بعض دیگر صحابہؓ کے نوجوان صاحبزادے بھی شریک تھے۔ انصاری بزرگوں نے اس صورت حال کے متعلق آپس میں ایک خاص مشورہ کیا اور اس مشورہ کے بعد ان کا ایک نمائندہ وفد حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پہونچا، آپ نے اپنے بالا خانہ سے ہی ان سے گفتگو کی، انصاری وفد نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق ہیں اور ہم لوگ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ طیبہ لائے تھے تو ہم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ یا رسول اللہ جس طرح ہم اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کی جان اور آبرو کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح اپنے آپ کو ہر طرح کے خطروں میں ڈالکر ہم آپ کی حفاظت کریں گے ـــــــ ہم محسوس کرتے ہیں کہ خلافت اور نیابت کی حیثیت سے ہم آپ کی جان اور آپ کی آبرو کی بھی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ـــــــ ہماری جماعت نے مشورہ کر کے ہمیں آپ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا ہے کہ آپ کی حفاظت اور حمایت کیلئے ہماری خدمات حاضر ہیں، اجازت دیجئے کہ ہم ان باغیوں سے نبٹ لیں، آپ نے انصاری وفد کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی کلمہ گو کا خون بہے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ پھر آپ ان لوگوں کے مطالبہ کے مطابق خلافت سے دست بردار ہو جایئے! آپ نے فرمایا ایسا بھی نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھسے فرمایا تھا کہ اے عثمان! اللہ تم کو ایک خلعت بخشے گا اور کچھ لوگ بہ جبر اس خلعت کو تم سے چھیننا چاہیں گے

تو اگر تم نے اُن لوگوں کے دباؤ سے وہ خداداد خلعت اُتار دیا تو پھر تم جنت کی بو بھی نہ سونگھ سکو گے "۔ — اور وہ خلعت یہی خلافت الٰہیہ ہے — عرض کیا گیا کہ پھر یہ لوگ تو آپ کی جان کے درپے ہیں، اور آپ ہم کو مقابلہ کی اجازت نہیں دیتے۔ آخر آپ نے کیا سوچا ہے؟ — فرمایا مجھے اُمید ہے کہ میری زندگی آج ختم ہو جائے گی اس لیئے مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ میں نے آج رات ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ عثمان! آج روزہ ہمارے ساتھ افطار کرنا، میں بحمد اللہ آج روزہ سے ہوں اور مجھے یقین ہے کہ افطار کے وقت سے پہلے ہی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچا دیا جاؤنگا — لوگ آپ کا یہ جواب سُن کر آپ کے اصل نظریہ کو سمجھ گئے۔ اور آپ اپنے گھر میں آکر تلاوت قرآن میں مصروف ہو گئے۔ باغیوں نے یہ دیکھ کر کہ آپ کے دروازہ پر سخت پہرہ ہے دروازہ سے گھسنے کا خیال چھوڑ دیا اور مکان کے پیچھے کی جانب سے دیوار پر چڑھ کر اندر کود گئے۔ مکان کے اندر حضرت عثمان کے مسلح غلام کافی تعداد میں موجود تھے انھوں نے باغیوں سے مقابلہ کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا اس وقت تم میں سے جو ہتھیار رکھ کر باہر چلا جائے وہ آزاد ہے چنانچہ سب نے ہتھیار رکھدیئے اور آپ پھر تلاوت میں مصروف ہو گئے، باغیوں نے اسی حالت میں آپ کو شہید کر ڈالا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

تاریخ کا بیان ہے کہ آپ کے خون کے پہلے قطرے مصحف پر گرے اور خاص اس آیت پر گرے۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ عنقریب اللہ تعالےٰ تمہاری طرف سے ان سب سے نبٹ لیگا وہ سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے۔

حضرات! وقت میں گنجایش نہیں ورنہ بتلاتا کہ جن لوگوں کے ہاتھ عثمانی خون سے رنگین ہوئے اُن پر دنیا ہی میں کیسے کیسے دردناک عذاب نازل ہوئے اور اُن کی موتیں کس قدر بُرے اور گھنونے طریقہ سے واقع ہوئیں مگر افسوس کہ اس تفصیل کیلیئے وقت نہیں۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ گویا عرصہ محشر ہے عدالت الٰہیہ قایم ہے، حق جل جلالہ اپنے پورے جلال و جبروت کے ساتھ عرش عدالت پر رونق افروز ہیں اور سب پر ہیبت کا سکوت طاری ہے، اتنے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غمگینی کی حالت میں تشریف لاتے ہیں اور عرش الٰہی کے داہنی جانب خاموش کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اسی حزن و ملال کی صورت میں

حضرت صدیق اکبرؓ آتے ہیں اور وہ بھی اُسی طرح خاموش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر میں کھڑے ہو جاتے ہیں پھر اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور وہ حضرت صدیق اکبر کے برابر میں کھڑے ہو جاتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عثمان اس طرح آتے ہیں کہ اُن کا کٹا ہوا سر ایک طشت میں اُن کے ہاتھوں میں ہے اور وہ ایک مظلوم فریادی کی طرح عرش الٰہی کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں رب سل عبادک فیما قتلونی (خداوندا! اپنے ان بندوں سے پوچھ مجھے انھوں نے کس جرم میں قتل کیا ہے؟)

حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان کی اس فریاد سے عرش الٰہی ہل گیا اور سارے میدان حشر میں ایک زلزلہ سا آگیا اور حکم ہوا "خون کے ڈو پرنالے کھول دیئے جائیں" چنانچہ ڈو پرنالے کُھل گئے اور تھوڑی دیر میں سارے میدان میں خون ہی خون ہو گیا۔

حضرات! خون کے یہ دو پرنالے جنگ جمل اور جنگ صفین ہیں۔ بنی اسرائیل نے ایک بہت بڑا گناہ کیا تھا تو سزا ان کو حکم ہوا فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنی گردنیں آپ مارو۔ اسی طرح خلیفہ رسول حضرت عثمان رضی کا یہ بیدردانہ اور مظلومانہ قتل گویا مسلمانوں کا ایک اجتماعی گناہ تھا اس کی سزا بھی قدرت نے جمل اور صفین کی خونریز خانہ جنگی کی شکل میں دی جسمیں ہزاروں مسلمانوں کی گردنیں اپنے ہی ہاتھوں سے کٹیں۔

حضرات! اس واقعہ میں ہمارے لئے چند سبق نہایت اہم ہیں۔

ایک یہ کہ اسلامی جماعت میں ایسے لوگوں کا موجود ہونا جو اسلام کے مزاج اور اس کے مقاصد کو پوری طرح نہ سمجھتے ہوں اور جن کا ذہن اور جن کی زندگی اسلامی نہ ہو ان کا وجود اسلام کیلئے سخت فتنہ ہے

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر سیاسی اقتدار صحیح ہاتھوں میں ہو اور نا اہل اور نا خدا ترس لوگ اس کو چھیننا چاہیں تو صالحین کا فرض ہے کہ ہرگز اس اقتدار کو نا اہلوں کی سپرد نہ کریں اگر چہ اس راہ میں جان چلی جائے درحقیقت ناخدا ترسوں کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار کا چلا جانا سارے فتنوں کا سرچشمہ ہے۔

تیسرا سبق ہمیں یہ ملا کہ خلافتِ الٰہیہ کا نظام صرف انھیں حدود کے اندر چل سکتا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور شیخین (صدیق اکبر اور فاروق اعظم) نے اپنے طرز عمل سے مقرر کر دی تھیں اور اسلامی تحریک کے چلانے والوں اور خلافت الٰہیہ کا بار سنبھالنے والوں کا فرض ہے کہ وہ نہایت مضبوطی کی ساتھ

اسوۂ نبوی اور سیرت شیخین رض کا کامل اتباع کریں۔

حضرت عثمان رض کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دور آتا ہے شہادت عثمانی کے اگلے روز ایسے وقت میں جبکہ عالم اسلامی میں عموماً اور مدینہ طیبہ میں خصوصاً سخت فتنہ برپا تھا اور بے چینی و بےاطمینانی کا زور تھا، آپ سے بیعت خلافت کی گئی اور جو صحابہ کرام اُس وقت وہاں موجود تھے ان میں سے اکثر نے بلکہ قریباً کل ہی نے برضا و رغبت آپ کی بیعت کی صرف چند حضرات ایسے تھے جنھوں نے شرح صدر کے ساتھ بیعت نہیں کی بلکہ اُنھیں بلوائیوں اور باغیوں کے جبر اور دباؤ سے بیعت کی جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی انھیں میں سے تھے ——— غرض اُسی گڑبڑی کی حالت میں حضرت علی مرتضیٰ خلیفہ ہوئے۔ یہاں یہ بات صاف کردینا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ابتداءً حضرت علی رض نے بیعت لینے سے انکار فرمادیا تھا لیکن بعد میں لوگوں کے اصرار سے اور یہ دیکھ کر کہ اگر وہ اس سے پہلو تہی کریں گے تو شاید فتنہ و فساد اور زیادہ بڑھ جائے انھوں نے لوگوں سے بیعت لے لی ——— لیکن افسوس ہے کہ اس خلافت کی ابتدا جس فتنہ اور خانہ جنگی کے دَور میں ہوئی آخر تک واقعات کچھ ایسے ہی رہے۔ اسلامی تحریک اس عرصہ میں بالکل آگے نہ بڑھ سکی اور حضرت علی مرتضیٰ رض کا سارا وقت اور ساری کوششیں صرف اندرونی فتنہ و فساد کی درستی اور اصلاح میں محدود ہو کر رہ گئیں، اور فی الحقیقت یہ ایسی ہی بلا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا کام ہونا بہت مشکل ہے۔

حضرت علی رض کو تین بڑی جنگیں لڑنی پڑیں پہلی جنگ جمل، دوسری صفین، تیسری جنگ نہروان جو خوارج سے ہوئی۔ پہلی ٢ دو جنگیں جو مسلمانوں میں آپس میں ہوئیں اور جن میں دونوں طرف کم و بیش صحابہ کا عنصر تھا اُن کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی رض ان میں بحق بجانب تھے لیکن ان کے مخالف فریق کی خطا اجتہادی تھی۔ بلکہ جنگ جمل تو صرف بعض فتنہ پردازوں کی دسیسہ کاریوں ہی کی وجہ سے واقع ہوئی ورنہ نہ حضرت علی رض کا ارادہ حضرت عائشہ رض اور طلحہ رض و زبیر رض سے جنگ کا تھا اور نہ یہ حضرات حضرت علی رض کے خلاف فوج کشی چاہتے تھے۔ بلکہ جب اُنھیں فتنہ پردازوں کی دسیسہ کاریوں کی بدولت فریقین کی فوجیں بالمقابل آگئیں تو جنگ شروع کرنے سے پہلے فریقین کی طرف سے صلح کی کوشش ہوئی اور قرار پایا کہ کل صبح فلاں وقت حضرت علی اور حضرت طلحہ و زبیر فلاں جگہ جمع ہو کر دوبدو گفتگو کریں گے۔ جن

فتنہ پردازوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے یہ فتنہ کھڑا کیا تھا انھیں فکر ہوئی کہ اب ہماری شرارتوں کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور یہ سب آپس میں مل بیٹھیں گے۔ اس لیئے انھوں نے یہ ناپاک حرکت کی کہ رات کے وقت ایک مخفی مقام سے حضرت عائشہ کے لشکر میں جبکہ وہ باطمینان سو رہے تھے تیر پھینکنے شروع کیئے۔ اس لشکر والوں نے سمجھا کہ ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا اور غافل کر کے ہم پر رات میں یہ حملہ کیا گیا ہے اسلیئے انھوں نے بھی تیروں ہی سے جواب دینا شروع کیا، جب یہ جوابی تیر حضرت علی مرتضےٰ کے لشکر میں پہونچے تو ان فتنہ پردازوں نے شور مچادیا کہ دیکھو مخالف لشکر نے ہمیں غافل کر کے تیر اندازی شروع کردی، غرض فریقین ان فتنہ پردازوں کے دھوکہ میں آگئے اور اس طرح بالکل بلا ارادہ یہ خونریز جنگ ہوگئی۔ اس جنگ کے باوجود ان حضرات کے دل آپس میں کس قدر صاف تھے اس کا اندازہ دو واقعوں سے کیجیئے۔

حضرت زبیر جو حضرت علی کے مخالف لشکر کی کمان کر رہے تھے دوران جنگ ہی میں انھوں نے محسوس کیا، یا جیسا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے حضرت علی نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلائی جس سے انھوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا یہ اقدام غلط ہے اور یہ جنگ صرف فتنہ ہے۔ غرض جیسے ہی اُن پر یہ منکشف ہوا فوراً انھوں نے اپنے گھوڑے کی باگ میدان جنگ سے ایک جنگل کی طرف پھیر دی، حضرت علی کے لشکر کے ایک سپاہی ابن جرموز نے آپ کا تعاقب کیا۔ اور ایک موقع پر جاکر تلوار کے وار سے شہید کردیا، اور سر کاٹ کر حضرت علی کے پاس پہونچا اور کہا لیجیئے یہ ہے آپ کے دشمن زبیر کا سر۔ اور انعام کا طالب ہوا ـــــــ حضرت علی نے فرمایا "ابشر بالنار" میں تجھی جہنم کی خوشخبری سناتا ہوں،، اس کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے مجھ ہی کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا یا علی بشر قاتل ابن صفیۃ بالنار یعنی اے علی! جو شخص صفیہ کے بیٹے (زبیر) کو قتل کرے اس کو تو جہنم کی خوشخبری سنادینا چنانچہ اسی جنگ میں اس نے خودکشی کی اور اس طرح حرام موت مر کر جہنم کا مستحق ہوا۔

حضرت زبیر کے دوسرے رفیق اس جنگ میں حضرت طلحہ تھے بلکہ کہنا چاہیے کہ یہ جنگ اگرچہ محض غلط فہمی سے ہوئی مگر انھیں حضرات کی قیادت میں ہوئی، یہ حضرت طلحہ اس جنگ ہی میں شہید ہوگئے جنگ کے خاتمہ پر جب حضرت علی مرتضےٰ اپنے چند رفیقوں کے ساتھ مقتولین کی دیکھ بھال کیلئے نکلے تو اچانک

ایک لاش کے پاس بیٹھ گئے، یہ لاش حضرت طلحہ کی تھی، حضرت علی ان کے ہاتھ کو بار بار چومتے تھے اور کہتے جاتے تھے کاش! میں آج سے بیس سال پہلے مرچکا ہوتا اور یہ دن نہ دیکھتا کہ طلحہ میرے سپاہیوں کے ہاتھوں سے شہید ہوئے۔ اس کے بعد ان کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ وہ ہاتھ ہے جس نے احد کے کڑے وقت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تیروں کی بوچھار سے بچایا تھا۔

جنگ احد کے واقعات میں منقول ہے کہ جب مسلمانوں پر اچانک کفار نے ایک زبردست حملہ کیا اور بہت سے مجاہدین کے پیر اکھڑ گئے اور اسلامی لشکر تتر بتر ہوگیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تیروں کے نرغہ میں آگئے اور دشمنوں نے آپ ہی کو اپنی کمانوں کا نشانہ بنالیا تو حضرت طلحہؓ کی یہ کیفیت تھی کہ اپنی ڈھال کو لیئے پروانہ وار حضرت کی حفاظت کرتے تھے جدھر سے تیر آتا ادھر اپنی ڈھال کر دیتے اور جب ایک وقت ڈھال ہاتھ سے چھوٹ گئی اور تیروں نے اس کے اٹھانے کی بھی مہلت نہ دی تو آپ نے اپنے ہاتھ سے ڈھال کا کام لینا شروع کر دیا یہاں تک کہ آپ کا ہاتھ چھلنی ہوگیا ——— یہ وہی ہاتھ تھا جس کو حضرت علی مرتضیٰ بار بار چومتے تھے۔

حضرات! انھیں دو واقعوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ جنگ محض غلط فہمی سے اور بے خبری میں ہوگئی ورنہ فریقین ایک دوسرے کے مقام اور مرتبہ کو پہچانتے تھے۔

دوسری جنگ حضرت علی رضؓ کی جو حضرت امیر معاویہ رضؓ سے ہوئی اس میں بھی فریق مخالف کی خطا اجتہادی قسم ہی کی تھی خود حضرت امیر معاویہ نے اپنے ایک خط میں حضرت علی مرتضےٰ کو لکھا تھا اما شرفک فی الاسلام وقرابتک من النبی علیہ السلام فلست ادفعہ۔ یعنی اسلام میں آپ کی جو بزرگی ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا جو شرف آپ کو حاصل ہے مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔

نیز مشہور تاریخی واقعہ ہے، آپ لوگوں نے بھی سنا ہوگا کہ جس زمانہ میں حضرت علی اور امیر معاویہ میں یہ جنگ ہو رہی تھی، خبر پہونچی کہ روم کی فلاں ریاست جو باقی رہ گئی ہے وہ مسلمانوں کی اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے اور تیاریاں کر رہی ہے کہ اس وقت جبکہ مسلمانوں کی طاقت آپس میں ٹکرا رہی ہے ایک زبردست حملہ کر کے مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ حضرت امیر معاویہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً آپ نے اس ریاست کے والی کو خط لکھا کہ او رومی کتے! تو ہماری اس آپس کی لڑائی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جس وقت تو مدینہ کا رخ کرے گا خدا کی قسم علی کے لشکر سے جو پہلا سپاہی تیری

فوجوں کے مقابلہ کیلئے نکلے گا۔ اس کا نام معاویہ بن ابی سفیان ہوگا،، اس خط کے پہونچتے ہی اُن کے ارادوں پر اوس پڑگئی اور سارے منصوبے ٹھنڈے ہوگئے۔

تاہم ان دونوں باہمی جنگوں نے اسلامی تحریک کو سخت نقصان پہونچایا اور خدا کا دین جو سیلاب کی طرح زمین کے کناروں کی طرف بڑھ رہا تھا اس کی ترقی کی رفتار اس زمانہ میں بہت سست پڑگئی۔

تیسری جنگ حضرت علی مرتضےٰ کی خوارج سے ہوئی جو جنگ نہروان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اسلام کا سب سے پہلا خطرناک فرقہ ہے جو جمہور مسلمین سے علٰحدہ اپنے کچھ خاص عقائد بھی رکھتا تھا اس سے پہلی جو تفریق تھی وہ صرف سیاسی اختلافات تک محدود تھی لیکن یہ فرقہ جس کو در اصل حضرت علی اور امیر معاویہ کی جنگ ہی نے پیدا کیا تھا اپنے کچھ مخصوص عقائد بھی رکھتا تھا اس نے اُسی زمانہ میں خاص طاقت حاصل کرلی تھی اور اُسی طاقت کے بل پر انھوں نے حضرت علی کی فوجوں کا باقاعدہ مقابلہ کیا اگرچہ آخر میں شکست کھائی ———— یہ لوگ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ گویا عراق اور شام کی دونوں خلافتوں کے یکساں دشمن تھے۔ نہروان کی جنگ میں شکست کھانے کے بعد ان کے تین جانباز لیڈر عبدالرحمٰن ابن ملجم برک ابن عبداللہ اور عمرو بن بکیر حرم شریف میں جمع ہوئے اور انھوں نے موکد قسموں کے ساتھ باہم معاہدہ کیا کہ حضرت علی، امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص کو ہم تینوں قتل کرینگے عبدالرحمٰن ابن ملجم نے کہا کہ علی کا قتل میں اپنے ذمہ لیتا ہوں برک نے کہا کہ معاویہ کو میں قتل کرونگا۔ عمرو ابن بکیر نے عمرو بن العاصؓ کے قتل کا ذمّہ لیا اور طے ہوا کہ ایک تاریخ اور ایک ہی وقت میں ہر شخص اپنا کام کریگا۔ اس قرارداد کے بعد ابن ملجم حضرت علیؓ کے دارالخلافت کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ برک امیر معاویہ کے دارالسلطنت دمشق آیا۔ اور عمرو ابن بکیر نے مصر کا رُخ کیا جہاں حضرت عمرو ابن العاص نائب خلیفہ گویا گورنر تھے۔ اسلام کے اصل دستور کے مطابق یہ تینوں حضرات خود ہی اپنے اپنے مقام پر نماز کی امامت فرماتے تھے ———— ان خارجیوں کی قرارداد یہ تھی کہ تینوں پر گیارھویں رمضان یا ایک روایت کے مطابق سترھویں رمضان کو فجر کے وقت حملہ ہو۔ حُسن اتفاق کہ اُسی رات میں حضرت عمرو بن العاص درد قولنج میں مبتلا ہوگئے اور فجر کی نماز کیلئے مسجد تشریف نہیں لاسکے اس لیئے اُن کے بجائے دھوکہ سے ایک دوسرا شخص عمرو ابن بکیر کی تلوار کا شکار ہوگیا ———— برک ابن عبداللہ نے حضرت امیر معاویہ پر مسجد کے راستہ میں تلوار سے حملہ کیا جو ناکام رہا اور کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ کے ایک معمولی سا زخم آیا۔ مگر محافظ دستہ کے سپاہیوں نے

فوراً حملہ آور کو گرفتار کر لیا ———— عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے ناپاک ارادہ میں کامیاب ہوا، حضرت علی مرتضٰی جس وقت فجر کی نماز کیلئے گھر سے مسجد تشریف لے جا رہے تھے یہ راستہ میں چھپا بیٹھا تھا اچانک اس نے آپ پر تلوار کا ایک سخت وار کیا، تلوار کی ضرب سر پر پڑی اور کاسۂ سر کو کاٹتی ہوئی دماغ تک پہونچ گئی آپ لہولہان ہو گئے اور فوراً زمین پر گر پڑے حضرت حسنؓ اس وقت ساتھ تھے اُن کا بیان ہے کہ تلوار کی ضرب لگتے ہی آپ کی زبان سے نکلا "فزت ورب الکعبۃ" (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا اور مجھے میری مراد مل گئی) آپ کے ساتھیوں نے فوراً ابن ملجم کو گرفتار کر لیا اور آپ کو اُٹھا کر گھر لایا گیا، آپ نے حضرت حسنین کو کچھ وصیتیں فرمائیں انھیں میں ایک وصیت یہ بھی تھی کہ اگر میں بچ گیا تو اپنے قاتل کے بارہ میں خود ہی فیصلہ کرونگا، اور اگر میں نہ بچ سکوں تو پھر بس ایک ہی ضرب سے میرے اس قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے اور انتقام کے جذبہ سے مغلوب ہو کر اس کو زیادہ سخت اذیتیں نہ دی جائیں اور مُثلہ وغیرہ نہ کیا جائے۔ لیکن تاریخ کا بیان ہے کہ اس وصیت پر عمل نہ ہو سکا اور اس کے ہاتھ پیر کاٹے گئے زبان کاٹی گئی، اور گرم سلائیاں ڈال کر اس کی آنکھیں نکالی گئیں۔

حضرت علی مرتضٰی کی شہادت کے بعد آپ کے متبعین نے حضرت حسن رضؓ سے بیعت خلافت کی اور چند مہینے آپ خلیفہ رہے، اس کے بعد آپ نے یہ بہتر سمجھا کہ امیر معاویہ سے صلح کر کے مسلمانوں کو پھر ایک مرکز پر جمع کر دیا جائے چنانچہ آپ نے صلح کر لی اور حضرت امیر معاویہ کے حق میں آپ خلافت سے دست بردار ہو گئے، اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو آپ نے حضرت حسن رضؓ کے متعلق فرمائی تھی کہ ابنی ھٰذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔ (میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائیگا جو آپس میں برسر پیکار ہونگے) اس مصالحت کے بعد حضرت امیر معاویہ بالاتفاق خلیفہ تسلیم کر لیے گئے اور انکی زندگی تک کوئی نزاع نہ اُبھرا۔ اس عرصہ میں جب باہمی خانہ جنگی کی طرف سے کچھ اطمینان رہا تو اسلامی تحریک کے لیئے کچھ جدوجہد ہو سکی اور کفر کے خلاف چند جنگیں ہوئیں۔

حضرت امیر معاویہ نے وفات سے پہلے اپنے لڑکے یزید کو ولیعہد بنانا چاہا اور اس کے لیئے انھوں نے حرمین کا ایک سفر بھی کیا اور وہاں اس وقت تک مسلمانوں میں جو نمایاں ہستیاں تھیں اُن سے مشورے بھی کیئے لیکن عام طور پر ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ بعض اکابر نے تو صاف کہدیا

کہ سنۃ کسریٰ وقیصر کا سنۃ ابی بکر وعمر یعنی یہ طریقہ کہ باپ کے تخت کا مالک بیٹا ہی ہو کسریٰ و قیصر کا ہے ابوبکر اور عمر کا نہیں ہے۔ اس کے باوجود حضرت امیر معاویہ اپنی رائے پر قایم رہے اور جیسا کہ جمہور مورخین کا بیان ہے انھوں نے اپنے بعد کیلئے یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا ——— البتہ یہ واقعہ ہے کہ یزید کی بداطواریاں اُس وقت تک اس طرح ظاہر نہیں ہوئی تھیں جس طرح کہ بعد میں ظاہر ہوئیں اس لیے اس ولیعہدی کے خلاف اُس وقت کوئی عام تحریک بھی نہیں اُٹھی۔

امیر معاویہ اپنی سیاسی دوربینی کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ شاید میرے بعد اس بارہ میں نزاع ہوگا اور نوبت جنگ و قتال کی بھی آئے گی خصوصیت کے ساتھ کوفہ والوں کے متعلق جو ان کا خیال تھا کہ وہ ضرور حضرت حسینؓ کو ورغلاکر آمادہ جنگ کریں گے اور چونکہ وہ انکی سرشت سے واقف تھے اس لیئے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ پھر وہ خود ہی حضرت حسینؓ کو دغا دیں گے اور اس طرح وہ مغلوب ہو جائیں گے اسی لیئے انھوں نے وفات سے کچھ پہلے یزید کو خصوصیت کے ساتھ وصیت کی۔

فان خرج الحسين عليك فظفرت به فاصفح عنه فان له رحما ماسة وحقا عظيما وقرابة من محمد صلى الله عليه وسلم ولا اظن اهل العراق تاركيه حتى يخرجوه فان قدرت عليه فاصفح عنه ولواني صاحبه عفوت عنه (تاریخ طبری جلد ۶ ص۱۸۰)

اگر حسین تیرے خلاف خروج کریں اور تو اُن پر فتح پائے تو اُن سے درگزر کرنا کیونکہ ہمارا ان کا قریبی رشتہ ہے اور ہم پر ان کا بڑا حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی خاص قرابت بھی ہے اور میرا غالب گمان یہی ہے کہ عراق والے ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے اور ضرور ان کو آمادہ جنگ کرکے میدان میں لائیں گے تو اگر تو ان پر قابو پا جائے تو اُن سے درگزر کرنا اور اگر ان کا معاملہ مجھ سے پڑتا تو ضرور میں انھیں معاف کر دیتا۔

نیز خاص وفات کے وقت آپنے عام حاضرین کو وصیت کی :-

اتقوا الله عز وجل فان الله سبحانه يقي من اتقاه ولا واقي لمن لا يتق الله

لوگو! اللہ سے ڈرو۔ اللہ اس کو اپنے عذاب سے بچائے گا جو اس سے ڈرتا ہے اور جو اس سے نہ ڈرے اسے کوئی بچانیوالا نہ ہوگا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ بس یہ کہنے کے بعد آپ کی روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔

اور اسی تاریخ طبری میں مروی ہے کہ وفات سے کچھ ہی پہلے آپنے اپنے گھر والوں سے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا ایک کرتہ عنایت فرمایا تھا اُس کو میں نے اُٹھا کر رکھ لیا ہے اور ایک دن آپنے اپنے ناخن ترشوائے تھے تو وہ تراشا لیکر میں نے ایک شیشی میں رکھ چھوڑا ہے جب میں مرجاؤں تو مجھے حضرت کا وہی کرتا پہنا دینا اور اس تراشۂ ناخن کو پیس کر میرے منہ اور میری آنکھوں میں چھڑک دینا" فعسی اللہ ان یرحمنی بابرکتھا، شاید اللہ اسی کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے"

حضرات! میں نے یہ دو ایک چیزیں اس لئے نقل کی ہیں کہ آج کل شیعوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے ہمارے اہل سنت بھائی بھی حضرت امیر معاویہ رضؓ کے خلاف بُرے خیالات رکھتے ہیں ان دونوں وصیتوں سے ان کے مقام کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے ——— ہمکو اس سے انکار نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ سے اُن کی جنگ غلط تھی اور اس جنگ میں وہ ناحق پر تھے نیز یہ واقعہ ہے کہ حضرت علی مرتضےٰ سے انہیں کوئی نسبت نہیں وہ سابقین اولین کی بھی پہلی صف میں ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضؓ عام صحابیوں کی بھی بالکل آخری صف میں ہیں۔ لیکن تاہم وہ صحابی ہیں اور اُن کا ادب و احترام ہمارا مذہبی فرض ہے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب "ازالۃ الخفا" میں فرماتے ہیں:-

باید دانست کہ معاویہ ابن ابی سفیان رض یکے از اصحاب آنحضرت بود صلے اللہ علیہ وسلم و صاحب فضیلت جلیلہ در زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطۂ سب او نیفتی تا مرتکب حرام نشوی۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ معاویہ ابن ابی سفیان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں اور زمرۂ صحابہ میں صاحب فضیلت جلیلہ ہیں خبردار ان کے بارہ میں بدگمانی نہ کرنا اور انکی بدگوئی کرکے فعل حرام کے مرتکب نہ بننا۔

بس یہ ہے قول فیصل اہل سنت کے نزدیک حضرت معاویہ کے بارہ میں ——— اس موسم یعنی عشرۂ محرم میں چونکہ اس سلسلہ میں بکثرت غلط بیانیاں کی جاتی ہیں اور ایسے واقعات بیان کیئے جاتے ہیں جن سے اُن صحابہ کرام کے خلاف بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں جنکے حضرت علی مرتضےٰ سے اجتہادی قسم کے اختلافات رہے ہیں اس لیئے میں نے تاریخ کے اس حصّہ کو تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ بیان کر دینا مناسب سمجھا تا کہ اصل حقیقت آپ حضرات کے علم میں آجائے اور کسی گمراہی کا شکار نہ ہوں۔

واقعہ کربلا اور حضرت حسین کی شہادت کو بھی یاروگوں نے ایک اچھا خاصہ گمراہ کن افسانہ بنا رکھا ہے اور اس کے پردے میں تشیعیت کا خوب خوب پروپگنڈا ہوتا ہے اس لیئے مناسب سمجھتا ہوں کہ اختصار اور اجمال کے ساتھ اس کا حال بھی آج ہی کی صحبت میں عرض کر دوں۔ سُنیئے!

حضرت معاویہ کی وفات کے بعد یزید تخت خلافت کا وارث بن گیا اور اس نے تمام صوبوں کے گورنروں کو حکم جاری کیا کہ لوگوں سے میری خلافت کی بیعت لی جائے اسی سلسلہ میں مدینہ کے حاکم اعلیٰ ولید ابن عتبہ کو بھی خط لکھا جس میں حضرت معاویہؓ کی وفات کی اطلاع دینے کے بعد تاکید یہ لکھا تھا کہ تم فوراً حسین ابن علی، عبداللہ ابن عمرؓ، اور عبداللہ ابن زبیر سے بیعت لیلو۔ (ان تینوں ناموں کی تخصیص اس لیئے کی تھی کہ ان ہی کے متعلق اس کو شبہ تھا کہ شاید یہ خلافت کے دعویدار ہو جائیں گے) ولید کو جب یہ خط ملا تو اس نے مروان سے مشورہ کیا یہ شخص غضب آفت کا پرکالہ تھا اس نے کہا کہ دیر مت کرو اور قبل اس کے کہ امیر معاویہ کی وفات کا لوگوں کو علم ہو فوراً ان لوگوں کو بلا کر بیعت لے لو البتہ ابن عمر کی فکر مت کرو وہ اپنے دل میں کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ ہاں حسین اور ابن زبیر کو ابھی اسی وقت بلاؤ، چنانچہ قاصد گیا یہ حضرات معاملہ کو سمجھ گئے کیونکہ حضرت معاویہ کی تشویشناک علالت کی خبر پہلے سے پہونچ چکی تھی چنانچہ حضرت حسین اپنے ساتھ ایک جماعت کو لے کر آئے ولید نے اُن کے سامنے خط پڑھا، آپ نے حضرت معاویہؓ کی خبر وفات سُن کر کہا انا للہ وانا الیہ راجعون رحم اللہ معاویۃ وعظم لک الاجر۔ اس کے بعد اصل سوال کے متعلق فرمایا کہ بیعت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خفیہ طور پر کی جائے۔ آپ تمام لوگوں کو ایک ساتھ دعوت دیجیے ہم بھی آئیں گے اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ اجتماعی حیثیت سے ہوگا۔ ولید نے اس کو منظور کر لیا اور آپ تشریف لے آئے۔ بعد میں مروان نے کہا ولید! تم نے یہ بہت بڑی غلطی کی اب ایسا موقع ہرگز نصیب نہ ہوگا تم کو اسی وقت پوراد باؤ ڈال کر بیعت لے لینا چاہیئے تھی، ورنہ خاتمہ کر دینا چاہیئے تھا، ولید نے اس کا جو جواب دیا وہ مورخ طبری کی روایت کے مطابق یہ تھا:-

یا مروان انک اخترت لی التی فیہا هلاک دینی واللہ ما احب ان لی ما طلعت علیہ الشمس وغربت عنہ من مال الدنیا وملکها وانی قتلت حسینا سبحان اللہ اقتل

یعنی اے مروان! تو میرے لیئے وہ بات پسند کرتا ہے جس سے میرا دین برباد ہو جائے۔ خدا کی قسم! اگر حسین کو قتل کر کے مجھے دُنیا کا وہ سارا مال و متاع اور وہ ساری حکومت ملے جس پر آفتاب طلوع ہوتا اور غروب

حسیناً ان قال لا ابایع واللّٰہ انی لا اظن امرأً یحاسب بدم الحسین لخفیف المیزان عند اللّٰہ یوم القیامۃ۔

ہوتا ہے تو میں ہرگز اسے پسند نہ کرونگا سبحان اللہ! میں حسین کو صرف اس جرم میں قتل کر دوں کہ وہ بیعت سے انکاری ہیں۔ خدا کی قسم! مجھے یقین نہیں کہ جس شخص کے اعمالنامہ میں حسین کا خون ہو اس کے گناہوں کا پلہ قیامت کے روز کچھ بھی ہلکا ہو۔

حضرت ابن زبیر کا معاملہ یہ ہوا کہ ایک دن تو انھوں نے بات کو ٹالا اور اگلے دن اپنے بھائی جعفر ابن زبیر کے ساتھ مخفی طور پر مکہ روانہ ہو گئے، ولید کو جب پتہ چلا تو اس نے ان کے پیچھے سوار دوڑائے اور اس گڑبڑ میں حضرت حسین کی طرف سے غفلت ہو گئی۔ اگلے ہی روز یعنی ۲۸ رجب ۶۰ھ کی رات میں آپ نے بھی اپنے تمام گھر والوں کو ساتھ لے کر مکہ کا راستہ لیا اس وقت آپ کے اہل بیت میں سے صرف آپ کے بھائی محمد ابن الحنفیہ مدینہ میں رہ گئے انھوں نے چلتے چلتے آپ کو مشورہ دیا کہ اس موقع پر آپ کوئی خاص اقدام نہ فرمائیں بلکہ کسی پُر امن اور محفوظ جگہ پر رہکر حالات کا مطالعہ اور انجام کا انتظار فرمائیں اگر کسی وقت تمام لوگ آپ کی بیعت پر رضی ہو جائیں تو آپ خلافت کی ذمہ داری سنبھال لیں ورنہ آپ سارے قصوں سے یکسو رہیں اس سے آپ کے دین میں کوئی نقصان نہیں آئے گا" آپ نے ان کے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور اُس وقت یہی رائے قائم کر کے آپ مکہ کے لیئے روانہ ہو گئے، جو اس وقت تک ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ تھا۔

تاریخی روایات میں ہے کہ جب آپ مدینہ سے رخصت ہوئے تو یہ آیت پڑھی فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ، اور جب مکہ میں داخل ہونے لگے تو یہ آیت تلاوت فرمائی وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ہ آپ کے مکہ میں پہونچ جانے کے بعد کوفہ والوں نے آپ کو دعوتی خطوط لکھنے شروع کیئے اور ایک دو نہیں سیکڑوں کی تعداد میں اعیان کوفہ کے خطوط آئے جن میں آپ سے کوفہ پہونچکر بیعت خلافت لینے کیلئے باصرار درخواستیں کی گئی تھیں، بالآخر کوفہ والوں کے ان پیغاموں نے آپ کو کچھ آمادہ کر دیا تاہم احتیاطاً آپ نے پہلے اپنے چچیرے بھائی مسلم ابن عقیل کو اپنے نائب کی حیثیت سے روانہ فرما دیا اور اُن سے کہدیا کہ وہاں پہونچکر حالات کا جو اندازہ ہو فوراً اس کی اطلاع دینا مسلم ابن عقیل جب کوفہ پہونچے تو وہاں کے لوگوں نے اُن کا بہت پر جوش خیر مقدم کیا اور انھوں نے فضا کو بہت ہموار اور سازگار پایا اور اسی فوری اور سرسری اندازہ کی بنا پر انھوں نے حضرت

حسین رضؓ کو خط لکھا کہ یہاں کی جماعت پوری طرح ہمارے ساتھ ہے اور ہماری حمایت کے جوش سے سرشار ہے میں نے بیعت لینی شروع کردی ہے اتنے ہزار اب تک بیعت کر چکے ہیں آپ فوراً بلا تاخیر تشریف لے آیئے۔ حضرت حسین رضؓ نے اس اطلاع کے ملتے ہی کوفہ کی روانگی کا ارادہ کرلیا ـــــــــــــ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہ بعض مخلصین اہل الرائے نے آپ کے اس اقدام کی سخت مخالفت کی اور بڑے اصرار اور الحاح کے ساتھ آپ سے کہا کہ آپ ہرگز یہ عاجلانہ قدم نہ اٹھائیں، کوفہ والوں کی وہ غداریاں بھی یاد دلائیں جو انھوں نے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت حسن مجتبیٰ کے ساتھ کی تھیں لیکن حضرت حسین اپنی رائے پر قائم رہے۔

یہاں میں یہ بھی عرض کردوں کہ حضرت حسن نے بھی اپنی وفات کے وقت حضرت حسین کو بڑی تاکید کر وصیت فرمائی تھی لا یغرنک سفہاء کوفہ (دیکھو کبھی کوفہ کے کم عقلوں اور ناعاقبت اندیشوں کے بہکاوے میں نہ آجانا) لیکن مشیت الٰہی کہ حضرت حسین رضؓ نے ان تمام چیزوں کے باوجود کوفہ والوں کے اعتماد پہ روانگی کا مصمم قصد فرمالیا اور اپنے اہل بیت اور قریباً ساٹھ ستر رفیقوں کو ساتھ لیکر روانہ ہو گئے۔ ادھر آپ روانہ ہوئے اور ادھر کوفہ کے زمین و آسمان بدل گئے یزید نے اسی زمانہ میں عبیداللہ ابن زیاد جیسے پرانے گھاگ اور سخت پالیسی کے شخص کو وہاں کا با اختیار گورنر مقرر کردیا۔ اس نے پہونچتے ہی وہ سیاسی چالیں چلیں اور اتنی متشددانہ پالیسی اختیار کی کہ کوفہ کی عام پبلک جو کہ حضرت حسین کا کلمہ پڑھ رہی تھی وہ ان کا نام لینا بھی بھول گئی۔ حضرت مسلم جن کے ہاتھ پر ہزاروں نے بیعت کی تھی کوفہ میں بے یار و مددگار رہ گئے اور بالآخر عبیداللہ ابن زیاد نے ان کو گرفتار کرا کے شہید کرادیا۔

حضرت حسین رضؓ ابھی مکہ اور کوفہ کے درمیان ہی میں تھے کہ آپ کو یہ ساری رپورٹ پہونچ گئی اور آپ نے اپنے ارادہ کو فسخ کر کے واپسی کا ارادہ فرمالیا، لیکن حضرت مسلم کے بھائیوں نے کہا کہ ہم تو اب واپس نہیں جائینگے بلکہ کوفہ پہونچکر دشمن سے اپنے بھائی کا انتقام لیں گے یا خود بھی اسی راہ میں ختم ہوجائیں گے، حضرت حسین رضؓ نے جب دیکھا کہ وہ اپنی اس رائے سے ہٹنے والے نہیں ہیں تو پھر خود بھی واپسی کا ارادہ چھوڑ دیا اور کوفہ کی طرف ہی چل پڑے۔

عبیداللہ ابن زیاد کو یہ اطلاع پہونچ چکی تھی اس نے فوج کا ایک دستہ پہلے سے آپ کی طرف روانہ کردیا جس نے گویا راستہ ہی میں آکر آپ کو گھیرے میں لے لیا اور بالآخر آپ اس مقام پر پہونچگئے جو کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہاں آپ ہر طرح دشمن کی فوج سے گھرے ہوئے تھے اور انھوں نے

انتہائی بربریت اور شقاوت سے کام لیکر آپ کے اور آپ کے رفقاء کے لیئے پانی تک بند کر دیا تھا وہاں پہونچکر آپ نے بہت کوشش کی کہ جنگ اور قتال نہ ہو، مخالفین کے نمائندوں کو مختلف طریقوں سے بار بار سمجھایا لیکن وہ کسی طرح باعزت صلح پر تیار نہیں ہوئے، آخر میں آپ نے تین صورتیں پیش کیں اور کہا کہ

یاتو مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں اور یا مجھے خود یزید تک پہونچ جانے دو دو بدو گفتگو کر کے ہم اپنا معاملہ خود طے کر لیں گے اور یہ بھی منظور نہ ہو تو پھر مجھے مسلمانوں کی کسی دور دراز سرحد پر بھیجدو وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہے مجھ پر بھی گزرے گی۔

عمر ابن سعد جو اس وقت مخالف فوج کے گویا کمانڈر تھے اس پر راضی بھی ہو گئے اور انھوں نے بہت کوشش کی کہ ابن زیاد کسی طرح ان میں سے کوئی ایک بات مان لے لیکن وہ کسی طرح اس کیلیئے تیار نہیں ہوا اور اس نے کہا کہ بس تین صورتیں ہیں ـــــ یا وہ یزید کی بیعت کریں۔ یا اپنے آپ کو مع اپنے رفیقوں کے جنگی قیدیوں کی طرح ہمارے حوالہ کر دیں اور انمیں سے کوئی بات منظور نہ ہو تو ان سے جنگ کی جائے اور اس جنگ میں ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ کی جائے ان کو بے دریغ قتل کیا جائے اور ان کی لاشوں کو گھوڑوں سے روند ڈالا جائے۔

ابن زیاد کی اس وحشیانہ ضد نے صلح و مصالحت کے تمام راستے بند کر دیئے، حضرت حسین رضؓ یزید جیسے فاسق و فاجر اور ظالم کی بیعت کو خدا کی معصیت سمجھتے تھے اس لیئے اس پر تیار نہیں ہوئے، علیٰ ہذا اپنے آپ کو ابن زیاد جیسے شریر اور کمینہ کے حوالہ کرنا بھی انھوں نے مناسب نہیں سمجھا، اس لیئے جنگ ناگزیر ہو گئی۔ اگرچہ آپ کے ساتھ صرف ستر بہتر ۷۲ آدمی تھے اور دوسری طرف دشمن کا جرار لشکر تھا جو ہر قسم کے سامان جنگ اور اسلحہ سے مسلح تھا اور اس لیئے جنگ کا نتیجہ معلوم تھا مگر حضرت حسین نے عزیمت ہی پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور دس محرم ۶۱ھ کی صبح کو جبکہ ایک روایت کے مطابق جمعہ کا اور دوسری روایت کے موافق شنبہ کا دن تھا یہ جنگ ہوئی، پہلے حضرت حسین رضؓ کے تمام رفقا یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور سب سے آخر میں خود حضرت حسین رضؓ اس راہ میں قربان ہو گئے ـــ مخالف فوج کے بھی اٹھاسی آدمی کام آئے جیسا کہ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ کبیر میں نقل کیا ہے۔

حضرات! یہ ہے معرکۂ کربلا کا مختصر اور مجمل واقعہ، عام طور پر اس کی جو تفصیلات شہادت ناموں

اور اسی قسم کی عام کتابوں میں لکھی جاتی ہیں وہ اکثر و بیشتر غلط اور بے حد غلط ہیں۔ میں نے جو واقعہ نقل کیا ہے وقت کی تنگی کی وجہ سے اُس میں بہت اختصار و اجمال سے کام لیا ہے لیکن اصل واقعہ قریب قریب اتنا ہی ہے اس واقعہ کے نقل کرنے سے اس وقت میرا مطلب ذکرِ شہادت کی رسم کو پورا کرنا نہ تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ اُس دور کی پوری تاریخ کا خاکہ آپ کے سامنے آجائے اور آپ اندازہ کر سکیں کہ اسلامی تحریک کس طرح فروغ پاتی ہے، پھر فتنے کن راہوں سے اُس میں داخل ہوتے ہیں اور پھر تحریک کس طرح تباہ و برباد ہوتی ہے اور اُس نصب العین کو پھر زندہ کرنے کیلئے کیسی کیسی بڑی قربانیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ سطحی نظر رکھنے والے حضرتِ حسین رضؓ کی اس جنگ پر تعجب کرتے ہیں کہ آخر کس مقصد کیلئے انھوں نے اپنے چند کمزور آدمیوں کے ساتھ دشمن کے عظیم الشان لشکر سے یہ تصادم اختیار کیا؟ انھیں سمجھنا چاہیئے کہ باطل کو باطل اور حق کو حق ظاہر کرنے کے لیئے قربان ہو جانا ہی ایک مستقل مقصد ہے اور حضرت حسین رضؓ اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے اور اُن کی اس جنگ اور قربانی نے لوگوں کے دلوں پر یہ نقش کر دیا کہ کسی باطل نظام میں منسلک ہونا اور اُس کی وفادارانہ اطاعت کرنا روح اسلام کے خلاف ہے۔

حضرات! میں آپکا بہت وقت لے چکا یہ میری آخری تقریر تھی اسلیئے میں نے سوچا کہ ؎

امیر جمع ہیں احباب، درد دل کہہ لے ۔۔۔ پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

میں ذکل کی اور آجکی تقریر میں قرن اوّل کی جو تاریخ بیان کی اسکا مقصد نہ قصہ گوئی اور داستان سرائی نہ تھا بلکہ دراصل اس سے میرا منشا کچھ تو بعض غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا اور ساتھ ہی اسلامی تحریک کے پورے نشیب و فراز کو تاریخ کی روشنی میں آپکے سامنے رکھنا تھا ؎ خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں ۔۔۔ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

واقعات میں بیان کر چکا اب اس بیان کا جو تقاضہ ہے اور اس حدیثِ دیگراں کے پردہ میں جو کچھ میں نے کہا ہے اُسکو آپ خود سمجھنے کی کوشش کیجیئے، اگر وقت ناتنگ نہ ہوتا تو شاید میں اپنے اشارات کی کچھ اور تشریح کر سکتا۔

اب اللہ کیلیئے اس غفلت اور جمود کی زندگی کو چھوڑیئے اور اسلام کے مطالبے پورے کرنے اور اسکی انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کیلیئے کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جایئے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ آپ اسلامی تحریک کے اس انقلابی تخیل کو مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ پھیلائیں اور جو لوگ اسکو قبول کرلیں ہر جگہ انکی ایک جماعت اور ایک نظام بنجائے یہ جماعت کی تنظیم آجکل کی انجمن سازیوں کے طریق پر نہ ہو بلکہ اسلامی امارت کے اصول پر ہو جو لوگ اس جماعت میں منسلک ہوں وہ سب سے پہلے اپنے آپکو سچا مسلمان بنائیں اور اسکے بعد اسی پیغام کو دوسروں کے سامنے پیش کریں

اس وقت بس یہی کام ہے جو حضرات اس طریق پر کسی جگہ کام کریں آئندہ کے پروگرام کے متعلق وہ مجھ سے براہ راست خط و کتابت فرما سکتے ہیں اب میں اپنی گزارش کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں اور آپ سب حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے پورے اطمینان و سکون کے ساتھ میری ان تمام گزارشات کو سُنا۔ کاش میری یہ آواز کانوں سے اُتر کر آپ کے دلوں تک بھی پہونچ گئی ہو۔

حضرات! اب رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے اور رحمت کی وہ گھڑیاں شروع ہو چکی ہیں جن میں دُعائیں خصوصیت سے قبول کی جاتی ہیں اور خدا کی رحمت ہم سے بہت ہی قریب ہو جاتی ہے آؤ! اب دعا پر اس سلسلہ کو ختم کریں۔

آخری دُعا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

خداوندا! ان چند دنوں میں جو کچھ میں نے یہاں کہا اور جو میرے ان بزرگوں اور دوستوں نے میری زبان سے سنا اگر اس میں کوئی بات غلط اور تیری مرضی کے خلاف میری زبان سے نکلی ہو تو اس کو ہمارے ذہنوں سے محو فرما اور اس کی اصلاح کر دے اور جو کچھ میں نے صحیح کہا ہو اور تیری مرضی کے موافق ہو اس پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق دے۔

مقلب القلوب! ہم نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان بنا دے اپنے دین کا صحیح علم دے پھر اس پر عمل کی توفیق عطا فرما ——— ہادیِ مطلق! ہر قسم کی گمراہیوں سے بچا اور صراط مستقیم پر قائم رکھ! زمین و آسمان کے سچے مالک! کفر و شیطنت کا غلبہ ہم پر بہت زمانہ رہ چکا اب اپنی قدرت اور شانِ قہاری سے صورت حال کو بدل دے، سچائی اور نیکی کو غالب کر دے اور اس مقصد کی تکمیل میں ہم گنہگاروں سے بھی عملی خدمت لے!

غفور و رحیم! بیشک ہم بڑے خطاکار اور گنہگار ہیں اور اس لیے ہماری ذلت و مغلوبیت اور نکبت و مقہوریت کے متعلق تیرا فیصلہ یقیناً برحق اور مبنی بر انصاف ہے، لیکن تیری رحمت کا دامن بڑا وسیع ہے، تو ہی اپنی عنایت سے ہمارے اس خراب حال کو بدل، ہمارے ظاہر اور باطن کو بدل، اور پھر ہم سے اپنے کلمہ کی بلندی کیلئے کام لے ——— رحیم و کریم! ایمان دے، اسلام دے، اخلاص دے، ایثار دے، اور سب طرف سے ہٹا کر بس اپنا بندہ اور وفادار سپاہی بنا لے!

قادرِ مطلق! تو نے عرب کے مشرک بدوؤں کو ہدایت دے کر ان کے ہاتھوں سے اپنا دین بلند کرایا، اب ہم کلمہ گویوں اور اسلام کے نام لیواؤں کو ہدایت و توفیق دے کہ پھر اس تاریخ کو دہرا دیں اور پھر تیرے نام کو بلند کر دیں۔

رَبَّنَا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم ٥ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکفرین ٥ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظلمین ونجنا برحمتک من القوم الکفرین ٥ ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین ٥ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا یا مولنا انک انت التواب الرحیم ٥ وصلی اللہ علیہ وسلم علی سیدنا ومولنا محمد عبدہ ورسولہ وعلی الہ واصحابہ اجمعین امین برحمتک یا ارحم الرحمین

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

اور

ہمارا فرض اس وقت کیا ہے!

گوئے توفیق سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمے آید سواراں را چہ شد

(از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدیر ترجمان القرآن لاہور)

دنیا میں اس وقت بڑے زور کے ساتھ توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے۔ یہ ہم نہیں جانتے کہ أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (اہل زمین کو محض ان کے کرتوتوں کی سزا دینے کا ارادہ کیا گیا ہے یا اس توڑ پھوڑ کے بعد کوئی صالح چیز بھی بننے والی ہے) مگر ظاہر آثار سے اتنا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ نوع انسانی کی امامت اب تک جس تہذیب کے علمبرداروں کو حاصل رہی ہے اس کی عمر پوری ہو چکی ہے، ان کے امتحان کا زمانہ خاتمہ پر آ لگا ہے، اور سنت اللہ کے مطابق اب وقت آ گیا ہے کہ ان کو اور انکی اس جاہلی تہذیب کو دنیا کے انتظام سے بے دخل کر دیا جائے۔ انکو زمین پر کام کرنے کا جتنا موقع ملنا تھا، مل چکا۔ وہ اپنے تمام اوصاف، اور اپنی تمام چھپی ہوئی قابلیتوں کا پورا پورا اظہار کر چکے ہیں۔ ان کے اندر شاید اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی ہے جو باہر نہ آ چکی ہو۔ لہذا غالب گمان یہی ہے کہ عنقریب وہ میدان سے ہٹائے جانے والے ہیں، اور یہ زبردست شکست و ریخت اسی لئے ہو رہی ہے کہ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے مراسم تجہیز و تدفین ادا کر دیں اس کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا میں پھر ایک ظلمت کا دور شروع ہو جس طرح آخری اسلامی تحریک کے زوال اور موجودہ جاہلی تہذیب کی پیدائش کے درمیان گزر چکا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی ٹوٹ پھوٹ کے دوران میں کسی نئی تعمیر کی صورت نکل آئے۔

سرمایہ دارانہ جمہوریت، قومی اجتماعیت (نیشنل سوشلزم) اور اشتراکیت (کمیونزم) کی جو طاقتیں اس وقت آپس میں متصادم ہیں، یہ در اصل الگ الگ تہذیبیں نہیں ہیں کہ ان کے درمیان انتخاب اور ان میں سے بہتر کے باقی رہنے کا کوئی سوال ہو حقیقت میں یہ ایک ہی تہذیب کی تین شاخیں ہیں ایک ہی تصورِ انسان، ایک ہی تصورِ کائنات، ایک ہی نظریۂ حیات اور ایک ہی اساسِ اخلاق ہے جس پر ان تینوں کی تعمیر ہوئی ہے۔ انسان کو حیوان سمجھنا، دنیا کو بے خدا فرض کرنا، علوم طبیعی سے انسانی زندگی کا قانون اخذ کرنا، اور اخلاق کی بنا تجربہ و مصلحت پر رکھنا، یہ ان سب کی مشترک بنیاد ہے ان کے درمیان فرق صرف اس حیثیت سے ہے کہ اس جاہلی تہذیب نے سب سے پہلے فرد کی آزادی اور قوموں کی انفرادیت کا بیج بویا تھا جس سے قومی ریاستوں کے ساتھ سرمایہ دارانہ جمہوریت پیدا ہوئی اور مدتہائے دراز تک انسانیت کو تباہ و برباد کرتی رہی، پھر جب اس کے ظلم و ستم سے انسانی مصائب حد کو پہونچ گئے، تو اسی تہذیب نے اشتراکی انقلاب کو بطور علاج پیش کیا، مگر بہت جلدی ظاہر ہو گیا کہ یہ علاج اصل مرض سے بھی زیادہ تباہ کن ہے آخر کار وہی تہذیب پھر ایک دوسری تجویز سامنے لائی جس کا نام فاشزم یا نیشنل سوشلزم ہے اور چند سال کے تجربہ نے ثابت کر دیا کہ اس ام الخبائث کا یہ آخری بچہ فتنہ انگیزی و مردم آزاری میں پہلے دونوں برخورداروں سے بھی بازی لے گیا ہے۔

اب دنیا کیلئے اس تہذیب کو اور زیادہ آزمانے کا کوئی موقع باقی نہیں رہا ہے جو آدمی کو جانور سمجھ کر، اور اس جانور کو بے لگام فرض کر کے اپنا کام شروع کرتی ہے اور اس کے اندر جوع البقر سے کام لیکر بدترین قسم کی درندگی تک ہر وہ بیماری پیدا کر دیتی ہے جو آدمیت کے حق میں نہایت مہلک ہے در حقیقت یہ پوری تہذیب اپنی تمام شاخوں سمیت عمر طبعی کو پہونچ چکی ہے، امتحان کی مدت ختم کر چکی ہے، اس کے پاس اب کوئی اور انچھر ایسا باقی نہیں رہا ہے جس کو یہ انسانی مسائل کے حل کی حیثیت سے پیش کر سکے، اور بالفرض اگر یہ اپنی زندگی کی مہلت بڑھانے کیلئے کسی اور "ازم" کی تخلیق کا بہانہ کرے بھی تو خدا کی مشیت یہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ اسے اپنی زمین کو فساد سے بھرنے کا کوئی اور موقع دے گا۔ بہت ممکن ہے کہ موجودہ تصادم کے بعد اس کی شاخوں میں سے کوئی ایک شاخ باقی رہ جائے، مگر یقیناً اس کا بقاء عارضی ہوگا۔ جلدی ہی وہ شاخ خود چیخ کر اپنے اندر سے آگ جھاڑے گی، اور آپ اپنی آگ ہی سے جل کر خاک ہو جائیگی۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا اس تہذیب کی تباہی کے بعد دنیا میں پھر کوئی ظلمت کا دور آنا ہے یا کوئی نئی تعمیر شروع ہونی ہے، تو اس کا فیصلہ دو چیزوں پر منحصر ہے:

ایک یہ کہ جاہلیت خالصہ کی ناکامی کے بعد کوئی اور ایسا نظریہ انسان کو ملتا ہے یا نہیں جو پچھلے فاسد نظریوں سے بہتر ہو، جس سے انسانی عقل صلاح کی توقعات وابستہ کر سکے اور جس پر ایک جاندار اور طاقتور تہذیب قایم ہو سکتی ہو۔

دوسرے یہ کہ نوع انسانی میں سے کوئی ایسا گروہ اُٹھتا ہے یا نہیں جس کے اندر جہاد اور اجتہاد کی وہ صلاحیتیں اور قوتیں ہوں جو ایک نئے نظریہ پر ایک نئی تہذیب کا قصر تعمیر کرنے کیلئے ضروری ہیں، اور جس کے اخلاق و اوصاف اُن لوگوں سے مختلف ہوں جن کی خباثت و شرارت کا ابھی قریب ہی میں انسان کو تجربہ ہو چکا ہے۔

اگر ایسا کوئی نظریہ بروقت سامنے آ جائے اور اس کو لیکر ایک صالح جماعت اُٹھ کھڑی ہو تو یقیناً نوع انسانی ایک دوسرے دور ظلمت سے بچ سکتی ہے، ورنہ کوئی قوت اس کو اس تاریک گڑھے میں گرنے سے نہیں بچا سکتی۔ یہ صدمۂ عظیم جس سے انسانیت اس وقت دوچار ہے، یہ بھیڑیوں سے بدتر سلوک جو اس وقت آدمی آدمی کے ساتھ کر رہا ہے، یہ بے دردی و سنگدلی جو کبھی دور وحشت میں بھی آدمی سے ظاہر نہیں ہوئی تھی، یہ بے رحمی و قساوت جس کی نظیر درندہ جانور بھی پیش کرنے سے عاجز ہیں، یہ علم و حکمت کے نتائج جو آج جہاں سوز طیاروں اور انسان پاش ٹینکوں کی شکل میں دیکھے جا رہے ہیں، یہ تنظیمی قابلیتوں کے ثمرات جنھوں نے آج غارت گر فوجوں کی صورت اختیار کی ہے، یہ صنعتی ترقی کے پھل جو آلات جنگ کی بھیانک شکل میں نمودار ہو رہے ہیں، یہ وسائل نشر و اشاعت کا کمال جس سے آج دنیا میں جھوٹ پھیلانے اور قوموں میں منافرت کے بیج بونے کا کام لیا جا رہا ہے، یہ سب کچھ انسان کا دل توڑ دینے اور اس کو اپنے آپ سے اور اپنی ساری قابلیتوں اور صلاحیتوں سے مایوس کر دینے کیلئے بالکل کافی ہے، اور اس کا فطری نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ نوع انسانی دل شکستہ و مایوس ہو کر صدیوں کیلئے نیند اور بے ہوشی کی حالت میں مبتلا ہو جائے۔

جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں، انسانیت کو اس دردناک انجام سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ

صرف ایک صالح نظریہ اور ایک صالح جماعت کا برسرکار آنا ہے۔

مگر وہ کونسا نظریہ ہو سکتا ہے جس کے لیے آج کامیابی کا کوئی موقع ہو؟

مشرکانہ جاہلیت جس پر دُنیا کی بہت سی قدیم تہذیبیں قائم ہوئی تھیں، اب اس کے احیار کا کوئی امکان نہیں۔ شرک کی جڑ کٹ چکی ہے۔ جاہل عوام پر چاہے اس کا تسلط ابھی باقی ہو۔ مگر علم و عقل رکھنے والے لوگ اب اس وہم میں مبتلا نہیں ہو سکتے کہ کائنات کے نظام کو بہت سے خدا چلا رہے ہیں، اور انسان کی فلاح و سعادت کا سررشتہ دیوتاؤں یا روحوں سے وابستہ ہے۔ علاوہ بریں یہ حقیقت ہے کہ مشرکانہ نظریہ سے انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ پیچیدگیاں کچھ اور بڑھ جاتی ہیں۔ سب کی بڑی مشکل جس نے اس وقت دُنیا کو پریشان کر رکھا ہے، نوع انسانی میں وحدت کا فقدان ہے مگر شرک اس مشکل کو حل نہیں کرتا، بلکہ وحدت پیدا کرنے کے بجائے مزید تفریق و تقسیم کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا کسی مشرکانہ نظریہ کیلیے آج دُنیا میں برسرِ اقتدار آنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

راہبانہ جاہلیت دُنیا میں کبھی کوئی طاقت نہ تھی نہ بن سکتی ہے۔ کرما اور تناسخ اور اہنسا اور ہمہ اوست کے نظریات، جو روح کو سرد اور ہمتوں کو پست اور قوائے فکریہ کو افیون تخیل کی پینگ میں مست کر دینے والے ہیں، اپنے اندر اتنی جان ہی نہیں رکھتے کہ ان کے بل پر کوئی ایسی تہذیب پیدا ہو سکے جو زمین کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہو اور دُنیا کی امامت و پیشوائی کے منصب جلیل پر فائز ہو سکتی ہو۔ کوئی "سامری" اس تن مُردہ میں روح پھونکنے کی جتنی چاہے کوشش کر دیکھے، یہ نظریات کبھی گیان اور تیاگ اور تپسیات کے مقام سے آگے بڑھ کر ایک صالح تمدن کی تخلیق اور ایک عادل مملکت کی تاسیس اور ایک درخشاں تہذیب کی تعمیر تک نہیں پہونچ سکتے۔ لہٰذا مُردہ اور رو بزوال قومیں تو ان نظریات کے چکر میں پڑی رہ سکتی ہیں مگر کسی زندہ اور اُبھرنے والی قوم کے تخیل کو یہ کبھی اپنی طرف نہیں کھینچ سکیں گے۔

رہی جاہلیت خالصہ تو اس کا اور اس کی پیداوار کا اب دُنیا کو اتنا کافی تجربہ ہو چکا ہے کہ عنقریب وہ اس سے مایوس ہونے والی ہے۔ انسان کا اپنے آپ کو جانور فرض کرنا، جانوروں کی زندگی سے تنازع للبقاء اور انتخاب طبیعی اور بقائے صلح کا قانون اپنے لیے اخذ کرنا، مادّی فوائد اور لذتوں کو مقصودِ حیات ٹھیرانا، تجربات اور مصالح کو اخلاق کا ماخذ قرار دینا، اور کسی فوق الانسانی اقتدارِ اعلےٰ کو تسلیم نہ کرنا جو کچھ نتائج پیدا کر سکتا تھا وہ سب اپنی تمام تلخیوں کے ساتھ سامنے آچکے ہیں۔ ان نظریات کی بدولت

انسان کو جو کچھ ملا ہے وہ قومی اور نسلی تعصبات ہیں، رنگ و نسل کی برتری کے دعوے ہیں، قومی ریاستوں کی معاشی و سیاسی رقابتیں ہیں، قیصریت اور استعمار اور معاشی لوٹ کے فتنے ہیں، افراد سے لیکر بڑی بڑی قوموں اور سلطنتوں تک کا اپنے معاملات میں ہر اخلاقی قید سے آزاد ہو جانا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کا واقعی جانور بن کر کام کرنا اور دوسرے انسانوں کے ساتھ جانوروں کا سا بلکہ بے روح مشینوں کا سا سلوک کرنا ہے۔ یہ نظریات اگر جمہوریت پیدا کرتے ہیں تو ایسی جس میں افراد کو ظلم اور کسب حرام اور فحش اور بے حیائی کی آزادی ملتی ہے۔ اور اگر اشتراکیت یا اجتماعیت پیدا کرتے ہیں تو ایسی جس میں افراد کو بھیڑ بکریوں کے گلے کی طرح ایک ڈکٹیٹر یا ایک چھوٹی سی پارٹی کے حوالہ کر دیا جاتا ہے تاکہ انھیں جس طرح چاہے ہانکے اور اُن کا جو کچھ چاہے بنائے۔ یہ پھل جو ان نظریات سے پیدا ہوئے ہیں، کسی اتفاقی غلطی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس شجر خبیث کی عین فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے یہ پھل پیدا ہوں۔ لہٰذا جس طرح اب تک انسان اس سے کسی قسم کی فلاح نہیں پا سکا ہے اسی طرح آئندہ بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ انسانیت کے اس حیوانی تصور اور کائنات کے اس مادہ پرستانہ نظریے اور اخلاق کی اس تجربی اور مصلحت پرستانہ بنیاد پر کوئی ایسا اجتماعی مسلک پیدا ہو سکے گا جو انسان کے لیے موجب فلاح ہو۔

اب سب نظریات کی ناکامی کے بعد اب دُنیا اگر کسی نظریے سے فلاح کی اُمیدیں وابستہ کر سکتی ہے تو وہ صرف ایک ایسا نظریہ ہی ہو سکتا ہے۔

جو انسان کو انسان قرار دے نہ کہ جانور، جو اپنی ذات کے متعلق انسان کی رائے کو بہتر بنائے، جس کا تصورِ انسانیت مغربی سائنس کے "تصورِ حیوانی"، اور مسیحیت کے "پیدائشی گنہگار" اور ہندوئیت کے "مجبورِ تناسخ" سے بلند تر ہو۔

جو انسان کو مختارِ مطلق اور شترِ بے مہار نہ بنائے بلکہ اسے سلطانِ کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ کا تابع قرار دے اور اس کے آگے ذمہ دار و جواب دہ ٹھیرائے،

جو اخلاق کے ایک ایسے قابلِ عمل ضابطہ کا انسان کو پابند بنائے جس میں اپنی خواہشات کے مطابق ردوبدل کرنے کا حق اس کو نہ ہو۔

جو مادی بنیادوں پر انسانیت کو تقسیم کرنے کے بجائے ایک ایسی اخلاقی و روحانی بنیاد فراہم کرے

جس پر انسانیت متحد ہو سکتی ہو۔

.جو اجتماعی زندگی کیلیے ایسے اصول انسان کو دے جن پر افراد اور جماعتوں اور قوموں کے درمیان صحیح اور متوازن عدل قایم ہو سکے،

.جو زندگی کے نفس پرستانہ مقاصد سے بلند تر مقاصد اور قدر و قیمت کے مادّہ پرستانہ معیاروں سے بہتر معیار انسان کو دے،

اور ان سب خصوصیات کے ساتھ، جو علمی و عقلی اور تمدنی ارتقار میں انسان کی صرف مدد ہی نہ کرے بلکہ صحیح رہنمائی بھی کرے، اور مادی و اخلاقی، ہر دو حیثیتوں سے اُس کو ترقی کی طرف لے جائے۔

ایسا ایک نظریہ دُنیا میں اسلام کے سوا اور کونسا ہے؟ لہٰذا یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ اب انسانیت کا مستقبل اسلام پر منحصر ہے۔ انسان کے اپنے خود ساختہ تمام نظریات ناکام ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کسی کیلیے اب کامیابی کا کوئی موقع نہیں۔ اور انسان میں اب اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ پھر کسی نئے نظریہ کی تصنیف اور اس کی آزمایش پر اپنی قسمت کی بازی لگا سکے اس حالت میں صرف اسلام ہی ایک ایسا نظریہ و مسلک ہے جس سے انسان فلاح کی توقعات وابستہ کر سکتا ہے، جس کیلیے نوع انسانی کا دین بن جانے کا امکان ہے اور جس کی پیروی اختیار کر کے انسان کی تباہی ٹل سکتی ہے۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہو گا کہ دُنیا بس مفتوح ہونے کیلیے تیار بیٹھی ہے، اسلام کی خوبیوں پر ایک وعظ اور اس پر ایمان لانے کیلیے ایک دعوت نامہ شایع ہونے کی دیر ہے، پھر ایشیا، یورپ، افریقہ امریکہ سب مسخر ہوتے چلے جائینگے۔ ایک تہذیب کا سقوط اس طرح اچانک نہیں ہوا کرتا کہ کل تھی اور آج ناپید ہوگئی۔ اور دوسری تہذیب کا قیام بھی اس طرح واقع نہیں ہوتا کہ آج چٹیل میدان ہے اور کل کسی منتر کے زور سے ایک عالیشان قصر بن کھڑا ہو۔ گرنے والی تہذیب کے افکار، اصول، طریقے، مدتہائے دراز تک دلوں اور دماغوں پر، علوم و آداب پر، اور تمدن و معاشرت پر اپنا اثر جمائے رہتے ہیں، اس اثر کا استیصال خود بخود نہیں ہو جاتا، کرنے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح گرنے والی تہذیب کے علمبردار بھی زوال پذیر ہونیکے باوجود سالہا سال تک زمین پر قبضہ جمائے رہتے ہیں۔ وہ خود جگہ چھوڑ کر نہیں ہٹ جاتے، ہٹانے سے ہٹتے ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس نئی تہذیب پر نئی عمارت بنانا بھی کوئی کھیل نہیں ہے کہ آپ سہولت سے بیٹھے بیٹھے

اور وہ خود بن جائے۔ اس کام کیلیے ایک زبردست تنقیدی تخریبی اور تعمیری تحریک کی ضرورت ہے، جو ایکطرف علم و فکر کی طاقت سے پرانی تہذیب کی جڑیں اکھاڑ دے اور دوسری طرف علوم و فنون و آداب کو اپنی مخصوص فکری بنیادوں پر از سر نو مدون کرے حتیٰ کہ ذہنی دنیا پر اس طرح چھا جائے کہ لوگ اسی کے طرز پر سوچنا اور محسوس کرنا شروع کر دیں، ایک طرف ان پرانے سانچوں کو ڈھائے جن پر انسانیت ڈھلا کرتی تھی اور دوسری طرف نئے سانچے تیار کرے جن سے نئے اخلاق اور نئی سیرتوں کے آدمی ڈھلنے لگیں، ایک طرف پرانے نظام تمدن و سیاست کو بزور مٹائے اور دوسری طرف ایک پورا نظام تمدن و سیاست اپنے اصولوں پر عملاً قایم کر دے۔

پس دنیا کو آئندہ دور ظلمت کے خطرے سے بچانے اور اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کیلیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ یہاں ایک صحیح نظریہ موجود ہے۔ صحیح نظریہ کے ساتھ ایک صالح جماعت کی بھی ضرورت ہے اس کیلیے ایسے لوگ درکار ہیں جو اس نظریہ پر سچا ایمان رکھتے ہوں۔ ان کو سب سے پہلے اپنے ایمان کا ثبوت دینا ہوگا اور وہ صرف اسی صورت سے دیا جاسکتا ہے کہ وہ جس اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں اس کے خود مطیع بنیں جس ضابطہ پر ایمان لاتے ہیں اس کے خود پابند ہوں، جس اخلاق کو صحیح کہتے ہیں اس کا خود نمونہ بنیں، جس چیز کو فرض کہتے ہیں اس کا خود التزام کریں، اور جس چیز کو حرام کہتے ہیں اسے خود چھوڑیں۔ اس کے بغیر تو انکی صداقت آپ ہی مشتبہ ہوگی کجا کہ کوئی اس کے آگے سر تسلیم خم کرے۔ پھر ان کو اس فاسد نظام تہذیب و تمدن و سیاست کے خلاف عملاً بغاوت کرنی ہوگی، اس سے اور اس کے پیرووں سے تعلق توڑنا ہوگا، ان تمام فایدوں لذتوں، آسائشوں اور امیدوں کو چھوڑنا ہوگا جو اس نظام سے وابستہ ہوں، اور رفتہ رفتہ ان تمام نقصانات تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا ہوگا جو نظام غالب کے خلاف بغاوت کرنے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ پھر انھیں وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو ایک فاسد نظام کے تسلط کو مٹانے اور ایک صحیح نظام قایم کرنے کیلیے ضروری ہے۔ اس انقلاب کی جدوجہد میں اپنا مال بھی قربان کرنا ہوگا اپنے اوقات عزیز بھی صرف کرنا پڑینگے، اپنے دل و دماغ اور جسم کی ساری قوتوں سے بھی کام لینا پڑے گا، قید اور جلاوطنی اور ضبطی اموال اور تباہی اہل وعیال کے خطرات بھی سہنے ہوں گے اور وقت پڑے تو جانیں بھی دینی پڑینگی۔ ان راہوں سے گزرے بغیر دنیا میں نہ کبھی کوئی انقلاب ہوا ہے نہ اب ہو سکتا ہے۔ ایک صحیح نظریہ کی پشت پر ایسے صادق الایمان لوگوں کی جماعت جبتک نہ ہو، محض نظریہ خواہ وہ کتنا ہی بلند پایہ ہو، کتابوں کے صفحات سے منتقل ہو کر ٹھوس زمین میں کبھی جڑیں نہیں

پھیلا سکتا۔ نظریہ کی کامیابی کیلیے خود اس کے اصولوں کی طاقت جس قدر ضروری ہے اسی قدر اُن انسانوں کی سیرت، اُن کے عمل اور ان کی قربانی و سرفروشی کی طاقت بھی ضروری ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہوں۔ زراعت کے طریقہ کی درستی، بیج کی صلاحیت، موسم کی موافقت سب اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں، مگر زمین اتنی حقیقت پسند ہے کہ جب تک کسان اپنے صبر سے، اپنی محنت سے، اپنے بہتے ہوئے پسینے سے، اور اپنی جفاکشی سے اس پر اپنا حق ثابت نہیں کر دیتا، وہ لہلہاتی ہوئی کھیتی اُگلنے کیلیے تیار نہیں ہوتی۔

اگرچہ خلوص ایمان اور قربانی وجاں نثاری ہر دین کے قیام کیلیے ناگزیر ہے، خواہ وہ دین حق ہو یا دین باطل۔ مگر دینِ حق اُس سے بہت زیادہ اخلاص اور قربانی مانگتا ہے جو دینِ باطل کے قیام کیلیے درکار ہے۔ حق ایک ایسا باریک بین صراف ہے جو ذرا سی کھوٹ کو بھی قبول کرنے کیلیے تیار نہیں ہوتا۔ وہ خالص سونا چاہتا ہے۔ آزمائشوں کی بھٹی میں سے گزر کر جب تک ساری کھوٹ جل نہ جائے اور پورے عیار کا کندن نکل نہ آئے وہ اپنے نام سے اس کو بازار میں لانے کی ذمہ داری لینا پسند نہیں کرتا، کیونکہ وہ حق ہے، باطل نہیں ہے کہ کھوٹے سکے اور ملمع کیے ہوئے زیور بیچتا پھرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن بار بار کہتا ہے:-

مَاكَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

(آل عمران - ۱۸)

اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ایمان لانے والوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم لوگ اس وقت ہو (کہ مومن اور منافق سب خلط ملط ہیں) وہ نہ مانے گا جب تک کھوٹے کو کھرے سے الگ نہ کر دے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔

(عنکبوت - ۱)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہدینے پر کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیے جائیں گے اور انہیں آزمائش کی بھٹی میں تپایا نہ جائیگا؟ حالانکہ ان سے پہلے جو گزرے ہیں یعنی جنھوں نے بھی ایمان لانیکا دعویٰ کیا ہے، وہ ضرور تپائے گئے ہیں۔ ضرور ہے کہ اللہ دیکھے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون ایسے ہیں جنھوں نے سعی جہد

وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۗ (التوبہ ۳)

کا حق ادا کیا اور اللہ اور رسول اور اہلِ ایمان کے سوا کسی سے قلبی تعلق نہ رکھا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (بقرہ۔ ۲۶)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت کا داخلہ تمھیں مل جائیگا حالانکہ ابھی تم پر وہ کیفیت تو گزری ہی نہیں جو تم سے پہلے (ایمان لانیوالوں) پر گزر چکی ہے۔ ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ ہلا مارے گئے حتیٰ کہ رسول اور اسکے ساتھی اہلِ ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (العنکبوت۔ ۱)

اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، مگر جب اللہ کی راہ میں انھیں ستایا گیا تو انسانوں کی ایذا سے ایسے ڈرے جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ حالانکہ اگر تیرے رب کی طرف سے فتح نصیب ہو جائے تو یہی لوگ کہیں گے کہ ہم تمہارے ہی ساتھ تھے کیا اللہ اہلِ دنیا کے دلوں کی حالت سے خوب واقف نہیں ہے؟ مگر ضرورت ہے کہ اللہ یہ دیکھے کہ تم میں سے ایمان دار کون ہے اور منافق کون؟

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔

(بقرہ۔ ۱۹)

ہم ضرور تم کو خطرات اور فاقوں سے اور جان و مال اور کمائیوں کے نقصانات سے آزمائیں گے، اور کامیابی کی بشارت دیدو ان مستقل مزاج لوگوں کو جنھوں نے مصیبت کی آمد پر کہا کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور آخر اسی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ ایسے لوگوں پر انکے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ راہ راست پانے والے ہیں۔

قرآن یہ سب کچھ کہنے کے ساتھ اس حقیقت پر بھی متنبہ کر دیتا ہے کہ

وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ (محمد-۱)

یعنی یہ نہ سمجھنا کہ اللہ اپنے باغیوں کی سرکوبی خود نہیں کرسکتا اسلیے تم سے مدد مانگتا ہے۔ نہیں، وہ اتنی زبردست طاقت رکھتا ہے کہ چاہے تو ایک اشارے میں ان کو تباہ کرکے رکھدے اور اپنے دین کو خود قایم کردے مگر اس نے یہ جہاد اور محنت اور قربانی کا بار تم پر اس لیے ڈالا ہے کہ وہ تم انسانوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں آزمانا چاہتا ہے۔ جب تک باطل پرستوں سے تمہارا تصادم نہ ہو، اور اس تصادم میں مصائب و شدائد و خطرات و مہالک پیش نہ آئیں، سچے اہلِ ایمان جھوٹے مدعیوں سے ممیز نہیں ہوسکتے، اور جب تک ناکارہ لوگوں میں سے کارآمد آدمی چھنٹ کر الگ نہ ہوجائیں وہ جتھا نہیں بن سکتا جو خلافت الٰہیہ کی ذمہ داری سنبھالنے کا اہل ہو۔

لہٰذا آج دنیا کا مستقبل درحقیقت اس امر پر منحصر نہیں ہے کہ کوئی نظریہ حق انسان کو ملتا ہے یا نہیں، کیونکہ نظریہ حق تو موجود ہی، البتہ وہ اگر منحصر ہی تو اس امر پر کہ انسانوں میں سے کوئی ایسا گروہ اٹھتا ہے یا نہیں جو سچے ایماندار، دھن کے پکے اور اپنی ہر عزیز و محبوب چیز کو خدا کی راہ میں قربان کرنے والے لوگوں پر مشتمل ہو۔

ہم سے کہا جاتا ہی کہ ایسے لوگ اب کہاں مل سکتے ہیں، وہ تو بس ایک مبارک دور میں پیدا ہوئے تھے اور پھر خالق نے اس ماڈل کو ہمیشہ کیلیے منسوخ کردیا۔ لیکن یہ محض ایک وہم ہے اور ایسا وہم ان ہی لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے جنھیں خود اپنے آپ سے مایوسی ہے۔ دنیا میں ہر قابلیت اور ہر صلاحیت کے آدمی ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں منافقانہ خصوصیات رکھنے والے اور ضعیف الارادہ لوگ ڈھول ڈھپنڈ اشخاص ہمیشہ پائے گئے ہیں اور آج بھی پائے جاتے ہیں، وہاں ایسے لوگ بھی ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جو کسی چیز پر ایمان لانے کے بعد اس کو سربلند کرنے کیلیے سر دھڑ کی بازی لگا سکتے ہیں آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک دو نہیں ہزاروں انسان ایسے ہیں جو ہٹلر اور جرمنی پر ایمان لائے ہیں اور وہ اپنے اس ایمان کی خاطر ہوائی جہاز سے عین دشمن کے ملک میں جست لگاتے ہیں جہاں ان کو معلوم ہے کہ بے شمار شکاری انکی گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ روس کا انقلاب جو ابھی چوبیس پچیس سال پہلے ہی کی بات ہے۔ اس کی تاریخ آپ دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ ہزارہا آدمی جو انقلابی نظریات پر ایمان رکھتے تھے مسلسل نصف صدی تک ہر قسم کی قربانیاں کرتے رہے، سائبیریا کے جہنم میں بھیجے گئے پھانسی پر چڑھائے گئے، جلاوطنی کی حالت میں برسوں ملک ملک کی خاک چھانتے پھرے، اپنی ذاتی

خوشحالی کی تمام خواہشوں اور تمناؤں کا خون کیا، خانہ بربادی کو خود اپنے ہاتھوں مول لیا، اور یہ سب کچھ اس وقت کیا جبکہ زار کی سلطنت کے مٹنے کا تصور بھی مشکل ہی کیا جا سکتا تھا، دور نہ جائیے، خود ہندوستان ہی کو دیکھ لیجئے۔ یہاں جو نوجوان اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے کہ کشت و خون کے ذریعہ سے وہ اپنے ملک کو آزاد کر سکینگے، انھوں نے اپنے مقصد کے پیچھے اپنی زندگیوں کو برباد کرنے اور خطرات کا مقابلہ کرنے میں کیا کسر اٹھا رکھی ؟ کونسی ممکن التصور مصیبت ایسی تھی جسے انھوں نے برداشت نہ کیا ہو ؟ قید خانوں میں شدید ترین اذیتیں اٹھائیں، حبس دوام میں عمریں گزار دیں پھانسی کے تختہ پر جانیں تک دیدیں۔ اس سے بحث نہیں کہ ان کے نظریات غلط تھے، مگر اس سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ کسی مقصد پر ایمان لا چکنے کے بعد اس کے لیے جان و مال اور شخصی امنگوں کی قربانی گوارا کرنے اور مصیبتیں سہنے کی صفت آج بھی انسانوں میں ناپید نہیں ہے۔ گاندھی جی کی سول نافرمانی ابھی حال ہی کی بات ہے۔ کیا اسی ہندوستان کے باشندوں میں ایسے لوگ موجود نہ تھے جنھوں نے لاٹھیاں کھائیں، جیل گئے اور مالی نقصانات برداشت کیے ؟ کیا باردولی کے کسانوں نے اپنی زمینوں، اپنے جانوروں، اپنے گھر کے برتنوں تک کی قرقی اور نیلام کو صبر کے ساتھ برداشت نہیں کیا ؟ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آج ایثار و قربانی کی وہ صفات انسانوں میں مفقود ہیں جو پہلے لوگوں میں پائی جاتی تھیں۔ اگر ہٹلر اور مارکس اور گاندھی پر ایمان لا کر انسان یہ سب کچھ کر سکتا ہے، تو کیا خدا پر ایمان لا کر کچھ نہیں کر سکتا ؟ اگر خاک وطن میں اتنی کشش ہے کہ اس کے لیے آدمی جان و مال کی قربانی گوارا کر سکتا ہے تو کیا خدا کی رضا اور اس کے تقرب میں اتنی بھی کشش نہیں ہے ؟ پس جو لوگ خود پست ہمت اور ضعیف الارادہ ہیں انھیں یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اس کار عظیم کیلیے جن اولو العزم انسانوں کی ضرورت ہے وہ کہیں مل ہی نہیں سکتے، البتہ اپنی ذات کی حد تک وہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔

مطبوعات جدیدہ

سیرت شہید کربلا ملنے کا پتہ :- مدرسہ معارف القرآن اورنگ آباد ضلع گیا (بہار)

اب سے کوئی دس سال پہلے مصر کے مشہور فاضل علی جلال حسینی کی کتاب "الحسین" دو ضخیم جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی تھی، یہ اسی کا اُردو ترجمہ ہے، اور فن کے لحاظ سے کامیاب ترجمہ کہا جاسکتا ہے، اس کی بھی دو جلدیں ہیں اور خاصی ضخیم ہیں، پہلی جلد ۲۸۰ صفحات پر ختم ہے اور دوسری جلد کے صفحات سوا تین سو سے کچھ زیادہ ہیں، سائز بھی "الفرقان" والا ہے۔ کاغذ عمدہ لگایا گیا ہے کتابت طباعت بھی بہت اچھی ہے قیمت جلد اول ؏ جلد دوم ؏ پہلی جلد میں تمام حالات زندگی، علمی و عملی کمالات، اور فضائل و خصوصیات لکھے گئے ہیں ـــ اور دوسری جلد واقعہ کربلا کی تفصیلات، اس کے اسباب و مبادی اور نتائج و اثرات کے متعلق ہے، طرز تالیف مورخانہ ہے ہر چیز کتب تاریخ و سیر کے حوالہ سے لکھی گئی ہے مصنف نے بلا امتیاز شیعہ اور سنی مصنفین سے روایات لی ہیں، لیکن اپنی رائے اور بصیرت کے مطابق قابل تنقید روایات پر تنقید بھی کرتے گئے ہیں ـــ کہنے کو تو یہ صرف حضرت حسینؓ کی سیرت ہے لیکن جن جن شخصیتوں سے حضرت حسینؓ کے موافقانہ یا مخالفانہ تعلقات رہے یا واسطے پڑے اُن کا بھی کافی تذکرہ اس کتاب میں آگیا ہے۔

اس موضوع پر اُردو میں تو یقیناً یہ پہلی جامع ترین کتاب ہے، اور اسی لئے اہل علم و اصحاب ذوق سے اس کی خریداری کیلئے ہم خصوصی سفارش بھی کر سکتے ہیں۔

البتہ اس موضوع پر ایک منقح اور منقد کتاب کی جو ضرورت ہے وہ اس کے بعد بھی علی حالہ باقی ہے۔ کاش! فاضل مترجم (مولانا محمد ایوب عثمانی) اس ضرورت کو بھی پورا کر دیں۔ ان کیلئے اب یہ کام نسبتاً آسان بھی ہو گیا ہوگا۔

انہار الادب (از مولانا محمد ایوب عثمانی اورنگ آبادی) "ازہار العرب" مولانا محمد صاحب سورتی کا ترتیب دیا ہوا عربی نظم کا مختصر سا مشہور اور مقبول مجموعہ ہے جو بعض مدارس میں داخل نصاب بھی ہے "سیرت شہید کربلا" کے مترجم مولانا محمد ایوب عثمانی اورنگ آبادی نے اس کی شرح لکھی ہے۔ جو متن کے ساتھ چھپی ہے اچھی شرح ہے اور اصل کتاب کے حل کیلئے بالکل کافی ہے اس کے چھوٹے چھوٹے دو حصے ہیں قیمت حصہ اول ۱۰/ حصہ دوم ۱۰/

خدا کی باتیں

تالیف مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمیعتہ العلماء ہند دہلی۔

مولانا ممدوح ترغیب اور ترہیب کی حدیثوں کے الگ الگ دو مجموعے "جنت کی کنجی"، اور "دوزخ کا کھٹکا" کے نام سے اس سے پہلے تالیف فرما چکے ہیں، جو شایع ہو کر مقبول بھی ہو چکے ہیں، اسی قسم کی مولانا کی یہ تیسری تالیف ہے اس میں موصوف نے "احادیث قدسیہ" کو اردو زبان میں جمع کیا ہے۔ عربی میں تو کئی کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں احادیث قدسیہ کے احصار کی کوشش کی گئی ہے لیکن اردو میں یہ کتاب جامع ترین کہی جا سکتی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب کے وقت اس سلسلہ کی عربی کی وہ جامع مولفات مولانا کے پیش نظر ہیں اس لیے اس میں تمام وہ احادیث آگئی ہیں جن کو کسی لحاظ سے بھی علماء نے "احادیث قدسیہ" میں شمار کیا ہے۔ ترجمہ بڑا سلیس اور عام فہم ہے۔ پھر جو احادیث کسی توضیح و تشریح کی محتاج تھیں ان کی حسب ضرورت تشریح بھی کر دی گئی ہے۔ اگر مولانا اس کی تالیف میں استیعاب کے بجائے انتخاب سے کام لیتے تو غالباً زیادہ اچھا ہوتا تجربہ نے بتلا دیا ہے کہ علامہ سیوطی کا غیر تنقیدی طرز جمع و تالیف اپنے اندر بہت سی مضرتیں بھی رکھتا ہے۔

کاغذ عمدہ کتابت طباعت اچھی، ضخامت تین سو صفحات قیمت دو روپے۔

ملنے کا پتہ :- دینی بکڈپو۔ اردو بازار دہلی (مکتبہ الفرقان بریلی سے بھی طلب کی جا سکتی ہے)

اقسام القرآن

از مولانا حمید الدین فراہی مرحوم، ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی۔

مولانا فراہی مرحوم قرآن پاک میں اپنا ایک خاص فکر رکھتے تھے، ممدوح کے لائق ترین شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی ان کے اس سلسلہ کے متعدد رسائل کو اردو کا جامہ پہنا کر شایع کر چکے ہیں، یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں "اقسام قرآن" کے دقیق ترین موضوع پر صولی بحث کی گئی ہے۔ مجھے مولانا موصوف کے جن تفسیری رسائل کے دیکھنے کا موقع ملا ہے اس رسالہ کو میں نے ان سب میں زیادہ مفید پایا۔ اہل علم اور قرآن پاک سے شغف رکھنے والے اس سے ضرور استفادہ کریں۔ چھوٹی تقطیع ۱۰۸ صفحات، کاغذ، کتابت طباعت عمدہ قیمت آٹھ آنے۔ ملنے کا پتہ دائرہ حمیدیہ، سرائے میر ضلع اعظم گڑھ

تفسیر تعلیم القرآن

تفسیر قرآن کا ایک جدید اور مفید سلسلہ ہے جس کو مولانا عبد الرحیم صدر "دار الاشاعت تعلیم القرآن" مرتب فرما رہے ہیں اس کا ایک جزو (کم از کم ۱۶ صفحے پر) ہر جمعہ کو شایع ہوتا ہے، سورۂ فاتحہ کے بعد پارہ عم یتساءلون سے یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس کے پانچ نمبر (۲ تا ۳) موصول ہوئے ہیں۔ جستہ مطالعہ سے ہی میں نے اس کو مفید اور لائق استفادہ پایا، خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کی اس میں خاص رعایت ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ پہلے سورت کا ایک ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک ایک لفظ کا الگ الگ ترجمہ بتلایا جاتا ہے پھر منقولہ آیت کا عام فہم ترجمہ لکھا جاتا ہے اس کے بعد لغات کی تشریح کی جاتی ہے (جس میں اختصار کی گنجائش بلکہ ضرورت ہے) اس کے بعد سلیس زبان میں تفسیر کی جاتی اور مطالب قرآن پر روشنی ڈالی جاتی ہے — اس حصہ کو پر اثر بنانے کی بھی اچھی کوشش کی جاتی ہے لیکن اگر اس میں بھی کچھ اختصار سے کام لیا جائے اور صرف قوی اور راجح قول ہی نقل ہی پر اکتفا کیا جائے تو اُردو داں طبقہ کیلیے زیادہ طمانیت کا موجب ہوگا۔ سال بھر میں اس سلسلہ کی ایک جلد ایک ہزار صفحہ کی پورا کردینے کا وعدہ ہے حیدرآباد کیلیے پورے سال کا چندہ تین روپیہ اور بیرونجات کیلیے چار روپیہ ہے جو صاحب ایک جز منگانا چاہیں وہ صرف ۱؍ کا ٹکٹ بھیجکر طلب کرسکتے ہیں۔

خط کتابت یا آرڈر کیلیے پتہ یہ ہے:- دارالاشاعت تعلیم القرآن قطبی گوڑہ حیدرآباد دکن۔

تعلیم عربی سلسلہ تعلیم القرآن کے مرتب مولنا عبدالرحیم صاحب نے یہ بہت مختصر سا رسالہ اُن لوگوں کے لیے تیار کیا ہے جو قرآن پاک کے درس میں عربی سے ایک گونہ مناسبت پیدا کرکے شریک ہونا چاہیں تاکہ وہ درس سے علی وجہ البصیرت استفادہ کرسکیں اور ان کی حیثیت محض ایک "وعظ" سننے والے کی نہ رہے — مولنا عبدالرحیم صاحب کی یہ کوشش دوسرے حضرات کے لیے ایک اچھا نقش ہے۔ درحقیقت درسِ قرآن" کا صحیح اور مفید تر طریقہ یہی ہے کہ پہلے شرکاء درس عربی زبان سے کچھ مناسبت پیدا کرلیں جو بہت تھوڑی سی محنت سے صرف چند دنوں میں حاصل ہوسکتی ہے اور آئندہ "درس قرآن" خود ہی اُس کی تکمیل کرسکتا ہے رسالہ "تعلیم عربی" اسی مقصد کیلیے لکھا گیا ہے۔ اگر ایک اُردو داں کم ازکم اس کو بھی یاد کرلے جو زیادہ سے زیادہ ایک مہینے میں ہوجائے گا تو اس کو عربی زبان سے فی الجملہ مناسبت پیدا ہوجائے گی اور پھر وہ درس قرآن سے زیادہ مستفید ہوسکے گا — اس رسالہ کی قیمت صرف ۳؍ ہے **ملنے کا پتہ** دارالاشاعت قطبی گوڑہ حیدرآباد دکن

پارہ عم مع ترجمہ و تفسیر و معانی الفاظ **ملنے کا پتہ**: ادارہ دارالاسلام (متصل پٹھانکوٹ پنجاب) ہدیہ ۸؍

یہ پارہ حال ہی میں شایع کیا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ صفحہ کے ایک کالم میں قرآنی آیات اور اس کی بین السطور میں عام فہم سادہ ترجمہ درج ہے۔ اس کے بالمقابل دوسرے کالم میں آیت کا ہر کلمہ علحدہ علحدہ لکھا ہے اور اس کے نیچے اُس کے معنے لکھدیے ہیں تاکہ ناظر یہ سمجھ سکے کہ کس کلمہ کا کیا ترجمہ ہوا — اس کے بعد سادہ الفاظ میں ان آیات کا مطلب لکھدیا جاتا ہے — یہ بھی قرآن پاک کی ایک اچھی خدمت ہے اور کم استعداد لوگ اس کے ذریعہ مطالب قرآن کو بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ اگر پورا قرآن پاک اسی نہج پر تیار ہوجائے اور تفسیر اتنی ہی

سادہ اور مختصر رہے تو یہ چیز عام باترجمہ قرآنوں سے زیادہ مفید تیار ہو جائے گی۔ ابھی صرف پارہ عم ہی تیار ہوا ہے۔ کاغذ عمدہ ہے کتابت طباعت بھی اچھی صاف ہے۔ ہدیہ آٹھ آنے (۸/)

ترتیب نزول قرآن کریم

تالیف پروفیسر محمد اجمل خاں صاحب

قرآن پاک کی نزولی ترتیب کا سراغ لگانا اس کتاب کا اصل موضوع ہے، اس سلسلہ میں اب تک جو تھوڑا بہت کام مسلمان مصنفین یا مستشرقین کر چکے ہیں وہ بھی تلخیص کے ساتھ اس کتاب کا جزو بنا دیا گیا ہے، اور کوئی شک نہیں کہ اس کتاب نے اہل علم کے لیے ایک نئی روشنی مہیا کر دی ہے لیکن جیسا کہ کتاب "الاتقان" میں عکرمہ سے نقل کیا گیا ہے تمام سور قرآنی کی تاریخی ترتیب کی یقینی دریافت "مشکل" کے درجہ سے بھی آگے کی چیز بن گئی ہے اور اس بارہ میں جو کچھ بھی اب کہا جا سکتا ہے وہ زیادہ تر قیاسی و تخمینی ہی ہو سکتا ہے۔ زیر نظر کتاب کا بھی یہی حال ہے۔ البتہ اس نے اس سلسلہ کی پہلی تحقیقات پر اضافہ کیلیے کافی سامان مہیا کر دیا ہے اور اس باب میں غور و فکر کیلیے نئی نئی راہیں کھولی ہیں۔ اور یقیناً مصنف نے اس کیلیے کافی محنت کی ہے ـــــ لیکن اگر وہ اپنی کوشش کو صرف اصل مقصد ہی تک محدود رکھتے، اور "قرآن" اور "اسلام" کے متعلق اپنے بعض خاص افکار (جن کا بیان اصل مقصد کیلیے لازمی بھی نہ تھا) اس میں درج نہ کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ کتاب کے تقریباً سو صفحے ہیں مجلد کی قیمت پانچ روپیہ لکھی ہوئی ہے حالانکہ زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ اس کی قیمت ہونی چاہیے تھی۔ ملنے کا پتہ کتاب گھر سرائے گڑھا الہ آباد

براہین وحی

مرتبہ جناب محمد حسین صاحب عرشی،

امرتسر کی "امت مسلمہ" (جماعت منکرین حدیث) کا ماہوار رسالہ "البیان" کئی سال سے جاری ہے یہ "براہین وحی" اسی کا ایک خاص ضخیم نمبر ہے۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا اب سے ایک سال پہلے نیاز فتح پوری نے قرآن پاک کے کلام خدا ہونیکے خلاف اپنے کچھ وساوس "نگار" میں شایع کیے تھے مختلف علمی حلقوں اور اداروں سے ان عنوانات کے جوابات دیے گئے اس سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب "الفرقان" میں بھی دیا گیا تھا، نیز علامہ سید سلیمان ندوی کی جواب کا ایک حصہ بھی "الفرقان" میں شایع کیا گیا تھا۔ ادارہ البیان کی یہ کوشش قابل تحسین و شکریہ ہے کہ اپنے اس خاص نمبر میں انھوں نے ان تمام جوابات بلکہ اس سلسلہ کی تمام مفید تحریرات کو یکجا شایع کر دیا۔ اب اس میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد اویس ندوی نگرامی

ڈاکٹر ایم۔ ڈی تاثیر، مولانا ثناء اللہ امرتسری، سید مقبول احمد بی۔ اے اور خود عرشی صاحب کے جوابی مضامین اچھی ترتیب کے ساتھ جمع ہیں۔ خود ادارہ البیان کے جواب کی بنیاد ان کے "قرآنی مسلک" پر ہی جیسا کہ ہونا بھی چاہیے۔ آخر میں "خدا اور رسول کا احترام" کے زیر عنوان "نیاز" کے وہ ہفوات جمع کر دیے گئے ہیں جن سے اس مدعی اسلام نا مسلم بلکہ دشمن اسلام کے اصل مسلک و مشرب کا صحیح پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ ضخامت ۸۰ صفحات کاغذ عمدہ کتابت طباعت اچھی قیمت ایک روپیہ ملنے کا پتہ دفتر امت مسلمہ امرتسر

اسلام اور مسیحیت

تالیف مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر "اہلحدیث امرتسر"

اسلام کے خلاف اور مسیحیت کی حمایت میں مشہور عیسائی مبلغ پادری برکت اللہ نے تین کتابیں لکھکر شائع کی تھیں ایک "توضیح البیان فی اصول القرآن" (جس میں موصوف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کے اصول عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے) دوسری "مسیحیت کی عالمگیری" تیسری "دین فطرت اسلام یا مسیحیت" (آخر الذکر دونوں کتابوں کا موضوع نام سے ہی ظاہر ہے)۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی زیر نظر کتاب (اسلام اور مسیحیت) انہی تینوں کتابوں کا یکجائی جواب ہے۔ مولانا موصوف سے حق تعالےٰ نے اس قسم کے بہت سے کام لیے ہیں۔ اور لاریب کہ ان کی "عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں"۔ موصوف کی تحریر و تقریر کا ایک خاص طرز ہے جس میں شوخی ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اب مولانا کی عمر ماشاء اللہ ستر سے متجاوز ہو چکی ہو گی لیکن یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ اب سے تیس چالیس سال پہلے مولانا کا جو رنگ تھا وہ علی حالہٖ قائم ہے شبدیز قلم میں وہی شوخی اور وہی بانکپن ہے زیر نظر کتاب بھی مولانا کے طرز نگارش اور طریقہ مناظرہ کی تمام خصوصیات کی حامل ہے۔ اور مقصد میں پوری طرح کامیاب ہے۔ اور اگرچہ اصلاً اور بالذات یہ پادری برکت اللہ کے مذکورہ صدر تین رسالوں کا جواب ہے لیکن اسلامی تعلیمات کے خلاف غیر مسلموں کی طرف سے جو عام اور مشہور اعتراضات ہوتے رہتے ہیں تقریباً ان سب کا جواب اس کتاب میں موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ مولانا ممدوح کو اس حمایت دین اور دفاع عن الاسلام کی بہتر جزا دے۔ البتہ جستہ جستہ مطالعہ ہی میں ایک جگہ صفحہ ۱۹۱ و ۱۹۲ پر "قتل مرتد" کے متعلق مولانا کی بحث دیکھ کر تعجب ہوا وہ جمہور ائمہ اہلسنت خلفاً عن سلف ہی کے خلاف نہیں بلکہ علمی طور پر بھی غلط ہے۔ مناظر اور متکلم کی مجبوریاں معلوم و مسلم لیکن جواب کا یہ طریقہ سر سید احمد خاں یا منکرین حدیث کیلیے ہی زیبا ہو سکتا ہے۔ اُمید ہے کہ مولانا اس بحث پر نظر ثانی فرمائینگے

اس ایک کمزوری کے باوجود کتاب قابل استفادہ اور لائق قدر ہے۔ ضخامت ۲۲۴ صفحات قیمت عہ

ملنے کا پتہ:۔ دفتر اہلحدیث امرتسر

سائنس اور اسلام

از مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں "انجمن اسلامی تاریخ و تمدن" کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے، جس کے زیر انتظام ہر سال ایک اسلامی ہفتہ یونیورسٹی میں منایا جاتا ہے، اور اس تقریب میں دین سے متعلق مختلف نسبتوں پر طلبہ یونیورسٹی کے سامنے خاص خاص علمائے کرام سے مقالے پڑھوائے جاتے ہیں اور تقریریں کرائی جاتی ہیں، زیر نظر کتاب (سائنس اور اسلام) اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ہمارے محترم مولنا محمد طیب صاحب نے یہ تقریر اگست ۱۹۳۸ء میں یونیورسٹی میں کی تھی جس کو بعد میں کتابی شکل میں مرتب کر کے شایع کیا گیا ہے ــــ موضوع نام ہی سے ظاہر ہے اور خصوصیت اتنی ہی کافی ہے کہ ایک "خالص مولوی" اور دار العلوم دیوبند کے مہتمم کی تقریر ہے جو "مسلم یونیورسٹی" میں "سائنس اور اسلام" کے موضوع پر ہوئی۔ اسلام کا علم تو مولنا کے گھر کی میراث ہی لیکن اس تقریر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ "جدید تحقیقات" پر بھی مولنا کی نظر خوب ہے اور ان "انکشافات" سے صحیح نتایج اخذ کرنے کا (جو کائنات میں تفکر کا اصلی منشا ہے) وہ خاص ملکہ رکھتے ہیں ــــ قریباً ۱۰۰ صفحات ہیں قیمت ۸؍ ملنے کا پتہ:۔ جناب مولوی محامد اللہ صاحب انصاری معتمد نشر و اشاعت انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ایمان

از علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ (مذکورہ بالا پتہ سے طلب کیا جائے۔)

یہ مولنا ممدوح کی وہ تقریر ہے جو موصوف نے ستمبر ۱۹۴۰ء میں مسلم یونیورسٹی کے اسلامی ہفتہ ہی کے سلسلہ میں طلبہ یونیورسٹی کے ایک اجتماع میں فرمائی تھی، اس کو بھی "انجمن اسلامی تاریخ و تمدن" نے غالباً خود مولنا سے قلمبند کرا کے شایع کر دیا ہے اس کا موضوع "ایمان" ہے۔ ایمان کی اہمیت، اس کی حقیقت، اس کے اثرات و نتایج کی ہمہ گیری، اس کے بغیر عمل کا نہ ہو سکنا، پھر صحیح ایمان کی ضرورت، اور اس کی خصوصیات، اس کے اجزا کی حکمت، اور اسلام میں توحید کا بنیاد ایمان ہونا ان تمام پہلوؤں پر بڑے دل آویز اور موثر پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس زمانہ میں خاص طور پر قابل مطالعہ چیز ہی قیمت صرف ۲؍

تمدن اسلام

از مولنا عبد الماجد دریابادی مدیر "صدق" لکھنؤ (مذکورہ بالا پتہ سے ہی طلب کیا جائے۔)

مولنا موصوف نے یہ مقالہ "انجمن اسلامی تاریخ و تمدن" ہی کے اجلاس منعقدہ اگست ۱۹۳۸ء میں پڑھا تھا۔ اس کا پورا عنوان یہ ہے "تمدن اسلام کا پیام بیسویں صدی کی دنیا کے نام" موضوع اس پورے عنوان ہی سے ظاہر ہے، از زبان کی چاشنی، تحریر کی دلآویزی اور شگفتہ ترین پیرایہ بیان کے ساتھ محکم استدلال کے لیے مولنا عبد الماجد صاحب

کا نام نامی ہی کافی ضمانت ہے۔ عرصہ دراز گزرا کہ یہ مقالہ "الفرقان" میں بھی شایع ہوا تھا اور پھر علحدہ "مکتبہ الفرقان" کی طرف سے بھی شایع ہو چکا ہے اب خود "انجمن اسلامی تاریخ و تمدن" کے اہتمام سے مولنا محمد طیب صاحب کی تقریظ کے ساتھ شایع ہوا ہے۔ قیمت ۲ر

فردوس گم گشتہ　از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز

موصوف کا یہ مقالہ بھی "انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علی گڈھ" ہی کے زیر اہتمام فروری ۱۹۴۱ء میں طلبہ یونیورسٹی کے ایک اجتماع میں پڑھا گیا تھا اسمیں موصوف نے اپنے مخصوص انداز میں مسلمانوں کو "اعتصام بکتاب اللہ" کی طرف توجہ دلائی ہے، پرویز صاحب اپنے زمانہ کے مشہور اہل قلم میں سے ہیں، اور ان کے قلم نے بعض بعض بہت اچھی خدمتیں بھی کی ہیں لیکن اب کچھ دنوں سے انکا قلم جادہ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے۔ مگر اس مقالہ میں اُن کا وہ "جدید انداز" کچھ زیادہ نمایاں نظر نہیں آیا۔ البتہ علامہ اقبال مرحوم کے بارہ میں وہ جس غلو اور افراط کے شکار ہیں اس کا اثر اس مقالہ میں بھی بہت نمایاں ہے مرحوم کی خوبیوں سے انکار بڑی ناشکری ہے لیکن ہر شخص کا ایک مقام ہوتا ہے۔ پرویز صاحب نے جس نظر سے اپنا مضمون "شخصیت پرستی" لکھا تھا کاش اُسی نظر سے وہ اپنا بھی جائزہ لیں — بہرحال موصوف کا یہ مقالہ اپنی اصل روح اور پرجوش طرز بیان کے لحاظ سے قابل قدر اور مفید چیز ہے۔ قیمت ۲ر

ملنے کا پتہ وہی — جناب مولنا حامد اللہ صاحب انصاری معتمد نشر و اشاعت انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

ضروری نوٹ

اس اشاعت میں جن کتابوں پر ریویو کیا گیا ہے ان کو بالاستیعاب نہیں دیکھا جا سکا ہے جستہ جستہ دیکھنے کے بعد جو رائے قایم ہوئی ہے وہ پیش کی جارہی ہے، بالاستیعاب مطالعہ کے لیے اگر فرصت کا انتظار کیا جاتا تو غالباً مہینوں بعد کہیں نوبت آتی اور مصنفین و ناشرین کیلیے مزید صبر بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتا

تاریخ و سیرت کی چند قابل دید کتابیں

رحمۃ للعالمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو بیان اور اسلام و قرآن کے خصائص کی توضیح و تشریح میں قاضی محمد سلیمان منصورپوری مرحوم کی بے مثل جاذب قلب اور ایمان افروز تصنیف جو تین ضخیم جلدوں میں ہے قیمت جلد اول دو روپیہ (عہ) جلد دوم چار روپیہ للعہ/ جلد سوم ہے. کامل کی رعایتی قیمت ساڑھے آٹھ روپے ہے

نشر الطیب حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی مشہور تالیف ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود نوری سے وفات شریف بلکہ دخول جنت تک کے احوال مستند روایات سے لکھے گئے ہیں قیمت عہ رعایتی ایک روپیہ دو آنے

النبی الخاتم سیرت نبوی کے موضوع پر حضرت مولانا گیلانی کی وجد آور تصنیف مفصل اشتہار ٹائٹل پر ملاحظہ فرمایئے قیمت مجلد خوشنما ایک روپیہ (عہ) رعایتی ۱۴؍

سیرت خاتم الانبیاء از مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی مختصر ہونے کے باوجود جامع، معتبر اور مستند سیرت ہے علماء نے اس کو بہت پسند کیا ہے بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہو چکی ہے قیمت ۱۰؍ رعایتی ۸؍

رسول کریم سیرت نبوی کے موضوع پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی بلند اور فاضلانہ تصنیف ہے جو دور حاضرہ کی ضروریات اور جدید علمی مذاق کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے بہت سے تعلیمی اداروں میں داخل نصاب ہو چکی ہے قیمت عہ رعایتی ۱۴؍

پہلی تقریر سیرت از مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند سیرت نبوی کی روشنی میں مسائل حاضرہ پر تبصرہ جس سے معلوم ہوگا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی حیات انسانی کے تمام شعبوں میں کس طرح رہبر کامل کا کام دیتی ہے قیمت ایک روپیہ رعایتی ۱۴؍

دوسری تقریر سیرت یہ مولانا ممدوح کی دوسری تقریر ہے جو پہلی سے بھی زیادہ جامع اور دلچسپ ہے قیمت عہ رعایتی عہ

پاک زندگی یہ بھی مولانا ممدوح ہی کی تصنیف ہے جس میں حضرت ابراہیم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگیوں کو خاص انداز میں پیش کیا گیا ہے قیمت ۴؍ رعایتی ۳؍

حکایات صحابہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور کی مقبول ترین اور قابل دید کتاب ہے جس کا مفصل تعارف بارہا کرایا جا چکا ہے قیمت ۱۲؍ رعایتی ۱۰؍

بیان الامراء علامہ سیوطی کی مشہور کتاب تاریخ الخلفاء کا اردو ترجمہ قیمت ع رعایتی عہ

مناقب الخلفاء خلفاء راشدین کے فضائل و حالات قیمت ۴؍ رعایتی ۳؍

تاریخ الاسلام اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی عزیز اولاد دیانت، صداقت اور قوت عمل وغیرہ وغیرہ جملہ اخلاق حسنہ میں تعلیمات اسلام کے سچے پیرو ہوں تو آپ ضرور بالضرور تاریخ اسلام کے حصے ان کو پڑھائیے پہلے حصہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی بیان کی گئی ہے دوسرے حصہ میں مدنی زندگی اور تیسرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک، اخلاق فاضلہ، روزانہ کے پروگرام، معاشرتی و اقتصادی زندگی، مجلس مقدسہ کے آداب وغیرہ وغیرہ نہایت سلیس زبان میں پوری احتیاط کے ساتھ مستند طور پر سوال و جواب کی شکل میں ترتیب دیئے گئے ہیں قیمت حصہ اول ۸؍ رعایتی حصہ دوم بارہ آنے ۱۲؍ رعایتی ۱۰؍ حصہ سوم ۸؍ رعایتی ۶؍

پیغمبر اسلام تاریخ اسلام سے پہلے بچوں کو یہ رسالہ پڑھانا چاہیے خاص اسی واسطے لکھا گیا ہے قیمت ۳؍ رعایتی (۲؍)

رسول مقبول بچوں کے خاص ذوق اور ان کی دلچسپی و حد برداشت کا پورا لحاظ رکھ کر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے اس قابل ہے کہ ہر مدرسہ میں داخل نصاب کی جائے جابجا مولانا حالی اور حفیظ جالندھری جیسے بلند پایہ شعراء کا منظوم کلام بھی اس میں درج کر کے ذکر نبوی کی حلاوت اور دلچسپی کو بڑھا دیا گیا ہے لڑکے اور لڑکیاں اس کتاب کو شوق سے پڑھتے ہیں قیمت ۸؍ رعایتی چھ آنے (۶؍)

فردوس آسیہ صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل، خلفاء راشدین، ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ زہرا و حضرات حسنین کی سوانح حیات و مناقب واعظانہ رنگ میں اچھی کتاب ہے جابجا اشعار کی چاشنی بھی ہے قیمت عہ رعایتی عہ

امت محمدیہ کا پہلا مجذوب یعنی حضرت ابوذر غفاری کی تاریخ ولادت و سیرت از مولانا سید مناظر احسن گیلانی. کتاب کیا ہے اللہ و رسول کے سرگشتہ عاشق کی جیتی جاگتی تصویر ہے، ناپسندیدگی کی صورت میں بعد مطالعہ واپسی کی شرط ہے قیمت ایک روپیہ رعایتی بارہ آنے (۱۲؍)

سلمان فارسی کا اسلام مختصر قابل دید رسالہ ہے قیمت ۲؍ رعایتی ۱؍

نیک بیبیاں اس میں حضرت حلیمہ سعدیہ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مختصر اور سبق آموز حالات لکھے گئے ہیں کوئی مسلمان بچی اس کے مطالعہ سے خالی نہ رہنی چاہیے قیمت پانچ آنے ۵؍ رعایتی ۴؍

حیات خضر حضرت خضر علیہ السلام کی معتبر سوانح عمری قیمت پانچ آنے رعایتی ۴؍

مولوی معنوی یعنی مولانا رومی کی سوانح حیات قیمت ۵؍ رعایتی ۴؍

سوانح مجدد الف ثانی از علامہ احسان اللہ عباسی مرحوم قیمت دو روپے (عہ) رعایتی پونے دو روپے (۱۴؍ عہ)

حضرات اکابر علماء دیوبند کی تصنیفات

ان کتابوں کا تعارف ناظرین سے بارہا کرایا جا چکا ہے

تصانیف حضرت مولٰنا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیوبند

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
تقریر دلپذیر طبع جدید	۱۲ر	۱۰ر
حجۃ الاسلام	۸ر	۶ر
انتصار الاسلام	۶ر	۵ر
آب حیات	۱۴ر	۱۲ر
قبلہ نما	۸ر	۷ر
مباحثہ شاہجہانپور	۴ر	۶ر
گفتگوئے مذہبی	۳ر	۲ر
الدلیل المحکم	۲ر	۱ر
توثیق الکلام	۱ر	[illegible]
الحق الصریح	۱ر	[illegible]
تحذیر الناس	۳ر	۲ر
تحفہ لحمیہ	۱ر	[illegible]
تصفیۃ العقائد	۳ر	۰۲ر
جمال قاسمی	۱ر	[illegible]
فیوض قاسمی	۰۲ر	۳ر
لطائف قاسمی	۲ر	[illegible]
قصائد قاسمی	۳ر	۰۲ر
سوانح قاسمی	۳ر	۰۲ر
اسرار الطہارۃ	۳ر	۲ر

تصانیف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
ضیاء القلوب فارسی	۵ر	[illegible]
״ ترجمہ اردو	۶ر	۵ر
غذائے روح	۵ر	۴ر
مثنوی تحفۃ العشاق	۲ر	[illegible]
جہاد اکبر	۰۱ر	۱ر
گلزار معرفت	۲ر	[illegible]
ارشاد مرشد فیصلہ ہفت مسئلہ	۲ر	۰۱ر
کلیات امدادیہ	۱۲ر	۱۰ر

تصانیف حضرت مولٰنا میاں اصغر حسین صاحب مدظلہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
جہاد اسلامی ۳ر ۰۲ر، مفید الوارثین	۰۱ر	[illegible]
دست غیب ۲ر، خواب خیریں	۲ر	۰۱ر
چہل حدیث ۳ر، تحفہ عوام	[illegible]	۱ر
الجواب المتین باخبار سید المرسلین	۵ر	۴ر
حیات شیخ محمود حسن معنی خیری	۵ر	۴ر
العالم (زبنگ بی بیان)	۵ر	۴ر
سیرت المسلمین	۳ر	۰۲ر
نصیحۃ الوارثین	[illegible]	[illegible]

تصانیف شیخ الحدیث مولٰنا زکریا صاحب مدظلہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
الاعتدال فی مراتب الرجال یعنی اسلامی سیاست، خصوصاً اکابر علماء دیوبند میں جو غلط فہمیاں آجکل کی سیاسی وجہ سے پھیل رہی ہیں اور جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں انکے انسداد کیلئے یہ کتاب لکھی گئی ہر شخص کے ملاحظہ کتاب ہر شخص کے دیکھنے کے لائق ہو قیمت	[illegible]	۱۲ر
حکایات صحابہ	۱۲ر	۹ر
رسالہ تبلیغ	۰۲ر	۲ر
چہل حدیث فضائل قرآن	۶ر	۵ر
فضائل نماز	۶ر	۵ر
فضائل رمضان	۶ر	۵ر
فضائل ذکر	[illegible]	۱۲ر

تصانیف حکیم الامت حضرت تھانوی مدظلہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
تفسیر بیان القرآن کامل جلد	[illegible]	[illegible]
مسائل السلوک کامل	[illegible]	[illegible]
حیات المسلمین مکمل مدلل	۱۲ر	۹ر
اکسیر فی اثبات التقدیر	۱۲ر	۹ر
تکمیل تعلیم الدین	۹ر	۶ر
شوق وطن	۴ر	۳ر
آداب معاشرت	۰۳ر	۲ر
صفائی معاملات	۰۲ر	۲ر
حق السماع	۰۲ر	[illegible]
جزاء الاعمال	۰۲ر	۲ر
زاد السعید	۰۳ر	[illegible]
الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد	۰۳ر	۳ر
القول البدیع	۰۲ر	۲ر
القول الصواب	۰۲ر	۰۱ر
سبق الغایات	۹ر	۷ر
خطبات الاحکام	[illegible]	۱۴ر
احکام التجلی	۳ر	۰۲ر
اصلاح الرسوم	۶ر	۵ر
قصد السبیل	۲ر	۱ر
فروع الایمان	۴ر	۳ر
حقوق الاسلام	۱ر	[illegible]
آئینہ ترتیب	۶ر	۵ر
جمال القرآن محشی	۳ر	[illegible]
آداب التبلیغ	۰۳ر	[illegible]
تبلیغ دین طبع جدید عمدہ	۱۴ر	۱۱ر
الانتباہات المفیدہ	۹ر	[illegible]
حقوق العلم	۵ر	۴ر
اشرف الجواب	[illegible]	[illegible]

تصانیف مولٰنا محمد شفیع صاحب

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
سیرت خاتم الانبیاء	۱۰ر	۸ر
آداب المساجد	۳ر	[illegible]
آداب النبی	۴ر	[illegible]
آداب الاخبار	۱ر	[illegible]
آداب السفر	۰۱ر	۱ر
آداب الشیخ والمرید	[illegible]	۰۱ر
مساوات اسلامی کی حقیقت	۳ر	۳ر
بعض التفضیل لمسئلۃ التفضیل	۳ر	[illegible]
التصویر لاحکام التصویر	۱۲ر	۱۰ر

مختلف بزرگوں کی متفرق تصانیف

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
اشاعت اسلام حصہ اول	[illegible]	[illegible]
ایضاح الادلہ کامل	[illegible]	[illegible]
اسیر مالٹا	۱۰ر	۸ر
براہین قاطعہ	[illegible]	[illegible]
افادات حسینیہ	۳ر	[illegible]
سلاسل طیبہ	۳ر	[illegible]
التشبہ فی الاسلام حصہ دوم	۱۲ر	۹ر

تصانیف حضرت مولٰنا رشید احمد صاحب گنگوہی

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
فتاویٰ رشیدیہ کامل	[illegible]	[illegible]
کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟	۳ر	[illegible]
سبیل الرشاد	۳ر	[illegible]
ردالطغیان فی اوقاف القرآن	۱ر	[illegible]
اوثق العری	۰۱ر	[illegible]
قطوف دانیہ	۰۱ر	[illegible]
فتویٰ احتیاط الظہر	۱ر	[illegible]
الرای النجیح فی عدد رکعات التراویح	۱ر	[illegible]
ہدایۃ المعتدی	۳ر	۰۲ر

اشرف السوانح ہر سہ جلد کامل

یعنی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی سوانح عمری حضرت کی ولادت باسعادت سے ۱۳۵۴ھ تک کامل ۷۴ سال کے حالات و فیوض و برکات و تکمیل و ارشاد کا مرقع جس کا مطالعہ ہوا ایک مرشد کامل کا کام دینے والا ہو ہر ایک مسلمان کیلئے قابل دید ہو قیمت جلد اول [illegible] رعایتی [illegible] جلد دوم [illegible] رعایتی [illegible] جلد سوم [illegible] رعایتی [illegible] تینوں جلدوں کی رعایتی قیمت صرف سوا پانچ روپیہ

حضرت تھانوی مدظلہ کے سواء غلط اور دیگر حضرات کا بھی جو وہ کتابیں جو عدم گنجائش کی وجہ سے یہاں درج نہیں کی جا سکیں طلب فرما سکتے ہیں
ان کو جمع کرنے کا ہمارے یہاں پورا اہتمام ہے۔

المعلن: ناظم مکتبہ الفرقان بریلی یو پی

ملنے کا پتہ مکتبہ الفرقان بریلی۔ یو پی

ردِ شرک وبدعت کی کتابیں

تقویت الایمان کامل از حضرت مولنٰا اسمٰعیل شہید قیمت مجلد تین آنہ رعایتی

ایضاح الحق الصریح بدعات مروجہ متعلقہ تجہیز و تکفین و رسوم مروجہ بعد الموت کی تردید میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ کی عدیم النظیر فاضلانہ کتاب جو عرصہ دراز سے نایاب تھی. اصل زبان فارسی ہے اب اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی گئی ہے قیمت ۱۲ رعایتی ۱۰

مسائل اربعین محشی (فارسی) بدعات اور رسوم مروجہ کی تردید و تقبیح میں حضرت شاہ اسحٰق صاحب کا یہ ایک قابل قدر رسالہ ہے اس میں ۴۰ مباحث ہیں ہر مسئلہ کا ثبوت قرآن وحدیث اور کتب معتبرہ فقہ سے دیا گیا ہے قیمت ۴ رعایتی ۳

رفاہ المسلمین ترجمہ اُردو مسائل اربعین قیمت ۸ رعایتی قیمت ساڑھے چھ آنے ۶

تنشیط الاذان اذان خطبہ کے اندرون مسجد مشروع ہونے کے ثبوت میں حضرت مولنٰا خلیل احمد صاحب کا لاجواب رسالہ جو کمیاب ہے قیمت ۲ رعایتی ۱۰

دلیل الخیرات تجہیز و تکفین و ایصال ثواب کی بدعات کا رد ۔ از حضرت مفتی کفایت اللہ قیمت ۱۰ رعایتی ۹

التصدیقات بریلوی خرافات کے رد میں حضرت مولنٰا خلیل احمد صاحب کا قابل دید رسالہ ہے. علماء دیوبند کے عقائد حقہ کا مدلل بیان اور علماء حرمین شریفین و علماء مصر و شام کی تائیدات قیمت ۶ رعایتی پانچ آنے ۵

الشہاب الثاقب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے رد میں حضرت مولنٰا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث کا بہترین اور لاجواب رسالہ ہے قیمت ۸ رعایتی ۶

مائتہ مسائل شہزادگان تیموریہ نے اپنے زمانہ کے علماء میں اختلاف دیکھ کر حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں سو سوال پیش کئے اور اصرار کیا کہ ان کا مفصل جواب کتب معتبرہ سے لکھا جائے چنانچہ انہی کے جواب میں شاہ صاحب موصوف نے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی تھی اس میں اختلافی مسائل بالخصوص مروجہ رسوم و بدعات پر نہایت سیر حاصل و فیصلہ کن مباحث ہیں مضامین کی صحت اور بلند پایگی کیلئے حضرت مصنف کا نام نامی ہی کافی ضمانت ہے قیمت ۶ رعایتی ۵

امداد السائل یہ مائتہ مسائل کا اُردو ترجمہ ہے جس میں حسب موقع مباحث کی توضیح و تشریح بھی کردی گئی ہے قیمت بارہ آنے (۱۲)

براہین قاطعہ میلاد، عرس، فاتحہ مروجہ تیجہ، دسواں وغیرہ بدعات مروجہ کی تردید میں حضرت مولنٰا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مبسوط کتاب ہے، جس میں اہل بدعت کے تمام شبہات کے تفصیلی جوابات بھی دیئے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ۱۸ رعایتی ۱۴

طریقہ مولد: میلاد کا صحیح طریقہ اس میں بتلایا گیا ہے قیمت ۱

النفائس المرغوبہ دعاء ثانیہ کے بدعت و منکر ہونے کا ثبوت از حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قیمت ۸ رعایتی ۶

فتاوی میلاد شریف اس میں مروجہ میلاد کے متعلق اکابر علماء ہندوستان کے مدلل و مستند فتاوی درج ہیں قیمت ۲ رعایتی ۱

حفظ الایمان مع بسط البنان وتغییر العنوان حضرت حکیم الامت مولنٰا تھانوی مدظلہ کی مشہور ترین کتاب ہے قیمت ۱ رعایتی ۱

تحریری مناظرہ: شرک و بدعت کی رد میں مختصر و بہت مفید رسالہ قیمت رعایتی ۱

مولنٰا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب کے مناظرانہ رسائل

تزکیۃ الخواطر خانصاحب بریلوی کے جعلی تکفیری فتوی حسام الحرمین اور ان کی مایۂ ناز کتاب تمہید ایمان پر لاجواب تنقید کرکے ان کی دجل و فریبیوں کا پردہ چاک کردیا گیا ہے قیمت ۴ ۳

الطامۃ الکبری فی الحقیقت بریلوی پارٹی کیلئے یہ رسالہ قیامت کبری ہے قیمت ۱

اشدی التسعۃ والتسعین مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی کا ترکی بہ ترکی جواب دیا گیا ہے اور ان کے کفر کے فتووں کو انہی کی منطق سے انہی پر لوٹا دیا گیا ہے قیمت ۲ رعایتی ۱

السہیل علی الجعیل قیمت رعایتی ۱

بس المہاد لمن اخلف المیعاد رعایتی ۱

بریلوی کا نادان دوست قیمت رعایتی

اسکات المعتدی ابن شیر خدا کی مناظرانہ قابلیت کا شاہکار اس میں تقریباً ڈیڑھ سو مناظرانہ سوالات کئے گئے ہیں ضرور ملاحظہ فرمایئے قیمت ۴ رعایتی ۳

انتصاف البری خانصاحب بریلوی کو مناظرہ کا پیغام اور مباحث کی تنقیح قیمت ۱ رعایتی ۱

توضیح البیان فی حفظ الایمان حفظ الایمان کی عبارت کی توضیح تین قابل دید فاضلانہ کتب ہیں جن میں خانصاحب بریلوی کی الزام ثابت کرکے دکھا دیا گیا ہے آج تک لاجواب ہیں قیمت ۲ رعایتی ۱

الکوکب الیمانی علی اولاد الزوانی قیمت ۲ رعایتی ۱

نئے مجدد کا نیا ایمان قیمت ۱ رعایتی ۱

سلسلۂ ردّ بدعت و اہل بدعت میں مکتبہ الفرقان کی اپنی مطبوعات

شرک و توحید — ازافادات حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ یہ حضرت شاہ صاحب کے ایک بے نظیر عربی مقالہ کا ترجمہ ہے۔ قیمت ۱۰ر رعایتی ۸ر

اسلامی توحید — توحید و شرک کے بیان میں بے مثال یہ رسالہ ہے قبر پرستی وغیرہ کا نہایت موثر رد صرف قرآن سے کیا گیا ہے۔ قیمت ۲ر رعایتی ۲ر قسم دوم ۲ر رعایتی ۱۰ر

ہماری گیارھویں — توحید و سنت کی حمایت اور شرک و بدعت کی مذمت میں غوث اعظمؒ کے گیارہ مضمون انکی کتابوں سے اس میں جمع کیے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر رعایتی ۱۰ر

حضرت مجدد الف ثانی اور زمانہ حال کے اہل بدعت — اس میں اہل بدعت کے گمراہانہ عقائد کا رد صرف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارشادات سے کیا گیا ہے۔ قیمت ۴ر رعایتی ۳ر

مشائخ چشتیہ اور سماع مزامیر — قیمت ۲ر

حاضر ناظر — عقیدہ حاضر ناظر کے رد میں حضرت مدیر الفرقان کا مختصر مگر قابل دید مقالہ قیمت ۲ر

اعلان المنظرقی اذان القبر — بعض مقامات پر میت کے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کی بدعت رائج ہوگئی ہے اس کے رد میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب کا قابل دید رسالہ ہے جس میں علاوہ اس خاص مسئلہ کے بدعت کے متعلق نہایت محققانہ عام اصولی بحث بھی کی گئی ہے جس سے تمام مروجہ بدعات کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے اور حامیان بدعت کی تمام اعلیٰ فریبیوں کا پردہ چاک ہوجاتا ہے۔ قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

بوارق الغیب حصہ اول — اہل بدعت کو خانہ ساز عقیدہ علم غیب کلی در علم جمیع ما کان وما یکون کی تردید میں یہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی مدیر الفرقان بریلی کی معرکۃ الآرا کتاب ہے جس میں چالیس صاف صریح قرآنی آیات اور دو سو ساٹھ احادیث نبویہ و ائمہ سلف کے ارشادات سے عقیدہ علم غیب کا بطلان ثابت کیا گیا ہے صرف اس حصہ میں حدیث و تفسیر وغیرہ کتب معتبرہ دینیہ کے تین سو ساٹھ حوالے ہیں پوری کیفیت آپ صرف مطالعہ ہی سے معلوم کرسکیں گے ضخامت ۴۰۰ صفحات ٹائٹل رنگین دبیز کاغذ قسم اعلیٰ سفید گلیز قیمت ۸ر رعایتی ۸ر قسم دوم کاغذ ۱۲ر

مروجہ مجالس نبوی اور محافل میلاد پر تبصرہ — یہ ایک محققانہ مقالہ ہے جو ایک میلادی مولوی صاحب کے میلادی مضمون کے جواب میں لکھا گیا ہے باوجود اختصار کے مدلل دیدنی اور فیصلہ کن ہے قیمت ۱۰ر رعایتی ۸ر

تیجہ — تیجے دسویں وغیرہ رسوم مروجہ عبدالموت کو بدعت و ناجائز ثابت کرنے کے ثبوت میں مدیر الفرقان کا رسالہ جس میں فقہ حنفی کی کتب معتبرہ کے علاوہ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اقوال سے بھی ثبوت دیا گیا ہے قابل دید ہے قیمت ۲ر رعایتی

مسئلہ حیات النبی کی حقیقت — قیمت ۲ر

خاکسار تحریک مذہب و سیاست کی روشنی میں

اگر آپ خاکسار تحریک پر متین و سنجیدہ تنقید اور منصفانہ تبصرہ دیکھنا اور اس تحریک کے مذہبی نتائج اور سیاسی انجام معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اڈیٹر الفرقان بریلی کی یہ کتاب ملاحظہ فرمائیں جو بڑی کتابی سائز کے ۱۲۰ صفحات پر ہے، اس تحریک کے متعلق ایسی محققانہ اور بصیرت افروز کتاب اب تک نہیں لکھی گئی ہے ۔ اس کتاب نے خاکسار تحریک کے جن خاص مذہبی و سیاسی پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے ان تک بہت کم نظروں کی رسائی ہوسکتی ہے قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۰ر ختم ہوگئی تھی لیکن اب دوبارہ چند نسخے ملنگائے گئے ہیں۔

خاکسار تحریک ہمیں کیوں قابل قبول نہیں؟ — خاکسار تحریک کے متعلق مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی ایک بصیرت افروز تقریر ہے قیمت ۱ر رعایتی ۔ سو نسخے خریدنے کی صورت میں تین روپیہ فی سیکڑہ۔

شارع حقیقی — اہل بدعت کی گمراہانہ عقیدوں میں ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریع یعنی شریعت مقرر کرنے میں مختار مطلق تھے جس چیز کو چاہتے اپنی طرف سے حرام کرسکتے تھے جس کو چاہتے حلال کرسکتے تھے جس پر چاہتے کوئی چیز فرض کردیتے اور جس سے چاہتے کوئی فرض ساقط کرسکتے تھے اس خیال باطل کے رد میں یہ ایک محققانہ رسالہ ہے جس میں اہل بدعت کی تمام ان چیزوں کا نہایت شافی جواب دیا گیا ہے جو وہ اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں۔ قیمت ۱ر رعایتی

احکام النذر لاولیاء اللہ — اس رسالہ میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں نذر لغیر اللہ کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں اور اس مسئلہ میں بعض بدعت نواز مصنفین ذہنی کج بحثیوں سے جو پیچیدگیاں پیدا کی تھیں ان سب کو سلجھا کے مسئلہ کو بالکل صاف کردیا ہے نیز آیت کریمہ "وما اہل بہ لغیر اللہ" کی صحیح تفسیر مدلل طور پر کرکے مبتدعین کی تمام بیجا موشگافیوں پر پانی پھیر دیا گیا ہے۔ قیمت قسم اول ۴ر رعایتی ۳ر قسم دوم ۳ر رعایتی ۲ر۔ قیمت ۲ر رعایتی ۱۰ر

تاریخ میلاد — اس کتاب میں مروجہ مجلس میلاد اور قیام کی مکمل تاریخ اور مفصل سرگزشت لکھی گئی ہے کہ ان کو کب اور کیوں اور کس نے ایجاد کیا یہ لوگ کس مذہب کے تھے ہر زمانہ کے علماء نے اس کے متعلق کیا خیالات ظاہر کیے۔ اپنے موضوع میں بے نظیر اور قابل دید کتاب ہے۔ قریب الختم ہے اور طبع ثانی کی امید بھی نہیں ہے ۱۵۰ صفحات قیمت ۱۰ر دس آنے (قریب الختم ہے بس چند نسخے باقی ہیں)

ملنے کا پتہ:- مکتبہ الفرقان بریلی۔ یو۔پی

مسئلہ علم غیب پر معرکہ خیز اور فیصلہ کن مناظرہ

یہ سلانوالی (پنجاب) کے اسی معرکۃ الآرا مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو حضرت مدیر الفرقان اور بریلوی پارٹی کے نقیب اعظم مولوی حشمت علی صاحب کے مابین مسئلہ غیب پر ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ میں ہوا تھا اس موضوع پر اتنا مکمل مناظرہ نہ اس سے پہلے کہیں ہوا اور نہ غالباً آئندہ ہو۔ اس مناظرہ نے فنی و تحقیقی حیثیت سے بحث کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا اہل بدعت کے تمام دلائل کے جوابات اور اہل سنت کے بےشمار لاجواب دلائل آپ اس میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں یہ پورا مناظرہ مجلس مناظرہ ہی میں ایک خوشنویس اور مختصر نویس کی خاص کوشش سے قلمبند کر لیا گیا تھا، آپ کو اس کے مطالعہ میں مناظرہ ہی کا لطف آئے گا۔ قیمت قسم اول ۸ر رعایتی ۶ر قسم دوم ۶ر رعایتی ۵ر

فتح بریلی کا دلکش نظارہ

یہ مرکز بدعت بریلی کے اس معرکہ خیز مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو محرم ۱۳۵۴ھ میں رضاخانیوں کے مدرسہ جامعہ رضویہ میں ہوا تھا، بانی مناظرہ نے جو بریلی ہی کے باشندے تھے اہل سنت کے حق میں زبردست فیصلہ دیا ہے وہ بھی آخر میں درج ہے ضخامت مع ضمیمہ ۳۰۰ صفحات قیمت قسم اول آٹھ آنے ۸ر رعایتی ۶ر قسم دوم ۶ر رعایتی ۵ر

تحریری مناظرہ

اس میں آپ کو اہل بدعت کے اکثر مشہور اختلافی مسئلوں پر مکمل بحث ملے گی قیمت رعایتی ۸ر

کوائف بمبئی

ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں مولوی حشمت علی وغیرہ رضاخانی مولویوں کی نفاق انگیز شورش اور مسلمانان بمبئی کی بہ اصرار استدعا پر مناظرہ کے لئے حضرت مدیر الفرقان کا سفر بمبئی اور اس کے کوائف و حالات قیمت ۲ر رعایتی ۱۰ر

جہنم کی بشارت

قبلہ گاہ بریلی کی طرف سے ایک رسالہ بنام موت کا پیغام، شائع ہوا تھا یہ اسکا سکت اور دنداں شکن جواب ہے یہ بحث بھی نہایت تفصیل اور تحقیق سے آگئی ہے کہ جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنے فتوے اور اپنے اصول سے خود کافر ٹھہرتے ہیں بالکل لاجواب ہے۔ قیمت تین آنے رعایتی قیمت ۲ر

ہدایت ربانی برائے فرقہ رضاخانی

یعنی "روئداد مناظرہ گیا،" یہ اس عظیم الشان تحریری و تقریری مناظرہ کی روئداد ہے جو حسام الحرمین کی تکفیری بحث پر ۱۳۵۵ھ ہجری میں مدیر الفرقان اور رضاخانیوں کے نقیب اعظم مولوی حشمت علی صاحب کے مابین صوبہ بہار کے مشہور شہر گیا میں تین دن متواتر ہوا تھا عجیب و غریب تحقیقات پر حاوی ہے ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت آٹھ آنے رعایتی ۶ر

مکتبہ الفرقان کی بعض خاص اصلاحی کتابیں

نماز اور خطبہ کی زبان

نماز اور خطبہ کے عربی زبان ہی میں ہونے کی عقلی و نقلی وجوہات اور اس کی سیاسی حکمتیں اس رسالہ میں بیان کی گئی ہیں نئی روشنی کے حضرات بھی اس سے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں قیمت ۲ر رعایتی ۱ر

داڑھی اور فطرت

یہ مقالہ درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چند افادات کی تشریح ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کیلئے داڑھی مختار فطرت ہے قیمت صرف ۳ر رعایتی ۲ر

تمدن اسلام کا پیغام بیسویں صدی کی دنیا کے نام

یہ مولانا عبد الماجد دریابادی بی۔ اے اڈیٹر صدق کا مقالہ ہے جو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلام کے روبرو پڑھا گیا تھا قیمت ۱ر رعایتی ایک آنہ ۱ر

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق

یہ رسالہ ایک بالغ النظر گرہجویٹ کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے۔ اختصار کے باوجود اشتراکیت کی حقیقت اور اس کے نتائج سے واقف ہونے کے لیئے بالکل کافی ہے۔ قیمت کثرت اشاعت کے لیئے صرف ایک آنہ (۱ر) رکھی گئی ہے۔

اسلام کا نظریہ سیاسی

اسلام کے سیاسی نظام پر متکلم اسلام مولنا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا وہ بصیرت افروز مقالہ ہے جس میں اسلامی سیاست کے بنیادی اصول کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کیئے گئے ہیں قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

رضاخانیت پر کاری ضرب

یعنی رسالہ "مقامع الحدید" اس رسالہ میں تحریک رضاخانیت کی تاریخ اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رضاخانیوں کے ان تیس۳۰ اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے۔ جو اکابر علمار دیوبند پر کیئے جاتے ہیں نیز رضاخانی مذہب کا نہایت دلچسپ فوٹو رضاخانی لٹریچر سے پیش کیا گیا ہے۔ یقین ہے کہ آپ نے اس موضوع پر ایسی پر لطف کتاب ملاحظہ نہ فرمائی ہوگی۔ ضخامت سو صفحات کاغذ اعلیٰ۔ قیمت چھ آنے ۶ر رعایتی پانچ آنے ۵ر

وہابی کی پہچان

بڑی دلچسپ و پر لطف کتاب ہے عرصہ سے نایاب ہو گئی تھی ابھی ابھی چھپوائی گئی ہے ضرور منگائیے اور خوب ہنسئیے اور سبق حاصل کیجئے۔ قیمت ۱ر رعایتی ۳پائی

الکوکب الیمانی

اس کا روشن ثبوت کہ خان صاحب بریلوی کے فتوے سے ان کے کسی معتقد کا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ قیمت دو آنے (۲ر) رعایتی ڈیڑھ آنہ ۱ر

نئے مجدد کا نیا ایمان

دلچسپ اور قابل دید ہے قیمت ۱ر رعایتی ایک آنہ ۱ر

ملنے کا پتہ:- مکتبہ الفرقان بریلی۔ یو۔پی

چند اہم سیاسی کتابیں

سیاسیات عامہ

بین الاقوامی سیاسی معلومات اس کتاب میں بین الاقوامی سیاسیات میں استعمال ہونیوالے تمام الفاظ اور اصطلاحات قوموں کے درمیان سیاسی معاہدات، بین الاقوامی شخصیتوں اور تمام ممالک کی اقوام کے تاریخی، سیاسی اور جغرافیائی حالات کو نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے بین الاقوامی سیاسیات کو سمجھ لینا نہایت آسان ہو جاتا ہے قیمت مجلد صرف ایک روپیہ بارہ آنے (عہ۱۲)

سوشلزم کی بنیادی حقیقت اشتراکیت کی بنیادی حقیقت اور اس کی اہم قسموں سے متعلق جرمنی کے مشہور پروفیسر کارل ڈیل کی آٹھ تقریروں کا ترجمہ جنھیں جرمن زبان سے پہلی بار براہ راست اردو زبان میں منتقل کیا گیا ہے قیمت مجلد تین روپے۔ غیر مجلد ڈھائی روپے (عگ)

شہنشاہیت اس کتاب میں فرانس، جرمن، اٹلی، برطانیہ، روس جاپان اور امریکہ کی شہنشاہیت پرست حکومتوں کی سیاسیات بر تاریخ و واقعات کے پیش نظر بہترین تنقید کی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام کس طرح اور کن فریب کاریوں سے آج دنیا کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہے اور ہندوستان پر اس کے اثرات کیا ہیں نیز یہ کتاب موجودہ جنگ یورپ کے صحیح اسباب و علل پر روشنی ڈالتی ہے قیمت مجلد صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ عہ

حکومت خود اختیاری (مصنفہ مولوی سید طفیل احمد صاحب علیگ مصنف مسلمانوں کا روشن مستقبل)

اسمیں ہندوستان کے تمام سیاسی مسائل پر بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انگریزی تسلط سے گزشتہ دو سو سال میں ہندوستان کو کس قدر نقصان پہونچا ہے، یہاں سے کتنی کثیر دولت یورپ کو گئی اور جا رہی ہے سیاسیات ہند کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بیحد ضروری ہے، آخری اڈیشن مع اضافات جدیدہ ۲۵۰ صفحات قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

صنعت و تجارت کی بربادی

(مرتبہ سید طفیل احمد بی اے۔ علیگ)

یہ درحقیقت حکومت خود اختیاری ہی کا ایک خاص اور اہم باب ہے جو ایک مستقل مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ علیحدہ شایع کیا گیا ہے۔ قیمت ۲ر

مسلمانوں کی سیاسیات

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش (از جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

مولانا ممدوح نے پچھلے تین سال میں مسلمانان ہند کے سیاسی مسائل پر جو مسلسل بصیرت افروز مضامین لکھے ہیں جنھوں نے برسوں کی بلکہ صدیوں کی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر کے اسلامی سیاست کا صحیح نقشہ مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا ہے وہ تمام مضامین تین حصوں میں مرتب ہو کر شایع ہو چکے ہیں ہمارے نزدیک ہر مسلمان کیلئے ان کا مطالعہ ضروری ہے

حصہ اول ۸ر حصہ دوم عہ۲ حصہ سوم عہ

اسلام کا نظریہ سیاسی

ایضاً، از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی قیمت دو آنے ۲ر

اسلامی حکومت کس طرح قایم ہوتی ہے؟

یہ مولانا مودودی کا وہ معرکۃ الآرا مقالہ ہے جو موصوف نے ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بزم "تاریخ و تمدن اسلامی" کی ایک خاص مجلس میں پڑھا تھا قیمت ۳ر

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق یہ رسالہ ایک گریجویٹ کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے اختصار کے باوجود اشتراکیت اور اس کے نتائج سے واقفیت کیلئے کافی ہے قیمت صرف ایک آنہ ار

مسلمانوں کا روشن مستقبل

(مصنفہ مولوی سید طفیل احمد صاحب بی اے علیگ)

یہ کتاب اپنی غیر معمولی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے تعارف سے بے نیاز ہے اس کا مطالعہ ہر اس شخص کیلئے ضروری ہے جو ہندوستان کی سیاسی صورت حال کو بصیرت کے ساتھ سمجھنا چاہتا ہے یہ آخری اڈیشن ہے جس میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے سوا چھ سو صفحات قیمت مجلد ڈھائی روپیہ (عگ)

مسلمانوں کے افلاس کا علاج

(از سید محمد احمد صاحب کاظمی ایڈوکیٹ سہارنپور)

اس میں مسلمانوں کے افلاس کے اسباب اور ان کے ازالہ کی تدابیر پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ قیمت چار آنے ۴ر

ملنے کا پتہ۔ مکتبہ الفرقان بریلی

Regd. No. A. 353

پرنٹر و پبلشر (مولوی) محمد منظور نعمانی نے بریلی الیکٹرک پریس بریلی میں چھپواکر دفتر الفرقان بریلی سے شائع کیا